تقابل ادیان - ادیانِ عالم کا انسائیکلوپیڈیا

تقابلِ ادیان

مذاہبِ عالم اور تصورِ خدا

یہودیت اور تصورِ خدا

سکھ مذہب اور تصورِ خدا

اسلام اور تصورِ معبودیتِ واحد

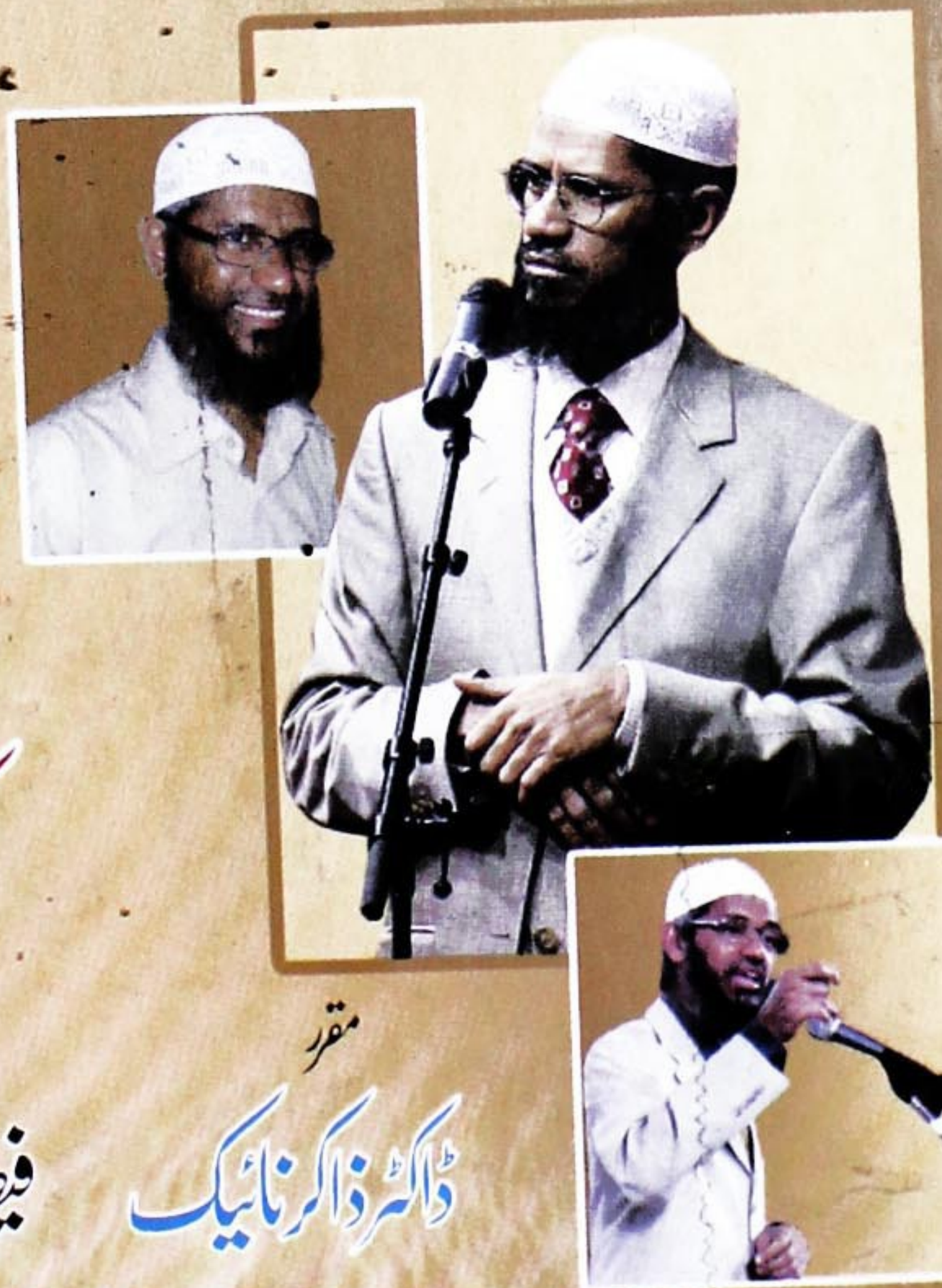

مقرر
ڈاکٹر ذاکر نائیک

مترجم
فیضان محمد

ترتیب و تحقیق
زین العابدین

اسلام بکڈپو لاہور

Marfat.com

Marfat.com

تقابل ادیان - ادیانِ عالم کا انسائیکلوپیڈیا

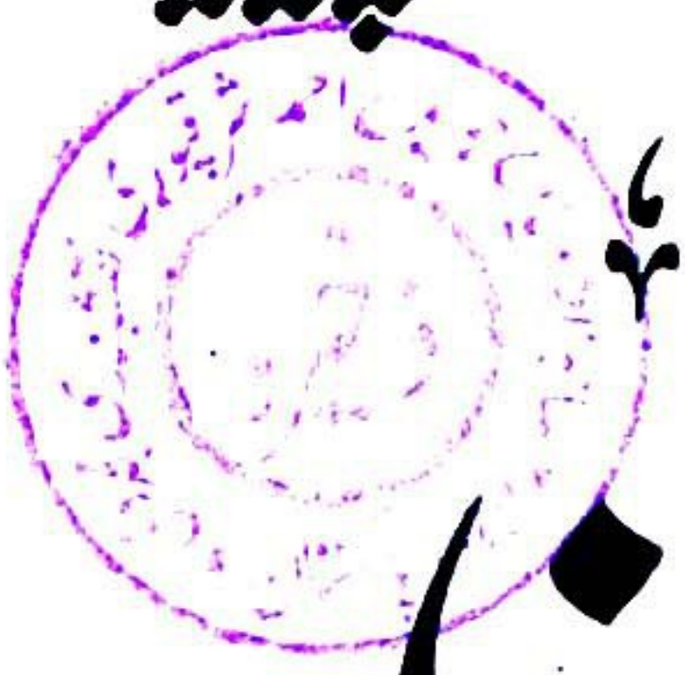

تقابلِ ادیان

از

ہندومت	جین مت	بدھ دھرم	کنفیوشس مذہب
زرتشت ازم	یہودیت	عیسائیت	اسلام
مذاہبِ عالم اور تصورِ خدا	یہودیت اور تصورِ خدا	سکھ مذہب اور تصورِ خدا	پارسی مذہب اور تصورِ معبود
ویدیانتی مذہب اور تصورِ معبود	عیسائیت اور تصورِ معبود	اسلام اور تصورِ معبودیت و واحد	

مقرر — [redacted] — مترجم — ترتیب و تحقیق

ڈاکٹر ذاکر نائیک — فیضان محمد — زین العابدین

اسلامک پبلیکیشنز ۱۲ گنج بخش روڈ لاہور

فون 042-7112941, 042-8458688, 0321-4101951

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

84993

نام کتاب ——— تقابلِ ادیان

مقرر ——— ڈاکٹر ذاکر نائیک

مترجم ——— فیضان محمد

پروف ریڈنگ ——— محمد عابد عمران انجم مدنی

سرورق ——— اے ایف ایس ایڈورٹائزرز لاہور
0345-4653373

کمپوزنگ ——— علی گرافکس

ناشر ——— چوہدری غلام رسول
میاں جواد رسول

پرنٹرز ——— زاہد بشیر پرنٹرز

قیمت ——— [redacted] روپے

ملت پبلی کیشنز فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111
E-mail: millat_publication@yahoo.com

پروگریسو بکس یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 7352795-7124354

ملنے کے پتے

مسلم بک ڈپو ۱۲ گنج بخش روڈ لاہور
فون 042-7112741, 042-8458688, 0321-4101951

Marfat.com

انتساب

مشہور اسلامی سکالر عالم تقابل ادیان

احمد دیدات

کے نام

جنہوں نے اپنی عمر کے آخری دنوں میں ڈاکٹر ذاکر نائیک
سے ملاقات کی اور ان کی اسلامی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا:

''میرے بیٹے! جو کچھ تو نے 4 سال میں حاصل کر لیا
مجھے اسے حاصل کرنے میں 40 سال لگے۔''

فیضان محمد
زین العابدین

☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

- انتساب 3
- تعارف ڈاکٹر ذاکر نائیک 11
- ابتدائیہ 22

باب نمبر 1:

دین اور مذہب کی ضرورت واہمیت

- دین اور مذہب کی ضرورت واہمیت 25

باب نمبر 2:

تقابل ادیان کی اہمیت اور مسلمانوں کے کارنامے

- تقابلِ ادیان اور مسلمانوں کی خدمات 47

باب نمبر 3:

مذاہبِ عالم کی تقسیم اور مذہب کا آغاز

- تقسیمِ مذاہب عالم 56
- مذہب کے بارے میں دو نظریئے 61

باب نمبر 4:

ہندومت

- ہندوازم 68
- تاریخی جائزہ 75

Marfat.com

- ہندوازم کی مقدس دینی کتب 81
- مشہور دیوتا 85
- ویدوں کی تعلیمات 88
- برہمنا اور اپنشد 91
- ویدوں کا تنقیدی جائزہ 96
- عقیدۂ تناسخ 104
- ہندومت میں نجات کی راہیں 107
- ہندومت کے مشہور فلسفے 113
- ہندومت اور گائے 123
- تری مورتی 128
- مہابھارت 137
- بھگوت گیتا 140
- رامائن 144
- اہم ہندو تہوار 146
- ہندوازم پر اسلامی عقائد کا اثر 151
- جدید ہندو تحریکیں 179
- ہندومت اور اسلام کا موازنہ 191

باب نمبر 5:

جین مت

- جین مت 202
- مہاویر سوامی کے حالات 203
- بنیادی اصول 205
- عقائد و نظریات 207
- تعلیمات 209

Marfat.com

- اطوار وعادات 211
- جین مت کی کتب 212
- تنقیدی وتحقیقی جائزہ 213

باب نمبر 6:

بدھ مت

- تعارف 216
- بدھ مہاراج کے حالاتِ زندگی 219
- بدھ مت کی اشاعت 225
- بدھ مذہب کے مشہور فرقے 229
- بدھ مت کا مقدس دینی ادب 233
- بنیادی تعلیمات اور نظریات 235
- بدھ مت کی مقبولیت کے اسباب 240
- بدھ مت کے زوال کے اسباب 243
- حکیمانہ اقوال 245
- بدھ مت اور اسلام کا موازنہ 247

باب نمبر 7:

کنفیوشس مذہب

- ابتدائی تعارف 256
- حکیم کنفیوشس 258
- کنفیوشس کی تعلیمات پر مبنی کتب 261
- حکیمانہ اقوال 265
- تعلیمات 268
- پانچ بڑے رابطے 271

Marfat.com

- کنفیوشس ازم مذہب تاریخ کے آئینے میں 276
- اسلام اور کنفیوشس کا موازنہ 279

باب نمبر8:

زرتشت ازم

- تاریخ وتعارف 282
- حیات زرتشت 285
- اخلاقی تعلیمات 290
- مذہبی عقائد 291
- مقدس مذہبی کتب 292
- مذہب زرتشت کے واضح اصول 295
- مذہب زرتشت کا انجام 300
- اسلام اور زرتشتی مذہب کا موازنہ 305

باب نمبر9:

یہودیت

- حیات ابراہیم علیہ السلام 310
- یہودیت 326
- یہودی عقائد 329
- تاریخی اور مذہبی حالات 331
- حضرت موسیٰ علیہ السلام 340
- یہود کا تاریخی ارتقاء 348
- یہود کا مقدس دینی ادب 362
- مقدس کتب کا تنقیدی جائزہ 367
- بائبل اور انبیاء کرام پر اخلاقی الزامات 374

Marfat.com

- احکامِ عشرہ یا معاشرتی تعلیمات 376
- تحریک صیہونیت 381
- یہودیت اور اسلام کا موازنہ 389

باب نمبر 10:

عیسائیت

- حضرت عیسیٰ علیہ السلام 403
- حیات اور تعلیمات قرآن اور بائبل کی روشنی میں 403
- تعلیمات مسیح 419
- جدید عیسائیت کی تعلیمات 426
- کفارہ کا عقیدہ 431
- حواری 441
- مسیحیت کا مقدس دینی ادب 448
- جمع وتدوین بائبل کا تنقیدی جائزہ 453
- عیسائیت قرون وسطیٰ میں 459
- عیسائیوں کی فرقہ بندی 470
- مسیحی رسمیں اور تہوار 475
- عیسائیت اور اسلام کا موازنہ 478

باب نمبر: 11

اسلام

- مقدس دینی کتاب قرآنِ حکیم 502
- اسلامی تعلیمات کا اجمالی جائزہ 528
- اسوۂ رسول ﷺ 567
- بانیان مذاہب میں حضور ﷺ کا امتیازی مرتبہ 571

Marfat.com

❀ عصر حاضر میں اسلام ایک غالب قوت 587

مذاہبِ عالم میں تصورِ خدا

❀ مقدمہ: مذاہب عالم اور تصور خدا 614
❀ باب نمبر 1: یہودیت اور تصورِ خدا 617
❀ باب نمبر 2: عیسائیت اور تصورِ معبود 619
❀ باب نمبر 3: پارسی مذہب اور تصورِ معبود 623
❀ باب نمبر 4: ویدانتی مذہب اور تصورِ مبعود 625
❀ باب نمبر 5: سکھ مذہب اور تصورِ الٰہ 632
❀ باب نمبر 6: اسلام اور تصورِ معبودِ واحد 634

☆☆☆

Marfat.com

تعارف ذاکٹر ذاکر نائیک

ایک ایسا شخص جس کی عمر ابھی صرف 38 سال ہے، جس کے علمی کریڈٹ پر نصف درج سے زائد انتہائی وقیع کتابوں کی فہرست ہے، جس نے دنیا بھر کے اہل علم کو دنگ کر رکھا ہے، وہ لمبا تڑنگا ہے لیکن بانس کی طرح مضبوط اور قدر آور۔ اسے مشت استخوان تو نہیں کہا جا سکتا لیکن اس کے جسم پر مشکل ہی سے گوشت نظر آتا ہے۔ وہ مغربی لباس میں ملبوس نظر آتا ہے لیکن جسم کی نزاکت کی وجہ سے یہ لباس جسم کے ساتھ چپکا ہوا محسوس نہیں ہوتا بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے سارا لباس ہاتھی کے کانوں کی طرح جھل جھل کر رہا ہے ..... جب وہ گفتگو کرتا ہے تو لاتعداد سننے والوں پر جادو کا سا اثر کرتا ہے۔ صحیح معنوں میں سننے والے مبہوت ہو جاتے ہیں۔ وہ بلا کا مقرر ہے۔ اس کا خطبہ اور تقریر کسی کاغذ کے پرزے، ہاتھ سے لکھے گئے اشارات کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ بامقصد بولتا اور بلا تکان بولتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کمپیوٹر میں فیڈ کیا گیا ڈیٹا ''آن'' ہونے پر بیش بہا معلومات کا دریا بہتا چلا جا رہا ہے۔

کوٹ، پتلون اور نکٹائی میں ملبوس یہ حیرت انگیز شخص عالم اسلام ہی میں نہیں، عالم مغرب اور شمالی امریکہ کے ممالک میں بھی اسلام کی حقانیت، اور قرآن کی عظمت اور خاتم النبیین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی صداقت اور حقانیت کے پرچم لہرا رہا ہے۔ وہ نہ صرف اسلام کا مبلغ اور عالم ہے بلکہ اناجیل اور ہندوؤں کی ساری مذہبی کتابوں کا علم بھی اس کے دماغ اور سینے میں محفوظ ہے۔ اسی حوالے سے اسے اکیسویں صدی کے ابتدائی حصے کے ایسے بے مثل اور بے مثال مفکر اور عالم کے مشابہہ قرار دیا جاتا رہا ہے۔ جسے ''تقابل ادیان'' پر سند کا درجہ حاصل ہے لیکن وہ متعصب اور متشدد نہیں ہے۔ اپنی بات، اپنی فکر اور اپنا نظریہ سامعین پر تھوپنا اور بزور قوت مسلط کرنا نہیں چاہتا ہے اور نہ ہی اس پر اصرار کرتا ہے۔ وہ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنے والے اللہ تعالیٰ کے آخری دین کی دلکش اور

Marfat.com

غیر متبدل باتیں اور پیغام لوگوں کے سامنے رکھ دیتا ہے، خواہ وہ کسی بھی دین کے ماننے والے ہوں، اور پھر اصرار نہیں کرتا بلکہ ماننے اور نہ ماننے، تسلیم کرنے یا انکار کرنے کا فیصلہ انھی پر چھوڑ دیتا ہے۔ کم لوگ ہوں گے جو اس کی منطق اور دلیل کے سامنے سرکشی اور ''میں نہ مانوں'' کا اظہار کرتے ہوں۔ اس کے اسی حسنِ اظہار اور اسی دلکش اسلوب بیان کی وجہ سے دنیا کے بیشتر ترقی یافتہ ممالک کی طرف سے اسے لیکچرز کے لیے بلایا جاتا ہے۔ وہ جاتا ہے اور دھڑلے سے، پوری توانائیوں سے سامعین کے سامنے اللہ کے آخری دین کی تبلیغ کر دیتا ہے۔

گذشتہ چھ برسوں کے دوران وہ اب تک امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، کویت، قطر، بحرین، جنوبی افریقہ، ماریشس، آسٹریلیا، ملائیشیا، سنگاپور، ہانگ کانگ، تھائی لینڈ اور جنوبی امریکہ کے متعدد ممالک میں چھ سو (600) سے زائد لیکچرز دے چکا ہے اور اس دوران بھارت کے طول و عرض میں اس نے جو لیکچرز دیئے، ان کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔

اس شاندار، پرشکوہ اور باوقار شخص کا نام ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک ہے جو آج کل ٹی وی کے توسط سے ساری دنیا میں اپنے سننے اور چاہنے والوں میں ڈاکٹر ذاکر نائیک کے نام سے معروف اور مشہور ہے۔ گہرے سانولے رنگ کے ذاکر نائیک مسیحی علماء کی تحریروں، ان کے اسلام پر اعتراضات (بلکہ حملوں) چاروں انجیلوں کا گہرا مطالعہ کرنے اور ہندوؤں کی اہم مقدس کتابوں (رامائن اور گیتا) کو نہایت عرق ریزی سے پڑھنے کے بعد میدان میں اترے ہیں۔ وہ کسی کو چیلنج نہیں کرتے لیکن جب انھیں کسی طرف سے چیلنج اور للکار کا سامنا کرنا پڑے تو وہ اسے دینی اور مذہبی فریضہ سمجھ کر اس کا جواب دینا ضروری خیال کرتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک چیلنج انھیں 2000ء میں امریکہ سے ملا۔ چیلنج کرنے والے کا نام ڈاکٹر ولیم کیمپبل تھا جنھیں امریکہ اور شمالی امریکہ میں علمائے مسیحیت کا شہ دماغ خیال کیا جاتا ہے۔ چیلنج میں کہا گیا تھا کہ اس امر کا جائزہ لیا جائے کہ قرآن مجید نے زیادہ واضح انداز اور زیادہ تعداد میں سائنسی علوم اور حقائق کو متعارف کروایا ہے یا بائبل نے۔ ڈاکٹر ذاکر نائک نے یہ چیلنج قبول کیا اور امریکہ روانہ ہو گئے۔ قرآن و انجیل کے موضوع پر یہ مباحثہ امریکہ کے مشہور شہر، شکاگو سٹی میں ہوا، اس کا عنوان تھا:

The Quran and the Bible in the light of Science

Marfat.com

یکم اپریل 2000ء کو یہ مباحثہ ہوا۔ جس میں ڈاکٹر ذاکر نائک نے اپنے حریف ڈاکٹر ولیم کیمپبل کو شکست دی۔ اس فتح کے بعد جب ''شکاگو کرانیکل'' کے ایک رپورٹر نے ان سے کہا!

''مسٹر نائیک! مباحثے میں اپنا پلا بھاری ہونے کے بعد آپ کے احساسات کیا ہیں؟''

تو ڈاکٹر نائیک نے اپنی مخصوص مسکراہٹ سے کہا!

''یہ میری فتح نہیں، اللہ اور قرآن کی فتح ہے یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح ہے۔ جن کے سینۂ اطہر پر یہ قرآنِ مبین اترا۔ میں ہرگز فاتح نہیں اور نہ میں کسی شخص اور کسی مذہب کو شکست دینے اور رسوا کرنے کے لیے یہاں آیا ہوں۔''

یہ انکسار ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک کی شخصیت کا ایک جزو ناگزیر ہے..... لیکن شکاگو سٹی میں ہونے والے اس مباحثے میں ڈاکٹر ولیم کو اپنی کم علمی کم مائیگی کا تلخ تجربہ ہوا۔ اس نے امریکہ کے اخبارات و جرائد میں ایک نئی بحث کو جنم دیا۔ اس بات کو اس لیے بھی زیادہ شہرت ملی کیونکہ ڈاکٹر ولیم کیمپبل دراصل ڈاکٹر بلی گراہم کا شاگرد خاص ہے۔ جو لوگ ڈاکٹر بلی گراہم کے نام اور کام سے متعارف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ امریکہ میں ڈاکٹر گراہم کو سب سے بڑا مسیحی عالم تسلیم کیا جاتا ہے۔ گویا دوسرے معنوں میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ امریکی اخبارات میں ڈاکٹر ذاکر نائیک کے نام کی بازگشت کا مطلب یہ لیا گیا کہ ڈاکٹر بلی گراہم ایک مسلمان عالم کے سامنے سرنگوں ہوگیا ہے۔

12 مئی 2000ء کے ہفت روزہ ''انکوائرر'' (Enquirer) نے صفحہ اول پر لکھا۔!

''ڈاکٹر ذاکر نے ڈاکٹر علیم کیمپبل کو شکست دے کر دراصل ڈاکٹر بلی گراہم کا بت توڑا ہے۔''

لیکن ہمیں امریکی اخبارات و جرائد کو بھی شاباش دینی چاہیے جنھوں نے مذہب و مسلک کے تمام تر مروجہ تعصبات سے بلند ہو کر ایک شخص کی علمیت کی ستائش اور تعریف کی۔

ڈاکٹر ذاکر جنھوں نے دلیل اور منطق کے اسلوب میں ذکر الٰہی اور ذکر محمد ﷺ سے عالمی شہرت حاصل کی ہے، کے بارے میں ایک خوبصورت واقعہ برادرم اختر عباس نے اپنی ایک تحریر (26 اکتوبر 2005ء روزنامہ پاکستان) میں یوں بیان کیا ہے:

Marfat.com

''یہ 12 اکتوبر کی صبح تھی، جب بھارت سے آنے والی ایک فلائیٹ سے کچھ مسافروں کو لاس اینجلس کے ایئرپورٹ پر تفتیش کے لیے الگ کرلیا گیا۔ ایک لمبے، سانولے رنگ اور انگریزی سوٹ میں ملبوس آدمی کی باری آئی تو تفتیشی عملے نے ان کی داڑھی اور سر پر سفید ٹوپی کے باعث براہ راست سوالات کرنے شروع کر دیئے۔ نائن الیون کا واقعہ رونما ہوئے صرف ایک ماہ ہوا تھا اور امریکہ آنے والے ہر مسلمان پر یہ وقت بے حد بھاری تھا، ان مسافروں کو اِن نامہربان لوگون کی مردم بیزار نگاہوں اور بے بنیاد سوالوں کا سامنا کرنا پڑتا اور اکثر سے جواب نہ بن پاتا۔ انٹرنیشنل اسلامک انٹرنیٹ یونیورسٹی امریکہ کے یہ مہمان کہ جنھیں ایک امریکی ادارے نے ہی انسانیت کے لیے اعلیٰ خدمات کے اعتراف کے طور پر ایوارڈ دینے کے لیے مدعو کیا تھا، اپنے میزبانوں کے بھائی بندوں کے سامنے، ان کے سوالوں کی زد میں تھے۔ سوال براہ راست تھا:

11 ستمبر کے حملوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

مہمان نے بڑی دلیل کے ساتھ اُن حملوں کی مذمت کی تو میزبان چونکے۔ انھیں یقین کرنے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ انھیں نے تفتیش کے لیے رائج طریقے کے مطابق غصہ دلانے کے لیے سوالوں کا الٹ پھیر کرنا شروع کر دیا:

''جہاد غیر ضروری ہے، اس کا تصور ہی غلط ہے، یہ تو انسانوں کو لڑاتا ہے۔''

آنکھوں پر بڑے سائز کی عینک لگائے، دوردیس سے آئے مہمان کو یہ سوال اور تبصرہ بہت مجروح کرتا، اگر اس کے رب نے اس کو علم اور فہم کے سمندر کی شناوری نہ سکھائی ہوتی۔ سوال کے اگلے ہی لمحے اس نے تفتیش کاروں کو ان کے اپنے مذہب سے، یہودیت سے، بدھ مت سے غرض لمحہ موجود میں پائے جانے والے ہر مذہب کی کتاب سے صفحوں اور پیرایوں کی ترتیب سے ایسا کافی وشافی جواب دیا کہ سوال کرنے والے حیران و پریشان رہ گئے۔ انھیں اس طرح کے کسی آدمی سے پہلی بار واسطہ پڑا تھا، جو انھیں بتا رہا تھا کہ جہاد تو خود ان کی کتابوں میں موجود ہے، اب سوال کرنے والا کوئی ایک آدھ نہیں کئی تھے اور جواب دینے والا وہی دبلا پتلا سا آدمی کہ دھیمی سی مسکراہٹ جس کے ہونٹوں پر مچلتی رہتی ہے۔ کمرہ تفتیش سوال جواب کرنے والوں اور سننے والوں سے بھرا ہوا تھا اور باہر بھیڑ لگی تھی ان لوگوں کی، جنھیں ابھی امیگریشن کے مشکل مرحلے سے گزرنا تھا۔ ہر لمحہ ان کے دل و دماغ پر تشویش کا بوجھ بڑھائے

Marfat.com

دیتا تھا۔ پورے ایک گھنٹے بعد انٹرویو ختم ہوا تو بات ایک دو افسروں تک محدود نہ تھی۔ ہال میں 70 سے زائد امریکی افسر اور اہلکار موجود تھے، جو اس آدمی کو پورے احترام اور عزت سے رخصت کر رہے تھے، جس کو ایک گھنٹہ قبل وہ سوالوں کی سولی پر لٹکانے کے لیے اندر لائے تھے۔''

اس واقعہ کے مندرجات دیکھئے۔ اس میں ایک پیغام بھی ہے اور اس امر کا اظہار بھی کہ ڈاکٹر ذاکر نائیک منطق، دلیل، مطالعہ اور بے تعصبی کی تلوار سے مسلح ہیں جس کے سامنے امریکی امیگریشن کے ذمہ داران بے بس بھی ہیں اور گھائل بھی۔

ڈاکٹر ذاکر ویسے تو قرآن حکیم، حدیث مبارکہ، سیرت رسول ﷺ اور تاریخ اسلام کے محقق اور عالم ہیں لیکن انھوں نے مسیحی علوم پر بھی دسترس حاصل کر کے دوسرے علمائے اسلام سے ممتاز اور ممیّز مقام حاصل کیا ہے۔ گذشتہ کچھ عرصے کے دوران خصوصاً افغانستان میں طالبان کی حکومت کے خاتمے اور نیو یارک میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی دہشت گردوں کے ہاتھوں تباہی کے بعد، مغربی محققین اور سکالرز نے بطور خاص سارے مسلمانوں اور عالم اسلام کو ایک ہی عینک سے دیکھنا شروع کر دیا ہے اور اس عینک کے ذریعے دین اسلام کو دشنام دے کر جملہ مسلمانوں کو ''دہشت گرد'' قرار دیا جا رہا ہے۔ پاکستان، سعودی عرب اور مصر، ان علمائے مغرب کی ''نوازشوں'' کا خاص طور پر نشانہ ہیں۔ افغانستان، پاکستان اور عراق کے انتہا پسندوں کا ذکر کرتے ہوئے امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کی زبان پر ''کروسیڈ'' کے لفظ کا آ جانا، محض اتفاق نہیں تھا۔ (جس کی بعد ازاں وہائٹ ہاؤس کی طرف سے معذرت کی گئی) اس کے پیچھے پوری تاریخی حقیقتیں اور صلیبی جنگوں کی یاد کارفرما تھی۔

صدر بش کا ''کروسیڈ'' کا ذکر کرنا مسلمانوں کو اس امر کی یاد دلانا تھا کہ ماضی بعید میں ''ہم اور تم'' برسرکار پیکار رہ چکے ہیں اور ہم نے تمھیں شکست دی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ صلیبی جنگوں کے سلسلے میں پہلے دور میں عیسائی تھے اور اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ ان عیسائی حملہ آوروں کا مقابلہ کر سکیں۔ لہٰذا 1099ء میں بیت المقدس کا شہر عیسائی صلیبی جنگ جوؤں کے قبضہ میں آ گیا۔ شہر پر قبضہ کے بعد جو قتل و غارتگری ہوئی اس کے بارے میں معروف تاریخ دان ابن اثیر لکھتا ہے:

''مسجد اقصیٰ میں فرانک (فرانس) کے فوجیوں نے ستر ہزار لوگوں کو قتل کیا جن میں

Marfat.com

بڑی تعداد ان مسلمان اماموں اور علماء کی تھی، جو اپنا گھر بار چھوڑ کر یہاں تنہائی میں زہد و تقویٰ کی زندگی گزارنے آئے تھے۔ فرانکوں (اہلِ فرانس) نے (مسجد اقصیٰ کے) گنبد پر چڑھی ہوئی چاندی کو بھی اتار لیا اور چاندی کے وہ شمع دان بھی جو مسجد (اقصیٰ) کی زینت تھے"۔

ایک عیسائی نے جو اس منظر کا گواہ تھا، اس نے بعد میں بیت المقدس کے قبضے کے بارے میں لکھا:

"جب (صلیبی جرنیل) رے مونڈ (Raymond) مسجد (اقصیٰ) میں جانے کے لیے روانہ ہوا تو راستہ میں اس قدر لاشیں تھیں کہ ان کا خون اس کے ٹخنوں تک پہنچ گیا تھا۔"

پہلی صلیبی جنگ کی کامیابی نے مقدس جنگجوؤں کی ہمت افزائی کی اور انھوں نے 1144ء میں دوسری صلیبی جنگ کا آغاز کیا۔ لیکن اس کے نتائج کوئی اہم نہ نکلے۔ جب تیسری صلیبی جنگ ہوئی تو اس وقت مسلمان ان حملوں کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ اب سلطان صلاح الدین ایوبی کی افواج اس قابل تھیں کہ وہ حملوں کا جواب دے سکیں۔ چنانچہ 1187ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی افواج نے صلیبی جنگجوؤں کو شکست دے کر بیت المقدس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ پاکستان کے معروف مورخ ڈاکٹر مبارک علی اپنی تصنیف "تاریخ کی آواز" میں لکھتے ہیں:

"صلاح الدین نے برعکس صلیبیوں کے قتل عام کے لوگوں کو عام معافی دی اور یہ بھی اجازت دی کہ جو بھی شہر چھوڑ کر جانا چاہے، وہ اپنے مال و دولت اور اسباب لے جا سکتا ہے۔ چنانچہ جب فرانکوں کے گرینڈ پیٹر یارک نے شہر چھوڑا ہے تو اس کے پاس گنبد اور مسجد اقصیٰ کا تمام خزانہ تھا۔ صلاح الدین سے اگرچہ کہا گیا کہ وہ ان نوادرات کو نہ جانے دے، مگر اس نے جو اعلان کیا تھا وہ اس پر قائم رہا اور پیٹر یارک کو مع دولت اور سامان کے جانے دیا۔"

تاریخ کے سینے میں خنجر کی طرح پیوست صلیبی جنگوں کو شاید اہل اسلام اور ان کے رہنمائے کرام فراموش کر چکے ہیں لیکن علمائے مغرب اور ان کے مقتدر حکمران انھیں بھلا نہیں پائے ہیں، حالانکہ انھیں گزرے نو (9) صدیاں گزر گئیں ہیں۔ اسی یاد کا کرشمہ ہے کہ گذشتہ ایک عشرے کے دوران ایک خاص ہدف کے حصول کے لیے مغربی مصنفین اور سکالرز جہادِ اسلام کی ہر شکل کو Holy War قرار دے کر اپنے عوام اور اہل نظر کو بھڑکانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان مذموم مقاصد کے حصول کے لیے اہلِ مغرب کے ذہنوں کو مسلمانوں، علمائے

Marfat.com

اسلام اور دین اسلام کے خلاف مسموم کرنے کی مقدر بھر کوشش کی ہے اور یہ باور کرنے کی بھی سعی کی ہے کہ مسلمان جہاد کے نام سے جو Holy War لڑ رہے ہیں، یہ دراصل اسی تصادم کی نئی اور جدید شکل ہے جو بارھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں اور اہل صلیب کے درمیان معرضِ وجود میں آ چکا ہے..... لیکن ڈاکٹر ذاکر نائیک اپنے مطالعے، تاریخ پر بھرپور نظر اور مسیحی علماء کی تحریروں پر ناقدانہ نظر رکھنے کے ناطے یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے جہاد کی کوئی بھی شکل Holy War کے مساوی نہیں۔ ذاکر نائیک بتاتے ہیں کہ اسلامی تاریخ میں کوئی ایک مثال ایسی نہیں ملتی جب کسی فقیہ یا مفسر و محدث نے جہاد کے لیے Holy WAr یعنی حزبِ مقدس کی اصطلاح استعمال کی ہو۔

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے مقالہ نگار نے اس تصور کو خالصتاً عیسائیت سے منسوب کیا ہے اور بتایا ہے کہ پاپائے رُوم نے یہودیوں اور مسلمانوں کو قوت کے استعمال کے ذریعے عیسائی بنانے کے لیے تمام عیسائیوں کو حروب الصلیبی کے عنوان سے جمع کیا اور یہی جنگیں بعد ازاں صلیبی جنگ (Holy War) کہلائیں۔ جنابِ ذاکر ہمیں بتاتے ہیں کہ اسلام کے قانون صلح و جنگ میں کسی مقدس جنگ کا تصور نہ پہلے تھا نہ آج پایا جاتا ہے۔ چونکہ اسلام زندگی کو لادینی اور دینی خانوں میں تقسیم نہیں کرتا اس لیے اس کی جنگ ہو یا رزق حلال کا حصول، شعر و شاعری ہو یا صنعت و حرفت ہر سرگرمی کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنا ہے۔ اس لیے دین کا دائرہ کار اور دنیاوی امور کا دائرہ کار الگ الگ نہیں ہے۔

مغربی تعلیم یافتہ ذہن اور خود مغرب کی مادہ پرست تہذیب کا پیدا کردہ ذہن چونکہ اسلام کو یورپی نظریۂ مذہب عینک سے دیکھتا ہے اور مسجد جانے کو مذہبی سرگرمی جبکہ کسی ملٹی نیشنل کمپنی میں کام کرنے کو سیکولر اور پیشہ ورانہ سرگرمی قرار دیتا ہے۔ یہ تقسیم اسلام کے لیے اجنبی ہے۔ گو بہت سے مسلمان صدیوں سے اس پر عمل کرتے چلے آ رہے ہیں اور اپنے خیال میں کمال مہارت سے ''دین و دنیا'' میں توازن پیدا کر کے مسجد جا کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اور کاروبار کے دائرے میں سرمایہ داری کے خدا کو بیک وقت خوش رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے جب یہ سوال اٹھایا تھا کہ کیا بہت سے اللہ بہتر یا ایک اللہ وحدہ لاشریک، کیا بہت سی حاکمیتیں بہتر ہیں یا حکم صرف اللہ کے لیے ہونا بہتر ہے تو اس سوال کا اصل مقصد اس تقسیم کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکنا تھا۔ گویا یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اسلام میں

Marfat.com

Holy War کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ یہ بنیادی طور پر ایک عیسائی تصور ہے جسے اسلام پر چسپاں کرنا قرآن وسنت کی تعلیمات کی روح کے منافی بھی ہے اور مسیحی علماء اور سکالرز کی آج کے دور میں اسلام کے خلاف سازش بھی ہے اور نہایت منفی پروپیگنڈہ بھی۔

تاریخ کے تناظر میں ڈاکٹر ذاکر نائیک کی کہی اور لکھی گئی انھی باتوں نے بہت سے لوگوں کے دل گرویدہ کر رکھے ہیں۔ اسی پس منظر میں چند برس قبل جناب احمد دیدات، جو خود بھی تقابل ادیان کے بہت بڑے مقرر اور محقق تھے اور بہت سے ممالک میں عیسائی علماء کا ناطقہ بند کر چکے تھے، نے ڈاکٹر ذاکر کے علمی تبحر اور دینی خدمات کو خراجِ تحسین اور نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

''میرے بچے، جو شے تم نے چار برس میں حاصل کر لی ہے، اسے حاصل کرنے کے لیے مجھے چالیس برس صرف کرنے پڑے۔''

یہ کوئی معمولی خراجِ عقیدت نہیں ہے اور اس وقت سننے والوں کو مزید حیرت ہوئی تھی جب احمد دیدات (مرحوم) نے ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک کو Deedat Plus کہہ کر پکارا تھا۔

یہی ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک اپنے خطبات کی شکل میں ٹی وی کے توسط سے دنیا کے سو (100) سے زائد ممالک میں سنے جا رہے ہیں۔ اپنی تقریروں میں اسلام کی حقانیت اور رسول اللہ ﷺ کی عظمت ثابت کرنے کے لیے آبشار کی طرح ان کی زبان سے جو حوالہ جات نکلتے ہیں، بعض لوگوں کے نزدیک وہ پیغام کو بوجھل بنا دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے سننے والوں کی تعداد بے شمار ہے۔ پاکستان میں ہم پہلے ''اے آر وائی، چینل اور بعد ازاں ''کیو ٹی وی'' چینل کی معرفت ان سے متعارف ہوئے۔ ان کے لیکچرز دلکشا بھی ہوتے ہیں اور ایمان افروز بھی۔ ویسے تو علماء نے مغرب سے آنے والی ہر ایجاد کی مخالفت کی ہے۔ ابتداء میں یہی لوگ تھے جنھوں نے لاؤڈ سپیکر کی مخالفت کی اور ٹیلی فون کے خلاف بھی فتوے دیئے۔ ٹی وی کے خلاف فتوے تو اب بھی موجود ہیں۔ مثلاً ''جماعت الدعوۃ'' (سابقہ لشکر طیبہ) کے ترجمان ماہنامہ ''الدعوۃ'' میں ہر ماہ یہ اعلان بطور خاص شائع ہوتے ہیں کہ ہمارے اتنے بھائیوں نے ٹی وی کے ٹکڑے کر کے کوڑے پر پھینک دیئے ..... لیکن یہی ٹی وی تبلیغ اسلام اور قرآن فہمی کا بہترین ذریعہ بھی ثابت ہو رہا ہے۔ ہاشمی میاں، مدنی میاں، طاہر

Marfat.com

القادری اور ڈاکٹر ذاکر نائیک کے نوع بنوع لیکچرز، مباحث اور خطبات اس کی بہترین مثال ہیں۔ اس سلسلے کا ایک اور واقعہ گذشتہ دنوں بھارت میں پیش آیا۔

11 اکتوبر 2005ء کو بھارت کے معروف اخبار ''ٹائمز آف انڈیا'' نے ایک خبر شائع کرتے ہوئے قارئین کو بتایا:

''پردہ، دہشت گردی، عمرانہ کیس اور اس طرح دیگر موضوعات کے حوالے سے ٹیلی ویژن پر اسلام کی معاندانہ اور تعصب پر مبنی تصویر کشی کا مقابلہ کرنے کے لیے بھارت کی مسلم کمیونٹی نے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس مقصد کے لیے دو نئے اسلامی چینل قائم کیے گئے ہیں، جو پوری مسلم دنیا کو درپیش مسائل سے متعلق صحیح اسلامی نقطہ نظر پیش کریں گے۔ ایک چینل ''کتاب'' کے نام سے ہے جب کہ دوسرا چینل ''پیس ٹی وی'' کے نام سے زیر غور ہے، اسے کیوٹی وی کے معروف مبلغ ڈاکٹر ذاکر نائیک شروع کریں گے۔

''کتاب'' چینل کے بانی اور چیف پروموٹرز اختر شیخ نے کہا ہے کہ یہ چینل نہ صرف میڈیا میں مسلم پراپیگنڈا کا مقابلہ کرے گا بلکہ مسلم سوسائٹی کی تربیت کی ذمہ داری بھی انجام دے گا۔

انھوں نے کہا کہ مسلمان بڑے عرصے سے ایک ایسے چینل کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں جو ان کے خیالات و احساسات کی ترجمانی کرتا ہو۔ چینل کی پروگرامنگ کی ذمہ داری، دینی مدارس کے تعلیم یافتہ قدامت پسند علماء کے ایک گروپ کو سونپی گئی ہے۔ بمبئی کے مرکز المعارف نے اس چینل کے اغراض و مقاصد متعین کیے ہیں، جن میں اسلام سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ، مولانا آزاد، علی برادران اور ان جیسے جنگ آزادی میں خدمات انجام دینے والے مسلمانوں کی قربانیوں کو نمایاں کرنا، نکاح، طلاق، نفقہ اور پردہ جیسے پرسنل لا کے مسائل پر بحث و مباحثہ شامل ہیں۔

بھارت میں ٹی وی کے جواز و عدمِ جواز کے حوالے سے علما دو گروہوں میں تقسیم ہیں۔ گذشتہ سال مفتی محمود الحسن نے ٹی وی کے عدمِ جواز کا فتویٰ دیا تھا۔ مفتی مذکور نے یہ کہہ کر اردو پریس میں ایک بحث کا آغاز کر دیا تھا کہ:

''ٹی ویژن سطحی تفریح کا ذریعہ ہے''

تاہم مولانا برہان الدین قاسمی نے جو ''کتاب'' کی پروگرامنگ میں شریک ہیں، کہا

Marfat.com

ہے کہ علماء بصری ذرائع ابلاغ کی اہمیت کا انکار نہیں کر سکتے۔ انھوں نے کہا کہ:

''عمرانہ کیس کو ہی لے لیجئے۔ اس پر باقی تمام مسئلوں کو نظر انداز کر کے ایک نہ ختم ہونے والی بحث چھیڑ دی گئی، گویا مسلمانوں کو اس کے علاوہ کوئی مسئلہ ہی درپیش نہیں۔ پروگرامنگ پینل میں شریک دوسرے ارکان میں جمعیت علمائے ہند کے مولانا محمود احمد مدنی اور ندوۃ العلماء لکھنو کے سید سلمان بھی شامل ہیں۔ امید کی جا رہی ہے کہ پیس ٹی وی کے ذریعے ڈاکٹر ذاکر نائیک مسلمانوں کے افکار اور سوچ کی نمائندگی کر سکیں گے۔''

اس خبر سے ڈاکٹر ذاکر نائیک کی علمی اور دینی اہمیت ایک اور خوبصورت انداز میں سامنے آئی ہے۔ ان کے بارے میں پڑھنے اور ان کے خطبات سننے والا حیرت سے سوچتا ہے کہ یہ شخص کون ہے؟ اگر اس رتبے کا کوئی سکالر مغرب میں پیدا ہوتا تو اب تک اس کے بارے میں کئی کتابیں شائع ہو چکی ہوتیں لیکن حیرانی کی بات ہے کہ ہمارے ہاں ابھی تک ان کے بارے میں کوئی ایک بھی ایسی کتاب دستیاب نہیں جو ہمیں ان کی شخصیت کو سمجھنے اور ان کے حالات زندگی کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کر سکے۔

جو انفرمیشن ملی ہیں، وہ ہمیں بتاتی ہیں کہ یہ ششدر کر دینے والا شخص، ذاکر عبدالکریم نائک بھارت کا شہری ہے۔ 18 اکتوبر 1965ء کو آپ بالی وڈ کے نام سے عالمی شہرت یافتہ بھارتی شہر ممبئی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد احمد عبد الکریم نائیک دکاندار تھے لیکن انھوں نے اپنے اس بیٹے کو اعلیٰ تعلیم کے حصول تک پورا پورا تعاون فراہم کیا۔ ممبئی کے ٹوپی والا نیشنل میڈیکل کالج اور ممبئی یونیورسٹی سے میڈیسن اور سرجری کی ڈگریاں لیں۔ لیکن ڈاکٹر ذاکر نائیک تھوڑا عرصہ ہی مریضوں کی نبض دیکھ سکے۔ انھوں نے خود کو تبلیغ اسلام کے لیے وقف کر دیا۔ ان کی شہرت جلد ہی بھارت کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ آج وہ بنی نوع انسان کی نبض دیکھ رہے ہیں اور قرآن و حدیث کی روشنی میں انسانوں کو لاحق امراض کا علاج بھی بتا رہے ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک کی آواز آج دنیا کے ہر اہم ملک میں سنی جا رہی ہے۔ ان کی خدمات کے پیش نظر انھیں ''اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن'' اور ''اسلامک ڈائمنشنز'' کا صدر اور ''آئی آر ایف فاؤنڈیشن ٹرسٹ'' کا چیئرمین بھی بنایا جا چکا ہے۔

ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک ایسے بھارتی مسلمان عالم اور مفکر ابھرے ہیں جن کی آواز مشرق و مغرب کے اہل علم کے کانوں سے ٹکرا رہی ہے۔

Marfat.com

مختصر سوانحی خاکہ:

نام : ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک

تاریخ پیدائش : 18 اکتوبر 1965ء

جائے پیدائش : ممبئی بھارت

پتہ: اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن
56/58 تندل سٹریٹ (شمالی) دونگری،
ممبئی 400-009 بھارت

فون نمبرز: 0091-22-3736875 (چھ لائنیں)

فیکس : 0091-22-3730689

ای میل : zakir@irf.net

ویب سائٹ: www.irf.net

پتہ: اسلامی دعوۃ (اشاعت اسلام)

صدر: اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن بھارت

چیئرمین: آئی آر ایف ایجوکیشن ٹرسٹ ممبئی بھارت

صدر: اسلامک ڈائمنشنز بھارت

مقام تعلیم: سینٹ پیٹرز ہائی سکول ممبئی
کرشن چند چلے رام کالج ممبئی
ٹوپی والا نیشنل میڈیکل کالج نیئر ہسپتال ممبئی

یونیورسٹی ڈگری: ایم بی بی ایس، ''ممبئی یونیورسٹی''

☆☆☆

Marfat.com

مقدمہ

ابتدائیہ

ہماری تہذیب میں لا تعداد مذاہب اور اخلاقی نظام موجود ہیں۔ بنی نوع انسان نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ اپنی تخلیق کا مقصد جان سکے اور کائناتی اشیاء میں اپنا رتبہ متعین کر سکے۔آرنلڈ ٹائن بی نے انسان کی مختلف ادوار کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اپنا تحقیقی کام دس جلدوں میں مدوّن کیا ہے اور وہ اس کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''تاریخ انسانی میں مذہب درمیان میں کھڑا نظر آتا ہے۔''

"The Observer" کے 24 اکتوبر 1954 میں شائع ہونے والے ایک کالم میں لکھا ہے:

''میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسرار و اخفائے حیات کو سمجھنے اور جاننے کے لیے مذہب ایک کنجی کی حیثیت رکھتا ہے۔''

تمام اہم مذاہب کا یقین ایک ("Universal God") اعلیٰ خدائی قوت ہے جو کہ قادر مطلق ہے اور ہر چیز کا علم رکھنے والا۔تمام مذاہب کو ماننے والے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا جس کی وہ عبادت کرتے ہیں، ان کے لیے بھی ویسا ہی ہے جیسا دوسروں کے لیے۔مارکسزم، فرائیڈ ازم اور دوسرے غیر مذہبی رویوں نے منظّم مذاہب کی بنیادوں پر حملے کیے لیکن ان کے نتائج نے ان میں بھی ایک اعتقادی نظام کو جنم دے دیا مثلاً: جب کمیونزم بہت سے ممالک میں تھا، یہ اسی سپردگی اور سرگرمی سے پھیلایا گیا جو کہ مذہبی تعلیمات کو پھیلانے کے لیے مخصوص تھیں۔اسی لیے مذہب حیات انسانی کے لیے جزو لازم ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

''قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا

84993

Marfat.com

فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ○"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 3، سورۃ نمبر 3 (آل عمران)، آیت نمبر 64)

"اے اے پیغمبرؐ! فرمایئے! اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں برابر ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض بعض انسانوں کو رب نہ بنالیں، اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں بھی تو آپ صاف کہہ دیجئے کہ گواہ رہو! ہم تو مسلمان ہیں۔"

مختلف مذاہب وادیان کا مطالعہ میرے لیے بڑا نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ اس مطالعہ نے میرے اس یقین کو اور پختہ کیا کہ خدا نے ہر انسان کو اپنی ذات کی پہچان کے علم کے ساتھ پیدا کیا۔ انسان کی فطرت و جبلت کچھ اس طرح کی ہے کہ وہ خالق کے وجود کو تسلیم کرتی ہے، جب تک کہ اس کے یقین پر کوئی ضرب نہ لگائی جائے۔ دوسرے الفاظ میں خدا پر یقین رکھنے کی کوئی شرط نہیں ہے جبکہ خدا کے تصور کو رد کرنے کے لیے دلائل چاہئیں۔

میں نے اپنی گفتگو کو بارہ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

1: دین و مذہب کی اہمیت وضرورت
2: تقابل ادیان کی اہمیت اور مسلمانوں کے کارنامے
3: مذاہب کی تقسیم اور مذہب کا آغاز
4: ہندومت
5: جین مت
6: بدھ مت
7: کنفیوشس ازم
8: زرتشت ازم
9: یہودیت
10: عیسائیت
11: اسلام
12: مذاہب عالم اور تصور خدائے واحد

Marfat.com

Marfat.com

باب نمبر 1:

دین اور مذہب

کی

ضرورت واہمیت

Marfat.com

بنی نوع انسان کو مذہب کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اس سوال کا قطعی جواب اثبات میں ہے کہ انسان کو واقعی مذہب کی ضرورت ہے۔اس کی متعدد وجوہ ہیں جن کا تذکرہ ہم کرتے ہیں۔

فطری ضرورت:

دین و مذہب انسان کا فطری جذبہ اور عالمگیر داعیہ ہے۔اس کا اعتراف مغربی مفکرین نے کچھ ان الفاظ میں کیا ہے:

''مذہب ابدی چیز ہے کیونکہ مذہب جس حاسہ اور فطرت کا نتیجہ ہے وہ معدوم نہیں ہو سکتے۔''

فرانس کا فلسفی زینان کہتا ہے:

''یہ ممکن نہیں کہ مذہب کو دنیا سے مٹا دیا جائے یا اس کی قوت فنا کر دی جائے۔''

اسی انسانی فطرت کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ''

(القرآن المجید، سورۃ الروم، آیت نمبر 30)

''اپنا منہ سب سے موڑ کر دین حنیف کی طرف کر لو یہی وہ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔''

اسی طرف سورۂ اعراف میں ارشاد ہے:

''اور جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے ان کی نسل کو نکالا اور خود ان ہی کو گواہ بنا کر پوچھا:

''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ''

''کیا میں تمھارا خدا نہیں ہوں۔؟''

تو سب پکار اٹھے:

Marfat.com

''قَالُوْا بَلٰی''

''کیوں نہیں تو ہی ہمارا رب ہے۔''

اس کی تشریح فطرتِ انسان کے سب سے بڑے شناسا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی ہے:

''کل مولودیولدعلی الفطرۃ''

''ہر بچہ فطرت سلیمہ (دین اسلام) پر پیدا ہوتا ہے''

بعد ازیں ماحول اس کی فطری صلاحیت کو مسخ کر دیتا ہے اور وہ سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے اور باطل نظریات کو اپنالیتا ہے۔ زندگی میں اکثر ایسے لمحات آتے ہیں کہ جب ایک منکر خدا بھی مذہب کی ضرورت محسوس کرتا ہے حتی کہ مشہور سوشلسٹ اور منکر خدا ''پنڈت جواہر لعل نہرو'' کو بھی کہنا پڑتا ہے:

''جب مجھے کوئی انتہائی مشکل مسئلہ پریشان کر دیتا ہے اور میرا دماغ ساتھ چھوڑ دیتا ہے تو میں مندر جاتا ہوں اور مورتی کے سامنے جھکتا ہوں، آنسو بہاتا ہوں حتی کہ میری پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔''

الغرض ہر انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ کسی بالاتر ہستی کی طرف رجوع کرے قطع نظر اس کے کہ وہ ہستی اس کی مشکل کشا ہو سکتی ہے یا کہ نہیں۔ علامہ شبلی نعمانی نے بالکل درست کہا ہے:

''دنیا میں ہر قوم، ہر نسل، ہر طبقہ کوئی نہ کوئی مذہب رکھتا ہے۔ عالم و جاہل، رذیل و شریف، شاہ و گدا، افریقہ کا وحشی اور یورپ کا تعلیم یافتہ سب اس میں برابر ہیں۔''

اس حقیقت کا اعتراف پروفیسر سبیتر (Sabatar) نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''میں کیوں پابندِ مذہب ہوں؟ اس لیے کہ اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ پابندِ مذہب ہونا میری ذاتیات میں ہے۔ لوگ کہیں گے کہ یہ وراثت یا تربیت یا مزاج کا اثر ہے، میں نے خود اپنی رائے پر اعتراض کیا ہے لیکن میں نے دیکھا کہ سوال پھر پیدا ہوتا ہے اور وہ حل ہونے میں نہیں آتا۔ مذہب کی ضرورت جس قدر مجھ کو اپنی ذاتی زندگی کے لیے ہے اس سے زیادہ عام سوسائٹی کو ہے۔ مذہب کی شاخ و برگ ہزاروں مرتبہ کاٹ ڈالے گئے لیکن جڑ ہمیشہ قائم رہی ہے جو کبھی زائل نہیں ہو سکتی۔ مذہب کا چشمہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے اور

Marfat.com

فلسفیانہ فکر اور زندگی کے دردناک تجربے اس کو گہرا کرتے جاتے ہیں۔ انسانیت کی زندگی مذہب سے ہی قائم ہوئی ہے اور اسی سے قوت پائے گی۔"

اس ضمن میں ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ جس طرح چند افراد کا نطق اور فہم کی صلاحیت سے محروم ہونا انسان کے حیوانِ ناطق ہونے کی نفی نہیں کرتا یا چند افراد کا جنون' انسان کے "حیوان عاقل" ہونے کے منافی نہیں یا کچھ لوگوں کا رہبانیت اختیار کرنا' انسان کے مدنیت (شہریت) پسند ہونے کی تردید نہیں کرتا۔ اسی طرح چند منکرین مذہب کا وجود اس بیّن حقیقت کو نہیں جھٹلاتا کہ مذہب انسان کی طبعی ضرورت اور فطری جذبہ ہے۔

روحانی اقتضاء:

انسان اپنی تخلیق کے لحاظ سے جسم اور روح سے مرکب ہے۔ ایک طرف جسم اور روح کے رشتے کو قائم رکھنے کے لیے اسے مادی ضروریات اور جسمانی وسائل درکار ہیں اور دوسری جانب روحانی ارتقاء کے لیے تمدنی اصولوں کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ان دونوں ضرورتوں کو پورا کیا ہے۔ مادی اور جسمانی احتیاجات کی تسکین کے لیے وسائل کا ایک ختم نہ ہونے والا خزانہ زمین کے سینے میں ودیعت کر دیا ہے۔ نیز روحانی راہنمائی کے لیے خالقِ کائنات نے انبیاء کرام علیہم السلام بھیجنے کا اہتمام کیا اور انسان کو اس ضمن میں تنہا نہیں چھوڑ دیا کہ اندھیرے میں بھٹکتا پھرے۔ بلکہ انسانِ اول حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعے جو اللہ تعالیٰ کے فرستادہ نبی اور رسول بھی تھے، پوری نسلِ انسان کو یہ مژدہ سنایا:

"فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ ○"

(القرآن المجید، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 38)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ پورا کیا اور ہر زمانہ اور ہر قوم کی طرف انبیاء مبعوث کیے تاکہ انسان کی روحانی ہدایت کا سامان بہم پہنچایا جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

"وَاِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّاخَلَافِیْهَانَذِیْرٌ" (القرآن المجید، سورۃ الفاطر، آیت نمبر 4)

"اور کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا ھادی نہ آیا ہو۔"

"وَلِکُلِّ اُمَّةٍرَسُوْلٌ" (القرآن المجید، سورۃ یونس، آیت نمبر 27)

Marfat.com

''اور ہر قوم کے لیے رسول بھیجا گیا۔''

تمام انبیاء علیہم السلام ایک ہی روحانی چشمہ سے سیراب ہوتے رہے اور آگے انسانیت کو سیراب کرتے رہے۔ حتی کہ آخرالزمان نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس روحانی ہدایت کی تکمیل کرنے والے تھے۔ اب قیامت تک روحانی پیاس کو بجھانے کا بہترین ذریعہ اسلام ہے جس میں روحانیت کی تکمیل کے لیے پوری تفصیل موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (القرآن المجید، سورۃ المائدہ، آیت نمبر 3)

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے بطور دین اسلام کو پسند فرمالیا۔''

الغرض مذہب روحانی اقتضاء ہے اگرچہ بسا اوقات انسان کے روحانی شعور پر غفلت کے پردے پڑ جاتے ہیں لیکن زندگی کی تلخ حقیقتیں اس زنگ کے لیے صیقل کا کام دیتی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

''فَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْکِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ فَلَمَّا نَجّٰھُمْ اِلَی الْبَرِّ اِذَا ھُمْ یُشْرِکُوْنَ ○''

(القرآن المجید۔ سورۃ العنکبوت، آیت نمبر 65)

''جب وہ (کافر) کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اخلاص کے ساتھ اللہ ہی کو پکارتے ہیں لیکن جب ہم انھیں خشکی کی طرف لے جاتے ہیں تو وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔''

اس حقیقت کا اعتراف مشہور عالم نفسیات جیمز لیوبا نے اس طرح کیا ہے:

''مذہب ایک روحانی اقتضاء اور نفسیاتی حاسہ ہے جس کی بنیاد یہ عقیدہ ہے کہ انسان اور کائنات میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔''

(God or Man، مطبوعہ لندن، سن 1934ء)

معاشرتی ضرورت:

انسان فطرۃً مدنی الطبع ہے۔ مل جل کر معاشرتی زندگی گزارنا اس کی فطری ضرورت ہے۔ لہٰذا بہتر معاشرتی زندگی گزارنے کے لیے اسے مناسب قوانین وضوابط کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

اگر معاشرتی زندگی کے لیے کوئی اصول اور ضابطہ نہ ہوتو معاشرہ انتشار اور خلفشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ مذہب انسان کی اس معاشرتی ضرورت کو بھی پورا کرتا ہے۔ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کا جوڑا پہلا انسانی جوڑا تھا جس نے اس کرۂ ارض پر خدائی ہدایت کے تحت معاشرتی زندگی کا آغاز کیا اور پھر مذہب نے انھیں منظم معاشرے میں رہنا سکھایا۔ معاشرتی زندگی کے بے شمار مسائل ہیں۔ زوجین کے حقوق وفرائض' اولاد کے فرائض اور والدین کے حقوق نیز پڑوسیوں سے تعلقات کی نوعیت پھر منظم حکومت کا تصور اور رعایا اور راعی کے مابین تعلقات کا تعین۔

یہ ایسے امور ہیں کہ اگر انسان خود اس کا تعین کرے تو افراط وتفریط کا شکار ہو جاتا ہے۔ ظلم وستم اور عدوان کا مرتکب ہوتا ہے جیسا کہ انسان کی معاشرتی زندگی کی پوری تاریخ اس پر شاہد ہے۔ اس کے برعکس مذہب انسان پر انسان کی بادشاہی کا مخالف رہا ہے۔ اس کا موقف ہے کہ وہ ذات پاک جس نے کائنات اور پوری طبعی دنیا کے لیے قوانین وضع کیے ہیں وہی اس بات کا مستحق ہے کہ انسان کو معاشرتِ اور اجتماعی زندگی کے بارے میں عادلانہ قوانین عطا کرے۔

لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ

ماہر عمرانیات ڈاکٹر فرائڈ مین لکھتے ہیں:

''اب وقت آ گیا ہے کہ یہ امر تسلیم کر لیا جائے کہ انسان خدا کی راہنمائی کے بغیر قانون نہیں بنا سکتا۔ پھر الہامی قوانین اس لحاظ سے بھی انسان کے خود ساختہ قوانین پر فوقیت رکھتے ہیں کہ الٰہی قانون اٹل ہوتا ہے جس میں کوئی ردوبدل نہیں کر سکتا لیکن انسانی قوانین لیل ونہار کی گردشوں کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً سیلون کی اسمبلی نے 1956ء میں قتل کے جرم کی سزائے موت منسوخ کر دی لیکن سیلون کے وزیر اعظم کے بے دردی سے قتل ہوتے ہی 1959ء میں سزائے موت بحال کر دی گئی۔ 1937ء میں امریکہ کی پارلیمنٹ نے شراب کی بندش کا قانون پاس کرنا چاہا لیکن اسے عوامی دباؤ کے سامنے سپر انداز ہونا پڑا اور یہ قانون پاس نہ ہو سکا۔ 1967ء میں انگلستان کے دارالعوام اور دارالامراء نے بھاری اکثریت کے ساتھ فیصلہ کر دیا کہ لواطت کا فعل اگر باہم رضامندی سے ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔''

مذہب کا کمال یہ ہے کہ اس نے انسان کو ایک معاشرے کی صورت میں منظم کر کے اس

Marfat.com

کے تمام معاشرتی مسائل کا عادلانہ حل پیش کیا۔ مذہب سے بیگانگی کی بناپر انسان اس دنیا کا نہیں کسی اور دنیا کا باسی ہوتا۔"

اخلاق سازقوت:

انسانی تجربے نے ثابت کردیا ہے کہ لادینی اور ترک مذہب اخلاق اور اقدار کے لیے مہلک ہیں بلکہ یہ انسان کے اخلاق کے دیوالیہ پن کی دلیل ہے۔ نیز بے دینی نے اسے لاینحل اخلاقی مشکلات میں مبتلا کردیا ہے اور اسے نجات کی کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی۔ علامہ اقبال نے اس کی بڑی عمدہ تصویر کشی کی ہے:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کرنہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کرنہ سکا

زندگی کی شب تاریک صرف مذہب ہی کی روشنی سے منور ہوسکتی ہے جو دنیا کی سب سے بڑی اخلاق سازقوت ہے۔اس وقت دنیا میں جہاں کہیں نیکی کا اجالا ہے اور اچھائی کا نور ہے، جہاں کہیں بھی نیت کا خلوص اور دل کی صفائی کی تنویر ہے وہ صرف ان ہی بزرگوں کی تعلیم وتربیت کا نتیجہ ہیں' جن کو ہم انبیاء کرام کے نام سے جانتے ہیں۔ پہاڑوں کے غار' جنگلوں کی ویرانیاں' شہروں کی آبادیاں' غرض جہاں بھی رحم' انصاف غریب پروری' یتیموں کی سرپرستی اور نیکیوں کا سراغ ملتا ہے وہ اسی برگزیدہ جماعت کے کسی نہ کسی فرد کی دعوت اور پکار کا دائمی اثر ہے۔

نوح علیہ السلام کا جوش تبلیغ' ابراہیم علیہ السلام کا ولولہ' اسماعیل علیہ السلام کا ایثار' موسیٰ علیہ السلام کی سعی' ہارون علیہ السلام کی رفاقت حق' یعقوب علیہ السلام کی تسلیم ورضا، سلیمان علیہ السلام کی ثروت وحکومت' لوط علیہ السلام کی جانفشانی' ایوب علیہ السلام کا صبر.....یہی وہ حقیقی نقش ونگار ہیں جن سے ہماری روحانی اور اخلاقی دنیا کا ایوان آراستہ ہے اور جہاں کہیں بھی ان صفاتِ عالیہ کا وجود ہے وہ ان ہی بزرگوں کی مثالوں اور نمونوں کا عکس ہے۔

پھر تمام ماہرین اخلاقیات یک زبان ہیں کہ محسن انسانیت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ان تمام اخلاق عالیہ کے جامع تھے جو انبیاء علیہم السلام میں علیحدہ علیحدہ پائے جاتے ہیں۔

حسنِ یوسفؑ دمِ عیسیٰؑ یدبیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری!

اور خود صاحب خلق عظیم علیہ السلام نے اپنی بعثت کا مقصد ہی یہ بتایا:

اِنَّمَابُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ (مؤطاامام مالك)

"اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمایا۔"

الغرض لادین تہذیبیں اور منکرین مذہب اپنے پیروکاروں میں اخلاق وکردار کے وہ نمونے پیش کرنے سے قاصر ہیں جن کا عملی نمونہ مذاہب نے پیش کیا ہے۔

سکونِ قلب کا وسیلہ:

مذہب سے دوری اور دینی اقدار سے بے اعتنائی نے آج کے مہذب اور ترقی یافتہ انسان کو ذہنی اذیت اور قلبی عدم سکون جیسی لعنتوں سے دوچار کردیا ہے۔ مادہ پرستی اور ظاہر پرستی کے موجودہ دور میں ہر شخص پریشان اور طلبِ دنیا میں غرق ہے۔ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے اسے تمام دنیاوی آسائشیں اور مادی راحتیں مہیا کردی ہیں لیکن ہر قسم کی راحت وآسائش کے باوجود آج کا جدید انسان حقیقی مسرت اور قلبی سکون سے محروم ہے۔ وہ امن وسکون کا متلاشی ہے۔ لیکن جدید تہذیب، سائنس فلسفہ اور طب میں محیر العقول ترقی اسے ذہنی سکون اور قلبی اطمینان سے بہرہ ور میں ناکام رہی ہے۔ مذہب نے ایک آیت میں اس مرض کہن کا علاج مہیا کردیا ہے:

"اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ○"

(القرآن المجید، سورۃ الرعد، آیت نمبر 28)

"خبردار! دلوں کا چین اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہے۔"

اس ضمن میں تہذیب نو کی درماندگی، جدید سائنس کی ناکامی اور مذہب کی ضرورت و اہمیت کا حکیم الامت علامہ اقبال نے اس طرح اعلان کیا ہے:

نگاہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بُو میں
خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں

Marfat.com

نہ چھوڑ اے دل فغانِ صبح گاہی
اماں شاید ملے اللہ ہو میں

انجیل مقدس میں مختلف طریقوں سے دعا اور مذہب کی اہمیت بتائی گئی ہے اور تمام ذہنی پریشانیاں اور قلبی دکھوں کا علاج بتایا گیا ہے۔ کچھ ملاحظہ کریں:

''صادق (سچے) چلاتے ہیں اور خداوند سنتا ہے۔
اور انھیں سارے دکھوں سے رہائی دیتا ہے۔
مانگو تو تمھیں دیا جائے گا۔
ڈھونڈو تو تم پاؤ گے۔
دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمھارے لیے کھولا جائے گا۔
کیوں کہ جو کوئی مانگتا ہے اسے ملتا ہے اور جو ڈھونڈتا ہے وہ پاتا ہے۔

(عہد نامہ جدید۔انجیل متی: 7-12)

اور قرآن مجید نے انجیل مقدس کی تصدیق اس طرح کی ہے:

''اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ'' (النمل: ٦٢)

''پریشان حال کی پکار کون سنتا ہے اور کون مصیبت دور کرتا ہے۔؟''

''اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ''

(القرآن المجید، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر: 186)

''پکارنے والے کی پکار کو میں سنتا ہوں جب بھی وہ پکارتا ہے پس مجھے ہی پکارو۔''

مذہب آج (یعنی موجودہ ایٹمی دور میں) بھی ایک نجات دہندہ ثابت ہوسکتا ہے جب کہ زندگی کو ٹکڑے کر کے علیحدہ علیحدہ شعبوں میں بانٹنے کی مساعی روز افزوں ہیں۔''

یہ معقولہ ٹائن بی کا ہے۔ ایک دوسرا مبصر کہتا ہے:

''اگر اقوام کے درمیان دوستی اور امن کو باقی رکھنا ہے تو ضروری ہے کہ مذہب کا اقوام سے تعلق برقرار رکھا جائے نہ صرف افراد سے اور نہ صرف ان کی شخصی نجات سے بلکہ بین الاقوامی قانون اور اخلاق سے بھی۔''

(The great religions of the modern world p282)

فلسفی کی بحث کے اندر خدا ملتا نہیں

Marfat.com

ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

حیات وکائنات کے مسائل:

ہر باشعور انسان زندگی کی حقیقت' زندگی بعد موت کا امکان' کائنات کی ماہیت' اس کا آغاز وانجام نیز پوری کائنات میں انسان کی حیثیت اور مرتبہ کے متعلق کوئی نہ کوئی تصور ضرور رکھتا ہے اور ان مابعدالطبیعی مسائل پر اظہار خیال کرتا ہے۔ فلسفہ اور سائنس نے بھی ان مسائل کے حل کی کوشش کی ہے لیکن ان گتھیوں کو سلجھانے میں یہ تلاشِ حق کے ذرائع ناکام رہے ہیں۔ حتی کہ شعراء نے بھی اپنی درماندگی کا اظہار کیا ہے۔ علامہ اقبال سراپا سوال ہیں:

یہ آفتاب کیا' یہ سپہر بریں کیا ہے؟
سمجھا نہیں تسلسل شام و سحر کو میں
حیران ہے بوعلی! کہ میں کہاں سے ہوں
رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کدھر کو میں

فلاسفہ نے اپنی عقل سے ان ماوراء الطبیعیات مسائل کے جواب دینے کی کوشش کی ہے لیکن عقل انسانی کوتاہ اور ناقص ہے۔ دنیا کے عظیم فلسفیوں نے خود اس کا اعتراف کیا۔ مثلاً: سقراط کا یہ مقولہ مشہور ہے:

''ہم اتنا بھی نہیں جانتے کہ نہیں جانتے۔''

لہٰذا عقل ان مسائل میں انسانی رہنمائی سے قاصر ہے جیسا کہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں:

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

نیز عقل کی نارسائی کا ایک دوسرے شاعر نے اس طرح اعتراف کیا ہے:

سنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سنی
نہ ابتدا کی خبر ہے' نہ انتہا معلوم!

عقل کی طرح فلسفہ جو اجتماعی انسانی فکر کا دوسرا نام ہے۔ مذکورہ بنیادی مسائل کا کوئی شافی حل نہیں پیش کر سکا جس طرح لاکھوں اندھے مل کر ایک بینا شخص کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اس طرح انسانوں کی بڑی تعداد بھی حقیقتِ حق تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی جیسا کہ

Marfat.com

شاعر کا کہنا ہے:

فلسفی کی بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

ایک دوسرے شاعر نے فلسفے کی نارسائی کا اس طرح ذکر کیا ہے:

برسوں فلاسفے کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

یہی معاملہ سائنس کا ہے جس کا انحصار حواس انسانی پر ہے لیکن انسانی حواس محدود ہیں۔ اس لیے سائنس کائنات' اس کے بنیادی حقائق' حیات بعدالممات نیز جزاوسزا جیسے مسائل جاننے سے قاصر رہی ہے۔ نیز سائنس کے نظریات نئی دریافت سے بدل جاتے ہیں۔

لیکن ان سب کے برعکس مذہب نے ان مسائل کا جو حل بتایا ہے وہی حقیقت پر مبنی اور صحیح ہے کیونکہ خالقِ کائنات نے خود اس ضمن میں بنی نوع انسان کی راہنمائی کی ہے اور اپنے انبیاء اور رسولوں کے ذریعے ان بنیادی سوالات کا جواب دیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی یاد رہے کہ صحیح مذہب عقلِ سلیم کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ اس کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ مذہب کی پیش کردہ کوئی حقیقت عقل سے بالا اور ماوراء تو ہوسکتی ہے لیکن خلافِ عقل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں سب ارباب عقل ودانش مذہب کے قائل رہے ہیں اور آج بھی ہیں لہٰذا حیات وکائنات کے مسائل کا شافی حل صرف مذہب نے پیش کیا ہے اور یہی مستند اور قابلِ اعتماد ذریعہ ہے۔

تہذیب سازقوت:

آغاز کائنات سے مذہب اور تہذیب کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ جہاں کہیں انسانی زندگی میں سلیقہ' شائستگی' حسن وزیبائش نظر آئے گی وہاں مذہب کا چرچا بھی ہوگا۔ انسان اول حضرت آدم علیہ السلام نے بشری تقاضے (بھولنے کی وجہ) سے جب ممنوعہ شجر کا پھل کھالیا اور لباس سے محروم ہوگئے تو جلد جلد پتوں سے اپنا ستر ڈھانپنے لگے تو یہ انسانی تمدن کا آغاز تھا۔

ہر دین حق اور سچا مذہب ابدی تہذیبی صداقتوں کا مجموعہ ہے جنھیں خالقِ کائنات نے انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے انبیاء کے ذریعے پہنچایا ہے۔ یہ وہ تمدنی اقدار ہیں جن پر

Marfat.com

قدامت اور فرسودگی کا سایہ نہیں پڑسکتا، جو ہر دور اور ہر زمانے کے لیے یکساں سچی ہیں اور جن میں مرورِ زمانہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ان کے لیے ماضی، حال اور مستقبل مساوی ہیں اور اسے زمان ومکان کی کوئی مجبوری لاحق نہیں۔جس طرح سورج ''پرانا'' ہونے کے باوجود ہر صبحِ نَو کے دامن کو نئی روشنی سے بھر دیتا ہے اسی طرح مذہب اور دینی تعلیمات بھی تہذیب کی ہر گردش اور تاریخ کی ہر پیش قدمی کے لیے تازہ پیام کی علم بردار ہیں۔ایران کا تمدن ہو یا ہندوستان کی تہذیب، روما کا کلچر ہو یا یونان کی ثقافت سب پر مذہب کی چھاپ نمایاں نظر آتی ہے۔ پھر جہاں تک اسلامی تہذیب کا تعلق ہے تو اسلام ہی اس کا قوّام اور اولین محرک ہے، اس سے قبل عربوں پر وحشت اور درماندگی کی تاریک شب چھائی ہوئی تھی اور تمدن کی روشن صبح جلوہ گر نہ ہوئی تھی۔ اسلام آیا تو اس نے عرب قوم کے افکار ونظریات میں تہذیبی انقلاب برپا کر دیا اور ان کی زندگی کے چلن ہی بدل گئے۔الغرض مذاہب نے ہر دور میں تہذیب وتمدن کے ارتقاء اور تزئین میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

تاریخی شواہد:

دین ومذہب انسان کی اولین اور اہم ترین ضرورت ہے۔اس کی شہادت اس امر سے بھی ملتی ہے کہ تاریخ انسانی میں کوئی معاشرہ، کوئی تمدن اور کوئی قوم ایسی نہیں گزری جو مذہب سے کلیتہً بے نیاز رہی ہو جیسا کہ پلوٹارک کا کہنا ہے:

''کسی انسان نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس میں مذہب نہ ہو۔''

(Humanity and Deity)

دنیا میں ہر قوم، ہر نسل، ہر طبقہ کوئی نہ کوئی مذہب رکھتا ہے عالم وجاہل، رذیل وشریف شاہ وگدا، افریقہ کا وحشی اور یورپ کا تعلیم یافتہ سب اس میں برابر ہیں۔

قرآن مجید اس امر پر سب سے بڑی شہادت ہے کہ آغاز آفرینش سے ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کی مذہبی اور روحانی ضروریات پوری کیں اور ہر زمانہ اور ہر قوم کی طرف انبیاء مبعوث فرمائے:

''وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ ○'' (النحل:۳۶)

''اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا (یہ پیغام دے کر) کہ (اس قوم والے) اللہ کی

Marfat.com

عبادت کریں۔"

یہ انبیاء اور رسول مختلف زمانوں اور مختلف علاقوں میں آئے۔ ایک اندازے کے مطابق تمام انبیاء کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار (کم وبیش) ہے۔ اس طرح جہاں کہیں بھی آج دنیا میں ہمیں نیکی، بھلائی، دیانت اور امانت ملتی ہے وہ ان انبیاء کی تعلیمات کی باقیات صالحات ہیں۔

یورپ میں تحریکِ احیائے علوم اور علمی نشاۃ ثانیہ کے بعد الحاد اور انکارِ مذہب کے رجحانات نے تقویت پکڑی اور بعض سائنس دانوں نے بھی اس کی تائید کی لیکن اب مغربی دنیا میں بھی لادینی نظریات کے بادل چھٹ رہے ہیں اور....."مراجعت الی المذہب" (Back to Religion) کی تحریک زور پکڑ رہی ہے۔ مغرب کے دانش ور اور سائنس دان اب پہلے سے زیادہ ہستیِ باری تعالیٰ کے قائل اور انسانی زندگی میں مذہب کی ضرورت کے حامی نظر آتے ہیں۔ اس ضمن میں تازہ ترین کتاب "خدا موجود ہے" قابل ذکر ہے جس میں چالیس جدید مغربی ماہرین نے جو کہ علمِ ارضیات، علمِ فلکیات، علمِ حیوانات، علمِ نباتات اور دیگر علوم کے ماہرین ہیں نے وجود خدا پر عقلی اور سائنسی دلائل پیش کیے ہیں۔ ضرورت مذہب پر اس بلند پایہ کتاب سے ہم آخر میں صرف ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔ ماہر حشرات الارض ڈاکٹر ایڈورڈ لوتھر لکھتا ہے:

"گذشتہ چند سال سے ہماری قوم میں وسیع پیمانے پر مذہبی بیداری پیدا ہو رہی ہے اور اس کے اثرات صرف کالج کی نئی پود میں ظاہر نہیں ہو رہے بلکہ اعلیٰ علمی اور تحقیقی اداروں کی ذہنی فضا میں سرایت کر گئے ہیں اور اس ذہنی تبدیلی میں سائنس کے پیش کردہ دلائل وشواہد نے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے کیونکہ ان شواہد نے اس کارخانۂ عالم کے ایک خالق کی ضرورت کو ناگزیر حقیقت ثابت کیا ہے۔"

(خدا موجود ہے، صفحہ نمبر 58)

انسانی عظمت وشرف، مساوات، رواداری، علوم کی ترقی، امنِ عالم، حیات بعد الموت کی اطلاع، اتحاد نسل انسانی اور انسانی فلاح، یہ سارے نکات بھی مذہب کی ضرورت واہمیت میں شامل ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

باب نمبر2:

تقابل ادیان کی اہمیت اور مسلمانوں کے کارنامے

Marfat.com

دین کا مفہوم:

دین کی جمع ادیان ہے۔ عام گفتگو میں دین اور مذہب کے الفاظ ہم معنی الفاظ کے طور پر بولے جاتے ہیں۔ قبل ازیں ہم مذہب کا مفہوم بیان کر چکے ہیں۔ ''دین'' مذہب کے لیے اسلامی اصطلاح ہے اور یہ لفظ مذہب سے کہیں زیادہ وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ دین سے مراد جامع نظامِ زندگی اور کامل ضابطۂ حیات ہے۔ اس طرح دین ہماری پوری زندگی پر محیط ہے۔ اس میں تمام شعبہ ہائے زندگی' عقائد وعبادات' اخلاق' معاشرت' معیشت اور سیاسی امور شامل ہیں۔ دین کا مقصد انفرادی اصلاح اور اجتماعی فلاح ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام ایک ہی دین ''دینِ اسلام'' کے داعی تھے۔ دوسری اقوام نے اصل دین کو بگاڑ دیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی بھیجے تاکہ اصلی ہدایت دوبارہ انسانوں تک پہنچائی جائے۔ یہ دین اپنی آخری اور تکمیلی شکل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے اور آج بھی اپنی اصل شکل میں موجود اور محفوظ ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تالیف ''مفردات'' میں دین کے معنی: ''الطاعۃ والجزاء'' یعنی اطاعت اور جزا کے لیے ہیں۔ اس کی تائید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع بخاری میں کی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

''اَلدِّیْنُ الْجَزَآءُ فِی الْخَیْرِ وَالشَّرِّ''

''دین سے مراد اچھائی اور برائی کا بدلہ ہے۔''

علاوہ ازیں قرآن مجید میں دین کا کلمہ غلبہ واستیلاء، اطاعت، بندگی، ضابطہ وطریقہ، نیز محاسبہ اور جزاء وسزا کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔ اس طرح دین ایک کامل نظام زندگی کی نمائندگی کرتا ہے جس کے اجزائے ترکیبی مندرجہ ذیل ہیں۔

1: اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اس کا اقتدارِ اعلیٰ

Marfat.com

2: اس حاکمیت الٰہی کی اطاعت وفرمانبرداری

3: ایک مکمل نظام فکر وعمل جو اس حاکمیت کے تابع ہو۔

4: جزاوسزا جو اس نظام کی اطاعت یا نافرمانی کے بدلہ میں دی جائے۔

اس طرح ''دین'' خالص قرآنی اور اسلامی اصطلاح ہے جو مذہب کی اصطلاح سے کہیں زیادہ وسیع اور جامع ہے۔ الغرض دین سے مراد ایسا کامل اور جامع نظامِ زندگی ہے جس میں انسان اللہ تعالیٰ کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرے اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرے۔ اس کے قواعد وضوابط کے مطابق زندگی بسر کرے۔ نیز اس کی اطاعت پر عزت وسرفرازی اور انعام کا امیدوار ہو اور اس کی اس نافرمانی پر ذلت وخواری اور سزا سے ڈرے۔ اقتدار اعلیٰ کا یہ مرتبہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور اسلام ہی وہ دین ہے جو اس اقتدار کی اساس پر قائم ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لیے درست طریقہ زندگی قرار دیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا'' (القرآن المجید، سورۃ المائدہ، آیت نمبر:3)

''آج ہم نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور اسلام کو تمھارے لیے دین پسند کیا۔''

''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ ○''

(القرآن المجید، سورۃ آل عمران، آیت نمبر:19)

''بے شک اللہ کے نزدیک تو اصل دین ''دینِ اسلام'' ہے۔''

''وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَالْاِسْلَامِ دِیْنًافَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ○''

(القرآن المجید، سورۃ آل عمران، آیت نمبر:85)

''اور جو اسلام کے سوا اور کسی اور دین کی پیروی کرے گا اس سے وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔''

تقابلِ ادیان سے مراد:

تقابل ادیان سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں پائے جانے والے مشہور مذاہب اور معروف

Marfat.com

ادیان کی تعلیمات کا غیر متعصبانہ تقابل اور غیر جانبدارانہ موازنہ کیا جائے۔ نیز تمام مذاہب کی خوبیوں کا کھلے دل سے اعتراف کیا جائے پھر اس سے مراد مختلف مذاہب کے بنیادی عقائد' عبادات اور رسوم کا اعتراف کیا جائے۔ نیز تقابل ادیان سے مراد مختلف مذاہب کے بنیادی عقائد' عبادات اور رسوم کا ایسا ناقدانہ اور عادلانہ جائزہ ہے جس سے ہر ایک مذہب کی قدر و قیمت' خوبیاں اور خامیاں پوری طرح روشن ہو جائیں۔ مطالعہ تقابل ادیان کے دوران اگر کسی دین کی خوبی سامنے آتی ہے تو اسے بلا تکلف سراہا جائے۔ نیز اگر کوئی خامی ہے تو اسے دلیل اور برہان سے رد کیا جائے تا کہ حق تک رسائی ممکن ہو۔ دین اسلام کی فضیلت کو دلائلِ عقلیہ اور اس کی حقانیت کو تاریخی شواہد سے ثابت کیا جائے تا کہ نئی نسل اور تعلیم یافتہ طبقہ اس پر شعوری ایمان لائے۔ اسے شرحِ صدر سے قبول کرے اور نتیجتاً وہ اپنی زندگیوں میں مطلوبہ پسندیدہ تبدیلیاں لائے۔

تقابلِ ادیان کے اصول:

ادیان کا مطالعہ اور تقابل درحقیقت ایک بہت مشکل کام ہے انسان جس عقیدے اور رائے پر ایمان رکھتا ہو اس کے مخالف عقائد و آراء کے ساتھ بہت کم انصاف کر سکتا ہے۔ یہ کمزوری انسانی طبائع میں بہت عام ہے مگر خصوصیت کے ساتھ مذہبی گروہ میں تو اس نے تعصب و تنگ نظری کی بدترین شکل اختیار کر لی ہے۔ ایک مذہب کے پیرو جب دوسرے مذاہب پر تنقید کرتے ہیں تو ہمیشہ ان کے تاریک پہلو ہی تلاش کرتے ہیں اور روشن پہلو کو یا تو دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے یا اگر دیکھ بھی لیتے ہیں تو اسے دیدہ و دانستہ چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مذہبی تنقید سے ان کا مدعا دراصل حق کی تلاش نہیں ہوتا بلکہ محض اس رائے کو جسے وہ تحقیق سے پہلے اختیار کر چکے ہیں' درست ثابت کرنا ہوتا ہے۔ اس طریقہ سے تقابل ادیان کے تمام فوائد زائل ہو جاتے ہیں اور خود اس مذہب کو بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا جس کی تائید میں یہ گمراہ کن طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اگر تقابل کا مقصدِ حق کی تحقیق اور اس کے احقاق کے سوا کچھ اور نہیں ہے تو یقیناً اس مقصد کے حصول کا بھی یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے کہ آدمی پہلے سے دوسرے مذاہب کے متعلق ایک مخالفانہ رائے قائم کرے اور ان کا مطالعہ صرف اس نیت سے کرے کہ ان کی خوبیوں پر پردہ ڈالنا ہے اور ان کی برائیوں کو تلاش کر کے ان

Marfat.com

سے اپنے مذاہب کی برتری ثابت کرنی ہے۔ اس قسم کی بددیانتی اور فریب کاری سے کسی مذہب کی برتری کا اثبات نہ تو فی الحقیقت اس کی برتری کا اثبات ہوگا نہ ایسی کامیابی کسی دین حق کے لیے باعث فخر ہوسکتی ہے اور نہ حق وصداقت کی نظر میں ایسے مذاہب کو کوئی وقعت حاصل ہوسکتی ہے۔ اگر اس طرح دھوکا کھا کر کوئی شخص اس کی حقانیت کا معتقد ہو جائے تو یہ اعتقاد بالکل نا قابل اعتماد ہوگا کیونکہ اس کی بنیاد ہی غلط ہوگی۔ ان مفاسد سے احتراز کر کے تقابل ادیان کی بحث کو کسی صحیح نتیجہ پر پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے تقابل کے چند اصول طے کر لیے جائیں اور ان کی سختی کے ساتھ پابندی کی جائے۔ ہماری رائے میں وہ اصول یہ ہونے چاہئیں۔

1: ایک مذہب کی تعلیم کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ دوسرے مذاہب کی تعلیمات کو کلیتًا غلط ثابت کیا جائے۔

2: یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک مذہب میں حق وصداقت کے موجود ہونے سے دوسرے مذاہب میں اس کا عدم لازم آئے۔ حق ایک کلی حقیقت ہے جس کے افراد خواہ کہیں ہوں بہرحال اسی ایک کلی حقیقت کے فرد رہتے ہیں۔ حال و مقام کے بدلنے سے ان کی حقیقت و اصلیت نہیں بدلتی' جو حق ہمارے مذہب میں پایا جاتا ہے اس کا دوسرے مذہب میں پایا جانا دونوں میں سے کسی مذہب کے نقص کی دلیل نہیں ہے کہ اس پر خواہ مخواہ پردہ ڈالنے کی کوشش کی جائے بلکہ دراصل وہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں کسی ایک مشترک چشمہ حق سے ماخوذ ہیں جس کا فیض دونوں کے پاس محفوظ رہا ہے۔ پس حق کا جتنا اور جیسا فیضان جہاں بھی کہیں موجود ہے اس کا مستحق ہے کہ اس کی قدر کی جائے نہ کہ خواہ مخواہ کھینچ تان کر اسے بے قدر ثابت کرنے پر زور صرف کیا جائے۔

3: جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حق اس کے مذاہب کے سوا کہیں اور موجود ہی نہیں ہے وہ دوسرے مذہب پر نہیں خود حق پر بھی ظلم کرتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حق وصداقت کی روشنی کم وبیش سب جگہ موجود ہے۔ البتہ اربابِ تحقیق جب کسی ایک مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح دیتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کی نگاہ میں وہ مذہب تجلیاتِ حقیقت کا مظہر اتم ہوتا ہے۔ پس تقابلِ ادیان کے کسی متعلم کو کبھی یہ پیشگی فیصلہ کر کے نہ بیٹھ جانا چاہیے کہ اس کے مرغوب مذہب کے سوا تمام مذاہب حق کی روشنی سے خالی ہیں بلکہ اسے یہ سمجھنا چاہیے کہ اس

Marfat.com

کے سامنے حق اور باطل دونوں ملے جلے آئیں گے اور اس کا کام یہ ہوگا کہ اپنی عقل اور قوت تمیز سے کام لے کر حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھے اور ایک دوسرے سے خلط ملط نہ ہونے دے۔

4: مذہبی تحقیقات میں اس امر کا خاص اہتمام کرنا چاہیے کہ کسی مذہب کے متعصب مخالفین اور غالی متبعین، دونوں کی تصنیفات کے مطالعہ سے پرہیز کیا جائے۔ ابتدائی تحقیقات میں اس قسم کے لوگوں کی تصنیفات کے مطالعہ سے ایک ناظر کبھی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا کیونکہ زیرِ تحقیق مذہب کے اصلی چہرے کو دیکھنے سے پہلے ہی اس کے اصلی رنگ کو نہیں دیکھا جا سکتا۔ اگر اِن تحقیقات کو کسی صحیح نتیجہ پر پہنچانا ہو تو یہ ضروری ہے کہ کسی مذہب کو اس حیثیت سے نہ دیکھا جائے کہ دوسرے اس کو کس شکل میں دیکھتے ہیں بلکہ اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ وہ خود اپنے آپ کو کس شکل میں دکھاتا ہے۔ اس کے لیے حتی الامکان ہر مذہب کے ماخذ اصلیہ کا مطالعہ کرنا چاہیے اور اُن کو پڑھ کر خود اپنی عقل سے فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ مذہب کہاں تک صحیح اور کہاں تک غلط ہے۔ پھر جب آدمی خود ایک رائے قائم کر لے تو اس کے بعد دوسروں کی آراء وافکار کا مطالعہ کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ اس وقت وہ حق و باطل میں بہ آسانی امتیاز کر سکے گا۔

تقابلِ ادیان کی اہمیت وافادیت:

تقابل ادیان سے ہمارے مطالعہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں جن سے رواداری، تحمل اور مخالف نقطہ نظر کو برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ نیز پتہ چلتا ہے کہ مختلف مذاہب میں بعض مشترک تعلیمات پائی جاتی ہیں جو ازلی اور ابدی انسانی اقدار ہیں اور فی الحقیقت یہی صداقتیں اور اقدار پائیدار ہیں جو ہر زمانے اور مذہب میں موجود رہی ہیں۔ اس طرح ہم تقابلِ ادیان کے مطالعہ سے تمام مذاہب کی خوبیوں سے آشنا ہوتے ہیں اور عملاً انھیں اپنا سکتے ہیں جس سے بلند کرداری، فکری بلندی اور روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں مطالعۂ مذاہب سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ ہادیانِ مذاہب عموماً عالی ہمت، راست گو، مستقل مزاج تھے اور یہ درحقیقت نسل انسانی کا بہترین گروہ تھا جو ہم سب کے لیے قابلِ فخر ہے۔ اس کے برعکس ان کے مخالفین کینہ پرور،

Marfat.com

خودغرض' دنیاپرست' کم ہمت' بے صبرے اور گھٹیا کردار کے حامل تھے لہٰذا ہمیں رزائلِ اخلاق سے پرہیز اور فضائلِ اخلاق کو اپنانا چاہیے۔

تقابلِ ادیان سے ہمیں حق وباطل کے مابین اس کشمکش کا پتہ چلتا ہے جو ازل سے خیروشر اور انسان وشیطان میں برپا ہے۔ مطالعۂ مذاہب ہمیں بتاتا ہے کہ ہر قوم اور ہر ملک میں ہادیانِ برحق آتے رہے جو نوعِ انسانی کو خالقِ حقیقی کی عبادت کی طرف دعوت دیتے رہے لیکن انسانوں کی اکثریت ہمیشہ بے شمار باطل معبودوں اور فطری مظاہر کے سامنے سجدہ ریز رہی ہے۔ اسی طرح ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دینوی زندگی حق وباطل کی رزم گاہ ہے اور اس میں حق پرستوں کے لیے مخالفت' ابتلاء اور آزمائش لازمی ہے۔ نیز انسانوں کی اکثریت ہمیشہ حق پر نہیں ہوتی۔

مذاہب کی تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں نہ صرف اس زمانے یا علاقے کے لوگوں کی ثقافتی اور تمدنی حیثیت کے تعین میں مدد ملتی ہے بلکہ فی الحقیقت اس عہد کے انسان کی ذہنی' علمی اور فکری صلاحیتوں کا اندازہ لگانا مذہبی عقائد کی روشنی میں نہایت آسان ہوجاتا ہے۔ علاوہ ازیں مذہبی عقائد کا تمدن اور تہذیب کے ساتھ تعلق بھی گہرا ہوتا جاتا ہے پھر مختلف مذاہب کی عبادت گاہیں مختلف تہذیبوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔

تقابلِ ادیان سے نہ صرف ہماری دینی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ علم واستدلال کی نئی راہ کھلتی ہے۔ ہر مذہب کا اپنا فلسفہ اور علم الکلام ہوتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے درست اور نادرست خوب اور خوب تر کا فرق واضح ہوتا ہے۔ ہم مسلمان ہیں، ہمارا دین بفضل تعالیٰ عقل و خرد کا دین ہے جو عقلی معیار پر پورا اترتا ہے۔ اس طرح تقابل ادیان سے غیر شعوری ایمان کو شعوری اور عقائد کو مستحکم بنانے میں مدد ملتی ہے۔ نیز قوتِ استدلال میں اضافہ ہوتا ہے اور تنقیدی نظر کو جلا ملتی ہے۔ نیز تعصب وتنگ نظری کا خاتمہ ہوتا ہے۔

مذاہب عالم کے مطالعہ میں ہم ہادیانِ مذاہب کے کارناموں کا ذکر پڑھتے ہیں جو انھوں نے فلاحِ فرد اور فلاحِ انسانیت کے لیے انجام دیئے اور معلمانہ انداز سے روحانی' اخلاقی' سیاسی اور اجتماعی انقلاب برپا کرنے میں' سخت مصائب اٹھائے۔ اس کے ساتھ ہی گذشتہ اقوام کا کردار' ان کے عروج وزوال کی داستانیں پڑھتے ہیں جن کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ جن اقوام نے نیکی اور بھلائی کی راہ اختیار کی انھوں نے فلاح

Marfat.com

وسعادت پائی اور جوقومیں ظلم وعدوان، بغاوت وسرکشی کرتے ہوئے شیطان کی راہ پر چلیں وہ اپنی مادی قوت اور اقتصادی خوشحالی کے باوجود تباہی اور ہلاکت سے دوچار ہوئیں اور اس مطالعہ سے ہمیں موعظت وعبرت کے اسباق ملتے ہیں بقول قرآن مجید:

''فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○'' (النحل:۳۶)

''دیکھو! جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔''

مختلف اقوام میں پھیلی ہوئی حکایات، روایات اور مذہبی کتب میں مذکور مواد میں جو غلط اجزاء شامل تھے ان میں رطب ویابس، صحیح وغلط کے امتیاز کا فرق واضح ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ پیروانِ مذہب اپنی خوش عقیدگی اور لاعلمی سے شعوری طور پر اپنے مذاہب میں ترمیم اور اضافے کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح مختلف مذاہب میں حقیقی اور افسانوی معلومات میں تمیز کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ الغرض ادیان ومذاہب کا تقابلی مطالعہ متعدد فوائد کا حامل ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

تقابلِ ادیان اور مسلمانوں کی خدمات

تقابل ادیان کا آغاز:

بعض مغربی محققین اور مستشرقین کا دعویٰ ہے کہ تقابل ادیان کا آغاز انھوں نے کیا اور اولیت کا سہرا مغرب کے سر ہے لیکن یہ دعویٰ حقیقت کے خلاف ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ جب مغربی ممالک میں تحریک احیائے علوم کے نتیجے میں یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا اور سائنسی اور جدید علوم میں ترقی کی بدولت یورپی اقوام نے افریقی اور ایشیائی اقوام پر غلبہ اور تسلط حاصل کرلیا تو اب اس تسلط کو دوام بخشنے کے لیے انھوں نے (Divide and Rule) ''تفرقہ پھلاؤ اور حکومت کرو'' کے اصول کو اپنایا۔ اس سلسلہ میں یورپی مصنفین نے مذاہب کا مطالعہ کیا اور مختلف مذاہب کی حقیقت' اصلیت اور فلسفہ کو سمجھا۔ افریقی اور ایشیائی ممالک کی مذاہب کی کمزوریاں تلاش کیں اور اپنے سامراجی مقاصد کے لیے مذہبی اختلافات کو ہوا دی اور انھیں بڑھایا اور مختلف مذاہب کے پیروکاروں نے نفاق کے بیج بوئے اور ان میں چپقلش کروائی تا کہ وہ ان اقوام کا استحصال کرتے رہیں۔ اسی طرح مستشرقین کی مذہب سے دلچسپی کا آغاز ان کے سامراجی مقاصد تھے، اس میں تلاش حق کا جذبہ کارفرما نہ تھا۔

علاوہ ازیں پورا یورپ تحریک احیائے علوم سے قبل عیسائیت کا پیروکار تھا لیکن اصل عیسائیت مسخ ہوچکی تھی۔ مذہبی طبقہ استحصالی طبقہ بن چکا تھا اور عیسائیت جدید سائنس اور تحقیقات کا ساتھ نہ دے سکی۔ نیز مغربی اقوام کے ذہنوں میں ابھی تک صلیبی جنگوں کے تلخ اثرات باقی تھے، اس لیے مغربی محققین نے تحقیق اور علم کے نام پر مذاہب کی تعلیمات غلط رنگ میں پیش کیں اور بالخصوص دین اسلام کو مسخ شدہ شکل میں پیش کیا جس کی وجہ یہ تھی کہ عیسائی اقوام سے قبل دین اسلام ایشیا اور افریقہ کا غالب مذہب تھا۔

فی الحقیقت تقابلِ ادیان کا علم اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود انسان۔ تقابل ادیان کا آغاز

Marfat.com

اسی وقت ہوگیا تھا جب پہلا ریفارمر اور دینی مصلح کھڑا ہوااور اس نے اپنی قوم اور معاشرے کے مروجہ نظریات' باطل عقائد اور روایتی رسوم وعبادات پر تنقید کی اور اعلیٰ اقدار کی تعلیم دی۔ اخلاقی اور روحانی اصلاح کی سعی کی۔ اس ضمن میں خدا کے فرستادہ رسولوں اور انبیاء کا رول قابل قدر ہے۔ ان نفوسِ قدسیہ نے اپنی قوموں میں پھیلے ہوئے غلط نظریات اور باطل عقائد کا رد کیا، شرک اور الحاد کی مخالفت کی۔ طاغوتی طاقتوں کے خلاف جہاد کیا اور خالص توحید کا احیاء کیا اور اسے نکھار کر پیش کیا۔ اس طرح انھوں نے بار بار انھی تعلیمات اور روحانی اقدار کو اپنے معاشرے اور قوم میں پھیلایا۔

قرآن مجید اور تقابل ادیان:

قرآن مجید تقابل ادیان کی پہلی کتاب ہے جس میں تقابل ادیان کے اصول' اسلوب اور طریق کار ملتا ہے۔ قرآن مجید نے اپنے دور کے مروّجہ مذاہب کے باطل عقائد کا ذکر کیا، ان غلط نظریات کا رد عقلی دلائل سے کیا، تاریخی شواہد پیش کیے کہ ان مذاہب کی اصل تعلیمات حق اور توحید پر مبنی تھیں لیکن بعد ازیں ان کے پیروکاروں نے اپنے ذاتی مفاد کی بناء پر ان میں باطل عقائد کی آمیزش کی۔

اس طرح قرآن مجید عقلی اور نقلی دلائل سے انسانی ضمیر کو جھنجھوڑتا اور صراط مستقیم دکھاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں مختلف باطل مذاہب اور غلط نظریات کا تذکرہ تفصیلاً ملتا ہے۔ مثلاً اہلِ کتاب میں سے یہود ونصاریٰ' مشرکین' منکرینِ آخرت اور منافقین جن کی تفصیل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معروف کتاب ''الفوز الکبیر'' میں ''علمِ مخاصمہ'' کے عنوان سے بڑی عمدگی سے دی ہے۔ یہ بحث بڑی فاضلانہ، پُر مغز اور فکر انگیز ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس سے یہ حقیقت پوری طرح آشکار ہوجاتی ہے کہ قرآن مجید تقابل ادیان کے فن پر اولین کتاب ہے جس میں اس فن کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔

بعد ازیں مسلمانوں نے تقابل ادیان کے انھی قرآنی اصولوں اور اسلوب کو اپنایا۔ مسلمان مفسرین نے ہر دور میں عصری تقاضوں کے تحت قرآن مجید کی عظیم الشان اور قابل فخر تفاسیر لکھیں اور انھوں نے اہل کتاب اور دیگر باطل مذاہب کی تفصیل بیان کی، ان کے باطل عقائد پر گرفت کی نیز عقلی دلائل اور محکمہ براہین سے ان کا رد کیا۔ نیز اپنے زمانے کے نئے

Marfat.com

فتنوں کا علمی محاسبہ، فلسفہ، منطق اور علم کلام کے مروجہ اصولوں کے ذریعے کیا۔ اس ضمن میں تفسیری ادب کا احصاء تو ممکن نہیں۔ اشارتاً چند اہم عربی اور اُردو تفاسیر کے نام دیئے جاتے ہیں:

1: تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ
2: جامع البیان فی التفسیر القرآن لابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ
3: الدر المنثور فی تفسیر الماثور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
4: مفاتیح الغیب الموسوم تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ
5: انوار التنزیل فی اسرار التاویل علامہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ
6: تفسیر کشاف علامہ زمخشری
7: فی ضلال القرآن سید قطب شہید
8: روح المعانی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ
9: تفسیر المراغی
10۔ تفسیر المنار

مستقل کتابیں:

بعض علماء نے دیگر مذاہب اور ادیان پر مستقل اور مفصل کتب تحریر کیں جن میں انھوں نے مذاہب کا تفصیلی جائزہ لیا، ان کے نظریات اور عقائد کی عقلی دلائل اور نقلی شواہد سے تردید کی ان میں سے چند کتب یہ ہیں:

1: الفصل فی الملل والاھواء والنحل لابن حزم ظاہری
2: کتاب الملل والنحل ابوالفتح عبدالکریم شہرستانی

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ان دونوں کتب میں مصنفین نے اپنے زمانے کے تمام مذاہب، ملتوں اور مروجہ نظریات کا بھرپور ناقدانہ جائزہ لیا ہے اور ان کا موازنہ دین اسلام سے کیا ہے۔

3: کتاب الھند

مشہور مورخ مسلمان البیرونی نے ہندوستان کا سفر کیا اور یہاں کافی عرصہ قیام

Marfat.com

گیارہویں باب میں کنفیوشس مت پر بحث کی گئی ہے۔ اس میں اس کی تاریخ اور تعلیمات' حکومت کے متعلق اس کے تصورات ونظریات' کنفیوشس کی کتابیں اور تعلیم اور مقولے بیان کیے گئے ہیں اجتماعی حالت میں اس کے چار قوی پہلوؤں اور چار ہی کمزور پہلوؤں کا ذکر کیا گیا ہے۔

بارہویں باب میں ہندو مذہب پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ تیرھویں باب میں یہودیت اور چودھویں باب میں مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ کے تحت بحث کی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں کچھ ضمیمے شامل کیے گئے ہیں۔

15: اسلام اور دنیا کے مذاہب:

یہ کتاب تین حصوں اور 381 صفحات پر مشتمل ہے اس کے مصنف الحاج غلام نبی امجد ہیں اس کو مفید عام کتب خانہ لاہور نے شائع کیا ہے۔ پہلے حصے کے پہلے باب میں یہودیت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے، دوسرا باب عیسائیت پر مشتمل ہے، باب سوم میں بائبل کی تاریخ اور ترجمہ' عہد جدید کے غیر مستند لٹریچر کی تاریخ، حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کی درس وتدریس' غیر مستند تحریف شدہ کتابیں، سینٹ برناباس کی سوانح حیات اور اس باب کے آخر میں برناباس کی انجیل سے چند آیتیں دی گئی ہیں۔

حصہ دوم میں پہلے عربوں کی حالت بیان کی گئی ہے اور اسلام کے محاسن پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ باب دوم ''قرآن کریم کی خوبیاں دیگر کتب کے مقابلہ میں'' پر مشتمل ہے۔ تیسرے باب میں خصائص نبوت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ حصہ سوم میں پہلا باب زرتشی مذہب پر مشتمل ہے اور باب دوم میں ہندو مذہب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ باب سوم میں سکھ مذہب اور اسلام پر تقابلی انداز میں مختصر مگر جامع انداز میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔

16: دنیا کے بڑے بڑے مذاہب:

اس کتاب کے مصنف عماد الحسن آزاد فاروقی ہیں۔ چار سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب پہلی بار 1991ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ تمام مذاہب کا غیر جانبدارانہ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ دیباچہ میں تقابل ادیان کے اصول وضوابط اور اہمیت و ضرورت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ پھر آٹھ مذاہب یعنی ہندومت' جین مت' بدھ مت'

Marfat.com

زرتشت ازم، سکھ مت، یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے بارے میں گراں قدر معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ باب نمبر 9 تا باب 16 تک ضمیموں کی شکل میں مذکورہ مذاہب کے لیے کتابوں سے اقتباسات بیان کیے گئے ہیں تا کہ حقیقت حال واضح ہو سکے۔

اسی طرح بعض دیگر مسلمان علماء نے اپنی اپنی تالیفات میں ضمناً اس فن کا ذکر کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے الفوز الکبیر میں علمِ مناظرہ یا علم مخاصمہ کے نام سے بیان کیا ہے۔ اس طرح ''الفہرست'' لابن ندیم اور مقدمہ ابن خلدون میں مختلف مذاہب کا تذکرہ موجود ہے بلکہ ابن خلدون نے تو تقابلِ ادیان کے اصولوں کی طرف بھی مفید اشارے کیے ہیں۔

غیر مسلموں سے مناظرے:

دیگر مذاہب سے مناظرہ کا آغاز اسلام سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وفد نجران سے مباہلہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ علم کلام بھی فلسفہ اور منطق کی زبان میں دیگر مذاہب سے مناظرے کا ہی کا نام ہے۔ ہر زمانہ میں مسلمانوں اور علماء نے غیر مسلموں سے حکمت سے مجادلہ حسنہ کیا اور علمائے حق کی بدولت لاکھوں غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

جدید دور میں بھی مسلمان مفکرین نے مغربی افکار اور نظریات کے رد میں کافی لکھا ہے اور آج کل یورپ اور امریکہ میں مسلمانوں کے مختلف وفود اور مشن سرگرم عمل ہیں اور اپنی تحریر و تقریر کے ذریعے اشاعت اسلام کا کام کر رہے ہیں۔ آئے دن مسلمان علماء کے عیسائی پادریوں سے مناظرے اور مجادلے ہوتے رہتے ہیں پھر نتیجتاً اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر کثیر تعداد میں غیر مسلم اسلام قبول کر رہے ہیں۔ براعظم افریقہ تو ہلال و صلیب کی فیصلہ کن رزم گاہ اور ٹیسٹ کیس بنا ہوا ہے۔ جہاں عیسائیت مسلسل پسپا ہو رہی ہے اور اِن شاء اللہ! تائید ایزدی اور مسلمان مبلغین کی مساعی سے اسلام فتح یاب ہوگا اور یہ براعظم اسلام کا مرکز بنے گا۔

''وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا○''

(القرآن المجید، پارہ نمبر 15، سورۃ نمبر 17 (بنی اسرائیل)، آیت نمبر 81)

''اور اعلان کر دو کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

باب نمبر3:

مذاہبِ عالم کی تقسیم

اور

مذہب کا آغاز

Marfat.com

تقسیمِ مذاہب عالم

بنیادی اور نسلی اقسام:

مذہب کے آغاز وارتقاء کے لحاظ سے ہم مذاہب کے ارتقائی تصور اور الہامی تصور کا مطالعہ بعد میں کریں گے پہلے ہم مذاہب کی تقسیم کچھ دوسرے پہلوؤں سے دیکھتے ہیں۔
بنیادی طور پر مذاہب کی دو اقسام ہیں:

1: سامی مذاہب
2: غیر سامی مذاہب

لیکن نسلی بنیاد پر موجودہ عالمی مذاہب تین نسلی گروہوں میں منقسم ہیں:

1: سامی مذاہب
2: آریائی مذاہب
3: منگول مذاہب

ان نسلوں کی آبادی کے لحاظ سے وہ مختلف جغرافیائی خطوں میں پائے جاتے ہیں ان کے قدرے تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے۔

سامی مذاہب:

ان میں اسلام، عیسائیت اور یہودیت داخل ہیں لیکن اس کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ ان مذاہب اور خصوصاً اسلام کا عقیدہ صرف سامی نسل کے لوگوں تک محدود رہا یا سامی نسل کی برتری پر مبنی ہے کیونکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے:

مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

''انماالمومنون اخوۃ (القرآن المجید، پارہ نمبر 27، سورۃ لحجرات)

Marfat.com

عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل نہیں تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

"لَیْسَ لِلْعَرَبِیِّ فَضَلٌ عَلَی الْعَجَمِیِّ وَلَالِعَجْمِیِّ فَضْلٌ عَلَی الْعَرَبِیِّ کُلُّکُمْ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ (الصحیح البخاری)

اسلام کی تعلیم سامی نسل کی تخصیص یا برتری کے بجائے اصول مساوات کی آئینہ دار ہے۔ ان مذاہب کے سامی النسل ہونے کا منشا صرف اس قدر ہے کہ ان کا آغاز سامی اقوام میں ہوا۔ ورنہ! یہ تینوں سامی مذاہب آج عالمگیر اور دنیا کے ہر براعظم میں پائے جاتے ہیں اور ان میں سے عیسائیت اور اسلام دنیا کے ہر حصے میں آج بھی زبردست سیاسی طاقت ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ گذشتہ ڈیڑھ ہزار سال سے دنیا پر حکمران ہیں۔ اس طرح نسل انسانی کی تاریخ کے اہم اور بنیادی دور میں صرف سامی نسل ہی دنیا کی قیادت کرتی رہی ہے۔ اس عالمی قیادت سے نیچے اتر کر بھی یہ بات نمایاں ہے کہ غیر سامی اقوام سامی اقوام کے برخلاف کبھی اپنے مرکز سے باہر نمایاں اور بااثر نہیں رہیں۔ مشرقِ وسطیٰ کے علاقے یا افریقہ، یورپ اور نئی دنیا کے کسی علاقے میں کبھی ان کی عملداری نہیں رہی۔

آریائی مذاہب:

ان مذاہب میں ہندومت، جین مت، زرتشتی مذہب اور سکھ مت شامل ہیں۔ بعض لوگ بدھ مذہب کو بھی آریائی سمجھتے ہیں لیکن یہ امر نزاعی ہے کیونکہ ساکھیامنی (گوتم بدھ) جس علاقہ کے رہنے والے تھے وہ تاریخی طور پر کبھی آریہ کا حصہ نہیں رہا اور نہ اس علاقے کے لوگ آریائی نسل سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ وہ منگولی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ نیپال اور اس کا زیریں علاقہ سرحدی ہے۔ اس لیے آریائی نسل اور تہذیب کے اثرات بھی اس سنگم میں پائے جاتے ہیں لیکن نسلی اور ثقافتی و مذہبی حیثیت سے منگولی نسل اور چینی تہذیب و ثقافت کے اثرات بھی آریائی نسل اور ہندو ثقافت کے اثرات پر غالب ہیں۔ محض اس ایک وجہ سے ہی بدھ مذہب کے آریائی ہونے کی تردید ہوتی ہے بلکہ اور بھی دیگر قوی قرائن اس کی تائید کرتے ہیں کہ بدھ مت آریائی نہیں بلکہ منگولی ہے۔ چنانچہ بدھ مت کے موجودہ پیروؤں کی تعداد کا بیشتر حصہ منگولی نسل اور وطن سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح یہ محض کوئی اتفاق نہیں کہ بدھ

Marfat.com

مت اپنی توسیع کے دور میں شمال میں بھوٹان اور نیپال وتبت وچین اور مشرق میں جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک برما' سیام' جزیرہ نمائے ملایا اور انڈو چائنا میں پھیلا جو منگول نسل کا علاقہ ہے۔

منگولی مذاہب:

ان مذاہب میں کنفیوشی مت' تاؤمت' اسلاف پرستی' شنٹومت اور اغلبا بدھ مت بھی داخل ہے۔ یہ سب کے سب مذاہب آریائی مذاہب ہی کی طرح بت پرستی کی ترقی یافتہ اشکال ہیں اور باہم ایک دوسرے کا تتمہ وضمیمہ ہیں کیونکہ ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کا مجموعہ عقائد موجودہ دور کے معاشرہ کی ہمہ جہتی اور مکمل ضروریات کا کفیل ہو سکے۔ دراصل یہ سارے منگول مذاہب ایک مشترکہ خاندان ہے جس کا ابوالعائلہ خاندان کنفوشی مت اور جس کا مرشد یا روحانی گرو تاؤمت ہے۔

الہامی وغیرالہامی مذاہب:

مذاہبِ عالم کو الہامی اور غیرالہامی میں بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔ الہامی سے مراد وہ ادیان ہیں جو خدا' اس کے رسولوں اور ان کی لائی ہوئی کتابوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کے برخلاف غیرالہامی سے مراد وہ ہیں جو اپنی تعلیمات اور عقائد کو خدائے وحدہ لاشریک کی معین ہدایت کے تابع نہیں سمجھتے۔ الہامی مذاہب میں یہودیت' عیسائیت اور اسلام اور غیرالہامی میں بقیہ مذاہب آتے ہیں۔ الہامی مذاہب سامی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور غیرالہامی مذاہب کا سامی نسل سے کوئی تعلق نہیں۔ بہرحال ان دونوں کی بنیادی خصوصیات مختلف ہیں جو ذیل میں درج ہیں۔

الہامی اور غیرالہامی مذاہب کی خصوصیات:

1: الہامی مذاہب اصلاً ایک خدا کے تصور پر مبنی ہیں جبکہ غیرالہامی اس کے پابند نہیں۔ یہاں تک کہ بعض سرے سے خدا کے تصور سے بھی عاری ہیں۔

2: الہامی مذاہب پیغمبروں کے قائل ہیں' غیرالہامی نہیں۔

3: الہامی مذاہب کا اصل منبع وسرچشمہ سماوی ہے، غیرالہامی مذاہب میں یہ ضروری نہیں۔

4: الہامی مذاہب سبھی مشرق وسطیٰ کے ایک محدود خطے میں پیدا ہوئے لیکن غیر

Marfat.com

الہامی اس کے باہر پیدا ہوئے۔

5: الہامی مذاہب سامی اقوام کے تاریخی حلقہ اثر میں پیدا ہوئے لیکن باہر بھی پھیلے مگر غیر الہامی اس کے باہر پیدا ہوئے اور کبھی الہامی مذاہب کے دائرہ اثر میں شائع نہیں ہوئے۔

6: الہامی مذاہب اپنی تعلیمات یا عملی تاریخ کے باعث تبلیغی ہیں اور غیر الہامی اپنی اصلی تعلیمات کے مطابق تبلیغی نہیں۔

7۔: الہامی مذاہب کی تعلیمات معین اور واضح ہیں۔ لیکن غیر الہامی مذاہب کی تعلیمات غیر معین اور لچکدار ہیں۔

8: الہامی مذاہب کی تعلیمات کلی اور اپنی اصل کی بنا پر دینی اور دنیوی زندگی پر کم و بیش حاوی ہیں لیکن غیر الہامی مذاہب کی تعلیمات جزوی ہیں یعنی یا تو صرف روحانی زندگی سے متعلق ہیں مثلاً تاؤمت' یا دنیوی زندگی سے متعلق ہیں مثلاً کنفیوشس مت۔

تبلیغی اور غیر تبلیغی مذاہب:

مذاہب کی اس اصولی تقسیم کے متعلق سر تھامس آرنلڈ اپنی کتاب ''دعوت اسلام'' میں لکھتے ہیں:

''پروفیسر میکس ملر نے مسیحی مشنوں کی دعا کے جلسے میں جو دسمبر 1973ء میں ویسٹ منسٹر ایبی میں منعقد ہوا تھا' لیکچر دیا۔ جس میں انھوں نے کہا کہ دنیا کے چھ بڑے مذاہب تبلیغی اور غیر تبلیغی مذہبوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔ قسم آخر میں یہودی' برہمنی اور زرتشتی مذاہب داخل ہیں۔ قسم اول میں بدھ مت' عیسائی مذہب اور اسلام شامل ہیں۔''

لیکن یہ تقسیم قابل قبول نہیں کیونکہ اگر اس تقسیم کی بنیاد متعلقہ مذاہب کی تعلیمات ہیں تو یہ غلط ہے۔ بدھ مذہب اور عیسائیت انجیل کی اصلی تعلیمات کے مطابق تبلیغی نہیں چنانچہ شواہد سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

عیسائیت:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خود انجیل کی شہادت یہ ہے:

''عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''میں صرف بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش

Marfat.com

کے لیے آیا ہوں۔"

نیز اپنے حواریوں سے فرمایا:

"تم غیر قوموں کے پاس نہ جانا اور نہ سامریوں کے شہر میں داخل ہونا بلکہ پہلے بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کی طرف جانا۔"

کنعان سے ایک عورت اپنی قوم کے لیے ہدایت طلب کرتی ہوئی مسیح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے تو آپ انکار کرتے اور فرماتے ہیں کہ "یہ ٹھیک نہیں کہ بچوں کی روٹی لے کر کتوں کے آگے ڈال دی جائے۔"

بدھ مت:

بدھ مت کی تعلیم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائی بدھ مت تبلیغی نہ تھا البتہ تیسری کونسل کے بعد مہاراجہ اشوک کے عہد میں جب بیرونی ممالک میں مشنری بھیجے گئے تو پھر اس نے عملاً تبلیغی مذہب کی حیثیت اختیار کر لی اور اسی لحاظ سے اس کو تبلیغی سمجھا جانے لگا۔

الغرض عیسائیت کی ابتدائی اور بدھ مت کی ابتدائی تاریخ کی رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مذاہب تبلیغی نہیں لیکن اگر اس تقسیم کی بنیاد متعلقہ مذاہب کی تعلیم اور ابتدائی تاریخ کی بجائے پیروانِ مذاہب کا عملی رویہ ہے تو پھر دنیا کے تمام مذاہب آج کل کم و بیش تبلیغی ہو گئے ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

مذہب کے بارے میں دونظریئے

مذہب کے آغاز کے بارے میں دونظریئے پائے جاتے ہیں۔ ایک ارتقائی نظریہ اوردوسرا الہامی نظریہ۔ ذیل میں ہم ان کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

1: ارتقائی نظریہ:

ڈارون کے نظریہ ارتقاء سے متاثر ہوکر مغربی محققین اور مستشرقین کی اکثریت نے مذہب کا ارتقائی نظریہ پیش کیا ہے۔ جدید ماہرین کو چونکہ ہر چیز میں ارتقاء کی کارفرمائی نظر آتی ہے لہٰذا انھوں نے یہ نظریہ بڑی شدومد سے پیش کیا ہے۔

مذہب کے ارتقائی نظریہ کی رو سے حضرت انسان کی ابتداء جہالت اور گمراہی سے ہوئی۔ بعدازیں اس نے بتدریج مشرکانہ خداپرستی اپنالی۔ ان ارتقائی مراحل کی تفصیل میں کافی اختلاف ہے۔ مثلاً: بعض محققین کا خیال ہے کہ مذہب کی ابتداَ کابر پرستی سے ہوئی جب کہ دوسروں کی رائے میں ابتدا مظاہر پرستی سے ہوئی۔ ان کا خیال ہے کہ انسان نے ابتداء میں اپنی کم فہمی اور لاعلمی کی وجہ سے مظاہرِ فطرت کی پرستش شروع کردی کیونکہ ابتدا میں اس کی زندگی وموت کا انحصار کافی حدتک ان پر تھا۔ مثلاً: سیلاب' طوفان' زلزلے اور آتش فشاں وغیرہ لیکن جوں جوں اس کا علم بڑھتا گیااور جہالت دور ہوتی گئی تو اس نے محسوس کیا کہ یہ مظاہرفطرت خدائی قوتیں نہیں رکھتے۔ ابتدا میں لوگوں نے ہر چیز کو دیوتا بنالیا لیکن علمی ترقی کے ساتھ ساتھ خداؤں کی تعداد میں کمی ہونے لگی حتی کہ آخر میں صرف ایک خدارہ گیا۔

جولین ہکسلے پہلا مغربی مفکر ہے جس نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو مذاہب کی تاریخ پر چسپاں کیا' وہ لکھتا ہے:

''پہلے جادو پیدا ہوا پھر روحانی تصرفات نے اس کی جگہ لے لی۔ پھر دیوتاؤں کا عقیدہ

Marfat.com

اُبھرا بعدازیں خدا کا تصور آیا۔ اس طرح ارتقائی مراحل سے گزر کر مذہب اپنی آخری حد کو پہنچ چکا ہے۔''

مذہب کے ارتقائی نظریہ کے حامیوں نے انسان کے مذہبی ارتقاء کے درج ذیل مراحل بیان کیے ہیں۔ جن کی ہم قدرے تفصیل بیان کرتے ہیں۔

پری اینی مزم: (Pre Animism)

پَری اینی مزم سے مراد مظاہر پرستی سے قبل کا دور ہے یعنی لامذہبیت۔ ماہرین کا خیال ہے کہ مذہبی لحاظ سے انسان کی ابتداء گمراہی اور جہالت سے ہوئی جب انسان پیدا ہوا تو وہ مذہب کے تصور سے بالکل نا آشنا تھا۔ اسے مذہب اور مذہبی عبادات سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ بالکل سادہ زندگی گزارتا تھا اور ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کے سوا اس کے سامنے اور کوئی مقصد حیات نہ تھا۔

اینی مزم: (Animism)

دوسرا مرحلہ مظاہر پرستی تھا۔ جب انسان نے مختلف مظاہر فطرت کی پرستش شروع کی۔ اس کی ابتداء زمین کی پرستش سے ہوئی۔ سوسائٹی کا اولین نظم اُمہاتی نظم تھا اور مرد کے مقابل عورت کو زیادہ فوقیت حاصل تھی۔ چونکہ زمین جس پر انسان رہائش پذیر تھا ایک ماں کی طرح اس کی پرورش کرتی تھی۔ لہٰذا اول زمین کی پرستش ہوئی اور دھرتی ماتا (Mother Land) کا تصور پیدا ہوا۔ بعدازاں جب سوسائٹی میں مرد کو فوقیت حاصل ہوئی تو ابوی نظام کو ترجیح دی جانے لگی۔ سورج اکثر مشرک قوموں کا دیوتا اور معبود رہا ہے اور اب بھی ہے۔ بھارت میں سوریہ دیوتا' مصر میں ہورس' ایرانیوں کے ہاں ''ہور'' یا ''خور'' سورج دیوتا کے مختلف نام تھے۔ سورج پرستی نے ستارہ پرستی کو بھی جنم دیا۔ جس سے علم نجوم کی بنیاد پڑی اور کائنات کی گردش کو سیاروں کی گردش سے منسلک کر دیا گیا حتی کہ لوگ قسمت کو آج بھی ستارہ کہتے ہیں۔ ستاروں میں سب سے زیادہ اہمیت ''قطب ستارے'' کو حاصل تھی کیونکہ وہ آسمان کا مرکز ہے اور سارے ستارے اس کے گرد گردش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مصر قدیم کے دیوتا ہورس کا کہنا ہے:

''میں ہوں جو آسمان کے قطب پر صدر نشیں ہوں اور تمام خداؤں کی طاقتیں میری

Marfat.com

طاقتیں ہیں۔''

مختلف قوموں نے پہاڑوں کی بھی پرستش کی ہے اور ان کے تقدس اور پاکیزگی کے راگ الاپے ہیں۔ مثلاً: ہندوؤں میں کیلاش پربت جس کی طرف بارش اورزمین کی زرخیزی کومنسوب کیا جاتا ہے۔

آگ کے متعلق تو ہرکوئی جانتا ہے کہ وہ زمانہ قدیم سے آتش پرستوں کی معبود رہی ہے اور ہندوستان میں آج بھی دوسرے دیوتاؤں کے ساتھ اگنی دیوتا بھی ویدوں کا معبود رہا ہے۔ قدیم ہند میں آریہ لوگ اَگنی کوسب سے بڑا دیوتا مانتے تھے۔ پارسی قدیم زمانے سے آتش پرست رہے ہیں۔ یونان کے ہر بڑے شہر میں ایک بڑا آتش کدہ ہوتا تھا جہاں دن رات آگ روشن رہتی تھی۔

پانی کی پوجا کا تصور بھی قدیم ہے۔آگ کے بعد پانی کی سب سے زیادہ پرستش کی گئی۔مصر میں دریائے نیل کی پوجاہوتی تھی۔ ہندوستان میں گنگااور جمنا کے پانی کومقدس خیال کیاجاتا تھا۔ نیز دریائے سرسوتی کی دیوی علوم وفنون کی سرپرست خیال کی جاتی تھی۔ دریاؤں کوخوش کرنے کے لیے انسانوں کی قربانی دی جاتی تھی اورمصر میں ہر سال ایک دوشیزہ لڑکی کودریائے نیل کی نذر کیا جاتا تھا۔

ہوا کو ویدک دور میں وابودیوتا کالقب دیا گیااور قدیم ہند میں اس کی پوجا کی گئی۔جنسی اعضاء بھی پوجے جاتے رہے ہیں جوانسانی گراوٹ کی انتہا ہے۔ ہندوؤں میں شنوکی پوجا مشہور ہے ہندوستان کے علاوہ یونان' روم' مصراور عراق بھی جنسی اعضاء کی پرستش کے مرکز رہے ہیں۔

ٹوٹم ازم: (Totamism)

مظاہر پرستی کے ساتھ ساتھ انسان نے بعض جانوروں کی بھی پرستش کی ہے مثلاً: یونان میں سانڈ، ایران میں گھوڑا، ہندوستان ومصر میں گائے کی پرستش ہوتی رہی ہے اور آج بھی تقدس کے باعث ہندوستان میں گائے کو'' گائے ماتا'' کہاجاتا ہے۔ بلکہ ہندوؤں نے تو ہر ہر جانور کی پرستش کی ہے۔جن میں بچھو، سانپ، کچھوا، ہاتھی اورحشرات الارض شامل ہیں۔شمالی امریکہ میں حیوان پرستی کوٹوٹم پرستی کہاجاتا ہے۔قدیم چین اور جاپان میں بھی حیوان پرستی رائج

Marfat.com

رہی ہے۔

اکابر پرستی:

اس کے بعد کا دور اجداد پرستی یا اکابر پرستی کا دور کہلاتا ہے۔ اس کا سبب انسان کا یہ تجسس تھا کہ موت کیا چیز ہے؟ زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ جب اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اس نے خیال کیا کہ شاید مرنے والوں کو وفات کے بعد اگلے جہان میں آزائش وزیبائش اور دوسری ضروریات زندگی کی حاجت ہوتی ہوگی لہٰذا اس نے ضروریات زندگی کو بھی مُردوں کے ساتھ دفن کرنا شروع کر دیا۔ پھر اسے خیال ہوا کہ اگر ہم نے مُردوں کی چھوڑی ہوئی اشیاء کو استعمال کیا تو وہ کہیں ناراض ہو کر ہمیں نقصان نہ پہنچائیں۔ یہ خوف اور اعزاز کی محبت اکابر پرستی کا سبب بنی اور لوگوں نے اپنے اکابرین بادشاہوں اور قبائلی سرداروں کے لیے مقدس اور خودساختہ عبادات اور مراسم کا نظام قائم کیا۔ غرضیکہ دنیا کے ہر خطے میں کسی نہ کسی شکل میں اکابر پرستی کا رواج رہا ہے۔

فرضی دیوتاؤں کی پرستش:

پانچواں دور غیر مرئی اور خودساختہ اور موہوم دیوتاؤں کا دور ہے۔ یونان، روم، مصر، ایران اور عراق میں کئی فرضی خدا اور موہوم دیوتا گھڑ لیے گئے اور ان کی پوجا ہونے لگی۔ عرب جاہلیت میں ایسے دیوتاؤں کی کمی نہ تھی۔ ان فرضی دیوتاؤں کو بعض صفات سے متصف کیا گیا بلکہ بعض کو تو ہر لحاظ سے کامل معبود کا درجہ دیا گیا۔ اس لیے اس دور کو توحید کا ناقص دور بھی کہتے ہیں۔

توحید الٰہی کا دور:

مظاہر پرستی، اکابر پرستی اور شرک پرستی سے ہوتا ہوا آخر انسان خالص توحید کی منزل تک پہنچتا ہے۔ اسلام نے توحید الٰہی کا کھرا، صاف ستھرا اور بے لاگ تصور پیش کیا ہے اور یہ انسانیت کی بلوغت کا اعلان ہے۔ بقول مولانا محمد علی جوہر مرحوم:

جب اپنی پوری جوانی پہ آ گئی دنیا
تو زندگی کے لیے آخری پیام آیا

انسان نے اپنا مذہبی سفر جاہلیت، لاعلمی اور گمراہی سے شروع کیا تھا اور مختلف مراحل طے کرتا ہوا توحید خالص تک پہنچا تھا لیکن اب دنیا دہریت اور لامذہبیت کی طرف رواں دواں

Marfat.com

نظر آتی ہے۔ سوشلزم، کمیونزم اور نیچریت اس کی مختلف شکلیں ہیں انسان آخر کار اپنی کم فہمی اور کوتاہی اور کم عقلی کے باعث پھر عملاً جاہلیت کی طرف لوٹ آیا ہے جہاں سے اس نے اپنے مذہبی سفر کا آغاز کیا تھا۔

2: مذہب کا الہامی نظریہ:

ارتقائی نظریہ کے برخلاف مذہب کا الہامی نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانِ اول حضرت آدم علیہ السلام کو جب اس دنیا میں بھیجا تو اول روز سے ہی ان کی تمام مادی ضروریات کی طرح ان کی روحانی ضروریات یعنی دینی ہدایت کا بھی سامان کیا۔ اس طرح انسان اول پوری طرح ہدایت یافتہ تھا۔ وہ نہ صرف توحید پرست تھا بلکہ توحید الٰہی کا پیغامبر تھا۔ اس نظریئے کی رو سے ابتدائے آفرینش سے انسان کا اصلی مذہب توحید رہا ہے۔ شرک اس وقت پیدا ہوا جب انسانی آبادی میں اضافہ اور پھیلاؤ ہوا اور انبیاء کی تعلیم دھندلی پڑ گئی۔ انسانیت کو صراط مستقیم اور توحید خالص سکھانے کے لیے وقفے وقفے سے ہر زمانے میں اور ہر قوم کی طرف رسول بھیجے گئے۔ اس اعتبار سے توحید قدیم اور شرک جدید ہے۔ یہی بات ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے ابطال کے لیے کافی ہے۔ تاریخ خود اس نظریئے کا ابطال کرتی ہے۔ مسیح علیہ السلام سے ڈھائی ہزار برس قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام خالص توحید کے پرستار تھے اور مسیح علیہ السلام سے دو ہزار برس بعد آج بھی نوع انسانی میں کروڑوں آدمی شرک کے پرستار ہیں۔''

اس وقت دنیا میں جو بھی بڑے بڑے مذاہب عیسائیت، یہودیت اور اسلام پائے جاتے ہے ان کے داعی خدا کے رسول تھے اور ابتدا میں ان کی تعلیمات جزوی فرق کے ساتھ خالص توحید پر مبنی تھیں۔ بعد ازاں عیسائیت اور یہودیت کے پیروکاروں نے اپنے مذاہب میں من مانی ترامیم اور تحریفات کر لیں۔

علم اور انسان کی جدید تحقیق سے اکثر مغربی مفکرین بھی اب ارتقائی نظریہ کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور اسی نظریہ کو ماننے لگے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر شمٹ نے اپنی کتاب.....

The Origin and Growth of Religion

میں لکھا ہے:

''علم شعوب وقبائل انسانی کے پورے میدان میں اب پرانا ارتقائی مذہب بالکل بے

Marfat.com

کار ہو گیا ہے۔ نشو ونما کی کڑیوں کا وہ خوش نما سلسلہ جوان مذاہب نے پوری آمادگی کے ساتھ تیار کیا تھا۔ اب ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور نئے تاریخی رجحانوں نے اسے اٹھا کر پھینک دیا ہے۔''

یہی مصنف آگے لکھتا ہے:

''اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انسان کے ابتدائی تصور کی اعلیٰ ترین ہستی فی الحقیقت توحیدی اعتقاد کا خدائے واحد تھا اور انسان کا دینی عقیدہ جو اس سے ظہور پذیر ہوا وہ پوری طرح ایک توحیدی دین تھا۔''

(The Origin and Growth of Religion، صفحہ 242)

الغرض ڈارون کا نظریۂ ارتقاء اب ایک بھولا بسرا نظریہ ہے اور مذاہب کے ارتقاء کے بارے میں جولین ہکسلے اور دیگر مغربی مفکرین کے نظریات بے وزن، بے سروپا اور بے حقیقت ہیں۔ جدید تحقیقات نے ان امور کا مکمل ابطال کیا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

باب نمبر4:

ہندومت

اس باب میں ہے..... ہندومت کی تاریخ،مقدس کتب، مشہوردیوتا، مشہور فلسفے، گائے کی تعظیم، مشہور مذہبی شخصیات،تحریکیں اوراسلام کے ساتھ موازنہ۔

Marfat.com

ہندوازم

لفظِ ہندو کی تحقیق:

سوامی نردانند نے اپنی کتاب "Hinduism at a GInace" کے صفحہ 14 پر لکھا ہے:

''ہندو نام کا آغاز بہت دلچسپ ہے۔ پنجاب میں جو قدیم آریا قیام پذیر تھے ان کی جنوبی سرحد دریائے سندھو تھا۔ دریا کے دوسری طرف قدیم ایران یا فارس کے لوگ رہتے تھے اور اہلِ ایران ان آریاؤں کو اسی دریا کے نام سے پکارتے تھے لیکن وہ اس کو ہندو بولنے پر قادر نہ تھے۔ بعد میں آریاؤں نے اس نام کو خود اپنے لیے منتخب کیا جبکہ ایک خیال یہ بھی ہے کہ آریا قوم نے یہاں آنے کے بعد اس علاقے کی مفتوح قوم کے لیے ہندو کا لفظ استعمال کیا گیا جس کا اطلاق بعدازیں مجموعی طور پر سب کے لیے ہونے لگا۔''

کے ایم سین نے اپنی کتاب ''ہندوازم'' میں اس کی توجیہہ کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے:

''فارس کے لوگ ہندوستان کو دریائے سندھو سے پار کی سرزمین کو ہند کے نام سے پکارتے تھے۔''

ایک دوسری توجیہہ یہ ہے کہ آریا قوم جب ہندوستان آئی تو قدیم باشندے اپنا قدیم مذہبی نظام اور عبادت گاہیں رکھتے تھے، یہ کالے رنگ کے لوگ تھے اس لیے انھیں ہندو کہا جانے لگا کیونکہ ہندو کے معنیٰ کالے کے ہیں۔ غالباً یہ لفظ فقط آنے والوں نے پہلی مفتوحہ قوم کے لیے تجویز کیا' اس کی تائید میں پنڈت لیکھ رام اپنی کتاب ''کلیات آریہ مسافر'' میں لکھتا ہے:

''ہندو کے معنی چور، کالا اور چوکیدار کے ہیں اور یہ نام بھی ہمیں مخالفین نے حقارت کی

Marfat.com

بنا پر دیا ہے۔ ہمیں اپنے آپ کو آریا کہنا چاہیے۔ آریا کے معنی مہذب اور شریف لوگ کے ہیں۔"

ہندومت کی تعریف:

ہندومت دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ہے۔ اس کا آغاز ہندوستان میں آریاؤں کی آمد 1500 قبل مسیح سے ہوتا ہے۔ ہندومت کی جامع اور مانع تعریف تقریباً ناممکن ہے کیونکہ ہندومت ان معنوں میں کوئی مذہب ہے ہی نہیں جن میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مذہب کے لیے ضروری ہے کہ اس کا ایک مرکزی عقیدہ ہو جس پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہو مگر ہندومت میں ہمیں کوئی مرکزی عقیدہ نہیں ملتا۔ مختلف طبقے اور گروہ ہیں جن کے عقائد' شعائر' عبادات اور کتب وغیرہ ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔ یہ سب کے سب ہندو کہلاتے ہیں۔

پھر ہندو مذہب کسی ایک شخص سے وابستہ نہیں' اس کا کوئی بانی اور ابتدائی راہنما نہیں' کوئی متعین کتاب نہیں۔ آریا قوم اور ہندو مذہب کی کوئی ثقہ تاریخ نہیں' اس کے عقائد و نظریات مبہم اور غیر واضح ہیں اور یہ ان گنت فرقوں میں بٹا ہوا ہے جن میں کسی قدر مشترک کی تلاش محال ہے۔ ہندو ہونے کے لیے عقائد کے ایک وسیع مجموعہ میں سے جن عقائد کو بھی پسند کر لیا جائے وہی کافی ہے۔ اس لیے ہندومت کی تعریف کرنے میں محققین کو بڑی مشکل پیش آتی ہے کوئی کہتا ہے:

1: ہندومت وہی ہے جو ایک ہندو کرتا ہے۔

(Introduction to the study of Hinduism p.9 از گورو پرشاد سین)

2: "ہر وہ شخص جو خود کو ہندو کہلاتا ہے اور گائے کا احترام کرتا ہے وہ ہندو ہے۔"

(مہاتما گاندھی)

3: کوئی کہتا ہے کہ "ہندومت ان رسوم' عبادات' عقائد روایات اور ضمیات کا مجموعہ ہے جن کو برہمنوں کے احکام اور ان کی متبرک کتابوں کی تصدیق حاصل ہے اور جنھیں برہمنوں کی تعلیمات نے پھیلایا ہے۔"

(Layall Religious system of the world p114)

Marfat.com

تمام باشندگان ہند جو اسلام' جین' بدھ مت، مسیحیت، پارسی مذہب، یہودی مذہب یا دنیا کے کسی دوسرے مذہب سے تعلق نہیں رکھتے اور جن کا طریقِ عبادت وحدانیت سے لے کر کربت پرستی تک وسیع ہے اور جن کے دینیات کلیۂ سنسکرت زبان میں لکھے ہوئے ہیں وہ ''ہندو ہیں۔

(Cencusrffort barada p120)

4: ایک ہندو وحدت الوجود' شرک یا توحید کا قائل ہوسکتا ہے۔ ایک ہندو منکر خدا' دہریہ، ثنویت' تثلیث' کثرت یا وحدت میں کسی ایک عقیدہ کو قبول کرسکتا ہے۔ متشدد یا روادار، نیک یا بد ہوسکتا ہے۔ ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے قواعد کی پابندی کرے اور یہ ایمان رکھے کہ ایسا کرنے سے اس کا آئندہ انجام اچھا ہوگا۔

5: ہندو مذہب کی عام تعریف یہ کی جاتی ہے کہ ''اصول واحکام کا وہ مجموعہ جس میں ویدوں کے زمانہ سے آج تک سب مذہبی باتیں آجاتی ہیں۔''

امتیازی خصوصیات:

ہندومت کی مذکورہ بالا تعریفات سے مندرجہ ذیل اہم خصوصیات اخذ کی جاتی ہیں:

1: ہندومت کی کوئی جامع ومانع تعریف محال ہے کیونکہ اس کا کوئی متعین عقیدہ نہیں اور نہ کوئی متعین مذہبی رسومات اور عبادات ہیں بلکہ اس کے عقائد ونظریات مبہم اور غیر واضح ہیں۔ ہندوؤں کی کوئی متعین اور مستند کتاب نہیں جو ہندومت کی تعلیمات کی ترجمان اور نمائندہ ہو۔ آریہ قوم اور ہندو دھرم کی کوئی ثقہ اور مستند تاریخ نہیں بلکہ دیومالائی خرافات نیز رطب ویابس روایات کا مجموعہ ہے۔ ہندومت کی تاریخ کہیں محفوظ نہیں ہے۔

مورخین کی یہ تحقیق ہے کہ 1200ء سے پہلے ہندوستان کی تاریخ کے متعلق کوئی قابل ذکر کتاب جس کو تاریخی کتاب کہا جاسکے یا کوئی ایسی تصنیف جس سے اس ملک کے تاریخی حالات معلوم ہوسکیں، اس ملک کے باشندوں یعنی ہندوؤں نے نہیں لکھی۔ الفنش سابق گورنر صوبہ بمبئی نے اپنی کتاب تاریخ ہند میں لکھا ہے:

''جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کوئی کیسی ہی جاہل اور اکھڑ قوم کیوں نہ ہو اکثر اپنے آباؤ اجداد کے حالات کی کوئی نہ کوئی کتاب رکھتی ہے تو اس بات پر کمال تعجب ہونا چاہیے کہ

Marfat.com

ہندوؤں کے پاس باوجود یہ کہ ان کی قوم نہایت عمدہ شائستگی اور تربیت کے درجہ پر پہنچ گئی تھی، کوئی کتاب تاریخ سے ملتی جلتی بھی نہیں ہے۔ ہندوؤں کے حالات کی تحریروں میں سے جو کچھ موجود ہے وہ جھوٹی کہانیوں اور مبالغہ آمیز جھوٹے تاریخی واقعات سے اس طرح خلط ملط ہے کہ ان میں سے کوئی سچی مسلسل تاریخ لکھنے کی توقع نہیں ہوسکتی۔''

مشہور فرانسیسی عالم ڈاکٹر لیبان لکھتا ہے:

ان ہزارہا جلدوں میں جو ہندوؤں نے اپنے تین ہزار سال کے تمدن کے بارے میں تصنیف کی ہیں ایک تاریخی واقعہ بھی صحت کے ساتھ درج نہیں ہے۔ اس زمانہ میں کسی واقعہ کو پیش کرنے کے لیے ہمیں بالکل بیرونی سہاروں سے کام لینا پڑتا ہے۔ ان کی تاریخی کتابوں میں یہ عجیب بات ہے کہ ہر چیز کو غلط اور غیر فطری صورت میں دیکھنا نہایت بین طور پر پایا جاتا ہے جو انسان کو اس خیال پر مجبور کرتا ہے کہ ان کا دماغ ہی ٹیڑھا ہے۔ قدیم ہندوؤں کی کوئی تاریخ ہی نہیں ہے۔ ہندوستان کا تاریخی زمانہ فی الواقع مسلمانوں کی فوج کشی کے بعد سے شروع ہوا اور ہندوستان کے پہلے مورخ مسلمان ہیں۔

بھائی پرمانند صاحب لکھتے ہیں:

ہندوستان میں عام طور پر جو تاریخی کتابیں رائج ہیں ان کے تین حصے ہیں۔ زمانہ قدیم جو کہ بالکل نامکمل ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے بزرگوں کو اپنے حالات درستی سے قلمبند کرنے کا شوق نہ تھا اور جو کچھ حالات لکھے ہوئے ملتے ہیں وہ شاعرانہ مبالغہ سے بھرے ہوئے ہیں جن کی امداد سے صحیح واقع پر پہنچنا محال ہے۔ غالباً سوسائٹی کے اندر ایسی تبدیلیاں ہوئی ہی نہ ہوں گی جن کو قلمبند کرنے کا انھیں خیال آتا۔

پنڈت جواہر لعل نہرو اپنی کتاب The Discovrey of India میں لکھتے ہیں:

''اہل چین، اہل یونان اور عربوں کے برعکس قدیم ہندوستان کے لوگ مورخ نہیں تھے۔ یہ ہماری بڑی بدقسمتی ہے اور اسی نے یہ دشواری پیدا کردی ہے کہ ہم گذشتہ عہد کے واقعات کا زمانہ یا تاریخ متعین کرسکیں۔ یہ واقعات کچھ اس طرح گتھم گتھا ہو رہے ہیں کہ ان سے عجیب خلفشار پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہندوستانی (یعنی ہندو) اپنی قدیم روایات ہی کو تاریخ تسلیم کر لیتے ہیں اور اس پر کسی قسم کی ناقدانہ نگاہ نہیں ڈالتے۔ انھیں اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ طریق فکر اور نہایت آسانی سے نتائج تک پہنچ جانے کے مسلک کو بالآخر چھوڑنا

Marfat.com

پڑے گا۔

The Discovrey of India، مصنف پنڈت جواہر لعل نہرو، صفحہ نمبر 77)

7: ہندو کسی ایک مذہبی شخصیت اور راہنما سے منسلک نہیں۔ اس کا کوئی بانی نہیں، ہندو مذہب کی حقیقت کو سمجھنے کے سلسلہ میں ہم جان کلارک آرچر (Clark archer) کی حسب ذیل رائے کو کافی سمجھتے ہیں جو اس نے اپنی کتاب The Great Religions of Modern World کے صفحہ 48 پر ظاہر کی ہے:

''ہندومت اپنے ابہام میں اولاً تو حجری دور کی علامت ہے۔ ہندو مذہب کا کوئی بانی نہیں جو اس کو کوئی بنیادی پیغام عطا کرتا۔ ابتدائی دور میں اس کا کوئی قائد بھی نہ تھا جو حضرت عیسیٰ یا حضرت محمدؐ کے مماثل ہو۔ اگرچہ حضرت محمدؐ اپنے آپ کو دین حنیفی زندہ کرنے والے بتاتے ہیں اور حضرت عیسیٰ اپنے پیغام کی تکمیل کے داعی ہیں اور حکیم زرتشتؑ اپنے سے پیشتر مذہب کو آلائشوں سے پاک کرنے کے دعویدار ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک اپنے وقت میں ''کتاب حکمت'' انجیل اور الکتاب سے فیض یاب رہا۔ ہندو تو کنفیوشسیوں سے بھی گئے گزرے ہیں کیونکہ کنفیوشس کم از کم قدیم روایات کو تو مدون کر سکا۔ حقیقت حال تو یہ ہے کہ ہندوؤں کو کوئی ایسی شخصیت بھی نہ مل سکی جیسی کہ جین متیوں کو وردھمان مہاویر کی ذات میں اور بدھ متوں کو ساکھیا متی گوتم بدھ کی صورت میں، یا سکھوں کو گرونانک کی صورت میں ملی۔ ایک معنی میں ہندو مذہب کے بانیوں کی ذات ایک افسانہ ہے، ان کی شخصیتیں ''بادل کے پیغامبروں'' کی طرح ہیں جو متغیر نوعیت اور بے قرار مزاج رکھتے ہیں۔ خود بھی سایہ اور سراب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اسی طرح جناب مظہر الدین صدیقی لکھتے ہیں:

''ہندو مذہب کا بانی کوئی ایک فرد نہیں، زرتشت، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی مانند ہمیں کوئی ایسی شخصیت نہیں ملتی جس کو ہندوؤں کا رہنما قرار دیا جا سکے یا جس کو اس مذہبی نظام میں مرکزی اہمیت حاصل ہو۔ اسی طرح ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کو بھی کسی ایک شخصیت کی جانب منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ زمانہ مابعد میں بعض ممتاز مذہبی اشخاص منظر عام پر آئے۔ لیکن ہندو مذہب کے ابتدائی مدارج پر لاشخصیت کا ٹھپہ لگا ہوا ہے۔ چونکہ ہندوؤں کے مذہبی نظام کی تشکیل میں لاتعداد اشخاص کا حصہ ہے اس لیے اس میں کوئی واحد عقیدہ، مذہبی قانون

Marfat.com

یارسوم وشعار کی کوئی یکسانیت نہیں ملتی۔ عقائد کی گوناگونی' طریق عبادت کے اختلافات اور معبودوں کی کثرت کے باعث یہ مذہب ایک گنجان جنگل کی طرح معلوم ہوتا ہے جس میں کئی راستے نکلتے ہوں لیکن کوئی راستہ صاف اور سیدھا نہ ہو۔

(اسلام اور مذاہب عالم، مصنف مظہر الدین صدیقی، صفحہ نمبر 1)

2: ہندومت متضاد نظریات اور متعدد عقائد کے وسیع مجموعے کا معجون مرکب ہے۔ اوہام اور فرضی داستانوں کا وسیع جنگل ہے جس میں توحید' تثلیث سے لے کر شرک اور بت پرستی کی ہر قسم پائی جاتی ہے اس طرح ہندومت کو مجموعہ مذاہب کہنا زیادہ مناسب ہے۔

3: ہندوؤں کے ہاں فلسفوں کی بھرمار ہے کیونکہ ہندومت فلسفیوں کی ہزارہا سال کی فکری کاوشوں نیز صدیوں پر محیط مختلف دانشوروں اور مفکروں کے افکار کا مجموعہ اور عملی تجربات کی پیداوار ہے۔

4: ہندودھرم میں نظریاتی ہم آہنگی اور دینی وحدت کی بجائے معاشرتی وحدت پائی جاتی ہے اس لیے بعض محققین اسے مذہب کی بجائے ایک معاشرتی نظام کا نام دیتے ہیں۔

5: ہندومذہب شدید اور متعصب قومیت کا دوسرا نام ہے جو لوگ ہندوستان میں بستے اور اسے اپنا مقدس وطن سمجھتے ہیں اور اس کی ہر شے سے والہانہ محبت رکھتے ہیں وہ ہندو ہیں' ان میں آریائی' بت پرست' دہریئے اور موحد سب شامل ہیں۔ اس لیے ہندومذہب کا اصل معیار اعتقادات وعبادات نہیں بلکہ تمدن زندگی کا وہ مخصوص نقطہ نظر ہے جس کی بنیاد آریائی نسل کی برتری' ذات پات کی تقسیم' گائے کا احترام نیز بھارت ماتا سے مجنونانہ محبت کے جذبے پر قائم ہے۔ جو شخص بھارت کو اپنی اندھی عقیدت کا محور بنالیتا ہے وہ ہندو کہلانے کا بدرجہ اولیٰ مستحق ہے۔ چنانچہ بھارت ورش سے اندھی عقیدت کا یہی جذبہ ان کے قومی ترانے:

''بندے ماترم۔''

اے ماں! میں تیری پوجا کرتا ہوں۔''

سے صاف عیاں ہے۔

مذکورہ مشکلات کے پیشِ نظر جدید ہندوذہن اپنے مذہب کی مشترک اقدار اور اساسات کی تلاش میں سرگرداں ہے اور اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوا ہے۔ چنانچہ

Marfat.com

مخصوص مشترک عقائد پر سمجھوتہ کرلیا گیا ہے جن میں مندجہ ذیل زیاہ اہم ہیں تناسخ ارواح' مادہ اور روح کی قدامت' ذات پات کا شدید بندھن اور برہمن کی فضیلت۔ علاوہ ازیں چند دینی کتب کو ہندومت کا ماخذ تسلیم کرلیا گیا ہے جن میں تین زیادہ مشہور ہیں۔

چاروں وید، گیتا اور منوسمرتی۔

لہٰذا ہمارا ہندومت کا مطالعہ انھی تین ماخذوں سے ہوگا۔

☆☆☆

Marfat.com

تاریخی جائزہ

دنیا کے تمام مذاہب میں سب سے عجیب لیکن آج کل کی دنیا میں نہایت اہم مذہب ہندوؤں کا ہے۔ ہندوستان کے پچاس کروڑ باشندے اس مذہب کے نام لیوا ہیں۔ ہندو مذہب ایک نہایت ہی قدیم مذہب ہے اور تاریخی طور پر اس کی قدامت کا تعین شمالی ہندوستان پر آریاؤں کے حملے کے وقت سے کیا جاسکتا ہے۔ یہ زمانہ 1500 قبل مسیح کا تھا، ہندومت کے متعلق آریاؤں کے مذہب اور شمالی ہندوستان کے دراوڑی نسل کے باشندوں کے جن قدیم شہروں کا سراغ ملا ہے وہ ان کی اعلیٰ تہذیب اور تمدن کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ غالباً 2000 قبل مسیح سے پہلے کی تہذیب ہے۔ موہنجوداڑو اور ہڑپہ کے میلوں پھیلے ہوئے یہ کھنڈرات اعلیٰ درجے کی شہری منصوبہ بندی کا پتہ دیتے ہیں جس میں کھلی شاہراہیں' اینٹوں کے بنے ہوئے کئی منزلہ مکانات غلوں کے گودام اور حمام شامل ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شہروں کے موثر انتظام کے لیے حکومت کا ایک مرکزی نظام ضرور ہوگا جو نہایت اعلیٰ طریقوں پر کام کرتا ہوگا۔ تہذیب کے ان تمام نشانات کے باوجود ہمیں ان قدیم شہروں کے مکینوں کے مذہب کا کچھ علم نہیں کیونکہ ان کھنڈرات میں عبادت گاہوں کا وجود عنقا ہے اور جو تحریریں ان کھنڈرات سے دستیاب ہوئی ہیں انھیں بھی پڑھا نہیں جاسکتا، البتہ ہم یہ تصور کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ان کے مذہب کے خدوخال کانسی کے زمانے کے مذہبی خدوخال سے ضرور ملتے ہوں گے۔ اس دور میں نوع انسانی نے مظاہر فطرت کی پرستش کی اور اپنے دیوتاؤں کو فطرت کی کئی ایک ہیبت ناک قوتوں کا مظہر قرار دیا۔ ان لوگوں کے اوپر آسمان تھا اور پاؤں تلے زمین اور وہ خود موسمی تغیر کے رحم و کرم پر تھے۔ اس لیے ان لوگوں کی مذہبی رسومات اور خداؤں کا انحصار ان طاقتوں کی رضامندی پر تھا جو ان میں کارفرما تھیں۔ اس لحاظ سے شمالی ہندوستان کے یہ لوگ کئی خداؤں کے پجاری تھے۔

Marfat.com

دراڑوی باشندے بھی کسی زمانے میں ہندوستان پر مسلط ہوگئے۔ آریاؤں نے انھیں شکست دی۔ یہ نئے حملہ آور بھی اپنے ساتھ اپنے مذہبی عقائد ضرور لائے ہوں گے جو مفتوح قوم کے عقائد کا حصہ بن گئے۔ ان میں چند دیوتا تو پہلے ہی موجود تھے جبکہ آریاؤں نے ان میں چند اور دیوتاؤں کا اضافہ کر دیا۔

ہندو مذہب کے مختلف ادوار:

اگرچہ ہندو مذہب دنیا کے قدیم مذہب میں سے ایک ہے لیکن اس کی ابتدا کا کچھ علم نہیں اور نہ تاریخی حقائق یہ ثابت کر سکے کہ اس کا آغاز کب ہوا۔ البتہ اپنے آغاز سے لے کر آج تک یہ مختلف حالات سے دوچار ہوتا رہا اور اپنے ہر دور میں ایک نئے روپ کے ساتھ جلوہ گر رہا۔ ہندو مذہب کے عقائد وعبادات ومعاشرتی حالات کے مطالعہ کے بعد ہم اسے تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1: ویدک دور:

ہندو مذہب کا بالکل ابتدائی زمانہ ویدک دور کہلاتا ہے اور اس کا عرصہ 1500 قبل مسیح سے ایک ہزار قبل مسیح تک قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس زمانے میں ہندوؤں کے عقائد اور نظام عبادات میں سادگی زیادہ تھی، معاشرتی زندگی میں کوئی خاص پیچیدگی نہ تھی۔ اس دور کی خصوصیات ارواح اور کثرت پرستی پر مبنی ہیں، اس دور میں ہر اس شے کو معبود قرار دیا گیا جو انسانی ذہن کو متاثر کرنے کا سبب تھی۔ اس دور میں مذہبی تعلیمات پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی کیونکہ نئے آنے والے پرانوں سے برسر پیکار تھے اور نقل مکانی کی وجہ سے کسی کو اتنی فرصت نہ تھی کہ مذہبی فلسفوں پر سوچ بچار کرتا۔ عبادت کے سلسلے میں زمین آسمان، دریا، گھوڑے، درخت، کھیتی باڑی کے سامان اور پھل اور ترکاریاں استعمال کی جاتیں اور ان میں سے جو چیز میسر آجاتی اسی کی پوجا عبادت تھی۔ اسی لیے ڈاکٹر تاراچند بیان کرتے ہیں کہ ویدک دور ہندو مذہب کا وہ دور ہے جہاں نہ برہمن کو بالادستی حاصل تھی، نہ کوئی معاشرتی اونچ نیچ اور نہ دیوتاؤں کی اقسام تھیں، بلکہ ہر شخص کا دیوتا اس کے پاس ہوتا اور اسے راضی کرنے کے لیے صرف اس کے سامنے جھک جانا اور کچھ اناج، دودھ یا پھل وغیرہ کی قربانی کر دینا کافی ہوتا تھا۔

Marfat.com

2: برہمن کا دور:

برہمنی فلسفہ ویدوں کے زمانے میں جو 800 قبل مسیح سے 500 قبل مسیح پر محیط ہے' پروان چڑھا۔ ہندوافکار میں وسعت و گہرائی اور نظم وترتیب پیدا ہوئی۔ اس سلسلے میں جو مذہبی مواد پیش کیا گیا وہ منظّم اور مرتب تھا، البتہ مدوّن نہ تھا بلکہ ایک عرصہ تک سینہ بہ سینہ چلتا رہا البتہ یہی وہ دور ہے جس میں ہندو عقائد اور مذہبی تصورات میں انقلاب پیدا ہوااور اس انقلاب نے بڑے دیرپا اثرات ہندومعاشرے پر مرتب کیے۔ اسی دور میں ایک طرف برہمنوں کی بالادستی قائم کی گئی تو دوسری طرف مختلف ہندوانہ فلسفے وجود میں آئے۔ ہندی فلسفہ صرف حصول علم تک محدود نہ تھا بلکہ اس اعلیٰ تر مقصد کے حصول کے لیے جسے ''نروان'' کہا جاتا ہے یعنی نفس انسانی کی وہ کیفیت جہاں خواہشات نفسانی مغلوب ہوجاتی ہیں اوران کا وجود بتدریج ختم ہوکررہ جاتا ہے۔ اسی طرح ''مکتی'' کا تصور پیش کیا گیا یعنی نجات کے لیے دنیا سے کنارہ کشی اور قطعی پرہیز کا تصور۔

3: تری مورتی کا دور:

ویدک دور میں مختلف دیوتاؤں کی پرستش عروج پر تھی، ہندودانشوروں اور فلسفیوں نے ہزارہا برس کی سوچ اور فکر سے نجات کے مختلف طریقے تجویز کیے جن کی بنیاد مختلف فلسفوں پر رکھی اس کے علاوہ متفرق عقائد اور متعدد نظریات متوازی طور پر چلتے رہے جب ان عقائد کو مروّج ہوئے کافی زمانہ بیت گیا تو کسی کو یاد نہ رہا کہ کون سا عقیدہ کہاں سے آیا۔ قدیم ہند کے حکماء اور دانش ور حق وباطل میں امتیاز کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن یہ سب خیال آرائیاں اوراونچے طبقے کے فلاسفرز تک محدود رہیں' ہندوعوام نے ان عقائد کا عام فہم ملغوبہ تیار کرلیا جو ''مقبولِ عام ہندودھرم'' کہلاتا ہے' ان میں نمایاں ترین عقیدہ تری مورتی کا عقیدہ ہے جو جدید ہندومذہب کی بنیاد ہے۔ تری مورتی سے مراد تین خدا ہیں یعنی برہما، وشنو، اور شیو۔

4: اصلاحی دور:

ہندومذہب کا یہ دور ساتویں صدی عیسوی سے اس وقت شروع ہوا جب برصغیر میں مسلمانوں کا اثرورسوخ قائم ہونے لگا۔ عہدِ نبویؐ ہی میں پاکستان کے شمالی علاقے سے

Marfat.com

پختونوں کے ایک وفد نے جس کے سربراہ قیس عبدالرشید تھے، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملاقات کا اعزاز حاصل کیا، اسلام لائے اور ایک عرصہ تک وہیں قیام کیا۔ اسی وفد کے سربراہ یعنی عبدالرشید رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمان ساحل بلوچستان تک پہنچے بعدازاں محمدؒ بن قاسم نے ملتان تک مسلمانوں کا اثر ورسوخ پہنچایا اور یہ سلسلہ جاری رہا، خصوصاً سلطان محمود غزنوی کے حملوں نے مسلمانوں کے لیے مزید راہیں ہموار کیں اور اسلامی افواج کے ساتھ ساتھ اہل اللہ حضرات کی آمد بھی شروع ہوگئی جن کی تبلیغ نے ہزاروں ہندوؤں کو اسلام سے بہرہ ور کیا۔ برصغیر پاکستان و بھارت میں سلطان محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غور کی فتوحات میں حضرت ابوالحسن خرقانیؒ اور خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہما کا روحانی جہاد کارفرما رہا ہے۔ اگر ایک طرف بابا فرید گنج شکر، شیخ نظام الدین اولیاء، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی اور شاہ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہم پاکستان اور بھارت کے میدانی علاقوں میں اشاعت دین میں مصروف رہے تو دوسری طرف سید علی ترمذی المعروف پیر بابا یزید انصاری، اخون پنجو بابا، شیخ رحم کار، پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف، باباجی کیان شریف رحمۃ اللہ علیہ اور ان ہی جیسے دیگر صوفیائے کرام نے برصغیر پاک و بھارت کے دوردراز کے علاقوں کے سنگلاخ پہاڑوں اور سوات جیسی حسین وادیوں میں اشاعت اسلام کا بیڑہ اٹھایا اور تہذیب کو متاثر کیا اور ان حضرات کی تعلیمات اور عملی زندگی کے نتیجے میں خود ہندوؤں میں ایسے مصلح پیدا ہوئے جنھوں نے اس مذہب میں حقیقت کی تلاش کا سلسلہ روشناس کرادیا ان میں کبیر، شنکراچاریہ اور گرونانک قابل ذکر ہیں۔

ویدوں کا زمانہ اور ویدک مذہب:

آریاؤں کے عقائد کو ویدوں کی صورت میں مدوّن کیا گیا تھا۔ ان ویدوں میں قدیم ترین وید ''رگ وید'' ہے۔ وید کے معنی ''آسمانی علم'' کے ہیں۔ رگ وید کی تصنیف غالباً 1500 قبل مسیح سے 1000 قبل مسیح تک کے زمانے میں عمل میں آئی اور اگلے دو برسوں میں اس میں مزید ویدوں کا اضافہ ہوا، رگ وید ایک ہزار بھجنوں، یا راگوں پر مشتمل ہے بعد میں

Marfat.com

ویدوں کے اضافے کے ساتھ ساتھ راگوں میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ ویدوں کا مقصد لوگوں کو مذہبی عبادات ورسوم کے طریقے سکھانا اور انھیں دیوی دیوتاؤں کو خوش رکھنے کے لیے مختلف منتروں اور ٹونے ٹوٹکوں کو تعلیم دینا تھا۔ ویدوں نے ان تمام بڑی بڑی ارواح کو الوہیت کا جامہ پہنا دیا، جو مظاہر فطرت میں کارفرما قوتوں کی نگران تھیں۔ البتہ وہ ارواح سفلی جو لوگوں کے لیے ڈر اور خوف کا باعث تھیں اور جنھیں راضی رکھنے کے لیے لوگ پوجا پاٹ کیا کرتے تھے۔ ویدوں کی تعلیم میں ان کا وجود نہیں ملتا۔ ویدک مذہب میں ہر اس شے کو معبود قرار دے لیا جاتا تھا جس سے انسانی ذہن پر ہیبت طاری ہو جائے اور وہ امید وبیم کی ایک خاص کیفیت سے دوچار ہو جائے۔ زمین' آسمان' پہاڑ' دریا' پودے قابل پرستش تھے۔ گھوڑوں' گایوں' پرندوں اور دوسرے جانوروں سے بھی مرادیں مانگی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ کچھ ایسی اشیاء کی بھی عبادت کی جاتی تھی جو خود انسان کی بنائی ہوئی تھیں۔ ان میں خصوصاً وہ اشیاء شامل تھیں جو انسانی جان کے بچاؤ کے کام آتیں یا پھر جن پر انسانی زندگی کا دارومدار تھا۔ مثلاً ہتھیار اور ہل وغیرہ۔ ویدوں میں جادو اور سحر وغیرہ کا وجود نہیں ملتا۔ البتہ راگوں اور بھجنوں کے لیے جو الفاظ اور عبارات استعمال کی گئیں ہیں ان کی سحر انگیز تاثیر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ویدک مذہب کی ایک خصوصیت ارواح پرستی (Animism) ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں ایک یا بہت سی طاقتیں کارفرما ہیں۔ یہ طاقتیں جنگلوں' پہاڑوں' دریاؤں اور بڑے بڑے درختوں کو اپنا مسکن بناتی ہیں۔ ان میں خیر کی نسبت شر کی صلاحیت زیادہ ہے اس لیے ضروری ہے کہ انھیں راضی رکھا جائے۔ کچھ مدت بعد جب ہندوؤں میں تجسیم کے عقیدے نے زور پکڑا اور شخصی دیوتاؤں کا عقیدہ رائج ہوا تو ان روحوں کو زندگی کے مختلف شعبوں کا دیوتا بنا دیا گیا اور ان کے نام پر مختلف مندر تعمیر ہونے لگے جہاں انھیں راضی رکھنے کے لیے نذرانے اور تحائف پیش کیے جاتے۔

ان ارواح میں کچھ روحیں ایسی بھی تھیں جو شر پسندی کی صفت نہ رکھتی تھیں انھیں اعلیٰ قسم کے دیوتاؤں میں بدل دیا گیا اور انھیں انسان کی حفاظت' سرپرستی اور امداد کا کام سونپ دیا گیا لیکن ان کی پرستش محدود رہی۔ ویدوں کے راگوں میں دیویاں ہستی واحد کے مظاہر ہیں۔ ویدک عہد کے اختتام اور براہمنا کی مذہبی کتب میں ''پراجپتی'' کو تمام دیوتاؤں اور دیویوں کا سردار اور باپ تسلیم کیا گیا ہے۔ اپنشد میں بھی یہی عقیدہ براہمنا کی صورت میں موجود ہے

Marfat.com

کیونکہ براہمنا کو ''روح عالم'' یا ''ہستیِ مطلق'' قرار دیا گیا ہے۔

ویدوں کے مذہبی اشعار کا لب ولہجہ مسرت وانبساط اور امید ورجائیت کے جذبات کا آئینہ دار ہے۔ اپنے پرستاروں کے لیے دیوتاؤں کا رویہ بہت دوستانہ ہے' وہ اپنے ماننے والوں کی مدد کے لیے ہر دم کمربستہ نظر آتے ہیں اور آریاؤں کو ہندوستان کے اصل باشندوں پر فتح وکامرانی سے دوچار کرتے رہتے ہیں، وہ لڑائیوں میں ان کی نگہبانی و راہنمائی کرتے ہیں۔ آریائی دیوتاؤں کا کام یہ ہے کہ وہ دنیا کی ان تمام برائیوں اور خباثتوں سے نبرد آزما رہیں جو جناتی ہستیوں کی پیدا کردہ ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

ہندوازم کی مقدس دینی کتب

ہندومت کا مقدس دینی ادب' ہندومت کی تاریخ کی طرح غیر مستند اور غیر ثقہ ہے۔ ان کتب کے مولفین اور مصنفین پر بھی تاریکی کے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں اور علاوہ ازیں ان کا زمانۂ تصنیف بھی نامعلوم ہے۔ پھر ان مقدس کتب کی حیثیت' تقدس اور مقام کے متعلق ہندو فضلاء میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ مرور ایام کے ساتھ ساتھ ان کتب کا مرتبہ کم وبیش ہوتا رہتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ضروریات زمانہ کے مطابق جس دینی کتاب کی حیثیت کو زیادہ نمایاں کرنا مقصود ہوتا اس کو مرز کی نقطہ بنا کر پیش کر دیا گیا۔ ان دینی کتب میں الحاق' اضافہ اور ترمیم ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے جس کا اعتراف خود ہندو علماء نے بھی کیا ہے۔

ویدک مقدس:

وید سے مراد مقدس علم ہے۔ یہ ودیا سے ماخوذ ہے اور ودیا سے مراد علم اور عرفان کے ہیں اور ودوان عالم کو کہتے ہیں۔ اس طرح ہندوؤں میں پنڈت' عالم' پروہت اور برہمن کو بھی وید کہا جاتا ہے۔ ہندو دینی ادب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اول سرتی (Sruti) بمعنی مسموع یعنی سنی ہوئی چیز اور الہامی۔ دوم سمرتی (Smriti) بمعنی زبانی روایات۔

چاروں مقدس ویدیں پہلی قسم سے متعلق ہیں جو عام ہندو عقیدے کے مطابق ہندو رشیوں کی زبان پر خود بخود جاری ہو گئے تھے پھر لوگوں نے انھیں سنا' جمع کیا اور بقدر ضرورت ان میں ترمیم کرتے رہے۔ اب ہم ان ویدوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

ویدوں کی چار اقسام ہیں:

1: رگ وید

2: اتھر وید

Marfat.com

3: سام وید

4: یجروید

رگ وید:

رگ وید نظموں کا مجموعہ ہے جو دس کتابوں پر مشتمل ہے، ہر کتاب میں تقریباً ایک ہزار اشلوک اور نظمیں ہیں۔ اس میں اکثر و بیشتر میں کسی خاص دیوتا یا بہت سے دیوتاؤں کو اکٹھا مخاطب کر کے ان کی حمد و ثنا بیان کی گئی ہے۔ کتاب نمبر 2 سے کتاب نمبر 7 تک کا حصہ فیملی بکس (Family Books) کہلاتا ہے۔ یہ وہ مجموعے ہے جس میں پروہتوں کے مختلف خاندانوں کا ذکر ہے۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ یہ خاندان اپنی اصل کے اعتبار سے مختلف آریاؤں کے قبائل یا گروہوں سے تعلق رکھتے ہوں بہر حال ہمیں ان فیملی بکس میں قدیم ترین بھجن ملتے ہیں جو ان دیوتاؤں کے لحاظ سے ہیں جن کو بھجن میں مخاطب کیا گیا ہے۔ مثلاً: اگنی (آگ) دیوتا' سوریا (سورج) دیوتا اور اس کے بعد پھر اندر دیوتا ہے اس کے بعد دوسرے دیوتاؤں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ رگ وید اگنی دیوتا کی تعریف سے شروع ہوتا ہے۔ اگر رگ وید کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سے اکثر نظمیں ان شعراء کی ہیں جنھیں انھوں نے اپنے رئیس سرپرستوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پیش کیا۔ ایسی نظموں کی تعداد بھی کافی ہے جو رسمی اندازِ بیان اور نقل در نقل کلام سے بھری پڑی ہیں۔ ہندوؤں کی تمام مقدس کتب تقریباً منظوم اشعار میں ہیں۔

ای آر پائک (E-R-Paike) رقم طراز ہیں:

''رگ وید ہندوؤں کے مندروں کا اہم ترین وقدیم ترین مجموعہ ہے اس میں 1028 نظمیں ہیں جو مختلف مظاہر فطرت کی تعریف میں بیان کیے گئے ہیں۔ کئی صدیوں تک ان نظموں کو تحریر نہ کیا گیا بلکہ زبانی روایات کیا جاتا رہا۔ 800 قبل مسیح کے قریب انھیں اکٹھا کیا گیا۔''

یہ حقیقت ہے کہ یہ وید ہندوستانی تہذیب کے ترجمان ہیں جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا آف لٹریچر میں ہے:

''ہندوستانی تہذیب کی پوری عمارت ان ویدوں کی تعلیمات پر قائم ہے۔''

Marfat.com

جوں جوں یہ عقیدہ زور پکڑتا گیا کہ'' الفاظ میں زور دیوتائی تصور کی وجہ سے ہے۔'' تو شاعر پورا زور اس پر صرف کرنے لگے کہ غیر مانوس اور پراسرار رمزیہ اشارے اور کنائے کہے جائیں، چنانچہ اس قسم کی پراسرار باتیں ویدوں میں اکثر ملتی ہیں۔

ویدک دھرم کی وہ تصویر جو ہمیں رگ وید میں نظر آتی ہے کئی لحاظ سے نامکمل ہے۔ عام طور پر دیوتاؤں کی کہانیوں کی طرف پُر اسرار اشارے اور کنائے ملتے ہیں۔ مربوط اور مسلسل روایت مفقود ہے۔ ویدک دھرم میں چاروں ویدوں میں سب سے زیادہ اہمیت رگ وید ہی کو حاصل ہے۔ اس لیے ویدک دھرم کے بنیادی اصولوں کو معلوم کرنے کے لیے اس وید کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔

قدیم ترین ویدمذہبی شاعری کی دس کتابوں کا مجموعہ رگ وید ہے اور کئی صدیوں کی مسلسل کاوش کا نتیجہ ہے۔ رگ وید ابتدا میں زبانی روایت کیا جاتا رہا ہے اور یہ سلسلہ آٹھویں صدی قبل مسیح تک جاری رہا پھر اسے لکھ لیا گیا۔ ایک خاص بات جو رگ وید کے مطالعہ سے جھلکتی ہے وہ یہ ہے کہ جن دیوتاؤں کا ذکر رگ وید میں ملتا ہے انھی خوبیوں سے متصف ملتے جلتے ناموں والے دیوتا رومیوں اور یونانیوں کے ہاں بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ''مویوس پتر'' یہ وہی لفظ ہے جو یونانیوں کے ہاں'' زیوس پتر'' اور رومیوں کے'' جیوپتر'' تھا۔

یجروید:

یہ دوسرا اہم وید ہے جو نظم اور نثر دونوں پر مشتمل ہے یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ یجروید کا اکثر و بیشتر حصہ رگ وید سے ہی ماخوذ ہے۔ اس میں رگ وید کی تلاوت کے آداب اور وہ منتر اور دعائیں لکھی ہوئی ہیں جو نذر اور قربانی کے وقت پنڈت یا برہمن پڑھتے تھے، نیز اس میں مذہبی رسوم بیان کی گئی ہیں یجروید رگ وید کا چربہ معلوم ہوتا ہے۔

سام وید:

یہ بھی رگ وید سے ہی اخذ کیا گیا ہے' اس وید میں سوم رس' اس کی تیاری کے موقع پر پڑھی جانے والی دعاؤں کا ذکر ہے۔ یہ پورا منظوم کلام ہے اس لیے اسے ''مترنم وید'' کہتے ہیں جس میں ڈیڑھ ہزار اشعار ہیں اور عام طور پر سوم' اگنی اور اندر دیوتا کو مخاطب کیا گیا ہے اور مسرت وشادمانی کے موقع پر گائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

اتھروید:

اس کی تالیف بعد زمانے میں ہوتی ہے اور اس میں دوسرے مقامی اثرات بھی شامل ہوگئے ہیں۔ اس کا انداز بھی باقی دوسرے ویدوں سے الگ ہے، اس میں اوہام وخرافات' جادو' منتر' ٹونے' ٹوٹکے ہیں اور روحانی حل پیش کیے گئے ہیں۔ اتھروید میں وحدت الوجود کی تعلیم نصف نظم اور نصف نثر میں ہے۔ کل چھ ہزار منتر ہیں۔ یہ وید فکر اور اسلوب کے لحاظ سے باقی ویدوں سے مختلف ہے جیسا کہ میکڈونلڈ نے ''تاریخ سنسکرت'' میں لکھا ہے:

''اتھروید نہ صرف رگ وید سے بنیادی طور پر مختلف ہے بلکہ ذہنی فکر زیادہ قدیم حالت کی نمائندگی کرتی ہے۔''

اہمیت کے پیش نظر بعض لوگ ''رگ وید'' کے بعد اتھروید کو درجہ دیتے ہیں۔ اتھروید اتھروی پروہتوں کی طرف منسوب ہے جن کا جدامجد ''اتھرونامی شخص تھا جس نے آگ کی پرستش کا آغاز کیا۔

عموماً ہر وید تین اجزاء پر مشتمل ہے:

اول: منتر بھاگ جو دعاؤں پر مشتمل ہوتا ہے۔

دوم: براہمن بھاگ جس میں منتروں کی شرح اور تفصیل ہوتی ہے۔

سوم: ارنیک بھاگ جو آخر عمر میں جنگل میں پڑھا جاتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

مشہور دیوتا

ویدک دور کے آریا مختلف گروہوں میں منقسم تھے لیکن دیوتاؤں کی پرستش کے معاملے میں وہ متفق تھے۔ ان کے خیال میں زندگی انھی دیوتاؤں کے ہاتھ میں تھی جو انھیں فائدہ اور نقصان پہنچا سکتے تھے۔ ان دیوتاؤں کے حضور قربانیوں کی صحیح ادائیگی سے زمین میں خوشحالی اور آسمان میں سکون ہوتا ہے۔ ویدوں میں جن اہم دیوتاؤں کا ذکر ہے ان میں سے مشہور ترین درج ذیل ہیں۔

اِندر دیوتا:

یہ طوفان، ہوا، بارش اور جنگ کا دیوتا ہے۔ اسے خالقِ ارض وسما بھی کہا گیا ہے لیکن اس کی زیادہ مشہور حیثیت خدائے جنگ کی ہے۔ اسے آریاؤں کا خاص سرپرست گنا جاتا ہے اور اسے دشمنوں کو قتل کرنے والا دیوتا بھی کہا گیا ہے۔

رودر دیوتا:

یہ ہلاکت کا دیوتا ہے، آریاؤں کا دشمن ہے اس لیے خوف، منت اور سماجت سے اس کی عبادت کی جاتی ہے۔ بعد میں اس دیوتا نے شیو کا روپ دھار لیا۔

وایو دیوتا:

یہ ہوا کا دیوتا ہے، خوشبوئیں پھیلاتا ہے اور زندگی بخشتا ہے۔

ماروت:

یہ بہت سی روحوں کو کہا جاتا ہے جو باد و باراں کے طوفان میں اڑتی پھرتی ہیں۔

اشہ:

یہ صبح کی دیوی ہے۔

Marfat.com

سوریا دیوی:

اس کو سوترا بھی کہتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ سورج دیوتا کے تین روپ ہیں:

1: کانا مسوریہ

2: سوترا

3: وشنو

نیم دیوتا:

یہ دیوتا عالم ارواح کا حاکم ہے' یہ وہ پہلا شخص ہے جو موت کا شکار ہوا اور اب مردوں پر حکومت کرتا ہے اور ان کا حساب کرتا ہے۔ اس کی پوجا کرنے میں پنڈت کا چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے۔

ورن:

اس کو ورونا بھی کہتے ہیں۔ یہ آسمان کا دیوتا ہے۔ حق و باطل میں فیصلہ کرتا ہے، قدرتی اور اخلاقی نظام کا محافظ ہے۔

ریت:

یہ نظام کائنات کی روح ہے اور تدبیر کائنات میں جاری اور ساری ہے۔

یہ پریت کرن کی ریت نہیں

رب جاگتا ہے تو سووت ہے

اور بھی بہت سے دیوتاؤں کا ذکر ویدوں میں ملتا ہے لیکن یہ چند زیادہ مشہور ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ وید کے کچھ دیوتا مذہبی رسوم سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً: عبادت میں پروہت یا برہمن عبادت کی قیادت کرتا تھا۔ سوم کا شربت یا رس استعمال کیا جاتا تھا۔ آگ جلائی جاتی تھی۔ ان تینوں کو بھی دیوتا کا درجہ دیا گیا ہے۔ آگ کو اگنی دیوتا' شراب کو سوم کا دیوتا اور برہمن کو برہمن سپتی دیوتا کہا جاتا ہے۔

ویدک طریقہ عبادت:

ویدک کے زمانے میں دیوتاؤں کی عبادت اکثر و بیشتر مسرت و شادمانی کے اظہار کے

Marfat.com

طور پر کی جاتی تھی جس میں رقص و سرود نہ صرف شامل تھے بلکہ بہت زیادہ مقبول تھے۔ ردر دیوتا اور ورن دیوتا کی ناراضی کو دور کرنے کے لیے بھی انتہائی خضوع وخشوع سے یا منت و سماجت سے ان کی پوجا کی جاتی تھی۔ ویدک زمانے میں قربانی عام تھی۔ دودھ اور گھی کی بھینٹ بھی چڑھائی جاتی تھی اور جانوروں کی قربانیاں دی جاتی تھیں۔ ان قربانیوں میں افضل قربانی گھوڑے کی خیال کی جاتی تھی۔ سب دھارمک (مذہبی) کاموں میں افضل برہمن کو گنا جاتا تھا۔ اسی بنا پر برہمنوں کو بڑا احترام اور اثر ورسوخ حاصل ہوا۔ ویدوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی زمانے میں مظاہر فطرت اور مختلف ارواح کا تصور موجود تھا اور ان سے مدد طلب کی جاتی تھی۔ آخری زمانے میں خدائے کائنات یعنی پرجاپتی یا مالک مخلوقات کا تصور پیدا ہوا، اسی زمانے میں یہ تصور بھی سامنے آیا کہ پرش یعنی انسان کی روح اکبر کا آغاز ہوا اور مختلف خداؤں یا دیوتاؤں یا نیم خداؤں سے بڑھتے بڑھتے ہندو تصورِ الٰہ یعنی احکم الحاکمین کی طرف مائل ہوا۔

مذہبی محققین کا خیال ہے کہ ویدوں کے زمانے میں آریاؤں کے پیشواؤں نے اسرار کائنات پر فلسفیانہ غور وفکر کا آغاز کیا اور حقائق اشیاء کا سراغ لگانے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں ہستی باری تعالیٰ کا تصور مظاہر فطرت اور دوسرے دیوتاؤں سے بالاتر ہوکر بلند تر صورت میں پیدا ہوا اور آہستہ آہستہ فکر کی نگاہیں ہستی واحد پر جارکیں اور پھر اس ہستی کو پرانے دیوتاؤں کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

رگ وید میں یہ لکھا ہے:

''لوگ اسے اندر متراً ورن اور اگنی کہتے ہیں۔ وہ آسمانی گرتمان ہے جو ایک ہے، دانا لوگ اسے بہت سے نام دیتے ہیں۔

اس قسم کے منتروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وید کے زمانے میں لوگ تصور توحید کے قائل ہو چکے تھے۔ علاوہ ازیں ابتدائی آریائی دیوتاؤں کے معاملے میں مادیت کا پہلو غالب تھا اور ان کی تجسیم بھی کی جاتی تھی (بت بھی بنائے جاتے تھے)۔ ایک گاتری منتر ہے جو ہندوؤں کی روزمرہ مذہبی پوجا میں اہم مقام رکھتا ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے:

''ہم غور وفکر کرتے ہیں۔ علم کے مدّاح ہیں' تخلیقی قوت کے پرستار ہیں جو ہم میں ذہنی صلاحیتوں کو جلا بخشتی ہے۔''

Marfat.com

ویدوں کی تعلیمات

ویدوں کے مطالعہ سے مندرجہ ذیل تعلیمات اخذ کی جاسکتی ہیں۔

اخلاقیات:

ویدوں میں اخلاقیات پر زور دیا گیا ہے۔ حسد' کذب گوئی' دھوکہ بازی' جوا کھیلنا' چوری اور دوسرے کی جان و مال کو نقصان پہنچانا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس ایمانداری' صداقت' خوش مقالی اور عدم تشدد کو پسندیدہ اخلاق قرار دیئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں افراد خانہ میں باہمی ہمدردی اور بہتر تعلقات کی تعلیم دی گئی ہے۔ ویدوں میں درج ہے کہ انسان پیدائش کے وقت دیوتاؤں' انسانوں اور جانوروں کا مقروض ہوتا ہے اور یہ قرضے قربانیاں دے کر چکائے جاسکتے ہیں اور ان قرضوں کی ادائیگی سے ہی ایک انسان روحانی ارتقاء حاصل کرسکتا ہے۔ رگ وید میں جسم اور روح کو ایسے دو پرندوں کی مانند قرار دیا گیا ہے جن میں سے ایک تو شیریں پھل کھاتا ہے اور دوسرا خوراک کے بغیر ہی توانا اور تابندہ ہے۔ ویدوں میں روح کی ساری بحث کو اس خلاصے پر ختم کیا گیا ہے کہ روح خواہشات اور سفلی جذبات سے مبرا ہے، یہ ازلی' ابدی عقلمند اور ہر لحاظ سے کامل ہے۔

طریقۂ تعلیم:

گرو اپنے شاگردوں کو علم منتقل کرتے تھے اور تعلیمی ادارے عموماً آبادی سے دور جنگلوں میں قائم تھے۔ طالب علم گرو کے خاندان کے افراد کی طرح زندگی گزارتے تھے۔ شاگرد اور چیلے حصول علم کے علاوہ زراعت اور دوسرے کام بھی سیکھتے تھے تاکہ انھیں معاشی کفالت حاصل ہو۔ فیس وغیرہ کوئی نہ تھی، مادہ پرستی زیادہ نہ تھی اس لیے اساتذہ کا احترام کافی تھا۔ آریاؤں کے تعلیمی مراکز قربان گاہیں تھیں۔ یہاں تاریخی داستانوں اور ڈراموں کو پڑھایا اور دہرایا جاتا تھا۔ ایک طریقہ تعلیم یہ بھی تھا کہ پہیلیوں کی شکل میں سوال کیے جاتے تھے، اس طرح کے سوالات اور جوابات ویدوں میں مذکور ہیں۔ غیر آریائی لوگوں کے لیے تعلیم کے مراکز مخصوص

Marfat.com

تھے جو تیرتھ کہلاتے تھے۔

الغرض تعلیم ویدک دور کا لازمی جزو تھا۔ تعلیمی مراکز نے ہندو کلچر اور اس کے ارتقاء میں اہم رول ادا کیا۔ بعد ازیں ہندو فلسفیانہ افکار کی ترویج میں نمایاں حصہ لیا۔ تناسخ' جونی چکر اور نروان کے مباحث کی بنیاد ویدوں ہی نے فراہم کی۔ اس لیے ویدوں کو ہندومت میں فلسفیانہ افکار اور خیالات کا سرچشمہ قرار دیا جاتا ہے۔ گو ہند کی مذہبی تاریخ میں بہت سے تغیرات رونما ہوتے ہیں۔ تاہم ویدوں کی اہمیت ہمیشہ قائم رہی حتی کہ آج بھی زندگی کے مختلف مراحل اور موت کی رسومات ویدک طریقے پر ہی ادا کی جاتی ہیں۔

دشمنوں سے سلوک:

اگرچہ ویدوں میں ذاتی محاسن پر زور ہے لیکن وید دشمنوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی تعلیم دیتے ہیں۔ یجروید میں غیر آریاؤں کو زندہ جلا ڈالنے' درندوں سے پھڑوانے' اذیت ناک بے رحمی سے مارنے' پانی میں غرق کرنے حتی کہ آبادیوں کو پیوند خاک کرنے کے ظالمانہ احکام موجود ہیں نیز عورت، مرد، بچے، بوڑھے اور مریض تک میں کوئی امتیاز نہیں برتا گیا۔ تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ ہندو پاک میں جو بے شمار ٹیلے پائے جاتے ہیں وہ مقامی آبادی بھیل اور دراوڑ کی برباد شدہ بستیاں ہیں۔ ویدوں میں آگ' ہوا' پانی اور اندر دیوتا سے دعائیں کی گئیں ہیں کہ وہ آریاؤں کے دشمنوں کو ملیامیٹ کریں۔ اس ضمن میں صرف دو اقتباس کافی ہیں۔ یجروید میں درج ہے:

''دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو' انھیں درندوں سے پھڑواڈالو یا سمندر میں غرق کرو۔''

(یجروید:15:17:تا19)

سام وید میں مذکور ہے:

''اے اندر دیوتا! ہمارا دیا ہوا سوم رس تجھے خوش اور متوالا کرے! تو ہمیں دھن دولت دے اور وید کے دشمنوں کو تباہ ہلاک کر۔'' (سام وید: ادھیائے: 11، منتر: 1)

ویدک دھرم کے مطابق غیر آریوں کا درجہ شودروں کا ہے جن کے کوئی انسانی حقوق نہیں بلکہ وہ ایک قابلِ نفرت مخلوق ہے جس کا کام محض دوسروں کی خدمت ہے اور اس میں اس کی

Marfat.com

نجات ہے۔

عورتوں کے متعلق تعلیم:

عورت اسلامی معاشرے کا اہم ترین رکن ہے لیکن ویدوں میں اسے ایک ثانوی درجے کی مخلوق قرار دیا گیا ہے۔ وہ بے وفا' احمق اور منافق ہے، اسے نکاح ثانی کی اجازت نہیں بلکہ پتی کے ساتھ چتا میں جل مرنا ہی اس کا مقدر ہے۔ وراثت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ چنانچہ رگ وید میں درج ہے:

''عورتوں کے ساتھ محبت نہیں ہوسکتی' عورت کا دل استقلال سے خالی ہے اور وہ عقل کی رو سے نہایت ہلکی چیز ہے۔''

(رگ وید، منڈل:8، سوکت:33، منتر:17)

منوسمرتی جو ویدوں کی تفسیر ہے' اس میں عورت کی معاشرتی حیثیت اس طرح متعین کی گئی ہے:

''عورت کا وجود صرف اس لیے ہے کہ بچے دے' ان کی پرورش کرے اور ہر روز خانہ داری کے کام میں مصروف رہے۔''

(منوسمرتی، باب نمبر:9:27)

الغرض ہندو شاستروں کا زور عورت کے فرائض پر ہے حقوق پر نہیں۔ اس کے لیے مذہبی تعلیم تک ممنوع ہے۔

شرک کی تعلیم:

ویدیں ہر قسم کے شرک کی تعلیم دیتی ہیں۔ آباء پرستی اور مظاہر پرستی ہے، وید ایک خدا کے تصور سے خالی ہیں، ان میں وحدت الوجود کی تعلیم ہی ہے۔ دیوتاؤں کی تعداد مختلف ہے۔ یجروید میں لکھا ہے کہ کل دیوتا 33 ہیں۔ 11 زمین پر' 11 آسمان پر اور 11 اوپر جنت میں لیکن رگ وید میں ہی دوسری جگہ 3340 دیوتا بتائے گئے ہیں۔ دیوتاؤں کی یہ کثرت شرک فی ذات الٰہی ہے۔ ہندو روح' مادہ' آکاش اور زمانہ کو خدا کے برابر ازلی اور ابدی قرار دیتے ہیں جو شرک فی الصفات ہے۔ نیز آگ' پانی' ہوا' سورج اور چاند کی عبادت کرتے ہیں جو شرک فی العبادت ہے۔

Marfat.com

برہمنا اور اپنشد

برہمن کی فضیلت اور شرف نیز اس کے مذہبی فرائض واعمال کی اہمیت پر جو کتب تحریر کی گئیں انھیں ''برہمنا'' کا نام دیا گیا ہے۔ یہ کتب دراصل ویدوں کے ضمیمہ یا تتمہ کی حیثیت رکھتی ہیں جنھیں ہم قربانی کی رسوم، ہندو عبادات اور برہمنی دینیات کی کتابیں کہہ سکتے ہیں۔

ہندو معاشرے کی بنیاد ہی غیر فطری' ذات پات اور خود ساختہ انسانی تقسیم پر تھی۔ بدھ مت اور جین مت ذات پات کی غیر فطری تقسیم کے خلاف تحریکیں تھیں جن کے نتیجے میں ہندو معاشرہ متزلزل ہوگیا۔ لہٰذا برہمن کی فوقیت اور شرف کا اَزسرِ نو اظہار کی ضرورت پڑی تو برہمن کی سیادت اور خدائی حقوق کے جواز میں کتب ترتیب اور تحریر کی گئیں جو ''برہمنا'' کے نام سے موسوم ہیں۔

برہمنا کا عہد:

برہمنا کے عہد کو 800 ق م سے 500 ق م تک محدود کیا جاسکتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب ہندو آریاؤں کے عقائد اور مذہبی تصورات میں انقلاب رونما ہوا اور ان کے احساسات ایک بنیادی تبدیلی سے دوچار ہوئے۔ ویدوں کا زمانہ امید ورجائیت اور خوشی ومسرت کا زمانہ تھا لیکن برہمنا کے عہد کے آغاز نے ہندو ذہن پر مایوسی وافسردگی مسلط کردی۔ ممکن ہے یہ تبدیلی آب وہوا اور علاقے کی تبدیلی کے زیر اثر رونما ہوئی ہو، کیونکہ ہندو آریا اب پنجاب کو چھوڑ کر گنگا اور جمنا کے دوآب میں داخل ہو چکے تھے جس کی آب وہوا نم آلود ہونے کی وجہ سے انسانی جسم وروح پر کاہلی اور سستی طاری کردیتی ہے۔ اس دور کے ہندو ذہن پر قنوطی اثرات کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ہندو آریاؤں کی مرکزیت رفتہ رفتہ ختم ہوتی جارہی تھی اور ان کی سلطنت چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستوں میں تقسیم ہوتی جارہی تھی جو ایک دوسرے سے برسر

Marfat.com

پیکار رہتی تھیں۔ ہندوآریاؤں میں اب وہ مذہبی لگن بھی نہ تھی اور ظاہری مذہبیت کا غلبہ بڑھتا چلا جارہا تھا' ایک پیشہ ور مذہبی طبقہ جنم لے رہا تھا۔

اس عہد کی ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہی وہ زمانہ ہے جس کے مذہبی عقائد اور عبادات کے اثرات بڑے دیرپا اور مستقل ثابت ہوئے اور موجودہ ہندوذہن کی تشکیل میں انھوں نے نمایاں کردار ادا کیا۔ موجودہ ہندوذہن نے اس دور کے جن عقائد وعبادات سے خصوصی اثر قبول کیا وہ درج ذیل ہیں:

1: فلسفہ ویدانت

2: برہمنوں کا تفوق

3: قربانی، اس کی اہمیت وتاثیر

4: تناسخ یا آواگون کا نظریہ

برہمنا ادب نثری متن پر مشتمل ہے جو قربانیوں' نذرونیاز نیز ان کی اہمیت کے موضوعات سے تعلق رکھتا ہے جس کو پروہت اور برہمن ادا کیا کرتے تھے۔

(ہندوازم، صفحہ نمبر:25)

اپنشد:

اَپ کا معنی نزدیک، نی کا معنی ہے ''ہم تن گوش'' اور شد کے معنی ہیں بیٹھ جانا۔ اس طرح اپنشد کا مطلب ہوا'' ہمہ تن گوش ہو کر کسی کے نزدیک بیٹھنا۔ اس کے مرادی معنی ہیں ''قریبی نشست یا راز ونیاز کی باتیں۔

یہ ہندوؤں کی فقہی کتابیں۔ اس میں ہندوؤں کے نظریات کا فلسفہ ہے اور ویدوں کا تتمہ۔ اس کا ایک نام ویدانت بھی ہے۔ اس میں تیرہ لیکچرز زیادہ مشہور ہیں۔ یہ تعلیم کی مجلسیں ہوتی ہیں۔ اس میں ہر ایک کو یہ اجازت نہ تھی کہ وہ ان مجالس میں بیٹھے مگر استاد چند ایک لوگوں کو منتخب کرتے تھے۔

بقول ڈاکٹر پریندر:

"A teacher would gather puplis around him in a private place often in the forests and mysteries would

Marfat.com

be revealed to the chosen few and not written down, but peserved by memories."

''استاد کے گرد چند منتخب شاگرد بیٹھ جاتے اور ان پر اسرارِ حیات آشکار ہوتے' یہ اسرار کی باتیں اور مواعظ کی تفاصیل لکھی نہیں جاتی تھیں بلکہ حافظہ میں محفوظ کر لی جاتیں۔''

اپنشد کے مکالموں کو اس صورت میں اس طرح لکھا گیا کہ یاد کرنے میں بہت سہولت ہو اور معاشرے کے مختلف طبقوں کے لوگ ان مکالموں میں حصہ لیتے نظر آتے ہیں۔ قاعدہ یہ تھا کہ گرو جنگل میں کسی درخت کے نیچے یا کسی ندی کے کنارے بیٹھ جاتا تھا۔ شاگرد اس کے گرد حلقہ باندھ لیتے اور سوالات اور جوابات کے ذریعے تعلیم و تعلم کا عمل سرانجام پاتا۔ اسی طرح یہ مکالماتی حلقے منعقد ہوتے' ان کی تعداد مختلف بیان کی گئی ہے۔ بعض کے مطابق ان کل مجلسوں کی تعداد 108 بتائی جاتی ہے جو فی الحقیقت ویدوں کی تفسیر ہے۔ اس طرح اپنشد ہندوؤں کی فلسفیانہ کتابیں ہیں جو مکالموں کی صورت میں وضع کی گئی ہیں۔ ان کو ہندوؤں کا ''علم الکلام'' کہنا زیادہ مناسب ہے۔

اپنشد کے مضامین:

اس کے مضامین متضاد ہیں۔ ان میں کافی تنوع ہے۔ ہر ممکن سوال پر خیال آرائی کی گئی ہے، نتائج اور فکر میں یکسانیت نہیں پائی جاتی۔ تاہم ایک بات جو مشترکہ طور پر اس ادب میں نمایاں ہے وہ خدا پرستی کی طرف رجحان ہے۔ مثلاً پنڈت قربانی کے موقع پر یہ تین منتر پڑھتا ہے۔

1: ''اے خدا! غیر حقیقی راہ سے حقیقی راہ کی طرف میری راہنمائی کیجئے!
2: تاریکی سے روشنی کی طرف ہدایت دیجئے اور
3: فنا سے نکل کر مجھے بقا کی طرف راہنمائی کیجئے۔

اسی طرح اپنشد میں مختلف اسرار و رموز پہ گفتگو کی گئی ہے۔ مثلاً حقیقت کیا ہے؟ کائنات کیا ہے؟ کائنات ہے بھی یا نہیں؟ کائنات کس بات کا اظہار ہے؟ دنیا مایا تو نہیں؟ علم کسے کہا جاتا ہے؟ علم کیسے پیدا ہوا؟ انسانی تجربے کو علم سے کیا تعلق ہے؟ زندگی کا آغاز کیسے ہوا؟

Marfat.com

اس کا انجام کیا ہوگا؟ اپنشدوں میں ان سوالات کے جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ جن میں ہندو فلسفیوں نے اکثر ٹھوکریں کھائی ہیں۔

اپنشد کا بنیادی فلسفہ وحدت الوجود ہے۔ ان کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ کائنات میں جاری اور ساری قوت ایک حقیقت کبریٰ ہے جو نظر نہیں آتی لیکن پہچاننے والے اس کی حقیقت کو پالیتے ہیں اور جب بیرونی جہالت دور ہو جاتی ہے تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ اپنشد سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ برہما ہی حقیقت اصلی ہے اور ہر شے میں اس کی قوت کا ظہور ہے۔ وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ آتما یعنی روح اس کی مظہر ہے حقیقت نہیں' برہما اور آتما ایک ہی ہیں۔ گویا خدا اور انسان کی ماہیت ایک ہی ہے۔ اپنشدوں میں ہندو فلسفے کے ساتھ ساتھ ہندو تصوف کی بنیاد بھی رکھی گئی ہے اور تصوف کی آخری منزل کو نروان کہا گیا ہے۔ اپنشد کی رُو سے اعلیٰ مرتبہ ان لوگوں کا کہنا ہے جو برہمہ میں جذب ہو کر نروان حاصل کر لیتے ہیں۔

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

یہی ہندو وحدتِ الوجود کا نظریہ ہے۔ یہ عقیدہ حلول کا عقیدہ کہلاتا ہے' وہ کہتے ہیں کہ خالقِ اکبر ہر چیز میں موجود ہے۔ یہ عقیدہِ توحید کے منافی اور رسولوں کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ کیونکہ خالق و مخلوق کی ماہیت ایک نہیں ہو سکتی۔ تخلیقِ کائنات کے بارے میں اپنشدوں کا خالق کسی خارجی مادے سے دنیا کو پیدا نہیں کر سکتا بلکہ وہ خود اپنے اندر سے پیدا کرتا ہے۔

''جیسے چھوٹی چھوٹی چنگاریاں آگ سے اٹھتی ہیں اسی طرح آتما سے تمام عالمین، دیوتا، ارواحِ حیوانی اور کل زندہ مخلوقات برآمد ہوئی ہیں۔''

اپنشدوں کے فلسفے میں ایک اہم فلسفہ'' ادوارِ زمانہ کا ہے۔ یعنی عرصہ دراز کے بعد کل کائنات اور موجودات مٹ کر برہمہ کی ذات میں مدغم ہو جاتی ہے۔ پھر ایک نیا دور شروع ہو جاتا ہے اسے کلپ کہا جاتا ہے۔ ہر کلپ ایک پرے (قیامت) پر ختم ہوتا ہے اور اس کے بعد نئے کلپ کا آغاز ہوتا ہے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے۔ اپنشد بھی ویدوں کی طرح نامعلوم اشخاص کی تصنیف ہے۔ عموماً انھیں ہندو فلاسفی اور تصوف کی کتابیں مانا جاتا ہے۔ اور یہ دور ویدک دور کے زوال کی ابتداء اور برہمنی تسلط سے چھٹکارا پانے کی تدابیر سوچنے اور بعض اصلاحی آوازوں کے بلند ہونے کا تھا۔ چنانچہ اپنشدوں کے مصنفین اکثر کھشتری ہیں یعنی ہندوؤں نے اسے ویدوں سے بھی قدیم تر مانا ہے۔

Marfat.com

اپنشدوں کی تعداد:

اپنشدوں کی تعداد ابتدائی طور پر تیس تھی لیکن ان میں اضافہ ہوتا چلا گیا حتی کہ ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد 108 تک پہنچ گئی۔ تاہم ان میں اہم تیرہ ہیں جن میں سے چھ نثر میں اور سات نظم میں ہیں۔ ان میں سے زیادہ شہرت ''چندوگیا اپنشد کو حاصل ہے۔

اپنشدوں کا زمانۂ تالیف:

عام طور پر یہ باور کیا جاتا ہے کہ اپنشدوں کا زمانۂ تالیف 800 ق م سے لے کر 500 ق م تک رہا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب یونانی فلسفہ بھی اپنے عروج پر تھا تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ اپنشدوں کو کسی ایک صدی میں نہیں لکھا گیا بلکہ انھیں بتدریج لکھا گیا۔

الغرض اپنے اہم مباحث کی بدولت اپنشدوں کو ہندومت کے قدیم ادب میں ویدوں اور براہمنا کے ساتھ ساتھ اہم مقام حاصل رہا ہے۔

اپنشدوں کا فلسفۂ نجات اسلامی تصورِ نجات کے بالکل خلاف ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے انسانی روح طہارت کی جتنی چاہے منزلیں طے کر لے وہ حلقۂ بشریت سے باہر نہیں نکل سکتی اور اس کا حلول اللہ کے اندر ممکن نہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

ویدوں کا تنقیدی جائزہ

ویدک لٹریچر کا تنقیدی جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ وید الہامی نہیں ہیں، ان کی صحت مشکوک ہے اور وقتاً فوقتاً ان میں ترمیم وتحریف ہوتی رہی ہے۔ مندرجہ ذیل امور اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ویدوں کی گمشدگی:

ویدوں کا تاریخی تواتر مفقود ہے، یہ بار بار گم ہوتے رہے اور دوبارہ لکھے گئے۔ مثلاً: کتاب مہابھارت میں لکھا ہے:

''دواسر جن جس نے برہما جی کو دنیا پیدا کرنے میں مدد دی تھی وید کو چرا کر لے گئے۔''

پھر اس کتاب میں آگے لکھا ہے:

''ویدوں کے گم ہو جانے کے بعد سات رشی آسمان سے ظاہر ہوئے اور انھوں نے پھر ان کو جاری کیا۔''

ایک اور روایت میں ہے:

''ایک دفعہ ملک میں بارہ برس تک بارش نہ ہونے کے سبب سخت قحط پڑا' سب رشی معاش کی تلاش میں دیش چھوڑ کر کہیں دوسری جگہ چلے گئے اور ویدان کے ذہنوں سے بالکل محو ہو گیا۔

ویدوں کی تعداد:

ویدوں کی تعداد کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ وشنو پران میں لکھا ہے:

''شروع میں صرف ایک وید تھا جس میں ایک لاکھ منتر تھے۔''

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ وید تین ہیں۔ تیسرا نظریہ یہ ہے کہ وید چار ہیں نیز ایک خیال یہ

Marfat.com

بھی ہے کہ وید پانچ تھے حتی کہ ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ ویدوں کی کل تعداد 1131 تھی۔ فی الحقیقت آغاز میں وید ایک تھا، اس کے بعد وید تین ہوئے، پھر ان میں مزید اضافہ ہوا اور چار بنے، اس کے بعد برہمنوں کی ذاتوں کے مطابق تیرہ ہوکر 1131 بن گئے اور بالآخر وید بے شمار ہو گئے۔

ویدوں میں تحریف:

یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ وید تحریف وترمیم سے پاک نہیں ہیں۔ مختلف زمانوں میں ضروریات کے مطابق ان میں اضافے اور الحاق ہوتے رہے۔ الفاظ اور عبارتیں بدلتی رہی' منتروں اور اشلوکوں کی تعداد میں فرق پڑتا رہا حتی کہ اب ان کی صحت بالکل مشکوک ہے۔

وید الہامی نہیں:

ویدوں کے الہامی نہ ہونے کا اعتراف خود ہندو علماء کو بھی ہے۔ مثلاً پنڈت ستیہ ورت لکھتے ہیں:

''یہ ثقہ امر ہے کہ ہمارے بزرگ رشیوں نے ہی ویدوں کی تصنیف کی۔''

(کتاب وید ترئی، صفحہ نمبر:74)

اس طرح مشہور پروفیسر پنڈت رادھا کرشنن اپنی کتاب ''فلاسفی آف دی اپنشدز'' میں لکھتے ہیں:

''ہم اپنشدوں میں ویدک افسانوں سے زیادہ ترقی یافتہ خیالات پاتے ہیں۔''

نیز صداقت کے بارے میں ان کے قیاسات اس قدر متعدد اور خدا کے متعلق ان کے خیالات اس قدر مختلف ہیں کہ ہر شخص کو یقیناً ان میں جو چاہتا ہے اور ہر قسم کا خیال جو تلاش کرتا ہے ان میں مل جاتا ہے۔''

(فلاسفی آف دی اپنشدز، صفحہ نمبر:14)

پنڈت جواہر لعل نہرو اپنی مشہور کتاب The Discovery of India میں معترف ہیں:

''بہت سے ہندو ویدوں کو الہامی کتاب خیال کرتے ہیں، میرے نزدیک یہ بڑی بدقسمتی ہے۔ کیونکہ اس طرح ان کی حقیقت ہم سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ وید صرف مختلف ادوار

Marfat.com

کی معلومات کا مجموعہ ہیں بلکہ وہ متعدد امور کا غیر مرتب ذخیرہ ہیں، مثلاً دعائیں، قربانی کی رسومات اور جادو وغیرہ۔

(The Discovery of India، صفحہ نمبر:77)

زمانی تالیف:

ویدوں کے زمانۂ تالیف اور تدوین میں سخت اختلاف ہے۔ سناتن دھرمی اور آریہ سماجی اس بات پر متفق ہیں کہ وید کا وجود آغازِ دنیا سے ہے جبکہ جدید تحقیقات اس دعویٰ کی تردید کرتی ہے۔ مثلاً: پروفیسر مونیر ولیم (Monier William) اپنی کتاب ہندوازم میں لکھتے ہیں:

''ہم یہ فرض کرنے میں حق بجانب ہیں کہ ویدوں کے حمدیہ گیت غالباً 1800 اور 1000 قبل مسیح کے درمیان مختلف تاریخوں میں لکھے۔''

(ہندوازم، صفحہ نمبر:19)

ویدوں کا وطن:

وید کہاں لکھے گئے؟ اس بارے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ سناتن دھرم والوں کے مطابق ویدوں کا وطن شمالی ہندوستان ہے جبکہ آریہ سماج والوں کے خیال میں وید ملک تبت میں لکھے گئے تھے۔ ان دونوں کے برعکس مستشرقین کا دعویٰ ہے کہ وسط ایشیا میں آریوں کی رہائش کے زمانے میں مدوّن ہوئے۔ اس کے علاوہ یہ بھی روایت ہے کہ وید قطب شمالی میں بننے شروع ہوئے۔

متضاد روایات:

ویدوں کے مصنفین کے متعلق خود ہندوؤں میں اختلاف پایا جاتا ہے اور متضاد روایات بیان کی جاتی ہیں مثلاً ایک روایت میں ہے کہ برہما دیوتاؤں میں سب سے پہلے پیدا ہوا۔ یہ تمام عالم کا خالق اور رازق تھا، اس برہما کے چار منہ تھے، ایک ایک منہ سے ایک ایک وید پیدا ہوا یعنی مشرقی منہ سے رگ وید، جنوبی منہ سے یجروید، مغربی منہ سے سام وید اور شمالی منہ سے ست اتھروید۔

دوسری روایت میں ہے کہ ویدیں چاروں دیوتاؤں کی تصنیف ہیں۔ رگ وید اگنی دیوتا کی، یجروید'' وایو دیوتا کی، سام وید ادنیہ دیوتا کی اور اتھروید کا مصنف چاند دیوتا ہے۔ جبکہ

Marfat.com

ان دونوں روایتوں کے برعکس ایک ہندو طبقے کا خیال ہے کہ وید دراصل 414 رشیوں کا کلام ہے۔ الغرض ویدوں کی صحت مشکوک ہے، یہ زمانے کی خرد برد کے ہاتھوں محفوظ نہیں رہے، ان کے الہامی ہونے کا دعویٰ باطل ہے۔ پھر ان کی تعداد' زمانۂ تالیف' اور وطن کے بارے میں اختلاف بھی ان کے غیر الہامی ہونے اور عدم صحت ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

سب سے زیادہ فائدہ تناسخ یا آواگون کے فلسفے سے اٹھایا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ ہندوستان کی تمام غیر آریائی نسلیں (جنھیں شودر کا نام دیا گیا) اپنے پہلے جنم میں گناہوں کی مرتکب رہی ہیں اس لیے انھیں ذلیل ہی رہنا چاہیے۔ چنانچہ اس اصول کے مطابق سیاست و معاشرت کا جو نظام تیار کیا گیا اس کی تفصیل قانونی کتاب ''منوسمرتی'' کے الفاظ یہ ہے:

1: دنیا کا کاروبار چلانے کے واسطے برہمن' کھشتری' ویش اور شودر چار ذاتیں خالق نے بنائی ہیں، ان میں سے برہمن کو خالق نے اپنے منہ سے پیدا کیا۔ کھشتری کو بازو سے' ویش کو ران سے' اور شودر کو پاؤں سے۔ پھر ان چاروں ذاتوں کے الگ الگ فرائض مقرر کر دیئے۔ پڑھنا پڑھانا اور مذہبی رسوم کی حفاظت کرنا برہمنوں کا کام ہے۔ حکومت کرنا دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا اور برہمنوں سے وید پڑھنا کھشتری کا کام ہے۔ تجارت و زراعت کرنا اور وید پڑھنا ویش کا کام ہے لیکن شودر کے لیے ایک ہی کام خالق نے ٹھہرایا ہے اور وہ یہ کہ تن من' دھن سے ان تینوں ذاتوں کی خدمت کرے۔

(پہلا ادھیائے۔ اشلوک: 87۔91)

2: مشرقی سمندر سے مغربی سمندر تک اور ہمالیہ سے لے کر بندھیا چل تک کا علاقہ آریہ ورت کہلاتا ہے۔ برہمن' کھشتری اور ویش اس علاقے میں حاکم بن کر رہیں اور شودر اگر معاش کی تنگی سے مجبور ہوں تو جہاں چاہے چلے جائیں۔ شودر کو ہمیشہ حقیر سمجھنا چاہیے اور اس کے نام میں حقارت کو ظاہر کر دینے والا کوئی لفظ شامل کرنا چاہیے۔ اس کے برعکس برہمن کے نام میں خوشی کو ظاہر کرنے والا' کھشتری کے نام میں طاقت کو ظاہر کرنے والا اور ویش کے نام میں مال و دولت کو ظاہر کرنے والا کوئی لفظ شامل کرنا چاہیے۔

(دوسرا ادھیائے، اشلوک نمبر 22'24'31)

3: شودر لوگ سور اور کتے کی طرح ہیں۔ اس لیے جب برہمن کھانا کھائے تو ایسی جگہ بیٹھے جہاں ان کی نظر نہ پڑے۔

Marfat.com

(تیسرا ادھیائے، اشلوک نمبر:239)

4: جو شخص شودر کو مذہب اور عبادے کا درس دیتا ہے۔ وہ شودر سمیت دوزخ کا ایندھن بنتا ہے۔ کسی شودر کو یہ حق نہیں کہ وہ پڑھنے لکھنے کا خیال بھی دل میں لائے۔ اگر کوئی شودر چھپ چھپا کر بھی وید کو سن لے تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دو۔

(چوتھا ادھیائے)

5: شودر کو مہینے میں صرف ایک بار حجامت بنوانی چاہیے اور برہمن کا کھایا ہوا جھوٹا کھانا اس کی غذا ہے۔

(پانچواں ادھیائے، اشلوک 140)

6: اگر نیچ ذات کا کوئی آدمی اونچی ذات کے برابر بیٹھ جائے تو اس کی کمر کو آگ سے داغ دو۔ اس کے چوتڑ اس طرح کاٹ دو کہ مرنے نہ پائے۔ خالق نے شودر کو برہمن کی خاطر بنایا ہے۔ اس لیے شودر خواہ برہمن کا زرخرید ہو یا نہ ہو اس سے برابر کام لینا چاہیے۔

(نواں ادھیائے، اشلوک نمبر:281-413)

7: برہمن، کھشتری اور ویش دو جنمے ہیں یعنی ان کی روح کی ترقی دو منزلوں سے گزر چکی ہے۔ لیکن شودر ایک جنما ہے اور ابھی انسانیت کی پہلی منزل ہی میں پڑا ہوا ہے۔ اس لیے شودر کو ذلیل رہنا چاہیے۔ وہ طاقت رکھنے پر بھی دولت جمع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگر شودر کے پاس دولت جمع ہو جائے تو وہ برہمنوں کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔

(دسواں ادھیائے۔ اشلوک نمبر 4، 129)

8: برہمن اگر شودر کو قتل کر دے تو صرف کفارہ ادا کرے اور کچھ جرمانہ دے دے بس اتنا کافی ہے۔

(گیارھواں ادھیائے، اشلوک نمبر 130)

یہ تو عام معاشرے کی حالت ہوئی جس میں شودر کے نام سے عوام کی حالت عہد فرعونی کے بنی اسرائیل سے بدرجہا ذلیل بنا دی گئی تھی۔ ایسی صورت میں بادشاہ کو خدا ثابت کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ تاہم شاہی نظام کو مظبوط بنانے کے لیے راجہ کے بارے میں ہندوؤں کے جو عقائد تھے وہ منوسمرتی کی زبان میں یہ ہیں:

''راجہ ایک دیوتا ہے جو انسانوں کے لیے ہر کام اپنی طاقت کے مطابق کرتا ہے' اس

Marfat.com

لیے راجہ اگر نابالغ ہوتب بھی اس کی بے عزتی نہ کرنی چاہیے کیونکہ ہر راجہ انسان کی صورت میں رُوئے زمین کا سب سے بڑا دیوتا ہے۔"

(ساتواں ادھیائے، اشلوک نمبر 8۔9)

یہ تو راجہ کی ذاتی عظمت کا حال ہے۔ اب اس کے فرائض کو لیجئے ان میں وید پڑھنے والوں کی حفاظت کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں شودر کے لیے راجہ پر کوئی خاص فرض عائد نہیں ہوتا۔ ہاں !اگر کسی راجہ کے راج میں وید پڑھنے والا بھوکا مرے تو اس کا راج جلد مٹ جانا چاہیے۔ راجہ کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ کسی شودر سے کوئی واسطہ نہ رکھے۔ جس راجہ کے کاروبار میں کوئی شودر شامل ہوگا اس راجہ کا راج اس طرح مٹ جائے گا جیسے دلدل میں گائے پھنس کر مر جاتی ہے۔

الغرض منوسمرتی نے برہمنیت کا تسلط قائم کر دیا گیا۔ ہمیشہ کے لیے ذات پات کا ایسا چکر چلایا کہ جس سے نکل کر ایک ذات کا فرد دوسری ذات میں داخل ہونے کا مستحق نہیں رہتا۔ شادی بیاہ اور تمام معاشرتی معاملات میں یہ امتیاز اور تفریق ضروری تھی اور اس کی پابندی افرادِ معاشرہ پر لازم تھی۔

غلامی:

"منوسمرتی" کے مطابق غلاموں کی آٹھ اقسام ہیں جو سب کے سب غیر آریائی لوگ ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

1: مفتوحہ لوگ۔
2: خوراک کی شرط پر غلامی قبول کرنے والے۔
3: سزایافتہ غلام۔
4: گھریلو خادموں کی اولاد۔
5: خریدا ہوا غلام۔
6: موروثی غلام۔
7: ہر قسم کے غلاموں کی اولاد۔
8: بھگت یعنی اونچی ذات کے ہندو کا خادم۔

Marfat.com

وراثت:

وراثت کے متعلق بھی منوسمرتی کا قانون خلافِ عقل، خلافِ فطرت اور عدل کے خلاف ہے۔ منوسمرتی میں لکھا ہے:

''ماں باپ کی تمام دولت بڑا بیٹا لے وہ نہ ہو تو میت کا باپ اور بھائی حقدار ہے۔ جو بے اولاد مرے اس کی وراثت صرف ماں کا حق ہے۔ نیز عورت کو وراثت کے حق سے محروم ٹھہرایا گیا ہے۔

(منوسمرتی، 9:3'102)

جرائم کی سزائیں:

ہندو قانون میں سزائیں وحشیانہ، غیر فطری اور بے انصافی پر مبنی ہیں۔ یہاں بھی ذات پات کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ مختلف جرائم کی سزائیں عام طور پر یہ ہیں:

1: پیٹ کاٹنا۔
2: دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹنا۔
3: کان کاٹنا۔
4: آنکھ پھوڑنا۔
5: ناک کاٹنا۔
6: قتل کرنا۔۔
7: جائیداد اور املاک کی ضبطی۔

لیکن برہمن ان سزاؤں سے مستثنیٰ ہیں۔

برہمنوں کی فوقیت:

ویدوں کے زمانہ سے قبل کوئی پیشہ ور پجاری نہ تھے، البتہ ایک طبقہ ایسا تھا جو دوا، علاج اور جھاڑ پھونک کا کام کرتا تھا۔ ان لوگوں کے کوئی موروثی حقوق نہ تھے جس طرح کہ بعد میں برہمنوں نے پیدا کر لیے۔ ابتدا میں آریاؤں میں خاندانی عبادات کا طریقہ رائج تھا اور گھریلو عبادتوں میں خاندان کا بزرگ ہی اس کا مذہبی پیشوا تھا لیکن بعد میں عبادت کے طریقے اور مذہبی رسوم کو نہایت پیچیدہ اور دشوار بنا دیا گیا۔ برہمنا کی کتابیں تالیف ہو جانے کے بعد

Marfat.com

برہمنوں کو بہت عروج حاصل ہوا۔ چنانچہ ارتیریا برہمنا میں مذکور ہے کہ دیوتا ان بادشاہوں کے نذرانے قبول نہیں کرتے جن کے گھر میں کوئی پجاری نہ ہو۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ دیوتاؤں کی دو اقسام ہیں۔ دیو اور برہمن۔ برہمن انسانی دیوتا ہیں۔ منو نے جو ہندو معاشرے میں ذات پات کے نظام کا علمبردار سمجھا جاتا ہے یہ کہا کہ برہمن خاندان مذہبی اعتبار سے ایک دیوتا ہے۔ یہاں تک کہ اصلی دیوتا بھی اس کی یہ حیثیت تسلیم کرتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتا ہے وہ سند کا درجہ رکھتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

عقیدۂ تناسخ

سنسکرت میں اس کا نام ہے" آواگون یا جونی چکر جس کے معنی گناہوں اور نیکیوں کی بدولت بار بار جنم لینا اور مرنا ہے۔ ہندو عقیدے کے مطابق انسانی روح نروان حاصل کرنے کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار بار چکر لگاتی ہے۔

موت کے بعد روح کا کیا حشر ہوگا اس کے متعلق تین نظریات ہیں:

1: مادہ پرستوں کا کہنا ہے کہ جسم کے ساتھ روح بھی ہمیشہ کے لیے دفن ہو جاتی ہے۔

2: ادیانِ سماوی کے مطابق اسے اپنے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی۔ نیک روحیں جنت میں اور بد روحیں جہنم میں جائیں گی۔

3: ہندومت کے مطابق روح اپنے اعمال کے مطابق اس دنیا میں ہی مختلف روپ بدلتی رہتی ہے۔ یہ تناسخ کا نظریہ یعنی روح کا ایک زندگی سے دنیا ہی میں دوسری زندگی میں منتقل ہو جانا ہندوستانی مذاہب کا مشترکہ عقیدہ ہے۔ دنیا میں حیوانات' نباتات اور جمادات کے روپ دھارنا سب پچھلے گناہوں کا ثمرہ ہے۔

چندوگیا اپنشد میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ موت کے بعد انسانی روحیں چاند یا دیگر سیاروں میں پرواز کر جاتی ہیں حتی کہ ان کا ثمرہ حیات مرتب ہوتا ہے۔ اب وہ بارش کے قطروں میں واپس آتی ہیں اور غذا بن جاتی ہیں، اس غذا کو لوگ کھاتے نہیں۔ اس طرح یہ رُوحیں انسانی جسموں میں داخل ہو جاتی ہیں۔ یہ تناسخ کا عقیدہ اپنشدوں سے قبل ویدوں میں نہیں ملتا۔

جیسا کہ پروفیسر میکس مولر نے لکھا ہے:

"وید میں تناسخ کا کوئی ذکر نہیں۔"

ہندو مفکرین کے نزدیک یہ دنیا دو اجزا پر مشتمل ہے' مادہ اور روح۔

1: مادہ با اعتبار جنس ایک ہے لیکن جمادات' نباتات' حیوانات اور انسانوں میں یہ مادہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے، اسے عالمِ اجسام کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

2: روح بھی با اعتبار جنس ایک ہے مگر مختلف حالتوں میں متفرق اجسام میں حل

Marfat.com

ہوکر ان کی زندگی کا باعث بنتی ہے، اسے عالمِ ارواح کہا جاتا ہے۔ مادہ اور روح کے ملاپ سے زندگی وجود میں آتی ہے اور ان کے جدا ہونے سے زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے ان ہی اجزاء کا پریشان ہونا

عالمِ اجسام سے عالمِ ارواح بالکل جداگانہ ہے۔ ارواح اپنے عالم سے اجسام میں آکر افراد کی زندگی کا باعث بنتی ہیں۔ ہر فرد کی موت کے بعد اس کی موت بالعموم دوسرے جسم میں حلول کر جاتی ہے یا اپنے عالم میں واپس چلی جاتی ہے۔ چندوگیا اپنشد میں ایک سادھو اپنے بیٹے کو اس کی مثال دیتا ہے کہ مادہ پانی کی مانند ہے۔ نمک پانی میں ڈالنے سے اس میں حل ہو جاتا اور نمک کا ہر ذرہ پانی کے ساتھ پورے طور پر حل ہو جاتا ہے۔ اگر پانی بخارات کی صورت میں اڑ جائے تو نمک تہہ نشین ہو جاتا ہے اسی طرح جب انسان اس دارِ فانی سے رخصت ہوتا ہے تو جسم مرتا ہے اور روح باقی رہتی ہے۔

ہندو مفکرین کے نزدیک روح قدیم ہے حادث نہیں۔ وحدت الوجود کے قائل ہندو دانشوروں کے نزدیک عالمِ اوراح ایک سمندر ہے جس کے قطرے منفرد ارواح ہیں' یہ روحیں جسموں میں آکر انسانی مادی شکل اختیار کرتی ہیں۔ بعض ہندو مفکرین نے تناسخ کا عقیدہ ویدوں سے اخذ کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ مثلاً وید کی یہ عبارت قابل غور ہے:

''اے ہمارے ایشور! ہم اگلے جسم میں ہمیشہ سکھ پاویں۔ ہمیں اگلے جنم میں تمام سامانِ راحتِ دیجیو۔ ہم تمام زندگی سورج کی روشنی دیکھ سکیں۔ اے سب کو عزیز رکھنے والے خدا! ہم آپ سے التجا کرتے ہیں کہ ہمیں تمام جیون میں سکھ حاصل ہو۔''

دوسری عبارت میں اتھروید میں لکھا ہے:

''جوذی روح پچھلے جنم میں جس قسم کے کام کرتا ہے انھی کے مطابق اگلے جنم میں جسم حاصل ہوتا ہے اور جو جیو (روح) پاپ کے کام کرتا اگلے جنم میں انسان کا جسم نہیں پاتا بلکہ حیوان وغیرہ کا جسم پاکر دکھ بھگتتا ہے۔ پچھلے جنم کے کیے ہوئے پاپ یا پن کے مطابق پچھلے جنم کو چھوڑ کر سزا یا جزا پانے والے جیو پانی' ہوا' نباتات وغیرہ اشیاء میں داخل ہو جاتے ہیں اور اپنے اعمال کے مطابق کسی نئی جون میں منتقل ہو جاتے ہیں اور جو جیو ایشور کے کلام کو سمجھ کر اس پر عمل کرتا ہے وہ پہلے کی طرح پھر عالموں کا جسم پاکر پھر سکھ پاتا ہے۔

Marfat.com

ہندو فلسفہ آسمانی مذاہب کی طرح جنت اور جہنم سے اپنا تعلق نہیں رکھتا بلکہ ہر نئی زندگی کو سابقہ زندگی کا ضروری نتیجہ قرار دیتا ہے۔ چندوگیا اپنشد میں لکھا ہے:

''جن کا چال چلن اچھا ہے وہ ایک عمدہ بطن میں داخل ہوں گے۔ برہمن ویش یا کھشتری کے جسم میں لیکن جن کا چال چلن یہاں خراب ہے وہ کتے' سور یا چھوت کے جسم سے پیدا ہوں گے۔''

اسی اپنشد میں لکھا ہے:

''اچھا مستقبل اسی کا ہے جس کا چال چلن اچھا ہے۔''

فلسفۂ تناسخ سے انسانی زندگی میں قنوطیت اور مایوسی پھیلتی ہے۔ انسان عملی زندگی سے فرار اختیار کرتا اور جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر نروان حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے حالانکہ یہ رویہ انسانی تخلیق کے مقصد کے خلاف ہے۔

عقیدۂ تناسخ کی تردید:

1: جب نباتات اور حیوانات کی پیدائش سے قبل انسان ہی نہ تھا تو اعمال بھی نہیں تھے لہٰذا نباتات اور حیوانات انسانی اعمال کا نتیجہ نہیں ہیں۔

2: عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ تخلیق انسانی سے قبل وہ تمام اشیاء یعنی باقی مخلوقات موجود ہوں جن پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے لہٰذا عقلاً بھی یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ تمام اشیاء تخلیقِ انسان سے قبل موجود ہوں۔

3: اَز رُوئے وحی بھی یہ عقیدہ غلط ہے کیونکہ قرآن مجید اور دیگر آسمانی کتب ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ یہ اشیاء خلیفۃ اللہ کے استفادہ کے لیے اس سے قبل ہی پیدا کی گئی تھیں۔

4: مسئلۂ ارتقاء کی رُو سے انسان نے آگے کی طرف ترقی کرنی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس کی اگلی حالت موجودہ حالت سے بہتر ہو۔ اگر اس کی موجودہ زندگی میں اعمال کی وجہ سے نقص رہ گیا ہے تو اس کا تدارک اگلی زندگی میں ہونا چاہیے نہ کہ دوبارہ اسی دنیا میں کسی دوسری جُون میں لوٹا کر اصلاح کی جائے۔

الغرض عقیدہ تناسخ عقلاً محال ہے۔ سائنس اور وحی الٰہی اس کی تردید کرتے ہیں اور خود مسئلہ ارتقاء اس کو باطل ٹھہراتا ہے۔

Marfat.com

ہندومت میں نجات کی راہیں

ہندودھرم کا مرکزی مسئلہ حصولِ نجات اور مکتی ہے۔ لہٰذا ہندودھرم میں اس مکتی اور نجات کے لیے تین طریقے وضع کیے گئے ہیں:

1: طریقہ عمل اور قربانی (Karama Marga)
2: جنان مارگ (علم ومعرفت کے طریقے)
3: بھتی مارگ (طریقہ عبادت یا عقیدت)

کرم مارگ:

زندگی کے متعلق مختلف مذاہب کا تصور مختلف رہا ہے، ہندوؤں کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ روحِ انسانی جسم میں آکر مقید ہوگئی ہے اور زندگی ایک قید یا بندھن ہے' گویا انسان آزاد نہیں ہے بلکہ اپنے ماضی کے اعمال کا پابند ہے۔ انسانی زندگی کی غایت نجات ہے اور یہ نجات تعذیبِ نفس سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ زندگی ایک زنجیر کی مانند ہے جس میں انسان اپنے اعمال کی وجہ سے گرفتار چلا آرہا ہے' اسے جونی چکر کہتے ہیں۔ اس سے نجات کی صورت یہ ہے کہ انسانی روح پاکیزہ زندگی بسر کرکے عالمِ ارواح میں چلی جائے۔ چنانچہ اسی لیے ہندو دانشوروں نے اس نجات کے حصول کے تین طریقے استعمال کیے ہیں۔

1: کرم مارگ
2: جناں مارگ
3: بھگتی مارگ

ابتدائی زمانے میں راہ علم پر زور دیا گیا پھر راہ عمل کی اہمیت بڑھی۔ آخری زمانے میں راہ عبادت اور ریاضت زیادہ مقبول ہوا۔

Marfat.com

کرم مارگ یا طریقہ عمل وہ طریقہ ہے جس میں عمل کے ذریعے نجات طلب کی جاتی ہے۔ راہِ عمل کے بارے میں ویدوں نے بتایا ہے کہ برہمنا (کتابیں) اور دھرم شاستر نے اسے عام مقبولیت بخشی۔ یہ طریقہ ہندوؤں میں قدیم ہونے کے اعتبار سے مقبول رہا ہے۔ اس میں مذہبی فرائض کی انجام دہی، رسم ورواج پر منحصر تھی۔ اس کا سب سے پہلا تذکرہ ان کتابوں میں ملتا ہے جنھیں برہمنا کہا جاتا ہے۔ ان کتابوں میں ان قرضوں کا ذکر کیا گیا ہے جس کی ادائیگی ہر انسان پر فرض ہے، مثلاً: دیوتاؤں کے لیے قربانیاں دینا، گروؤں کے لیے ویدوں کا مطالعہ اور انسانی برادری کی خدمت۔

طریقہ عمل کے لحاظ سے کائنات کا ہر وجود خواہ جاندار ہو یا غیر جاندار ایک آفاقی اور عالمگیر قانون کے تابع ہے۔ اس ہمہ گیر نظام کا نشان قربانی ہے۔ چنانچہ جب پرجاپتی (سب سے بڑا خالق) کی طاقت عمل تخلیق سے کمزور پڑ جاتی ہے تو دیوتا قربانی سے اس کمزوری کو دور کر دیتے ہیں۔ قربانی ہی وہ ذریعہ ہے جس سے خوش ہو کر دیوتا انسانوں پر دنیا و آخرت کی برکات نچھاور کرتے ہیں۔ پس پرخلوص قربانی کے ذریعے ہی نجات اور ابدی مسرت حاصل ہوتی ہے۔

بعد ازیں نیا ضابطہ تجویز ہوا جن میں سب سے مشہور منوسمرتی ہے جسے منو مہاراج کا دھرم شاستر کہا جاتا ہے۔ جس میں عمل کے تعین کے لیے سماج کو چار قسموں (ورن سسٹم) میں تقسیم کیا گیا۔ پھر ہر ''ورن کے علیحدہ علیحدہ عمل مقرر کیے گئے۔ برہمن کی مکتی (نجات عمل، حصول علم، کھشتری کی جنگ میں بہادری دکھانے ویش کی زراعت اور معاش میں شودر کی خدمت گزاری) میں مضمر ہے۔

اس طرح منو مہاراج نے کرم مارگ کو منظم فلسفہ میں جکڑ دیا اور اس ضابطہ حیات پر عمل کرنے میں ہی ہر شخص کی نجات منحصر ہے۔ چنانچہ یجروید میں لکھا ہے:

''وید کے لیے برہمن، حکومت کے لیے کھشتری، مال مویشی کے لیے ویش اور خدمت کرنے کے لیے شودر پیدا کیا گیا ہے۔''

نیز گیتا کا آخری اشلوک ہے:

''اپنا اپنا عمل کرنے والے لوگ عمل کے ذریعے سے پرمیشور کو پا لیتے ہیں جو کہ سب کا مدّعا ہے۔ اپنا دھرم کیسا ہی خوبیوں سے خالی ہو نجات کا ذریعہ ہے۔ دوسروں کا دھرم خواہ کیسی

Marfat.com

ہی خوبیوں والا ہونجات کا ذریعہ نہیں۔''

اسی طرح معاشرے کے افراد کے فرائض اس شاستر میں متعین کیے گئے ہیں مثلاً عورتوں کے بارے میں کرم مارگ ہے کہ عورت کو بچپن میں باپ' جوانی میں خاوند اور خاوند کی وفات کے بعد اولاد کے تحت رضا چاہیے۔ عورت کو کبھی آزاد نہیں رہنا چاہیے۔ ہندو دھرم میں عورت کی حیثیت معزز بھی ہے مجبور بھی۔ اسے گھر کا سارا کام کرنا ہوتا ہے، خاوند کی اطاعت ضروری ہے اور پتی دیو کی اطاعت پرستش کی حد تک ضروری ہے۔ عورت اگر اگلے جنم میں اپنے خاوند کے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو مرد کی پوجا لازمی ہے خواہ وہ بے وفا اور بداخلاق ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ہندوؤں میں شادی کا تعلق اَٹوٹ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو عورت خاوند کے مرنے کے بعد شادی نہیں کرسکتی بلکہ شاستر میں لکھا ہے کہ اس کے لیے کسی دوسرے مرد کا کام بھی منع ہے۔ بعض حالات میں یہ اٹوٹ ہونے کا تعلق اس حد تک مبالغہ اختیار کرگیا ہے کہ ہندو عورت اپنے خاوند کے ساتھ ہی'' ستی ہو جاتی ہے۔ الغرض کرم مارگ کا سادہ مفہوم یہ ہے کہ نتائج سے بے پروا ہو کر اپنے فرائض احسن طریقے سے ہر ذات اور ہر مرد عورت ادا کرے اور دیوتاؤں کو قربانیاں دی جائیں۔

جنان مارگ:

ویدوں اور براہمنوں نے راہِ عمل پر بہت زور دیا ہے لیکن مفکرین نے محسوس کیا کہ صرف راہ عمل ہی نجات کا ذریعہ نہیں ہے۔ لہٰذا علت و معلول کی زنجیر کو توڑنے اور جونی چکر کو ختم کرنے کا کوئی اور ذریعہ تلاش کیا جائے، نیز برہمن کی سیادت کو ختم کیا جائے۔ چنانچہ راہِ علم جنان مارگ کو دریافت کیا گیا، اسی لیے یہ طریقہ غیر برہمنوں میں زیادہ مقبول ہوا۔

جنان مارگ کا اصل ماخذ اپنشد ہے۔ یہ حکیمانہ یا دوسرے لفظوں میں متکلمانہ فقہی طریقہ نجات ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان ادویہ یعنی جہالت سے نکل کر اپنے آپ کو علم کی وادی میں رکھے۔ یہ طریقہ ان لوگوں کے لیے زیادہ موزوں ہے جو ہر بات منطقی استدلال اور عقلی تنقید پر جانچنے کے عادی ہیں۔ چنانچہ اس طریقہ کار میں انتہائی دماغی کاوش کی ضرورت پیش آتی ہے۔ البتہ جو لوگ اس طریقہ پر علمِ معرفت کو پالیتے ہیں انھیں ایک ناقابلِ بیان' سرور اور انبساط کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس طریقۂ فکر کی بنیاد اس بات پر ہے کہ انسانی

Marfat.com

مصیبتوں کا موجب جہالت ہے۔ چنانچہ جہالت کو دور کرنے کے لیے مختلف ذرائع تجویز کیے گئے ہیں۔ ہندوؤں کا ایک خیال یہ ہے کہ انسان کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو روح عالم (جسے ہندو دھرم میں ''برہمن آتما کا نام دیا گیا) سے الگ شے سمجھتا ہے۔ جب تک انسان کو اس جہالت سے نجات حاصل نہیں ہوتی وہ جونی چکر میں گرفتار رہتا ہے۔ اس گروہ کے خیال کے مطابق انسان اور برہمن آتما کا تعلق وہی ہے جو دریا اور سمندر کا ہے۔ دریا آخرکار سمندر میں گم ہوجاتا ہے۔ کبھی انسان کو لہر کے مشابہ قرار دیا گیا ہے جو پانی سے اٹھتی ہے اور ظاہر ہوکر پانی میں ہی مدغم ہوجاتی ہے۔ مختصر یہ کہ اس طریقہ کا نقطۂ کمال وحدت الوجود کا علمِ یقین ہے۔

''عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہوجانا''

انسائیکلوپیڈیا مذہب اور اخلاقیات کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

''جنان مارگ کا بنیادی نقطۂ نظر جو آج بھی انڈیا میں بہت اثر رکھتا ہے۔ وہ آتمن کی برہمنا سے وحدت ہے۔ برہما واحد' منفرد' یکتا' قائم بالذات اور لافانی ہے'' ''وہ ناقابل تغیر ہے اس لیے وہ حصوں میں منقسم نہیں ہوسکتا۔''

تو اس کا مفہوم یہی ہے کہ جنان مارگ کا بنیادی فلسفہ وحدت الوجود کا علم ہے۔

ہندوؤں کے نزدیک عرفان حاصل کرنے کے لیے چار درجے یا منزلیں مقرر کی گئی ہیں' برہمن کی زندگی کا منصوبہ ان چار منزلوں سے گزر کر مکمل ہوتا ہے اور منزلوں کو ہندو دھرم میں آشرم کہا گیا ہے۔ انسان کی اوسط عمر 100 سال مان کر 25'25 سال کے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جسے آشرم کہتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے۔

1: برہمچاریہ: (تجرد کی زندگی علم حاصل کرنے کے لیے) 25 برس تک برہمن کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم کی تکمیل کرے' گرو کی خدمت کرے اور اپنی خواہشات پر ضبط اور کنٹرول کرے۔

2: گرہست آشرم: یہ امور خانہ داری کی منزل ہے۔ اس میں شادی شدہ بچوں کی پرورش کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے اور مذہبی امور کی قیادت کی جاتی ہے۔

3: سادھو آشرم: یہ عبادت کا زمانہ ہے۔ بھگتی کا زمانہ ہے، وہ تارکِ دنیا ہوجاتا ہے اور کسی جنگل میں جاکر عبادت کرتا ہے۔ خاندانی تعلقات کو قطع کردیتا ہے اور اس دور میں

Marfat.com

برہمن اصولِ معرفت کی جانب توجہ دیتا ہے اور اور نیک نام مذہبی کتب کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

4: سنیاس آشرم: یہ عرفان کی آخری منزل ہے جس میں گھر بار' شہری زندگی ترک کر کے جنگلوں میں پورا وقت گیان دھیان میں صرف کیا جاتا ہے اور آخر کار روح کل میں مدغم ہونے کی فکر کی جاتی ہے۔ اس دور کو بھکشو بن کر گزارتا ہے۔

وہ جسم کی قوتوں کو یا تو استعمال کرتا ہے یا معطل کر دیا جاتا ہے۔ اس طریقے کو ''یوگ'' کہتے ہیں جس میں سمادھی کے ذریعے انسان اپنے آپ کو براہما میں مدغم کرنے کا طریق کار اختیار کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی اوم کا ورد بھی بتایا گیا ہے۔

الغرض جنان مارگ کا یہ طریقہ انسان کو حقیقت سے روشناس کراتا ہے۔ نیز آتمن اور برہما کے درمیان مماثلت کا یہ علم ہی حقیقت میں نجات کا باعث ہے' اس سے مکشا حاصل ہو جاتی ہے جس سے دوبارہ جونی چکر میں آنے کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

بھگتی مارگ:

بھگتی سنسکرت کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں خود کو وقف کر دینا یعنی کامل وابستگی یا عقیدت۔ ہندو مذہب میں اس سے مراد کسی خاص دیوتائی شخصیت سے وابستہ ہونا ہے۔ بھگتی مارگ کا یہ طریقہ جنان مارگ اور کرم مارگ سے مختلف ہے۔ جیسے کرم مارگ کا تصور برہمنوں اور ویدوں سے ماخوذ اسی طرح بھگتی مارگ کا تصور بھگوت گیتا سے ماخوذ ہے۔

ہندوؤں میں نجات کے سہ گانا طریق میں بھگتی مارگ کو خاصی مقبولیت حاصل ہے۔ اگر گیتا کے اثرات کا نفسیاتی تجزیہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علم و معرفت کی کسوٹی پر ایمانیات کو جانچنے والے گنتی کے چند افراد ہوتے ہیں لہٰذا جنان مارگ صرف تعلیم یافتہ طبقے' فلاسفہ اور سنیاسیوں تک محدود رہا ہے۔ ان فلسفیانہ موشگافیوں سے عوام کی تسکین نہیں ہوتی۔ ان کے جذبات کی تسکین کا سامان والہانہ جذبات سے ہوتا ہے جیسا کہ انسانی سرشت میں ہے کہ وہ انس و محبت کے سہارے زندگی گزارنا زیادہ آسان سمجھتا ہے۔ چنانچہ ہندوؤں میں بھگتی مارگ کے نتیجے میں عوام کی مذہبیت نے ہندو دھرم کو بدھ دھرم اور جین دھرم میں مدغم ہو جانے سے روکا۔ چنانچہ ایک طرف ہندو فلسفی' فلسفیانہ موشگافیوں میں مصروف رہے تو ہندو عوام دیوی دیوتاؤں سے شانتی حاصل کرتے۔ بھگتی مارگ کا مزاج توحید آشنا ہے۔ اس کی

Marfat.com

بنیاد ہلکرشن جی مہاراج نے ڈالی جو ہندوؤں میں کرشن گھوپال' کرشن کنہیا یا کرشن بانسری بجانے والے کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ بھگتی کی تعریف یہ ہے:

''محبت کے جذبے کے ساتھ ایک شخصی دیوتا کی پوجا کی جائے یعنی ایک شخص اپنی ہر چیز شخصی دیوتا کے لیے وقف کردے۔ (ڈاکٹر تاراچند)

لہٰذا کرشن جی مہاراج کہتے ہیں:

''ہمہ تن عقیدت سے ہی خدا کو پاسکتے ہیں۔'' (بھگوت گیتا)

کرشن مہاراج کھشتری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مہابھارت کی جنگ میں جو کوروں اور پانڈوں کے درمیان ہوئی، کرشن نے پانڈوں کے ساتھ شمولیت کی اور ارجن کو احساسِ فرض کی تلقین کی کہ گویا بھگتی مارگ ہندوؤں کے نزدیک اس آرزو کی تکمیل ہے کہ انسان محسوس اور مشہود بھگوان کو سامنے رکھ کر اس کے ساتھ وابستگی کا اظہار کرتے ہیں جس کی بناء پر ان پر ایک سکون کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ بعض دفعہ آنکھوں سے آنسو بھی نکل پڑتے ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک یہ رقت طلب کی حالت عارفانہ کیفیت کہلاتی ہے۔

الغرض بھگتی مارگ کا تعلق جذبات اور احساسات سے ہے اور اس کی جڑیں شعورِ انسانی کے احساساتی پہلو میں محفوظ ہیں جبکہ علم یا گیان کی جڑیں ذہنی حصہ میں اور عمل یا کرم کی جڑیں قوتِ ارادی کے حصہ میں ہیں۔ بھگتی کا سرچشمہ بھی بعض کے نزدیک وید ہیں۔ لیکن اس کا اصل ماخذ بھگوت گیتا ہے۔ آغاز میں اس طریقہ پر زیادہ زور نہیں دیا گیا۔ بعدازیں اس طریقے نے باقی دونوں طریقوں پر فوقیت حاصل کرلی۔ اس طریقہ کے عناصرِ ترکیبی درج ذیل ہیں:

1: ایک شخصی خدا
2: خدا کی رضا کے سامنے کامل سپردگی
3: نجات کا وعدہ بلالحاظ ذات
4: محبت و شیفتگی
5: اتصالِ باطنی

☆☆☆

Marfat.com

ہندومت کے مشہور فلسفے

فلسفیانہ ہندومت:

فلسفہ ہرقوم کے تاریخی، تہذیبی اور مذہبی عوامل کا نتیجہ ہوتا ہے اور فلسفیانہ افکار اس قوم کی تہذیب اور دانش کی بنیاد ہیں۔ ہندوؤں میں فلسفوں کی بھرمار ہے اور اس کے بہت سے نظام وضع کیے گئے ہیں جن میں بے حد پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں، بنیادی طور پر ہندوفلسفہ کی بنیاد ان سوالات پر رکھی گئی ہے۔

1: اشیاء کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے؟

2: رنج اور بیچارگی کا باعث کیا ہے؟

3: قیدحیات سے رہائی کیسے ممکن ہے؟

ہندومت کا کوئی مرکزی عقیدہ اور مرکزی شخصیت نہیں۔ اس لیے بار بار تہذیبی اور معاشرتی خلاء پیدا ہوتا رہا اور اس خلاء کو پر کرنے کے لیے متعدد فلسفے گھڑے گئے ہیں جن میں چھ فلسفے زیادہ مشہور ہیں۔

1: سانکھیا

2: یوگا

3: ویدانت

4: میماسہ

5: ویشکہ

6: نیائے

یہ فلسفیانہ مکاتب ایک ہی تقلید پسند روایت کے چھ پہلو ہیں۔ ویدانت اور میماسہ فلسفے

Marfat.com

ویدوں کے متن سے ماخوذ ہیں۔ جبکہ باقی چاروں فلسفے مکمل طور پر عقلی ہیں۔ ہسٹوریکل اٹلس کے مقالہ نگار کے مطابق:

''یہ فلسفے انسان کے آخری مقصد یعنی روحانی نجات سے متعلق ہیں۔''

ہندو فلسفے بعض اختلافات کے باوجود مندرجہ ذیل امور میں ہم آہنگ اور مشترک ہیں:

1: انسان آتما (روح) اور جسم کا مجموعہ ہے۔

2: آتما کی نوعیت شعور کی سی ہے اور یہ غیر متغیر ہے۔

3: مادہ متغیر ہے لیکن مخلوق نہیں البتہ مقررہ قوانین کے تابع ہے۔

4: جونی چکر کا دور ازل سے چلا آرہا ہے۔

5: تاریخ عامہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ زمانہ امن اور زمانہ سکون اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

6: مکشا یعنی نجاتِ انسانی' یہ زندگی کا منتہائے مقصود ہے اور یہ مقصد مسلسل تربیت اور محنت سے حاصل ہوتا ہے۔

1: فلسفہ ویدانت:

ویدانت دو لفظوں کا مرکب ہے۔ وید اور انت۔ وید کے معنی جاننا اور علم کے ہیں اور انت کے معنی خاتمہ اور انتہا کے ہیں۔ گویا ویدانت سے وہ منزل مراد ہے جہاں علم کا اختتام ہو جائے اور زیادہ جاننے کی خواہش نہ رہے۔ یعنی جب ذہن کو سکون اور قلب کو شانتی مل جائے اور انسان کو مکمل عرفان حاصل ہو جاتا ہے۔

نیز انسان محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ اپنے مقصود کو پہنچ گیا ہے۔ ویدانت کا فلسفہ ہندوؤں میں بے حد مشہور فلسفہ ہے' اس کا تمام تر تعلق اپنشدوں سے ہے۔ اس لیے ویدانت کے ایک معنی تتمۂ وید کے بھی کیے گئے ہیں۔ چنانچہ کے ایم سین اپنی کتاب ''ہندوازم'' میں لکھتا ہے:

''شاید ہندو فلسفوں میں معروف ترین اور موثر ترین مکتبۂ فکر جو ماضی میں بھی تھا اور حال میں بھی ہے وہ فلسفہ ویدانت ہے اس کی بنیاد اپنشد ہیں۔''

ویدانت فلسفے میں انسان اور دنیا دونوں کو مایا یعنی فریبِ نگاہ قرار دیا گیا ہے۔ ویدانت

Marfat.com

کے افکار عوام کے فہم سے بالا تھے اس لیے انھیں وہ صرف حفظ کر لیتے تھے لیکن طویل عبارتیں یاد کرنا بھی مشکل کام تھا لہٰذا بدریانہ نامی فلسفی نے ان فلسفیانہ اصولوں کو نہایت مختصر اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں لکھا جس کو یاد کرنا آسان ہو گیا۔ انھیں اس نے ویدانت سوتر یا برہما سوتر کا نام دیا لیکن اندازِ بیان مجمل اور محتاجِ تشریح تھا۔ لہٰذا بہت سے ہندو مفکرین نے بعد میں اس کی شرحیں لکھیں' ان شارحین میں زیادہ معروف شنکر اچاریہ رامانج اور مادھو ہیں۔ شنکر اچاریہ نے تقریباً 800 ق م کے قبل زمانہ پایا وہ تعلیم یافتہ ہندوؤں کی عظیم ہستی ہے ویدانتی فلسفہ کا پیروکار ہے۔

فلسفہ ویدانت کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ اس مادی عالم کی تہہ میں صرف ایک حقیقت مضمر ہے جو روحِ کائنات ہے اور کائنات کے ذرے ذرے میں جاری وساری ہے۔ تمام کائنات فریبِ نگاہ ہے' جو کثرت ہمیں نظر آتی ہے وہ ہماری جہالت کا نتیجہ ہے۔

تخلیقِ کائنات سے پہلے جو کیفیت تھی اس کے بارے میں رگ وید میں بیان کیا گیا ہے:

''جب مادہ عالمِ ظہور میں نہ آیا تھا، جب ہوا اور آسمان موجود نہ تھے تو کونس سی شے تھی جو سب پر چھائی ہوئی تھی۔؟ وہ کہاں تھی؟ کس کی حفاظت میں تھی؟ کیا وہ شے پانی تھی جو محض تاریکی ہے۔ نہ اس وقت موت کا وجود تھا اور نہ زندگی کا، نہ دن کا تصور تھا اور نہ رات کا۔ اس وقت ایک ایسی ذات موجود تھی جو بغیر ہوا کے سانس لیتی تھی اور کسی سہارے کے بغیر زندہ تھی۔ ابتدا میں تاریکی پر تاریکی چھائی ہوئی تھی کچھ ظاہر نہ تھا۔ یہ تمام کائنات میں غیر محسوس، نہ معلوم اور ناقابلِ تمیز تھی۔ پھر اس پرمیشور نے پراکرتی (روح کل) سے اس تمام محسوس کائنات کو بیانا۔''

اس طرح یجروید میں پرماتما کی صفات اس طرح بیان کی گئی ہیں:

''پرماتما ایک ایسی ذات ہے جس کے بے شمار سر ہیں، اس کی بے شمار آنکھیں ہیں اور اس کے بے شمار پاؤں ہیں۔ وہ سب جگہ اندر اور باہر موجود ہے۔ وہ تمام کائنات پر محیط ہو کر سب کو اس طرح سنبھالے ہوئے ہے جیسے درخت شاخوں' پتوں' پھولوں اور پھلوں کو اٹھائے ہوئے ہوتا ہے۔ اس کا کوئی ہم جنس نہیں اور یہ تمام کائنات اس سے معمور ہے۔ وہ ہی سب کا حاکم' مالک اور لافانی ہے۔ نجات کی دنیا اسی کے ہاتھ میں ہے، اس برہما کی ذات سے آگاہی

Marfat.com

اور معرفت جون چکر سے رہائی کا باعث ہے۔"

فلسفہ ویدانت والوں کے ہاں دنیا کو مایا اس لیے کہا گیا ہے کہ انسان خود اپنی معرفت میں ناکام ہے' جہالت کا پردہ حقیقت کے ادراک میں حائل ہے۔ جب وہ صحیح علم سے بہرہ ور ہو جائے اور اودیہ پر غالب آجائے تو وہ برہمن کی ذات میں اس طرح مدغم ہو جاتا ہے جس طرح قطرہ دریا میں لیکن جب تک اسے یہ شعور حاصل نہیں ہوتا وہ جونی چکر میں مبتلا رہتا ہے پس علم و معرفت یا "گیان" ہی ذریعہ نجات ہے۔

فلسفہ ویدانت کو آپ ہندو تصوف کا نام دے سکتے ہیں۔ یہ اپنشد ویدوں کی تفسیر اور تشریح ہے۔ اسی میں وحدت الوجود پر زور دیا گیا ہے یعنی ہر چیز میں خدا ہے جس کو پوجو گے تو دراصل تم خدا ہی کو پوج رہے ہو۔ گویا ویدانت فلسفہ کثرت فی التوحید اور توحید فی الکثرت کا قائل ہے۔ ویدانت کا فلسفہ دوسرے سب ہندو فلسفوں پر غالب ہے، اس سے جو فائدہ ہندو معاشرے کو ملا وہ ان کا باہمی معاشرتی اتحاد ہے۔ اگر یہ فلسفہ ایجاد نہ ہوتا تو ہندو معاشرہ منتشر ہو چکا ہوتا۔

اس فلسفہ کے قائلین یہ نہیں کہتے کہ خدا ہر جگہ موجود بلکہ ہر چیز میں موجود ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہندوؤں کے ہاں ہر چیز قابلِ پرستش ہے۔ اس طرح خدا کی وحدانیت دلوں سے مٹ گئی۔

پھر یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ جب ہر چیز میں خدا موجود ہے تو انسان میں بھی خدا ہے۔ پھر وہ انسان دوسرے خدا (درخت' پتھر) وغیرہ کے سامنے کیوں جھکتے ہیں۔ نیز خالق اور مخلوق ایک نہیں ہو سکتے یہ کھلا شرک ہے۔

ویدانت کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ آتما روحِ کل ہے اور یہی برہما ہے جس کی ذات ابدی اور لامحدود ہے۔ برہما کی ذات ناقابلِ تقسیم ہے، اس کے سوا کسی اور ہستی کا دنیا میں وجود نہیں، اس لیے اس فلسفہ کو غیر ثنوی کہا جاتا ہے۔ لیکن تجربہ سے اس نظریئے کی تردید ہوتی ہے کیونکہ کائنات میں لاتعداد اشیاء اور ہستیوں کا وجود ہے' ہندومت میں بے شمار رسوم پائی جاتی ہیں جو تناسخ اور پاداش عمل کے نظریئے پر مبنی ہیں جس کی رو سے لازماً متعدد نفوس اور ارواح ہیں، اس تضاد کو رفع کرنے کے لیے یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ ویدوں کی رسوم اور انسان کا خارجی تجربہ جہالت کا نتیجہ ہے۔ اس جہالت کو دور کرنا ضروری ہے۔

Marfat.com

2: فلسفہ سانکھیا:

ہندوؤں کے قدیم فلسفوں میں سے ایک مشہور فلسفہ سانکھیا ہے۔ اس کی بنیاد مہامنی کپل نے رکھی تھی جو بدھ مہاراج کا ہم وطن تھا اور ان سے سو برس پہلے ہوگزرا ہے۔ اس فلسفے میں مادہ اور روح دونوں کو قدیم اور ازلی مانا گیا ہے اور اس خدا کی ذات کا انکار پایا جاتا ہے۔

سانکھیا فلسفہ میں علت اور معلول کا نظریہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ جس کے مطابق علت ہمیشہ معلول کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور معلول ہمیشہ علت ہی کی ایک مختلف شکل ہے۔

بقول کے ایم سین:

''نتیجہ ہمیشہ سبب سے منسلک ہے جو سبب ہی کی دوسری شکل ہے۔ فی الحقیقت دونوں ایک ہی مواد پر مشتمل ہیں۔''

مثلاً مرتبان مٹی کا ڈھیلا تو نہیں ہوتا جس سے وہ بنایا گیا ہے لیکن دونوں ایک ہی مادہ پر مشتمل ہیں۔ سانکھیا فلسفہ میں علت اور معلول کا فلسفہ پراکرتی سے وابستہ ہے جو مادے کا جوہر ہے۔ ان کے نزدیک روح اور مادہ دونوں موجود تو ہیں مگر دونوں میں تضاد ہے۔ جب تک دونوں میں سمجھوتا ہے' حیات ہے' جب دونوں جدا ہو جائیں تو موت اور فنا ہے۔ پراکرتی میں تین صفات یا قوتیں ہیں۔

1: ستوہ

2: راجس

3: تمس

ستوہ جو روشنی اور مسرت کا منبع ہے۔

راجس حرکت اور قوت کا مرکز ہے۔

تمس جمود اور تاریکی کا اظہار ہے۔

یہ تینوں قوتیں اجسام کی زندگی کا باعث ہیں۔ ان کی مثال تیل' بتی اور روشنی کی ہے۔ تینوں جدا جدا ہیں مگر ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں اور ان کے اجتماع سے ہی روشنی ممکن ہے۔

Marfat.com

سانکھیا فلسفے کی اہم خصوصیات کا خلاصہ یہ ہے:

1: سانکھیا فلسفے میں پرش (روح) خالص شعور ہے۔

2: پرش غیر متغیر ہے۔

3: تمام تغیرات اور تبدیلیاں مادے میں رونما ہوتی ہیں۔

4: سانکھیا کے ہاں خدا کا تصور موجود نہیں۔

5: مادے کو کائنات کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔

6: ذہن آزاد نہیں ہوتا بلکہ ہر وقت اس میں تغیر رونما ہوتا رہتا ہے لیکن روح اپنے آپ کو ذہن سے آزاد کر سکتی ہے۔ قید حیات جہالت کی وجہ سے ہے اور اس سے آزاد جسے کیولیہ یا نجات سے تعبیر کیا جاتا ہے جو شعورِ خالص کے میسر ہونے پر حاصل ہوتی ہے۔

الغرض سانکھیا فلسفے کا تانا بانا پرا کرتی (مادہ) اور پرش (روح) سے ترتیب پاتا ہے جو ہر دو قدیم ہیں اور کائنات میں ان ہی کی فرماں روائی ہے، اس میں خدا کے وجود کا تصور نہیں پایا جاتا۔ اس لیے یہ خالص ملحدانہ فلسفہ بھی کہلاتا ہے۔

لیکن بعد ازیں اس کے پیروکار خدا کے وجود کو تسلیم کرنے لگے حتی کہ ویدانت فلسفہ کے ساتھ ارتباط اور ہم آہنگی ثابت کرنے کی کوشش بھی کی۔

3: فلسفہ یوگ:

ہندوؤں کے مشہور فلسفوں میں ایک فلسفہ یوگ ہے جو فی الحقیقت سانکھیا سسٹم کا تتمہ اور ضمیمہ ہے۔ اس کے اصطلاحی معنی دماغی قوتوں پر قابو پانے کے ہیں۔ اس فلسفہ کی ابتدا اپنشدوں کے ذریعے سے ہوئی اور تدریجاً اس کی مقبولیت بڑھتی چلی گئی۔ جنان یا گیان مارگ میں اس فلسفے کا مقام بہت بلند ہے۔ تیسری صدی عیسوی میں پتانجلی نامی شخص نے اس فلسفے کو مرتب کیا۔ پتانجلی سانکھیا فلسفے سے متاثر ہوئے تھے لیکن انکار خدا پر اتفاق نہ کر سکے۔

ہسٹوریکل اٹلس کے مطابق یوگا سانکھیا کی عملی تصویر ہے جس میں حواس کو قابو کرنے کے طریقے نیز جسمانی، ذہنی اور اخلاقی نظم و ضبط کا ایک مفصل طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ ہندومت کا یوگا فلسفہ ابتدائی ویدک کے نظریہ تپس (جلنا، صرف ہونا) کی ایک منظم شکل ہے۔

اس فلسفہ میں نہ صرف ایک ہمہ صفت موصوف ایشور کا اقرار ہے بلکہ ویدوں کو بھی کلامِ

Marfat.com

الٰہی اور غیر فانی مانا گیا ہے۔ چنانچہ یوگ شاستر میں لکھا ہے:

''ایشور ہمیشہ سے ہے۔ غیر فانی ہے' وقت کی گرفت سے باہر ہے۔ ایشور کی ذات میں جہالت اور پاپ کا نام ونشان نہیں بلکہ ایشور کا علم کامل اور غیر فانی ہے اس لیے وید اس کا الہام ہونے کی بنا پر سچے اور لافانی ہیں۔''

اس فلسفے کا مقصود یہ ہے کہ انسان کو روحِ کل کے ساتھ کامل وصال حاصل کرنا چاہیے کیونکہ یوگ کے لفظی معنی ہی وصال ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ایشور عظیم ازلی اور ابدی ہے۔ تناسخ اور کرم کے چکر سے منزہ ہے۔ چنانچہ اس فلسفے پر عامل شخص یعنی ''یوگی'' کے لیے ضروری ہے کہ وہ سکون اور طمانت حاصل کرنے کے لیے وصال الٰہی سے بہرہ ور ہونے کے لیے کڑی مشقتوں اور ریاضتوں سے گزر کر تربیتِ نفس حاصل کرے۔ کے ایم سین کے مطابق:

''سانکھیا فلسفہ کے برعکس یوگا فلسفہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ آزادی اور نجات صرف علم ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے لیے دماغی نظم وضبط اور جسمانی ڈسپلن دونوں کو مشترکہ رول ادا کرنا پڑتا ہے۔''

یوگ فلسفہ کے حامیوں کا خیال ہے کہ کامل توجہ کے ساتھ اوم کے ورد سے پرماتما کا گیان حاصل ہوجاتا ہے۔ یوگا کا فلسفہ ذہنی اور جسمانی نظم وضبط کے لیے ایک سسٹم بتاتا ہے جس کے آٹھ اجزا ہیں:

1: یم
2: نیم
3: آسن
4: پرانایم
5: پرتیاہار
6: دھرن
7: دھیان
8: سمادھی

یم: یم کا معنی ہے عہد کرنا۔ یوگ کرنے والے کو پانچ عہد کرنے ہوتے ہیں۔

1: اہنسا: (کسی جاندار کو تکلیف نہ دینا)

Marfat.com

2: مکروفریب سے پاک ہونا۔(جیسا دل میں سچا ہو ویسا زبان سے کہے)

3: استیا(چوری اور لالچ نہ کرے۔)

4: برہمچر یا(انسان اپنے جذباتی ہیجان پر قابو پائے ضبط نفس حاصل کرے)

5: اپرگر(زیادہ سامان کی فراہمی اور نفس پرستی سے پاک رہے۔)

نیم: لفظی معنی ہیں عمل کرنا۔اس میں پانچ نیم یعنی عمل بیان کیے گئے ہیں۔

1: سوچ

2: سنتوش (دھرم کی پابندی اور فرض کی ادائیگی کے بعد مسرت کا اظہار)

3: جپ (مشقت جو دھرم کی پابندی میں اٹھانی پڑے اس کو انسان سکون سے برداشت کرے اور اس کا اظہار نہ کرے۔)

4: وید کا مطالعہ کرنا، اوم کو جپتے رہنا اور اس کے معنی پر غور کرنا۔

5: ایشور پردھیان(اپنے آتما اور دولت وحشمت کو ایشور کی راہ میں قربان کردینا۔)

آسن: آسن کے معنی ہیں اندازِ نشست۔ یوگ میں یہ بتایا گیا ہے کہ آسن کے معنی ہیں:

''کسی سہانے مقام پر بے حرکت ہوکر آرام سے بیٹھ کر اس طرح عبادت کرنا جس میں آسانی ہو۔

دوسرے مرحلے میں نیم میں یوگی ان اعمال کا عہد کرتا ہے کہ وہ پاکیزہ خیالات، سب کے ساتھ شفقت اور ہمدردی کرے گا اور کدورت ونفرت سے بچے گا۔اسی طرح تن پروری سے اجتناب کرے گا اور مطالعہ غوروفکر اور اضطراب و پریشانی کے تمام لوازمات سے بچنے کی کوشش کرے گا۔

پرانایم: یعنی سانس لینے کی تربیت۔ جب اندازِ نشست اچھی طرح سے جم جائے تو اس حالت میں باہر کی ہوا کو کھینچنا ''شواس'' اور اندر کی ہوا کو باہر نکالنا ''پرشواس'' ہے۔ان دونوں کی رفتار کو بند کرنا یا روکنا'' پرانایم کہلاتا ہے۔

بعض بیوقوف کم عقل انسان انگلیوں سے ناک کے سوراخ کو بند کرکے پرانایم کرتے ہیں لیکن ویاس جی لکھتے ہیں:

Marfat.com

''اہل دانش اسے اچھا نہیں جانتے بلکہ اندرونی اور بیرونی اجزاء کو سیدھا اور بے حرکت رکھنا چاہیے جب تمام اجزاء سیدھے ہو جائیں تو سانس کو باہر نکال کر روک لینا چاہیے۔''

پرتیاھار: یعنی ضبط نفس۔ جب ذہن قابو میں آجائے تو ''پرمیشور کی ذات میں محو ہو کر کسی دوسری بات کا دھیان نہ کر کے بیٹھے رہنا'' پرتیاھار یا ضبطِ نفس کہلاتا ہے۔

دھرن: جب ذہن کسی ایک نقطے پر مرکوز ہو جائے تو وہ دھرن کہلاتا ہے۔ اس سلسلہ میں یوگی اپنی توجہ کو ناف یا سر یا ابروؤں کے درمیان رکھتا ہے یا ناک اور زبان کی نوک پر توجہ کو مرکوز کرتا ہے، اس کیفیت کو دھرن کہتے ہیں۔

دھیان: یعنی حصول گیان۔ مذکورہ بالا حالات میں جس شے کا دھیان کیا جائے اسی کا گیان حاصل ہوتا ہے اور دریائے علم ایک ہی رخ میں زور کے ساتھ بہتا ہے۔ اس وقت یوگی کو کسی دوسری شے یا بات کا خیال نہیں ہوتا۔

سمادھی: جب کسی شے کا دھیان اس قدر کامل توجہ کے ساتھ کیا جائے کہ یوگی اپنے آپ کو بھی بھول جائے تو اسے سمادھی کہا جاتا ہے۔ دھیان اور سمادھی میں فرق یہ ہے کہ دھیان میں ''دل کے اندر دھیان کرنے والے جس کا دھیان کیا جائے اور دھیان ان تینوں کا خیال ہو لیکن سمادھی میں یوگی اپنے آپ سے بھی دُور، دھیان سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔

سمادھی تصور کا اعلیٰ ترین مقام ہے' اس مرحلے میں یوگی اپنی ذات سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔ یہ پرماتما سے انتہائی قربت اور شدید مسرت کی منزل ہے جو خاص لوگوں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

الغرض یوگا ایک عملی فلسفہ ہے جس کے ذریعے ہندو دھرم میں ریاضت اور مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد جذبات اور خواہشات پر قابو پانا ہے اور بالآخر جونی چکر سے نجات حاصل کرنا ہے۔ ریاضتوں پر مبنی اس سسٹم پر ہندوستان میں آج بھی عمل کیا جاتا ہے۔ حصولِ نجات کا ذریعہ سمجھنے کے علاوہ ایسے لوگوں کی بھی اکثریت موجود ہے جو سوچتے ہیں کہ یوگا کی مشقوں کے ذریعے جسم اور دماغ کو زیادہ صحت مند رکھا جا سکتا ہے۔

فلسفہ یوگ کا آغاز کب ہوا اس کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بعض اہلِ تحقیق کا خیال ہے کہ دوسری صدی قبل مسیح میں اس کی داغ بیل پڑی جبکہ ایک مغربی محقق کی رائے ہے کہ یوگ سوتر کی تصنیف 450 سن میں کی گئی۔

Marfat.com

4: فلسفہ کرم:

کرم کے معنی ''عمل'' کے ہیں اور ویدوں کی اصطلاح میں اس سے ''قربانی'' مراد لی جاتی تھی۔ اس دور میں انسانی اعمال میں قربانی کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ برہمنا میں قربانی کے ساتھ ساتھ یہ لفظ نیک اعمال کے لیے بھی استعمال ہونے لگا۔ جو نہ صرف اس دنیا کے لیے مفید ہوں بلکہ اگلی دنیا کے لیے بھی فائدہ مند ہوں اور یوں انسان بار بار پیدا ہونے کے چکر سے نجات پالے۔ اپنشدوں کی تعلیم نے قربانی کو ختم کر کے اس کی جگہ اخلاق کو دے دی۔ اب کرم کا مطلب یہ تھا کہ اس دنیا میں انسان جس قسم کے اعمال کا مرتکب ہوگا۔ اگلی دنیا میں انسان کو جس مصیبت اور ابتلا سے گزرنا پڑ رہا ہے اور وہ اس کے گذشتہ جنم کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ ان ہی اعمال کی بنا پر انسان اعلیٰ یا ادنیٰ ذات میں پیدا ہوا ہے۔

اس عقیدے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ مصائب وابتلا کا ذمہ دار خدا کو ٹھہرانے کی بجائے انسان کو اس کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔ اب یہ اس کی اپنی ذمہ داری تھی کہ وہ اعمال کی سزا کے طور پر اس دنیا میں بار بار آنے کے چکر سے نجات حاصل کرے۔

☆☆☆

Marfat.com

ہندومت اور گائے

تمہید:

ہندوؤں کے چار ''گ'' مشہور ہیں۔ مثلاً گیتا پڑھنے کے لیے، گنگا اشنان کے لیے، گاتری منتر جاپ کے لیے اور چوتھا گاؤ پوجا کے لیے ہے۔ ان چاروں علامتوں کو ہندو دھرم میں ایک خاص مذہبی تقدس حاصل ہے۔ ہندوستان کے علاقے میں رہنے والی اس بت پرست قوم کے لیے گائے کی پوجا کوئی انوکھی بات نہیں۔ کئی دوسرے مذاہب میں بھی بنی اسرائیل کے تذکرے میں گائے پرستی کے شواہد تاریخ میں موجود ہیں۔ گائے کی تقدیس کا عقیدہ ہندوازم کی نمایاں خصوصیت اور ہندو تہذیب کی بنیاد ہے۔ جب ایران میں رہنے والوں اور ہندوستان میں آنے والے آریاؤں میں جدائی کا عمل وقوع پذیر ہوا۔ اوستا میں گوشوران (گائے) نامی ایک دیوتا کا تذکرہ ہے جس کا مفہوم (Soul of the Cow) ہے۔ یہ تمام مخلوقات کی محافظ قرار دی گئی ہے۔

اسی طرح مقدس ویدوں میں بھی گائے اور کائنات کے مابین گہرے تعلق کا کئی مرتبہ اشاروں کنایوں میں بیان ملتا ہے۔ اتھروید میں ایک نظم موجود ہے جو واشا سے مخاطب ہے جو گائے کا اولین نمونہ ہے۔ دوسری نظم انندوان سے مخاطب ہے جو ابتدائی بیل تھا۔ اتھروید کے مطابق بیل زمین اور آسمان کو اٹھائے ہوئے ہے۔ نیز اتھروید کے مطابق:

''سارا جہاں اور کل دیوتا گائے کا ہی سراپا ہے۔''

احمد شلبی ''مقارنۃ الادیان'' میں لکھتے ہیں:

''دیگر معبوداتِ ہندی کے علاوہ گائے کی پرستش بھی مرور ایام میں اسی طرح ہوتی رہی کہ اس کے تقدس اور احترام میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس پرستش کے آثار ویدک دور سے ہی

Marfat.com

ملتے ہیں۔"

ویدک دور میں گاؤ کا لفظ کچھ دوسرے مفہوم میں بیان کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ نہ صرف مجازی اور مثالی انداز میں بلکہ پُر اسرار انداز میں بھی تا کہ گائے کے ساتھ ایک پیچیدہ قسم کے تعلق کو بیان کیا جاسکے۔ اس لیے ویدک دور میں (Earth) یعنی زمین کے لیے Heaven یعنی آسمان کے لیے (Speech) تقریر اور (Singer) یعنی گانے والے کے لیے ان سب مین سے زمین کو گائے کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے اور بعد کی ہندو دیومالا میں اس کی نمائندگی اسی طور کی جاتی ہے۔

گائے کا عملاً تقدس:

گائے کا تقدس ہندوؤں کے ہاں عملی مفہوم کا حامل ہے۔ گائے کو مارنے یا گائے کا گوشت کھانے کو ایک وحشیانہ اور ظالمانہ عمل قرار دیا جاتا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ گائے کو جو بھی مارے گا یا اس کو ذبح کرنے کی اجازت دے گا وہ جہنم میں اتنے ہی سال سڑتا رہے گا جتنے اس گائے کے جسم پر بال ہوں گے۔ ویدک دور میں گائے کی تقدیس کا عقیدہ موجود تو تھا لیکن اس پر اتنی سختی سے عمل نہیں کیا جاتا تھا۔ شروع میں ان کے ہاں مہمانوں کی آمد' شادی یا کسی مخصوص تقریب میں قربانی کے لیے گائے کو ذبح کرنے کی رسم موجود تھی لیکن بعد میں اس رسم کو کلیۃً ختم کر دیا گیا اور مہمان نوازی کے لیے یہ اصول بنایا گیا کہ گائے کے گوشت کا نعم البدل استعمال کیا جائے۔

مہابھارت میں گائے کا احترام:

رزمیہ نظم مہابھارت کے باب نمبر 59 سے 82 تک میں گائے اور اسی کی خوبیوں کے مذہبی عقیدے کے طور پر عجیب و غریب قسم کی معلومات درج ہیں مثلاً براہمی کی مداح میں لکھا ہے:

"وہ منوں گوبر روزانہ نچوڑ کر اس سے غسل کرتے تھے۔"

نیز مہاتما لوگ گوبر کا پانی نچوڑ کر پیتے تھے، انھی روایات کی بنا پر ہندو ذہن گائے کے اوہام پرستانہ احترام کو راسخ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کے تقدس کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کے دودھ اور اس سے بنی ہوئی اشیاء سے کائنات کی تمام اشیاء زندہ رہتی ہیں۔

Marfat.com

گائے خود بھی مقدس ہے اور دوسروں کو بھی تقدیس بخشتی ہے۔ نہ صرف گائے بلکہ اس کی پانچ چیزیں ''پنچ گاؤبا'' یعنی دودھ' دہی' گھی' گوبر اور پیشاب بھی انسان کو پاکیزہ بنانے والے عوامل ہیں۔ ان کے ہاں ان اشیاء کو استعمال بھی کیا جاتا ہے اور نیک اور پارسا شخص کے لیے ان کے ہاں نصیحت موجود ہے کہ وہ گائے کے گوبر اور پیشاب کو کبھی بھی ناپسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھے گا بلکہ منوسمرتی کے مطابق:

''گائے کا گوبر اور پیشاب پینا' گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔''

گایوں کو آسمانی سرابی کی بیٹیاں قرار دیا جاتا ہے جس کو پرجاپتی نے اپنے سانس سے تخلیق کیا تھا۔ ان کے عقائد کے مطابق ایک Cow Heaven آسمانی گائے بھی ہے جس کا نام گولکا قرار دیتے ہیں جو سرابی کی اقامت گاہ ہے اور ان کے ہاں خصوصی عبادت کا مرکز ہے اور اس کی پوجا کے وقت خاص منتر پڑھے جاتے ہیں۔ گائے کے نام کو عقیدت مند دہراتے ہیں اور اس کی تعظیم کے طور پر اپنا سر جھکائے رکھتے ہیں۔ ہندو دھرم میں لوگوں کو گائے کی پانچ چیزوں پر زندہ رہنے کا حکم دیا گیا۔ نیز نہاتے وقت گوبر کو بھی استعمال کرنے کی ہدایت کی گئی۔ کچھ مذہبی ارتقاء کے حصول کے لیے عقیدت مندوں کو گایوں کے ساتھ رہنا اور سونا پڑتا ہے یا گائے کے پیچھے پیچھے ہر جگہ جانا پڑتا ہے۔ گائے کی پوجا کے سلسلے میں کرشن جی کے واقعہ کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے جو دیوتا ہیں انھوں نے اپنی جوانی کا بیشتر حصہ گایوں کے گلوں کے درمیان گزارا، اسی وقت سے گوالوں کو عظیم دیوتا کے ساتھی اور محافظ سمجھا جاتا ہے۔ گائے کی عظمت موجودہ دور میں بھی ختم نہیں ہوئی اور عام طور پر کوئی بھی ہندو گائے کے ذبح ہونے پر دہشت زدہ ہو جاتا ہے۔ ہندوؤں کے مشہور لیڈر گاندھی جی کا قول ہے:

''جو شخص گائے کی حرمت پر یقین نہیں رکھتا وہ ہندو نہیں ہو سکتا۔''

گاندھی جی نے'' گاؤماتا کے نام سے ایک مضمون بھی تحریر کیا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں:

''گائے کا احترام ہندوؤں کے اوپر لازم ہے' وہ عالم کے لیے ایک تحفہ ہے، یہ انسان اور حیوان کے درمیان بھائی چارے کا احساس اجاگر کرتی ہے۔ گائے انسان کی ماں ہے اور یہ حقیقت ہے کہ وہ میری حقیقی ماں پر بھی فضیلت رکھتی ہے۔ حقیقی ماں سال دو سال تک دودھ پلا کر ساری عمر کی خدمت کی متقاضی ہوتی ہے جب کہ گائے ماتا ساری عمر دودھ دیتی ہے اور وہ

Marfat.com

اس کے مقابل سوائے روزمرہ خوراک کے کچھ طلب نہیں کرتی۔ حقیقی ماں کی بیماری پر بہت خرچ ہوتا ہے جبکہ گاؤ ماتا ہمیں زیادہ مالی خسارہ نہیں دیتی۔ حقیقی ماں کی موت سے جنازے کی رسوم کا تکلف کرنا پڑتا ہے جبکہ گاؤ ماتا مرنے کے بعد بھی نفع بخش ثابت ہوتی ہے۔ اس کی ہڈیوں اور کھال وغیرہ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اسی طرح میں گاؤ پوجا کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔"

ایک اور موقع پر مہاتما گاندھی نے کہا:

"جب تک ہندوستان میں ایک گائے بھی ذبح ہوگی اس وقت تک اس ملک کو حقیقی آزادی حاصل نہیں ہوگی۔

"Freedom is no freedom at all if a cow slaughter is not prohibited"

نیز گاندھی جی کے نزدیک گائے اور آدمی کے ذبح کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

That he makes no distinction between the slaughter of a man and that of a cow.

ایک اور موقع پر گاندھی جی نے کہا:

"ہندوؤں کی اکثریت گائے کی پوجا، اس کے احترام اور اس کے تقدس کو ملحوظ رکھتی ہے اور اس عظیم انبوہ میں سے ایک میں بھی ہوں۔

ہندوؤں کے ہاں گائے کے احترام اور حفاظت کا یہ عالم ہے کہ زیادہ عمر کی گائیوں کے لیے گاؤشالا بنائے جاتے ہیں۔ گائے کو ذبح کرنا حتی کہ بیماری کی صورت میں تکلیف سے نجات دلانے کے لیے بھی گائے کو ذبح کرنا ہندوؤں کے ہاں بہت بڑا گناہ سمجھا جاتا ہے۔

سوامی دیانند کہتے ہیں:

"وید کی رُو سے گائے کے ذبح کے جرم میں ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کو ذبح کر کے گائے کو خوش کرنا چاہیے۔"

(یجروید)

تمام آسمانی مذاہب کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات اور خلیفہ فی

Marfat.com

الارض بنایا ہے نیز پوری کائنات اور تمام مخلوقات انسان ہی کے استفادہ کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔

(القرآن المجید، سورۃ البقرہ، آیت نمبر:29)

لہٰذا انسان سب سے افضل اور اشرف ہے۔

''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ ○''

(القرآن الکریم، سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر:70)

''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ○''

گائے بھی انسانی استفادہ کے لیے ہے بوقت ضرورت اس کو ذبح کرنا اور اس کا گوشت کھانا کوئی جرم نہیں ہے۔ اس لیے گائے کو انسان سے افضل قرار دینا یا معبود ماننا یا انسان کے مساوی درجہ دینا علم و عقل اور مقصدِ تخلیقِ کائنات کے خلاف ہے بلکہ یہ انسانیت کی کھلی توہین اور ذہنی پستی کی دلیل ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

تری مورتی

ہندو دھرم کی تاریخ فلسفہ اور عقائد و رسوم کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بے سروپا روایات، عجیب و غریب عقائد اور مختلف نوعیت کے رسوم ورواج کا ایک نہایت پیچیدہ مجموعہ ہے۔ ہزاروں سال پہلے ویدک دھرم میں مختلف دیوتاؤں کی پرستش مروج رہی۔ بعد میں نذر و قربانی کی رسوم کا بڑی حد تک خاتمہ ہوگیا۔ پھر ہندو دانشوروں نے نجات کے مختلف طریقے تجویز کیے۔ فلسفیوں کی سوچ کے نتیجے میں مختلف فلسفے وجود میں آئے۔ ان کے علاوہ بھی متفرق عقائد و نظریات آپس میں خلط ملط ہوگئے تو کسی کو یاد نہ رہا کہ کون سا عقیدہ کہاں سے آیا۔ قدیم ہند کے حکماء یا دانشور حق و باطل میں امتیاز کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن یہ سب خیال آرائیاں اور اونچے طبقے کے دانشوروں تک محدود رہیں۔ ہندو عوام نے ان عقائد کا عام فہم ملغوبہ تیار کرلیا اور یہی مقبول عام ہندو دھرم کہلاتا ہے۔

ہندو دھرم کی فلسفیانہ موشگافیوں اور نظریاتی باریکیوں سے اس کے عوام قطعاً نا آشنا تھے چنانچہ ہندو دھرم کے مطالعے میں اس کی دو طرح تقسیم کی جاسکتی ہے:

1: عوام الناس کا دھرم

2: تعلیم یافتہ لوگوں کا دھرم

دوسری قسم کا دھرم یعنی علم و بصیرت پر مبنی دھرم نہ تو عام آدمی کے ذہن میں آسکتا ہے اور نہ اسے اس کی پروا ہے۔ مقبول عام ہندو دھرم کی اساس تری مورتی ہے۔ یہ تین دیوتا برہما، وشنو اور شیو ہیں۔ برہما ہندوؤں کے نزدیک خالق ہے (The Creator) وشنو ربوبیت کا فریضہ انجام دیتا ہے یعنی (پالنے والا)؛ شیو فنا اور موت کا دیوتا ہے (Destroyer) ہندوؤں کے نزدیک یہ حقیقی ہستیاں ہیں جو نظامِ کائنات میں دخیل ہیں۔ گویا کہ ہندوؤں کا یہ عقیدہ تثلیث ہے جو دنیا کے مختلف ملکوں میں مروج رہا ہے۔ مثلاً قدیم مصر میں خداوند، بیوی اور بیٹا تین خداؤں کا تصور موجود تھا۔ عیسائیوں میں بھی اقانیمِ ثلاثہ یا تین خداؤں کا عقیدہ موجود ہے۔

Marfat.com

The Holy Ghost, The Holy Son, The Holy Father.

تری مورتی کی وجہ تسمیہ:

برہمہ، وشنواور شیو ہندوؤں کے سب سے بڑے دیوتا تھے۔لیکن ان کی حیثیت کا تعین مشکل تھا کیونکہ ہر پجاری اپنے ہی دیوتا کی برتری پر مُصر تھا،اس کا صرف ایک ہی حل تھا وہ یہ کہ ان تینوں کو مساوی درجہ دے دیا جائے نیز ہر ایک کے اختیارات کی مساوی تقسیم کردی جائے۔ چنانچہ ان تینوں دیوتاؤں کو متحد کر کے ایک دیوتا کر دیا گیا جس کی تین صورتیں اور شکلیں ہیں۔بحیثیت خالق کے وہ برہمہ' پروردگار کے وہ وشنو' قہار کے طور پر وہ شیو ہے۔اس کا مجسمہ اس طرح بنایا جاتا ہے کہ ایک ہی انسانی جسم پر تین سر لگا دیئے جاتے ہیں۔ایسا بت ''تری مورتی'' کہلاتا ہے۔

تریمورتی:

1: برہمہ یعنی خالق

2: وشنو یعنی بقاء

3: شیو یعنی فناء

1: برہمہ:

برہمہ تری مورتی کا پہلا ہندو دیوتا ہے۔تری مورتی میں اس کی حیثیت خالق کائنات کی ہے۔ ہندو عقیدہ کے مطابق یہ کائنات کو پیدا کرتا ہے۔ پھر سو جاتا ہے' اسے ''روح الارواح'' بھی کہا جاتا ہے اور اس میں جذب ہو جانا معراجِ انسانیت ہے۔اعلیٰ درجہ کی روحیں اس میں جذب ہو کر اس کا حصہ بن جاتی ہیں۔

یہ امر دلچسپ ہے کہ برہمہ کی عبادت سب سے کم کی جاتی ہے۔گویا اس برہمہ کی' جو ساری کائنات کا خالق ہے پرستش پورے ہندوستان میں محض چند جگہوں پر کی جاتی ہے۔ ہندو چونکہ فطرتاً مادہ پرست، بنیا اور بزدل ہے اور برہمہ جو تخلیق کے عمل سے فارغ ہو کر معطل ہو چکا ہے اب اس کی پرستش کا کیا فائدہ؟ کیوں نہ وشنو کی پوجا سے مال و دولت حاصل کیا جائے یا شیو جی کی پوجا سے اس کے غیظ و غضب سے بچا جائے؟

ایک جگہ اجمیر کا مندر پشکارا ہے جہاں اس کی پرستش کی جاتی ہے۔اس کے ظہور کے

Marfat.com

متعلق منومہاراج کے دھرم شاستر میں بیان کیا گیا ہے کہ برہمہ ایک قائم بالذات ہستی (Self Existence) تھی۔ اس نے اپنے وجود سے پانی کو پیدا کیا اس میں ایک بیج رکھا۔ پھر ایک سونے کا بڑا انڈا بنایا اس انڈے سے ایک عرصہ گزرنے کے بعد تری مورتی والا برہمہ مرد کی صورت میں ظاہر ہوا جو ساری کائنات کا باپ اور خالق بنا۔

ہندو آرٹ میں برہمہ کا جو مجسمہ پیش کیا جاتا ہے وہ مجسمہ بڑا عجیب وغریب اور ہندو صنمیات کا شاہکار دکھائی دیتا ہے۔ اس کے چار سر اور چار ہاتھ ہیں۔ ایک ہاتھ میں چمچہ' دوسرے میں لوٹا اور قربانی کا سامان' تیسرے میں تسبیح اور چوتھے میں وید ہے۔ وہ راج ہنس پر سوار دکھایا جاتا ہے۔ اس کی رہائش ''میرو پہاڑ'' میں ہے۔ اس کی رفیقۂ حیات کا نام ''سرسوتی ہے، جو علم ودانش اور فنونِ لطیفہ کی دیوی ہے۔ برہمہ کو ''پرجاپتی بھی کہتے ہیں۔

مسٹر ای آر پائک (E.R.Pike) کے بقول:

''جب برہمہ دنیا کو پیدا کر چکتا ہے تو یہ بغیر کسی تغیر وتبدل کے چلتی رہتی ہے۔ اس کے بعد سب کچھ نذر آتش ہو جاتا ہے۔ برہمہ بیدار ہوتا ہے اور دنیا کو دوبارہ پیدا کرتا ہے۔ یہ سلسلہ مسلسل چلتا رہتا ہے حتی کہ برہمہ کی معمر کے سو برس پورے ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد برہمہ اور تمام دیوتا اور سادھو جو گذشتہ آتشزدگی سے بچ گئے ہوتے ہیں وہ بھی انجام کار فنا ہو جاتے ہیں۔''

2: وشنو:

مقبول عام ہندو دھرم میں دوسری مقبول ذات وشنو کی ہے۔ یہ اشیاء کی حفاظت اور بقاء کا ضامن ہے۔ یہ رحم کا بھی دیوتا ہے۔ اسے ربِ کائنات اور محافظِ کائنات مانا جاتا ہے۔ اگرچہ ویدوں میں اس کی حیثیت ایک معمولی دیوتا کی سی ہے لیکن زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی شہرت میں اضافہ ہوتا گیا اور اسے ایک شفیق اور محسن کی حیثیت سے یاد کیا جانے لگا جو اپنے پرستاروں کی دعاؤں کو قبول کرنے پر تیار رہتا ہے۔ ہندو ادب میں وشنو کو مکمل خدا کی حیثیت دی جاتی ہے۔ ہندو اگرچہ دوسرے دیوی دیوتاؤں کا بھی احترام کرتے ہیں لیکن وشنو کو ''خدائے کامل'' کی حیثیت دیتے ہیں۔

اس کی رفیقۂ حیات کا نام ''لکشمی ہے۔ اس کی پوجا سب سے زیادہ ہوتی ہے جو مال

Marfat.com

ودولت اور خوش بختی کی دیوی ہے۔ یہ علوم وفنون کی سرپرستی بھی کرتی ہے۔ اس کا خاص تہوار دیوالی ہے جبکہ عام چراغاں کیا جاتا ہے اور صحت وتندرستی اور ترقی کے لیے لکشمی کی پوجا کی جاتی ہے۔ ہندولوگ اسی روز سے نئے سال کا آغاز کرتے ہیں۔

ہندوآرٹ میں وشنو کو خوبصورت نوجوان دکھایا گیا ہے جس کے چار ہاتھ ہیں۔ ایک میں سنگھ، دوسرے میں گرز، تیسرے میں چکر اور چوتھے میں کنول ہے۔ وشنو کی سواری گرنٹر ہے۔ اسے عام طور پر ''خدائے کائنات'' تسلیم کیا جاتا ہے۔ جس کی فطرت سے تمام جہان وجود میں آئے اور جس میں بالآخر تمام جہان مدتِ مدید کے بعد تحلیل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ایک نئے عالم کا ظہور ہوگا۔ وشنو سے متعلق ہندوؤں میں ایک عجیب نظریہ رواج پا گیا ہے۔

ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ وشنو کو عبادتوں' منتوں' قربانیوں اور دعاؤں کے ذریعے اس عالمِ مادی میں نزول کے لیے آمادہ کیا جاسکتا ہے۔ وشنو کسی بڑے انسان کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور عظیم الشان معجزانہ کام سرانجام دیتا ہے۔ ہندوؤں کے جتنے بڑے بڑے ہیرو (Heroes) گزرے ہوں وہ انھیں وشنو دیوتا کا ہی مظہر قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وشنو دیوتا نو بار مختلف اوتاروں کی صورت میں دنیا میں ظاہر ہو چکے ہیں۔ جن کی تفصیل ہندو روایات کے مطابق مندرجہ ذیل ہے:

1: ہندو نظریے کے مطابق وشنو متیہ (Madya) یعنی مچھلی کے روپ میں ظاہر ہوا اور منو کی کشتی کو طوفان سے بچانے کے لیے کشتی کو کھینچ کر ایک محفوظ مقام پر لے گیا۔

2: وشنو کورم (Kurma) یعنی کچھوے کی صورت میں دودھ کے ایک سمندر کی تہہ میں ظاہر ہوا اور اس پر ایک ایسا پہاڑ قائم کیا جہاں دیوی دیوتاؤں نیز انسانوں کو حسب خواہش ہر نعمت میسر آتی تھی۔

3: ایک دفعہ وشنو وراھا (Varaha) یا سور کی صورت میں ظاہر ہوا کیونکہ شیطان نے اس کائنات پر تسلط جمالیا تھا۔ چنانچہ ایک ہزار سال کی تگ ودو کے بعد آخر کار وشنو نے فتح پائی اور کائنات میں پہلے کی طرح سارا امن وامان بحال کیا۔

4: وشنو ایک بار نرسنگھ اور تاریا شیر مرد کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس کا آدھا دھڑ شیر کا تھا اور آدھا مرد کا۔ اس نے دنیا کو ایک ایسے شیطان سے نجات دلائی جس نے برہمہ سے یہ وعدہ لے لیا تھا کہ اسے کوئی انسان یا درندہ جان سے نہیں مار سکے گا۔

Marfat.com

5: وشنو ایک بار بالشتیے کے روپ میں ظاہر ہوا کیونکہ بالی نام کے ایک شیطان نے تین عالموں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ اس کے ظاہر ہونے کی صورت پر بادشاہ نے اسے دیکھ کر اس بات پر رضا مندی کا اظہار کیا کہ یہ بالشیتا تین قدم چلے یا پھلانگے اور اس میں جتنی زمین طے کرے گا وہ اس کی ہوگی۔ اس بالشتیے نے دو قدم اٹھائے جو زمین و آسمان دونوں کو محیط ہوگئے۔ بہر حال وشنو نے بالی کے لیے نچلی زمین کا تھوڑا سا حصہ چھوڑ دیا۔

6: پرشوارام۔ وشنو چھٹی بار سلح رام کی صورت میں ظاہر ہوا تا کہ کھشتریوں اور برہمنوں کو ہٹا کر خود ان کی جگہ لینے سے باز رکھیں۔

7: وشنو ساتویں بار رامائن کے ہیرو سری رام چندر جی کے روپ میں ظاہر ہوا جو ہندو دھرم میں مشہور شخصیت تھی اور ہندو اس کا بے حد احترام کرتے تھے بلکہ دیوتا کی حیثیت سے اب بھی اس کی پرستش کرتے ہیں۔

8: وشنو کرشن مہاراج کے روپ میں ظاہر ہوا جن کا کردار محتاج تعارف نہیں۔ یہ وہی کرشن مہاراج ہیں جن کے لیکچر اور وعظ و تلقین بھگوت گیتا کے نام سے مشہور ہیں۔

9: وشنو بدھ مہاراج کے روپ میں ظاہر ہوا غالباً یہ تصور اس لیے اپنایا گیا کہ بدھ مت کے پیروکاروں کو آسانی سے ہندو دھرم میں جذب کیا جا سکے۔ اس لیے بدھ کی مورتی بنا کر مندروں میں رکھی گئی اور بدھ کو پہلی بار ہندو دھرم کے ہاں جگہ حاصل ہوئی۔

10: وشنو آخری بار کالکی یا سفید گھوڑے پر ظاہر ہوں گے جبکہ یہ دنیا ظلم سے بھر جائے گی اور کائناتی انقلاب ظہور پذیر ہوگا اور وشنو سفید گھوڑے پر سوار اپنی تلوار لہراتے ہوئے آسمان پر نظر آئیں گے۔

وشنو کے پیروکار اس سے محبت اور گہری وابستگی کا اظہار کرتے ہیں۔ مختلف شاعروں اور ادیبوں نے والہانہ طور پر ان کی مدح وستائش کی ہے۔ نیز وشنوؤں نے عشق ومحبت پر زور دیا جس کی بناء پر باہمی اتحاد واتفاق کی فضا قائم ہوگئی۔ ان مداحین میں مادھو، رام نند اور بھگت کبیر کے نام خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔

وشنو کے پیروؤں نے ہندوستان کی مذہبی، سیاسی اور سماجی تاریخ پر بہت اثرات چھوڑے ہیں۔ انھوں نے ذات پات کی قید ڈھیلی کی۔ برہمن کی فوقیت کا طلسم توڑا۔ مذہب میں سنسکرت کی اجارہ داری ختم کی، تبلیغ کے لیے دیسی زبانیں ہی استعمال کی جانے لگیں۔

Marfat.com

3:شیو جی:

شیو جی کے معنی ہیں مبارک۔ یہ تری مورتی میں تیسرا اہم دیوتا ہے جس کو مہادیو کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ پتھر سے تراشے ہوئے اس کے مجسمے جزیرۂ الفانٹا (جو بمبئی کے نزدیک ہے) کی غاروں میں ملتے ہیں اور بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ ان غاروں میں ایک بڑی مورتی تین چہروں والی خدا کی تین صفات کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ خالق بھی ہے' پروردگار بھی اور قہار بھی۔

ہندو تثلیث میں یہ تباہی و بربادی' جنگ اور طوفان کا دیوتا ہے۔ اس کی پیشانی پر ایک تیسری آنکھ بھی ہے جسے ''ترلوچن'' کہا جاتا ہے۔ اس سے غیظ و غضب کے شعلے نکلتے ہیں۔ کہتے ہیں عشق کا دیوتا، کام دیو اس کے غیظ و غضب کا شکار ہو کر ایک مرتبہ جل گیا تھا اور پھر بڑی مشکل سے عالمِ وجود میں آسکا۔

شیو جی کی علامت ''شیولنگ'' ہے جس کی پوجا کی جاتی ہے۔ شکتی پوجا (طاقت یا قوتِ جماع) کی پوجا کہا جاتا ہے۔ بعض مقامات سے کھنڈروں کی کھدائی سے لنگ برآمد ہوئے۔ لنگ کے مقابل یونی (زنانہ عضو) کی بھی پرستش کی جاتی تھی۔ شیو کو ہندو آرٹ میں ایک سادھو کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے جو برہنہ جسم پر بھبھوت ملے ہوئے ہے جس کے سر کے بال بے رونق اور الجھے ہوئے لٹوں کی صورت میں نظر آتے ہیں جو اس بات کا نشان ہے کہ انسانی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ اپنی خواہشات پر مکمل طور پر قابو کر لے اور ریاضت اور مجاہدے سے اپنے جذبات کو روحانی بالیدگی کے حصول میں مرکوز کر دے۔ جسمانی آرائش سے کنارہ کش ہو کر گیان اور دھیان میں اس قدر محو ہو جائے کہ اپنے مقصود نروان کو حاصل کر لے۔

علاوہ ازیں شیو کو مالکِ ارواح اور شیاطین کی صورت میں بھی پیش کیا جاتا ہے جو قبرستانوں اور جلتی ہوئی چتاؤں پر اپنے گلے میں انسانہ کھوپڑیوں کا ہار پہنے ہوئے منڈلاتا نظر آتا ہے۔

شیو کی ایک اور قابلِ ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ہر کردار میں اس کی رفیقہ اس کے ساتھ دکھائی جاتی ہے گویا وہ شیو کی صفات میں مزید شدت اور شقاوت کا رنگ بھرتی ہے۔ بعض دفعہ شیو اور اس کی رفیقہ کا مساوی کردار واضح کرنے کے لیے شیو کو ہندو آرٹ میں نصف

Marfat.com

آدمی اور نصف عورت کے روپ میں دکھایا جاتا ہے۔ جب شیو کی صفات میں اس کی رفیقہ قہر وغضب کی دیوی کی صورت میں نظر آتی ہے تو اسے ''کالی'' کہتے ہیں۔ گاہے اسے نسوانی محاسن سے آراستہ بھی دکھایا جاتا ہے تو اسے ''اوما'' (Uma) کہتے ہیں۔ کبھی اسے خون خوار چڑیل دکھایا جاتا ہے اور اسے ''درگا'' کے نام سے پکارا جاتا ہے اور جب اسے ہمالیہ پہاڑ کی شہزادی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے تو اسے ''پاربتی'' کہا جاتا ہے۔

عام طور پر شیو کو تصویر میں رقص کرتے ہوئے دکھایا جاتا ہے اور اس روپ کو پیش کرنے کے لیے پتھرون اور دھات سے اس کے مجسمے بنائے جاتے ہیں اور اسے ''ننا تہ راجہ'' کہا جاتا ہے۔ رقص اس بات کی علامت ہے کہ وہ فنا کی قوتوں پر قادر ہے۔

جدید ہندو مذہب جو مقبول عام ہندو دھرم کہلاتا ہے میں ان تین دیوتاؤں کی تثلیث کے علاوہ کچھ اور دیوتاؤں کی پوجا بھی ہوتی ہے۔ انھیں آپ ثانوی دیوتا کا نام دے لیں۔ مثلاً:

1: اپسرائیں۔ جنت کی رقاصہ عورتیں

2: انسان اور پرندے کا مجموعہ کنر دیوتا جسے آسمانی موسیقار کہتے ہیں۔

3: ناگا یعنی سانپ

علاوہ ازیں گھر، درخت اور آبادی میں بکھرے ہوئے بے شمار دیوتا ہیں جن کی کل تعداد 33 کروڑ ہے۔

کرشن جی مہاراج

مقبول عام ہندو دھرم کے عقیدہ تری مورتی میں وشنو کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ وہ انسانی روپ میں وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتا رہا اور اس کا آٹھواں اوتار کرشن مہاراج کی صورت میں۔ ''کرشن'' سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی سیاہ کے ہیں۔ ہندوؤں کے تمام دیوی دیوتاؤں میں کرشن کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ قدیم مذہبی لٹریچر میں کرشن کا ذکر تو موجود نہیں ہے البتہ مہابھارت کا رزمیہ نظم میں ان کا کردار بہت نمایاں تھا۔ کرشن متھرا میں پیدا ہوئے جو شمالی ہند میں ''آگرے اور دہلی کے درمیان واقع ہے۔ کرشن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اپنے علاقہ کو بدطینت راجہ کنس (Kans) کے ظلم اور ستم سے بچانے کے لیے آیا تھا۔ اس نے اپنی والدہ دیو کی (D Evaki) اور والد داسو یو کو بھی اس راجہ کے غیظ وغضب سے نجات

Marfat.com

دلائی۔ یہ راجہ کنس جو رشتہ میں کرشن کا چچا بھی تھا اسے خواب کی وجہ سے یہ خدشہ پیدا ہو چکا تھا کہ دیوکی کے بیٹوں میں سے ایک اس کی تباہی کا باعث بنے گا۔ چنانچہ وہ سرکاری افسروں کی معرفت دیوکی کے بیٹوں کو ہلاک کروادیتا۔ جب ان کے ہاں آٹھواں بیٹا پیدا ہوا تو وہ بہت سیاہ رنگ کا تھا چنانچہ اس کا نام رنگ کی مناسبت سے کرشن رکھا گیا۔ ہندو روایت کے مطابق اس کے والد کو غیبی تائید حاصل ہوئی اور اس نے اپنے بچے کو ایک چرواہے نند کے سپرد کردیا۔ اس چرواہے نے کسی نہ کسی طور بچے کو بادشاہ کے ظلم سے بچانے کا انتظام کرلیا۔ کرشن کو زمانۂ طفلی بہت عجیب وغریب حکایات کا آئینہ دار ہے۔ وہ بہت شرارتی ثابت ہوئے ہیں۔ مکھن چراتے' درختوں کو اکھاڑتے' سانپوں کو مارتے اور گوپیوں کے ساتھ کھیلنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔

ہندو آرٹ میں کرشن کو اکثر وبیشتر گوپیوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے اور ان کے جھرمٹ میں بانسری بجاتے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔ اس کی تاویل وہ یہ کرتے ہیں کہ یہ انس اور محبت پوری نوع انسان کے ساتھ ان کی گہری وابستگی کی علامت ہے۔ جب کرشن جوان ہوئے تو انھوں نے راجہ کنس کے خلاف جنگ کی اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حکومت کی باگ ڈور خود سنبھال لی اور بعد میں تخت حکومت پر راجہ اگرسین کو بٹھادیا جو کنس کے ہاتھوں قید وبند کی صعوبتوں سے دوچار تھا اور تخت کا اصلی وارث تھا۔

کرشن مہاراج کا وہ کردار جس کی وجہ سے انھیں اہمیت حاصل ہوئی۔ وہ مہابھارت کے معرکے میں ظہور پذیر ہوا۔ جس میں انھوں نے فلسفۂ کائنات بھی بیان کیا۔ اس معرکے میں وہ ارجن کے رتھ بان کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ ارجن کے دل میں جو شکوک شبہات پیدا ہو چکے تھے ان کو دور کیا، اس کے خاندان کی ہلاکت کی وجہ سے اسے جس مایوسی کا سامنا تھا اسے دور کرنے کی کوشش کی اور اسے حق پرستی کی تلقین کی اور ساتھ ہی اوتار ہونے کا دعویٰ کیا۔ یہ معرکہ کوروں اور پانڈوؤں کے درمیان ہوا۔ اس لڑائی میں پانڈو مظلوم تھے۔ چنانچہ وہ کرشن کی مدد سے کوروں کو کیفر کردار تک پہنچانے میں کامیاب ہوگئے۔ کرشن کے بارے میں یہ روایات بھی ملتی ہیں کہ وہ عمر بھر ظلم وستم اور ناانصافیوں کے خلاف سینہ سپر رہے، ان کے وہ مواعظ جو ارجن کے نام تھے وہ بھگوت گیتا کے نام سے مشہور ہیں۔ ہندو اسے الہامی سمجھتے ہیں اور گیتا کو بہت بلند مذہبی مقام اور احترام حاصل ہے۔ کرشن سے بعض ایسے واقعات بھی

Marfat.com

منسوب ہیں جو مافوق الفطرت قوت کا مظہر ہیں۔ مثلاً یہ کہ انھوں نے ایک بیوہ کے بیٹے کو زندہ کر دیا۔ اس قسم کی حکایات میں تاریخی شواہد کے اعتبار سے کہاں تک صداقت ہے یہ کسی کو معلوم نہیں اور نہ ہندو ان کے ثبوت کی سند کی ضرورت محسوس کرتے ہیں' وہ تو سیدھی سی یہ بات جانتے ہیں کہ کرشن وشنو کے اوتار تھے جو بھگوان کی محبت اور شفقت کو انسانیت تک پہنچانے آئے تھے اور ظلم وستم کا خاتمہ جن کا مقصود تھا۔

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا (Brittanica) کے مقالہ نگار کے مطابق کرشن، وشنو کا اوتار تھے اور کرشن کی وجہ سے وشنو کی تمام شمالی ہندوستان میں پرستش کی جاتی ہے۔ ابتدا میں کرشن بھی رام چندر کی طرح کھشتریوں کے ایک دیوتا تھے جو رزمیہ نظم مہابھارت کے ابتدائی حصوں میں پانڈوؤں کے حمایتی سردار اور مددگار کی حیثیت میں ظاہر ہوئے۔

وشنو کے اوتار کی حیثیت سے ان کی نمائندگی صرف بھگوت گیتا کے حصہ میں نمایاں کی گئی ہے جس میں وہ مذہبی وابستگی اور بھگتی کے طریق کار کو بیان کرتے ہیں۔ کرشن کی پرستش کے دو زبردست مبلغین ولابھا Vallabha اور Chatanya چیتنیا کا تعلق پندرھویں صدی کے اواخر سے ہے۔ ولابھا کے پیروکاروں کی اکثریت آج بھی گجرات اور راجپوتانہ کے علاقوں میں پائی جاتی ہے اور ان کو ولابھا چاریاز (Cheryas) کہتے ہیں۔ انیسویں صدی میں کرشن کے ایک بااثر پیروکار سوامی نرائن گزرے ہیں جن کے پیروکاروں کا تعلق بھی گجرات کے علاقہ سے تھا۔ کرشن کو گوپال' گوپی ناتھ اور متھنا ناتھ کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔

(انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا، جلد نمبر 15، صفحہ نمبر:928)

کرشنوں کے ان دو اوتاروں رام چندر اور کرشن میں سے موخر الذکر کے ساتھ خصوصاً یہ بات مخصوص ہے کہ لوگوں کی مذہبی زندگی کے اندر دیوتا کے لیے عقیدت مند اور پرشوق وابستگی کے جذبات کے ذریعے ایک نئی روح پھونک دی گئی۔ ہندو روزانہ کرشن کی پوجا کرتے ہیں اور ہندو بھکاری اس کے نام کا جپ (ورد) کرتے ہیں اور اسے ہری کے نام سے پکارتے ہیں۔ کرشن کو سیاہ یا نیلے رنگ کا نوجوان دکھایا جاتا ہے جس نے زرد لباس پہنا ہو، سر پر تاج ہوتا ہے اور عموماً بانسری بجاتا ہوا دکھاتے ہیں۔

جین مت کے پیروکار بھی اگرچہ مجموعی طور پر مورتی پوجا کے خلاف ہیں۔ تاہم وشنو، کرشن اور لکشمی کی پوجا ان کے ہاں بھی مقبول ہے۔

Marfat.com

مہابھارت

تعارف:

انسائیکلوپیڈیا آف لٹریچر کے مقالہ نگار نے لکھا ہے:

''ہندوستانی ادب قنوج کے شاہی خاندان گپتوں کے دور میں اپنے عروج کو پہنچا۔ گپت خاندان والے فن اور ادب کے زبردست سرپرست تھے اور شاید اس دور میں ہندوستان کی دونوں عظیم رزمیہ نظمیں مہابھارت اور رامائن کو آخری شکل ملی۔''

جوزف گاسٹر اپنی کتاب ''What are the great religions'' میں لکھتے ہیں:

''ہندومت میں زیادہ بااثر نظم مہابھارت ہے جس کے معنی عظیم بھائی کے ہیں۔ اس رزمیہ نظم میں وشنو کرشن کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے اور اپنی تعلیمات کو بھگوت گیتا کی صورت میں بیان کرتا ہے۔''

Wheeler اپنی کتاب ''History of India'' میں لکھتا ہے:

''مہابھارت کا آغاز کا منظر ہستینا پور کے شہر میں دکھایا گیا ہے جو دریائے گنگا کے بالائی حصوں میں موجودہ دہلی شہر کے شمال مشرق میں تقریباً ساٹھ میل دور واقع ہے۔ یہ چھوٹی سی آبادی بھرت (Bharata) کا راج کہلاتی ہے۔ جو عظیم ہیرو بھرت کے نام سے منسوب کی گئی ہے۔ اس مشہور ہندو مہاراجہ بھرت کی اولاد جو شمالی ہند کے اس علاقہ میں مقیم تھی اس کی داستانِ کشمکش اس نظم میں بیان کی گئی ہے۔''

(History of india، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر: 42)

ہندوؤں کا خیال ہے کہ مہاراجہ بھرت وہ پہلا شخص تھا جس نے ہندوستان میں ریاست

Marfat.com

کی تشکیل کی تھی' اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ عظیم راجہ یا راجاؤں کا راجہ تھا اور اس کا راج سرزمین کی تمام بادشاہتوں پر حاوی تھا۔ بلاشبہ بھرت کا نام اتنا مشہور ہے کہ ہندوستان کا پورا علاقہ آج بھی بھارت ورش (Bharata Varsha) یا بھارتیوں کے مالک کے نام پر مشہور ہے۔ مہابھارت کی اس رزمیہ نظم میں نہ صرف کوروں اور پانڈوؤں میں مہابھارت کے مابین لڑائی کی داستان بیان کی گئی ہے بلکہ ان کے طرزِ معاشرت' جرأت اور ہمت' شجاعت اور بے باکی' سیاست اور مذہبیت گویا ہر پہلو کی عکاسی کی گئی ہیں۔ دیوتاؤں کے افسانے بھی زیب عبارت ہیں لیکن مجموعی طور پر پوری نظم میں شجاعت کے نغمے الاپے گئے ہیں' یہ نظم سنسکرت زبان میں ایک لاکھ سے زائد اشعار پر مشتمل ہے اور اس کا اہم ترین حصہ بھگوت گیتا کے چھٹے باب پر مشتمل ہے۔ اس نظم کے مؤلف کرشن دا ورئی بیان نیا بجی ہیں۔ اس کے زمانہ تصنیف کے بارے میں اختلاف ہے' بعض کے نزدیک پانچویں چھٹی صدی قبل اس کا زمانہ تصنیف ہے لیکن بعض لوگ اسے بہت بعد کے زمانہ کی تصنیف بتلاتے ہیں۔

ناصحانہ انداز کے باوجود فلسفیانہ اور مذہبی عقائد کو ساتھ ساتھ پیش کرنے کا رزمیہ نظموں کا طریق کار مہا بھارت میں ملتا ہے۔ متضاد نظریات کا مرکب ہونے کی وجہ سے اس کا تجزیہ ممکن نہیں۔ اگرچہ یہ ایک مولف کی تصنیف بیان کی جاتی ہے تاہم یہ ایک وسیع مرکب ہے جو ارتقاء اور وسعت کے ہزاروں مرحلوں پر محیط ہے۔ افسانے' کہانیاں' اور داستانیں' اخلاق اور فلسفہ اور مذہب کے ساتھ مل کر رزمیہ مرکب مہابھارت کی شکل اختیار کر گئی۔ اس خیال کو تقویت ویلر کی اس بحث سے ملتی ہے' وہ لکھتا ہے:

''مہابھارت اور رامائن میں جو ادارے اور روایات نمایاں نظر آتی ہیں وہ بلاشبہ کھشتریوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی طور پر وہ ان منظوم حصوں کی مانند تھیں جن کو کھشتریوں کے تہوار اور دعوتوں کے مواقع پر گویے اور قصیدہ گوگاتے تھے۔ ان گویوں کے لیے وقتاً فوقتاً شاعرانہ تزئین و آرائش کے نقطہ نظر سے کہانی کے پلاٹ میں مصنوعی واقعات کے افسانے ضرور کہے ہوں گے جو بدلتے وقت کے ساتھ اصل کہانی کی مطابقت میں کوئی جھول نہ آنے دیں۔ اس طرح وہ سامعین کے وسیع مجمعوں میں اصل کہانی کو بیان کرتے ہوئے دلچسپی کو قائم رکھتے تھے لیکن مہابھارت کے موخر مولفین بلاشبہ برہمن تھے انھوں نے کھشتریوں کی روایات کو جھٹلانے کی کوشش کی تاکہ وہ مذہب اور اخلاقیات کے بارے میں اپنے عقائد کو رائج

Marfat.com

کرسکیں اور خصوصاً موروثی مذہبی ذات کی حیثیت سے اپنی برتری اور تفوق کو پرزور طریقہ سے منواسکیں۔ ایسی کلاس اور ذات جس کو مافوق الفطرت قوتیں بھی ودیعت ہیں اور یوں وہ نہ صرف راجاؤں سے برتر ہے بلکہ کھشتریوں کے دیوتاؤں سے بھی بلند مقام کے مالک ہیں۔''

(جلد اول صفحہ 37۔38)

عقائد ونظریات:

مہابھارت نہ صرف ایک رزمیہ نظم ہے بلکہ ایسی مذہبی تحریر ہے جس میں نصیحت آموز قصوں کے اضافے کیے گئے ہیں۔ جہاں تک نظریاتی تعلیم کا تعلق ہے تو یہ مختلف عقائد کا مرکب اور آمیزہ معلوم ہوتی ہے اس میں ایک طرف ویدوں اور برہمنا لٹریچر کی مشرکانہ رسومات کا سلسلہ موجود ہے اور دوسری طرف منوحدانہ وابستگی کے آثار ملتے ہیں۔ سانکھیا فلسفہ کے نظریات کا رنگ بھی کہیں کہیں غالب ہے۔ تین گنوں ''ستوہ''، ''رجس'' اور ''تمس'' کو فرد کے لیے اہم قرار دیا گیا ہے۔ مہابھارت میں'' آتم پرشیا'' روح اعظم کا سراغ بھی ملتا ہے۔ کرم مارگ کے نظریئے کو قبول کیا گیا ہے جبکہ ثنویت بھی موجود ہے اور دوسرے دیوتاؤں کے وجود کی توثیق کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے جبکہ وحدت الوجود کی طرف بھی میلان پایا جاتا ہے۔ قدیم ویدک دھرم کی رسومات کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ ویدک دیوتاؤں میں سے کچھ کی حیثیت کو کم کیا گیا ہے۔ مثلاً: ''اندر'' اور'' ورن'' کی حیثیت کو کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کچھ کی حالت بالکل بدل دی ہے مثلاً: یم دیوتا کی۔ کچھ کو بالکل نظرانداز کردیا گیا ہے جیسا کہ پرجاپتی کے تصور کو اور کچھ کو ان کے مقام سے بلند تر کرنے کو کوشش کی گئی ہے جیسا کہ وشنو اور ردر کو۔ تری مورتی کے عقیدے کی طرف اگرچہ واضح اشارے موجود نہیں لیکن مبہم انداز میں یہ نظریہ بتدریج ارتقاء پذیر نظر آتا ہے۔ مہابھارت اور رامائن کو ہندوؤں میں جو حددرجہ مقبولیت حاصل ہے اس کا اعتراف رادھا کرشنن نے اپنی کتاب ''ہندومت کا احیاء'' میں یوں کیا ہے:

''رامائن اور مہابھارت قدیم داستانیں جن سے لوگ محبت کرتے ہیں انھیں عظیم مذہبی احیاء کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔''

(ہندومت کا احیاء، صفحہ نمبر: 29)

☆☆☆

Marfat.com

بھگوت گیتا

تعارف:

بھگوت گیتا سنسکرت کا لفظ ہے جس کے معنی مقدس نغمہ اور الہامی کلام کے ہیں۔ ہندو دھرم میں بھگوت گیتا کو بڑی مقبولیت حاصل ہے اسے انجیلِ کرشن کہا جاتا ہے۔ بھگوت گیتا مہابھارت کا ایک حصہ ہے۔ یہ بارہ کتابوں پر مشتمل ہے جس میں دسویں کتاب سب سے زیادہ اہم ہے۔ جس میں کرشن مہاراج کے کارنامے اور ان کی محبت کے کارنامے بیان کیے گئے ہیں۔ بھگوت گیتا میں تقریباً سات سو اشعار ہیں جو کرشن اور ارجن کے مابین مکالمہ کی صورت میں ہیں جن میں فلسفہ، مذہب اور اخلاقی دنیا کے زریں اصول بیان ہوئے ہیں، اسلوب بیان اور زبان کے اعتبار سے نہایت مقبول کتاب ہے۔

قدیم ہند میں اس کی مذہبی اور تاریخی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ مذہبی پس منظر میں اس کا اپنا ایک مخصوص مقام ہے جسے کبھی بھی چیلنج نہیں کیا گیا۔ Albert شوٹرز نے Indian Thought and Its Development کے صفحہ نمبر 195 میں لکھا ہے:

''گیتا امتیازی خصوصیات رکھتی ہے، اس کی عبارت سے باطنی طور پر دنیا سے علیحدگی اختیار کرنے، نفرت سے پاک ذہنی خیالات نیز دیوتا سے ذاتی عقیدت کے متعلق ایسے جملے ملتے ہیں کہ ہم اس امر پر مجبور ہیں کہ اس کے غیر اخلاقی مندرجات کو نظر انداز کر دیں۔ یہ نہ صرف زیادہ پڑھی جانے والی بلکہ عالمی ادب کی شاہکار کتابوں میں سے ہے۔''

بعض ناقدین کے مطابق مہابھارت کا یہ حصہ ماضی ہی کی صدائے بازگشت ہے۔ اس کا مضبوط مذہبی انداز فلسفے کو عملی مذہب کی شکل دینے اور انسان کو محسوس خدا کے ساتھ ایک رشتے میں استوار کرنے کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ کچھ ناقدین کی رائے ہے کہ اس امر سے

Marfat.com

انکار نہیں کیا جا سکتا کہ رزمیہ نظموں اور دوسرے اپنشدوں کی مانند گیتا میں بھی الحاقی چیزیں ہیں یا اس کو تصحیح کے ادوار میں سے گزرنا پڑا ہو۔ تاہم اس کے پرزور استدلال کا انکار کرنا درحقیقت اس نظم کی اہمیت کھونے کے مترادف ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کرشن غیر برہمن نسل کا بہادر ہیرو تھا۔ جس کے مذہبی عقائد کی وجہ سے اس کو خصوصی اہمیت بھی حاصل تھی۔ اس کی تعلیمات کا ویدوں کے ساتھ کوئی قریبی تعلق نہ تھا۔ لیکن اس کے عقیدت مندوں نے اس کے بہادرانہ اور ناصحانہ کردار سے متاثر ہوکر شخصیت پرستی کے قانون کے عین مطابق اس کے کردار کو الوہیت کی صفات سے متصف کرنا شروع کردیا یہاں تک کہ دیوتاؤں کے مرتبے تک پہنچادیا۔ اکثریت پر کرشن اور اس کی تعلیمات کے اثرات کو دیکھتے ہوئے برہمنوں نے اسے وشنو (Vishnu) کا اوتار قرار دے دیا۔

بھگوت گیتا کو جو کرشن کی مذہبی اور اخلاقی تعلیمات کا نچوڑ تھی۔ مہابھارت کے اندر شامل کرکے نمایاں مقام عطا کر دیا گیا۔ بھگوت گیتا کی تالیف کے بارے میں آراء مختلف ہیں۔ بعض کے مطابق 500 ق م اور بعض کے مطابق 200 ق م سے 200ء تک کا دور اس کا زمانہ تالیف قرار دیا جاسکتا ہے۔

گیتا کے مضامین:

ڈاکٹر پریندر اپنی کتاب ''تقابلِ ادیان'' میں لکھتے ہیں:

'' گیتا زندگی کے مختلف شعبوں میں راہنمائی کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ زندگی کو کس طرح گزارنا چاہیے۔ گیتا کے مضامین اس حقیقت کی غمازی کرتے ہیں کہ یہ فلسفہ سانکھیا' یوگ اور ویدانت کے مکاتب کی تعلیمات کو باہم ملانے کی ابتدائی اور کامیاب کوشش ہے۔ اس میں روح کے لافانی ہونے' دیوتا کا اوتار کی شکل میں آنا اور اچھوتوں کے لیے بھگوان کی پوجا کے طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ برہمنیت کی رسومات اور ان کے عقیدت اس کی عبارتوں سے عیاں ہیں۔ لیکن گیتا میں ویدک قربانیوں کو مستحسن نہیں سمجھا گیا۔ اپنشدوں کے برہما اور آتمن کے نظریے' پرش اور ایشور کے نظریے کی بھی وضاحتیں موجود ہیں۔ روح کے بارے میں گیتا میں درج ہے کہ جسم ختم ہوجاتے ہیں لیکن لافانی روح تباہ و برباد نہیں ہوسکتی۔ روح کے بارے میں جو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ قتل کرتی ہے یا جو شخص یہ سوچتا ہے کہ وہ خود قتل ہوجاتی ہے تو یہ

Marfat.com

دونوں اشخاص حقیقت کو نہیں سمجھتے نہ تو وہ قتل کرتی ہے اور نہ قتل ہوتی ہے۔ روح نہ پیدا ہوتی ہے اور نہ مرتی ہے۔ نہ یہ وجود میں آتی ہے اور نہ ہی وہ اسے معدوم کرتا ہے۔ ابدی قائم رہنے والی روح جب انسانی جسم قتل ہوتا ہے تو یہ قتل نہیں ہوتی۔ جس طرح پھٹے پرانے کپڑے چھوڑ کر انسان نئے کپڑے پہن لیتا ہے۔ اسی طرح بوسیدہ اجسام کو چھوڑ کر روح نئے اجسام میں داخل ہو جاتی ہے۔''

گیتا کے مضامین میں وحدت الوجود کے فلسفے کی طرف بھی اشارے موجود ہیں۔ داس گیتا اپنی کتاب ''تاریخ فلسفۂ ہند'' میں لکھتے ہیں:

''گیتا میں اس چیز پر بار بار زور دیا گیا ہے کہ خدا ہر چیز پر قدرت اور طاقت رکھتا ہے۔ دنیا میں جتنی بھی چیزیں موجود ہیں ان سب کو قائم رکھنے والی ان کی روح ہے۔

(تاریخ فلسفہ ہند، جلد نمبر 5، طفحہ نمبر 25)

اوتار کے نظریئے کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ نیکی کی حفاظت برے کام کرنے والوں کو تباہ کرنے اور حق کے لیے ایک مظبوط اساس بنانے کے لیے اوتار ہر دور میں آتے رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی کرشن کے الفاظ میں عمل، بے عملی اور روحانی قربانی کا فلسفہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عمل کیا ہے اور بے عملی کیا ہے اس کے متعلق تو دانا لوگ بھی متحیر رہے ہیں، میں تو تجھے عمل کی حقیقت بتلاؤں گا جس کو جاننے کے بعد تم گناہ سے بچ جاؤ گے۔ ہر شخص کو عمل اور بے عملی کی نوعیت ضرور سمجھ لینی چاہیے۔ عمل کے راستے تک یعنی حقیقت تک رسائی بہت مشکل ہے جو شخص عمل میں بے عملی اور بے عملی میں عمل دیکھتا ہے، جس شخص کے کام کسی خواہش یا لالچ سے آزاد ہیں تو ان کے اعمال علم کی بھٹی میں کندن بن جائیں گے اور اس کو عقلمند لوگ عالم شخص کہتے ہیں۔ کرشن کے مطابق فریضہ کی ادائیگی کے لیے بلاخوف وخطر اور انجام سے قطعاً بے نیاز ہو کر عمل پیرا ہونا چاہیے اور سزا کے خوف یا کامیابی کے لالچ کو پیشِ نظر نہ رکھنا چاہیے۔

گیتا نے قربانی کے فلسفے کو نیا مفہوم دیا وہ یہ کہ مادی اشیاء پر مشتمل قربانی سے بہتر قربانی علم ہے۔ تمام اعمال کا انجام علم ہے۔ کرشن اپنے متعلق اوتار اور ایشور ہونے کے دعویٰ کی بھی وضاحت کرتے ہیں کہ میں وہ ہوں جس کی پیدائش نہیں ہوئی، میں غیر متغیر آتما ہوں جو کل موجودات کی مالک ہے اور میں کل کائنات کا آغاز اور انجام ہوں۔ اے ارجن! مجھ سے بلند

Marfat.com

اور کوئی شے نہیں ہے۔ دنیا کی باقی تمام چیزیں میرے اردگرد اسی طرح ہیں جس طرح جواہر دھاگے میں پروئے ہوئے ہوں۔

گیتا میں مختلف فلسفیانہ خیالات کے اثرات بھی موجود ہیں۔ ان کے اشتراک سے ایک ایسا راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو سب کے لیے قابل قبول ہو۔ سانکھیا فلسفے کی اصطلاحوں کا تذکرہ بھی موجود ہے مثلاً کرشن یہ بیان کرتے ہیں کہ جانور'' پراکرتی اور'' پرش ابدی ہیں۔ یہ بھی سمجھ لو کہ صورت اور گنوں کے تغیر پراکرتی سے پیدا ہوتے ہیں اور پرش لذت والم کے تجربے کا نام ہے۔ جب روح مادے میں تحلیل ہوتی ہے تو ان اوصاف کا تجربہ عمل میں آتا ہے جو پراکرتی سے پیدا ہوتے ہیں۔

کرشن کی مہاراج کے وقت ہندوؤں کے تمام فلسفے صرف ایک ہی مرکز کے گرد گھومتے ہیں کہ مصائب سے کس طرح نجات حاصل کی جاسکتی ہے؟ کرشن مہاراج نے مندرجہ ذیل طریقے بتائے ہیں:

مصائب وتکالیف کا سرچشمہ ''مایا'' فریبِ نظر ہے۔ پھر یہ ''مایا'' کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان اس عالم مثال کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کو حقیقی خیال کرتا ہے اور ان کے حصول میں زندگی بھر سرگرداں رہتا ہے اور یہی مغالطہ مصائب کا منبع ہے پھر اس متغیر اور ناپائیدار عالمِ مثال کے بالمقابل ایک اور عالم ہے جو حقیقی اور غیر متغیر ہے' اسے کرشن برزخ کا نام دیتا ہے۔

مغالطہ دور کرنے کے چار مجوزہ طریقے ہیں:

1: مراقبہ یعنی دھیان گیان
2: یوگا کی ریاضتیں
3: عشق الٰہی
4: ادائے قرض بلاعرض

بھگوت گیتا کے مطابق نروان کے حصول کے لیے ذات پات کی قید سے بالاتر ہونا لازمی ہے۔ الغرض بھگوت گیتا زندگی کے مختلف شعبوں' اور نروان اور نجات کے حصول میں راہنمائی کرتی ہے۔ موجودہ دور میں ہندو نہ صرف مندروں میں کرشن کی پوجا کرتے ہیں بلکہ گاڑی اور ٹرام میں سفر کرتے وقت بھی گیتا کے متن کی تلاوت کرتے ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

رامائن

قدر واہمیت:

رامائن تہذیبی اور مذہبی اہمیت کی حامل ہے' یہ ہندوؤں کا عظیم ثقافتی سرمایہ اور عظمت رفتہ کی ایک مثالی تصویر ہے۔ مذہبی نقطہ نظر سے رامائن اتنی اہم نہیں جتنی کہ مہابھارت کیونکہ رامائن صرف ایک ذہن کی پیداوار ہے اور مغربی بنگال اور بہار کی مذہبی روایات کی آئینہ دار۔اس کے دوسرے حصے میں جو روایات بیان کی گئی ہیں وہ جنوبی ہند میں برہمنیت کی توسیع سے متعلق ہیں۔ یہ کتاب اندازاً بیس ہزار اشلوکوں پر مشتمل ہے۔اس کتاب کا ایک بڑا حصہ ہندوؤں کے مشہور شاعر والمیک کی تصنیف ہے اور اس میں رام چندر کے واقعات شامل ہیں جنھیں وشنو کے اوتار کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ رام چندر اجودھیا کے راجہ دسرتھ کے بیٹے تھے جس کی کئی رانیاں تھیں۔ رام چندر اپنے سوتیلے بھائیوں کی نسبت زیادہ عقیل وفہیم تھے اور اپنے باپ کے محبوب بھی۔ راجہ دسرتھ نے انھیں اپنا ولی عہد بنا لیا لیکن اس کی سوتیلی ماں رانی کیکی نے اپنے بیٹے بھرت کو ولی عہد بنوانے کے لیے سازشوں کا جال بچھانا شروع کیا اور نہ صرف اپنے بیٹے کو ولی عہد بنوالیا بلکہ رام چندر کو جلاوطن بھی کروادیا۔ رام چندر کی شادی سیتا سے ہوچکی تھی۔ سیتا نے ایک وفاشعار بیوی کی طرح جلاوطنی میں اپنے شوہر کا ساتھ دیا۔ رام کا بھائی لکشمن بھی جلاوطنی کے ایام میں ان کے ساتھ ساتھ رہا۔ جلاوطنی کے دوران میں لنکا کے راجہ راون نے سیتا کو اغوا کرلیا اور رام چندر کو ہنومان کی مدد سے سیتا کی بازیافت کے لیے لنکا پر حملہ کرنا پڑا۔ سیتا کی بازیابی اور رام چندر کی اس فاتحانہ یلغار کی یاد میں ہندوؤں میں ''دسہرے کا تہوار نہایت دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

رامائن کا کردار مثالی اخلاق رکھتا ہے۔ ان میں رام کو خاص طور پر عزت وتکریم حاصل

Marfat.com

ہے۔ رام شرافت' پابندی عہد اور اطاعتِ والدین میں اپنی مثال آپ ہیں۔ سیتا شوہر کی اطاعت شعاری اور وفاداری کے لحاظ سے ایک بہترین اور مثالی بیوی ہے اور لکشمن اپنے ایثار اور جانثاری کی بنا پر ایک مثالی بھائی ہیں۔ رام راج ایک مثالی حکومت کا نمونہ ہے۔

رام وشنو کے اوتار ہیں اور اسی حیثیت سے ان کی پوجا بھی کی جاتی ہے۔ ہندوؤں نے ان کی طرف کچھ خدائی صفات بھی منسوب کر رکھی ہیں۔

رامائن کی کہانی رزمیہ نظم میں بیان ہوئی ہے اور اس میں ایسے خلاف عقل واقعات بیان کیے گئے ہیں جن کو پڑھ کر انسان خیالی دنیا میں چلا جاتا ہے۔ اس نظم سے قارئین کو یہ سبق ملتا ہے کہ نیکی اور برائی نیز حق و باطل کی کشمکش ازلی ہے اور آخر کار نیکی اور حق غالب آتا ہے۔

ہندوؤں میں رامائن کا پڑھنا کارِ ثواب ہے۔ جو لوگ سنسکرت سے ناواقف ہیں وہ ہندی میں رامائن پڑھتے ہیں۔ رام کی صداقت اور حق کے اصولوں پر مبنی مثالی حکومت کو رام راجیہ کہا جاتا ہے جس کو مہاتما گاندھی ہندوستان کے لیے مثالی حکومت کا نمونہ سمجھتے تھے۔ رادھا کرشنن نے رامائن کو عظیم مذہبی احیاء کا ذریعہ بتایا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

اہم ہندو تہوار

ہندومت کے مذہبی تہوار جن کے متعلق اب تک میں مطالعہ اور مشاہدہ کر سکا وہ کم و بیش ساٹھ تو وہ ہیں جو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں منائے جاتے ہیں اور دس سے زائد مقبوضہ کشمیر میں، پھر میلے الگ ہیں جن کی تعداد بھی بیس کے لگ بھگ ہے لیکن اہم اور بڑے تہواروں اور میلوں میں دیوالی، دسہرا، ہولی، مہاشیوراتری، جنم اشٹمی، گن پتی، رکھشا بندھن، بسنت، پنجمی، کمبھ میلا اور بمبئی کا ماؤنٹ میری میلا شامل ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ تہوار تو ایک ہی ہے لیکن مختلف علاقوں میں اس کے نام مختلف ہو جاتے ہیں مثلاً دسہرا ہی کے دوسرے نام درگا پوجا، نوراتری اور رام لیلا ہیں۔ اسی طرح رکھشا بندھن، ناریل پورنیما اور سلونو ایک ہی تہوار کے مختلف نام ہیں۔ اب چند تہوروں کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

دیوالی:

دیوالی ہندو حضرات کا سب سے بڑا تہوار کہا جا سکتا ہے۔ چار روزہ یہ تہوار یوں تو سب ہی ہندو حضرات مناتے ہیں لیکن درحقیقت یہ وشنو کے پیروکار اور تاجر طبقے کے لوگوں کا تہوار کہلاتا ہے۔ اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی جا سکتی ہے:

''یہ تہوار اس خوشی کے موقع پر منایا جاتا ہے کہ جب رام چندر چودہ سالہ بن باس پورا کرنے اور راون کو شکست دینے کے بعد اجودھیا واپس لوٹے تو اس خوشی میں پورے ملک میں چراغاں کیا گیا اور رام چندر کی تاجپوشی کرتے ہوئے جگہ جگہ جشن منائے گئے۔ دیوالی کی خوشی رام چندر کے نورانی دور کی علامت ہے۔ تاجر حضرات کے خیال کی رُو سے لکشمی دیوی دیوالی کی رات میں آ کر دولت برساتی ہے اس لیے وہ تمام رات دیئے جلاتے ہوئے اس کی راہیں روشن رکھتے ہیں۔ بنگال میں دیوالی کے موقع پر رات اونچے نیچے کھمبوں کے سروں پر مشعلیں

Marfat.com

جلائی جاتی ہیں۔ان کا خیال ہے کہ اس رات ان کے بزرگوں کی رُوحیں آسمان کی طرف سے زمین کی طرف آتی ہیں اور یہ مشعلیں ان کی راہ کو روشن کیے رہتی ہیں۔دیوالی کے موقع پر ہندو حضرات ایک دوسرے کو مبارک باد کے خوبصورت کارڈ بھیجتے ہیں۔

دیوالی کے بھی مختلف ادوار میں مختلف نام رہے' اس میں مہاسانی' دیپادیپ اور مالا شامل ہیں۔آریہ سماج ہندوؤں کے ہاں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے' اس لیے کہ یہی دن آریہ سماج کے بانی دیانند کی برسی کا دن ہے اور ویدانتی ہندو اسے اس لیے زیادہ اہم سمجھتے ہیں کہ یہ دن سوامی رام تیرتھ کا جنم دن ہے اور جس دن وہ گنگا میں اشنان کرتے ہوئے بہہ گئے تھے وہ بھی دیوالی ہی کا دن تھا۔جین متیوں کے نزدیک اس دن کی اہمیت اس لیے ہے کہ اسی دن مہاویر کو نروان حاصل ہوا تھا اور سکھ حضرات بھی دیوالی اس لیے مناتے ہیں کہ اس دن مغل فرمانروا اورنگزیب عالمگیر کے حکم پر گرو بند سنگھ کو گوالیار جیل سے رہا کیا گیا تھا۔غرضیکہ دیوالی ہندو مذہب کا وہ تہوار ہے جسے ہر فرقہ کسی نہ کسی رنگ میں مناتا ہے۔میں نے خود بھی دیوالی کے ایک موقع پر کچھ طلبہ کے ساتھ شرکت کی اور دیکھا کہ ہندو حضرات بڑی عقیدت و احترام سے اس دن کو مناتے ہیں اور رام چندر کی زندگی کو ڈرامہ کی صورت میں اسٹیج پر پیش کرتے ہیں اور یہ تقریب رات گئے تک جاری رہتی ہے۔اس خوشی کے موقع پر مہمانوں میں مٹھائی اور خوشبو تقسیم کی جاتی ہے۔

ہولی:

بسنت بہار کا وہ موسم ہے جس کے آتے ہی ہندوؤں کے جسم میں جان آجاتی ہے۔اسی موقع پر ہولی منائی جاتی ہے۔یہ تہوار برصغیر پاک و ہند میں بڑے جذبے اور شوق سے منایا جاتا ہے۔رات ہولیکا جلائی جاتی ہے جس کا اصل مقصد یہی ہے کہ اپنے پیارے بھگت ہرہلاد کی حفاظت آگ سے بھگوان وشنو نے کی تھی اور ہندو آریہ آج بھی خوشی کے ساتھ اس تہوار کو مناتے ہیں۔

اس موقع پر جدھر دیکھیے ادھر رنگ' جسم پر رنگ' منہ پر رنگ' آنکھوں میں رنگ' ہوا میں رنگ' آسمانوں پر رنگ غرضیکہ ہر طرف رنگ ہی رنگ ہوتا ہے۔ایسا لگتا ہے جیسے ساری دنیا رنگین ہوگئی ہے۔کہیں ڈھول تاشے تو کہیں مردنگ بج رہے ہیں، کہیں کوئی کافی اور دوسرے

Marfat.com

راگ الاپ رہا ہے، کسی کی زبان پر جوگیوں والے گیت ہیں اور کوئی کبیر داس کی کبیر گا گا کر لوگوں کو خوش کر رہا ہے، کوئی رنگا جا رہا ہے، کوئی ناچ رہا ہے، کوئی دوسروں کو نچا رہا ہے، کوئی خود بھیگ رہا ہے اور دوسروں کو بھگو رہا ہے۔ آج کے دن یہاں کے لوگ صبح سویرے مٹی پانی اور گوبر کو بھول کر ایک دوسرے پر چھوڑتے ہیں اس کو دھد ہی کاندو کہتے ہیں اس تہوار کے مذہبی و دیومالائی پس منظر پر اس طرح روشنی ڈالی جا سکتی ہے:

''ہولی کا تعلق کل یگ' سے ہے جسے کل جگ بھی کہا جاتا ہے۔ بات بہت پرانی ہے' ایک راجہ ہرنا کشیب کسی زمانے میں کشمیر سے ملتان تک راج کرتا تھا۔ موجودہ خطہ کشمیر اسی کے نام پر پہلے کشیب میر کہلایا پھر کثرت استعمال سے کشمیر ہو گیا۔ کہتے ہیں جوانی میں یہ راجہ بڑا عبادت گزار تھا اور اس کی یہ دعا قبول ہو چکی تھی کہ اسے ایسے وقت موت آئے جب نہ دن ہو، نہ رات ہو، نہ زمین پر مرے نہ فضا میں۔ اس لیے اسے یہ وہم ہو گیا تھا کہ وہ مر ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ جب اس کو اپنے امر ہونے کا یقین ہو گیا تو اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا اور اپنی پرجا کو مجبور کر دیا کہ وہ اس کو اپنا رب 'مانے' اسی کو سجدہ کرے۔ اسی راجہ ہرنا کشیب کا جسے ہرناکش (سنہری آنکھوں والا) بھی کہا جاتا ہے، ایک لڑکا تھا اس وقت کے دستور کے مطابق جب اس کی عمر چار سال چار ماہ چار دن کی ہوئی تو اس کو ایک اچاریہ کے گوروکل میں بھیجا گیا۔ گوروکل کو اس زمانے کی ایسی ایسی درسگاہ سمجھ لیجئے جس میں ہر ورن کے آدمی کو اس کے ورن کے مطابق اور راج کماروں کو شاہی آداب اور رسوم کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی اور تربیت کی جاتی تھی۔ جب یہ لڑکا جس کا نام ہرہلاد تھا گوروکل گیا تو وہاں اسے پرانوں' اپنشدوں اور ویدوں کی تعلیم دی گئی' اسے سمجھایا گیا کہ دنیا کو بنانے والا کون ہے اور انسان اور بھگوان کا کیا تعلق ہے۔ راج کماروں کے فرائض کیا ہیں اور جب وہ راج گدی سنبھالے تو اسے کیا کرنا چاہیے۔ بارہ برس تک گوروکل میں تعلیم و تربیت پانے کے بعد جب ہلاد گوروکل سے فارغ التحصیل ہو کر واپس لوٹا تو اپنے باپ کے راج کی سرحد میں اس وقت داخل ہوا جب سیندھیا کا وقت تھا۔ مندروں میں روشنی ہو رہی تھی، سنکھ اور گھڑیال بج رہے تھے اور لوگ ہرناکش کی مورتی کو سجدہ کر رہے تھے۔ مذہبی تعلیم پانے کی وجہ سے اس نے شام کی پوجا کے لیے ایک مندر کا رخ کیا۔ جب وہاں اسے معلوم ہوا کہ اس کے باپ نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے اور مندروں میں اپنی مورتی ستھابن کرائی ہے اور لوگوں سے سجدہ کرواتا ہے تو اس نے مندر میں

Marfat.com

موجود لوگوں سے کہا کہ میرا باپ تو ایک فانی انسان ہے' پوجا کے قابل تو وہ بھگوان ہے جو اس سنسار کا مالک ہے اس لیے میرے باپ کی مورتی کو سجدہ نہ کرو۔ راج کمار ہرہلاد کی یہ بات راجہ ہرناکش کو پہنچ گئی کہ ہرہلاد اسے خدا نہیں مانتا۔ چنانچہ جب بیٹا باپ کے سامنے گیا تو ہرناکش نے کہا کہ مجھے سجدہ کرو۔ ہرہلاد نے کہا کہ آدمی کو آدمی کی نہیں بھگوان کی پوجا کرنی چاہیے۔ جب ہرہلاد اپنی بات پر قائم رہا تو ہرناکش نے اسے کئی آزمائشوں میں ڈالا۔ اسے دریا میں پھینکا گیا' پہاڑ سے گرایا گیا اور وہ ہر وقت محفوظ اور سلامت رہا' آخر ہرناکش اپنے درباریوں سمیت ہلاک ہو گیا اور ہرہلاد زندہ رہا۔

ہولی کا تہوار اسی تقریب کی یادگار میں منایا جاتا ہے کہ سچ نے فتح پائی اور جھوٹ کو شکست ہوئی۔ اسی یادگار کو چتائیں بنا کر اور ان میں ہولی کا پتلا جلا کر گویا یہ عہد کیا جاتا ہے کہ ہمیشہ رہے نام پرمیشور کا۔ پھر صرف چتائیں روشن کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ بھگوان کے بندوں کی سرخروئی کی خوشی میں انتہائی خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے اور سچ کے خون کی سرخی کو عبیر گلال اڑا کر خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ اس طرح ہولی کا تہوار رنگوں کا تہوار بن جاتا ہے۔ دن بھر لوگ مسرت کے گیت گاتے اور ایک دوسرے پر رنگ پھینکتے رہتے ہیں اور ٹولیوں میں جمع ہو کر ناچتے گاتے پھرتے ہیں اور اس سرخی کی رعایت سے ان علاقوں میں جہاں ڈھاک کے جنگل ہوتے ہیں ٹیسو کے سرخ سرخ پھول پانی میں ڈال کر اس آگ کے پاس بیٹھ کر نہاتے ہیں جو جگہ ہولی جلانے کے لیے روشن کی جاتی ہے۔

روایتی مسرتوں کے ساتھ ساتھ ہولی کے تہوار میں کچھ موسمی خوبیاں بھی ہیں۔ سردی کے آخری دن ہوتے ہیں اور آگ کا ذرا پر تکلف تقریب سے رخصت کیا جاتا ہے۔ ٹیسو کے پھولوں والے پانی سے نہانے والے آنے والے موسم کی بیماری سے اکثر و بیشتر محفوظ رہتے ہیں، اس طرح ہولی ایک ایسا تہوار بن جاتا ہے جس میں سچائی کی طرف داری' جھوٹ سے بیزاری اور صحت و سلامتی کی تیاری سبھی کچھ شامل ہے۔

راکھی بندھن:

یہ تہوار ساون میں آتا ہے۔ اس میں حقیقی یا منہ بولی بہنیں بھائیوں کی کلائیوں پر سلونو کے دھاگے باندھتی ہیں اسے راکھی یعنی تحفظ حفاظت کا شگون سمجھنا چاہیے۔ جیسے سفر کے

Marfat.com

موقع پر مسلمانوں میں سے بعض امام ضامن کا روپیہ بازو پر باندھتے ہیں۔ راکھی تمدن کی ترقی کے ساتھ دھاگہ کی بجائے کنگن نما پھولدار اور زرنگار ہوگئی۔ یہ تہوار برکھا سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔

راکھیاں لے کے سلونو کی برہمن نکلیں
تا ربارش کا توٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل

دسہرہ:

یہ تہوار جس کے معنی دس روز ہے۔ مراد دس گناہوں کو لے کر جانے والا' جیٹھ شکل پکش کی دسویں تاریخ کو جوگنگا کے پیدا ہونے کا دن ہے منایا جاتا ہے' اس دن جوگنگا میں نہائے اس کے دس قسم کے گناہ معاف ہوجاتے ہین۔ سورج شکل پکش کی دسویں تاریخ سے متعدد روایات وابستہ ہیں۔ اس دن درگاہ کی جنم اشتمی یا یوم فتح منایا جاتا ہے نیز اس دن راجہ رام چندر جی کا ''بن باس'' سے گھر واپس آنا اور ''راون'' پر فتح پانا بھی بیان کیا جاتا ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ موسمی تہوار تھا کیونکہ اس روز دن رات برابر ہوجاتے ہیں۔ پھر موسم اعتدال پر آجاتا ہے۔ راون کے خلاف رام چندر جی کی فتح کی یاد کے طور پر یہ تہوار منایا جانے لگا پھر اس پر مذہبی رنگ چڑھ گیا اس طرح اس کی اہمیت زیادہ ہمہ گیر ہوگئی۔

☆☆☆

Marfat.com

ہندوازم پر اسلامی عقائد کا اثر

ہند میں مسلمانوں کی آمد:

ہندوستان اور عرب ممالک کے درمیان تجارتی تعلقات کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ ہندوستان سے جن ممالک کے تاجرانہ روابط تاریخی طور پر ثابت ہیں ان میں عربوں کا نام سرفہرست ہے کیونکہ یہی وہ قوم ہے جس نے قدرتاً مشرق ومغرب کے درمیان تجارت میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔ ان تجارتی تعلقات کا ہی نتیجہ تھا کہ عربوں نے ہندوستانی ساحلوں پر اپنی کئی بستیاں بسالی تھیں۔

ساتویں صدی عیسوی کی ابتدا میں اسلام نے عربوں کو ایک وحدت میں پرو دیا اور ان کی فتوحات بہت جلد شام اور ایران سے بڑھ کر ہندوستان کے نواحات تک آ پہنچی تھیں اور جلد ہی عربی بحری بیڑے ہندوستانی سمندروں میں نظر آنے لگے۔ عربوں کے جہاز ساحل بحر احمر سے یا پھر جنوبی عربی ساحل سے روانہ ہوتے اور ان کی منزل مقصود یا تو دریائے سندھ کا دہانہ یا پھر ساحل ساحل چل کر خلیج کھمبایت پر تھی اور یا پھر ساحل مالابار پر۔ خلیج فارس سے روانہ ہونے والے جہاز بھی یہی راہ اختیار کرتے تھے اور موسمی ہواؤں کی مدد سے جزیرہ نمائے ملایا' مشرقی مجمع الجزائر اور پھر چین تک جا پہنچے تھے۔

سب سے پہلا اسلامی بحری بیڑا 636ء میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہندوستان سمندروں میں نمودار ہوا۔ جب عمان و بحرین کے گورنر حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ عنہ نے سمندر پار تھانہ کے مقام پر فوج بھیجی تھی۔ اسی زمانے میں بھڑوچ اور دیبل کی طرف مہمیں روانہ کی گئیں مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی وجہ سے یہ مہمیں معرض التوا میں پڑ گئیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے ہی میں ہندوستان

Marfat.com

جانے والے بری راستوں کا بھی کھوج لگایا گیا جن سے بالآخر آٹھویں صدی عیسوی میں محمد بن قاسم کے ہاتھوں سندھ کی فتح میں مدد ملی۔ اس اثنا میں بحری تجارت جاری رہی اور مسلمانوں نے جنوبی ہند کے تین ساحلی شہروں اور لنکا میں اپنی بستیاں بسالیں۔ محمد بن قاسم کی مہم کے فوری اسباب سے بھی ہندوستان میں مسلمانوں کے رہنے کا پتہ چلتا ہے۔

تبلیغ اسلام:

اسی زمانے سے مسلمانوں کا اثر بڑی تیزی سے بڑھتا گیا وہ ایک صدی تک ساحل مالابار پر آباد رہے۔ بحیثیت تجارت ان کی قدر کی جاتی تھی۔ انھیں یہاں ہر قسم کی سہولتیں حاصل تھیں اور انھیں آزادانہ اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کی اجازت تھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے ضرور تبلیغی سرگرمیاں بھی دکھائی ہوں گی کیونکہ اسلام بنیادی طور پر ایک تبلیغی دین ہے اور ہر مسلمان اپنے دین کا مبلغ ہے۔ ایک نئے دین کے ولولے نے انھیں ایک نیا مقام بخش دیا تھا۔ چنانچہ ابھی نویں صدی گزری بھی نہ تھی کہ مسلمان ہندوستان اور پورے مغربی ساحل پر پھیل چکے تھے اور انھوں نے اپنے خاص عقائد وعبادات نیز اپنے جوش تبلیغ و تلقین کی بدولت یہاں کے ہندوؤں میں ہلچل پیدا کردی تھی۔

ظہورِ اسلام:

اس زمانے میں جنوبی ہند میں مذاہب کے باہمی تصادم سے ایک ہیجان پھیلا ہوا تھا اور متشدد ہندومت اپنے کھوئے ہوئے وقار کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے بدھ مت اور جین مت سے برسرپیکار تھا۔ سیاسی اعتبار سے بھی یہ زمانہ کوئی پرسکون زمانہ نہ تھا۔ پرانے خاندان اپنا اثر ورسوخ کھو رہے تھے اور نئے خاندان ابھر کر قوت پکڑتے جارہے تھے۔ قدرتاً لوگ پریشان تھے اور وہ نئے تصورات قبول کرنے پر مائل تھے۔ ایسے موقع پر اسلام ایک سیدھے سادھے ضابطۂ ایمان، واضح اور معین عقائد وعبادات اور معاشرتی تنظیم کے جمہوری نظریات کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ اس کا اثر نہایت زبردست تھا اور ابھی نویں صدی عیسوی کا ابتدائی زمانہ ہی تھا کہ پرومن پروبال خاندان کے آخری بادشاہ نے اسلام قبول کرلیا۔ روایاتی بیانات کے مطابق راجہ کی اس تبدیلیٔ مذہب کا محرک وہ خواب تھا جس میں اس نے معجزہ شق القمر کو دیکھا تھا۔ اسی زمانے میں اس کی ملاقات مسلمانوں کی ایسی جماعت سے ہوئی جو لنکا سے واپس

Marfat.com

آرہی تھی۔ اس جماعت کے قائد شیخ سخی الدین نے خواب کی تعبیر بتائی اور اسے مسلمان کیا۔ اگر چہ یہ اور ایسی دوسری روایات شک وشبہ سے قطعی طور پر پاک قرار نہیں دی جاسکتیں لیکن عین ممکن ہے کہ ایسا ہوا بھی ہو۔ اس سے ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس دور میں مسلمانوں کا اثر کافی بڑھ چکا تھا حتی کہ ہندو عقائد بھی اس سے متاثر ہونے لگے اور مسلمانوں نے صریحاً بڑی اہمیت حاصل کرلی تھی۔ وہ موپلا کے نام سے موسوم ہوگئے تھے اور اس دور میں یہ خطاب عزت کا خطاب تھا۔ مسلمانوں نے جگہ جگہ مساجد تعمیر کرلی تھیں اور انھیں ہر لحاظ سے خاص مراعات حاصل تھیں۔ انھوں نے لاتعداد اپنی آبادیاں بھی قائم کیں اور اپنی تجارت کو خوب وسعت دے لی تھی۔ سیاست اور معاشرت میں ان کا بڑا اثر تھا۔

محمد بن قاسم:

شمالی ہند میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے سے ہی مسلمانوں نے قدم جمانے شروع کردیئے تھے۔ شمالی ساحل کی بندرگاہوں سے ان کی کوششوں کی ابتدا ہوئی اور جب ایران اور مکران سلطنت اسلامی میں شامل کرلیے گئے تو ان کی اگلی آماجگاہ سندھ تھی۔ ساتویں صدی عیسوی کے دوران میں سندھ اور بلوچستان پر حملے کیے گئے اور بری راستوں کا اچھی طرح کھوج لگایا گیا۔ بالآخر خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں گورنرِ عراق حجاج بن یوسف نے اپنے جواں سال اور حوصلہ مند بھتیجے کی قیادت میں سندھ کی فتح کے لیے ایک مہم بھیجی جو فتح اور ظفر مندی سے ہمکنار ہوئی۔ ملتان پہنچ کر ان کی پیش قدمی رک گئی۔ چنانچہ آئندہ تین صدیوں تک مسلمان اسی گوشے تک محدود رہے۔ چنانچہ ان علاقوں میں ان کا اثر بڑھتا گیا اور خاص طور پر کاٹھیا واڑ اور گجرات میں نہایت کشادہ دلی سے ان کا استقبال ہوا جس کا نظارہ مسلمان سیاحوں، سلیمان، مسعودی، ابن حوقل اور الاصغری وغیرہ نے خود کیا۔

صوفیاء کرام:

محمود غزنوی کے حملوں نے مسلمانوں کی آمد کے لیے ہندوستان کے دروازے اور کشادہ کردیئے۔ مغربی ہند میں وہ ایک بااثر مقام حاصل کرہی چکے تھے اور اسے وہ عوام میں تبلیغ مذہب کے لیے کام میں لاتے تھے۔ محمود غزنوی کی فتوحات نے اب شمالی ہند میں بھی ان کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ اسلامی افواج کے ساتھ ساتھ اہل اللہ کا ورود بھی ان علاقوں میں ہوتا

Marfat.com

رہا جن کی تبلیغ نے ہزاروں ہندوؤں کو مشرف بہ اسلام کیا اور جن کی فہرست اس قدر طویل ہے کہ اس کا یہاں احاطہ کرنا مشکل ہے۔ البتہ یہاں چند اہم شخصیتوں کا ذکر ممکن ہے۔ ان میں سے ایک حضرت علی بن عثمان الہجویری لاہوروی رحمۃ اللہ علیہ مصنف ''کشف المحجوب'' ہیں جو اسلامی ممالک کا وسیع دورہ کرنے کے بعد لاہور میں سکونت پذیر ہوگئے اور یہاں ہی وفات پائی۔ گیارھویں صدی عیسوی کے آغاز میں شیخ اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ''منطق الطیر'' اور ''تذکرہ اولیاء'' کے مصنف حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ بارھویں صدی میں تشریف لائے۔ 1197ء میں خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں تشریف فرما ہوئے۔ تیرھویں صدی عیسوی میں حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ بنگال میں تشریف لائے۔ سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ ریاست بہاولپور کے مقام اُچ میں اور بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ پاک پتن میں سکونت پذیر ہوئے۔ اگلی صدی میں ''ابن العربی'' کے شارح اور فلسفہ تصوف کے مشہور رسالے ''انسان کامل'' کے مصنف عبدالکریم الجیلی نے ہندوستان کا سفر کیا۔ پونا اور بلگام کے اضلاع میں سید محمد گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ ان کے علاوہ جو اولیائے کرام بغرض سیاحت، تبلیغ اسلام اور بغرض رہائش ہندوستان میں آئے ان کے نام یہ ہیں۔

سید شاہ میر ابن شیخ عبدالقادر جیلانی بانی سلسلہ قادریہ، قطب الدین بختیار کاکی جو دہلی میں دفن ہوئے، بہاؤالدین زکریا (المتوفی 1266ء)۔ جلال الدین سرخپوش (المتوفی 1291ء)، محمد غوث رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جو ہمایوں کے اتالیق تھے۔ ان حضرات کے علاوہ شاہ مدار (گیارھویں صدی عیسوی) اور سخی سرور رحمۃ اللہ علیہم (بارھویں یا تیرھویں صدی عیسوی) جیسے آزاد منش اور قلندر صفت درویش بھی ہندوستان میں آئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے ہندوستان میں بسیرا کیا اور ان کی مسلسل جدوجہد، اثر ورسوخ اور ذاتی روابط واثر کی بدولت اسلامی فلسفہ وتصوف ہندوستان کے اطراف واکناف میں پھیل گیا جس کا جائزہ درج ذیل ترتیب سے آئندہ سطور میں پیش کیا جارہا ہے:

1 جنوبی ہند کے ہندو مصلحین

2: شمالی ہند کے ہندو مصلحین

3: بنگال کے ہندو مصلحین

Marfat.com

جنوبی ہند کے ہندو مصلحین پر اسلام کا اثر:

اوپر یہ بتایا جاچکا ہے کہ مسلمانوں کا اثر ونفوذ اول جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں تک محدود تھا۔ جہاں انھوں نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کی بدولت ہندو عقائد کو کافی حد تک متاثر کر دیا تھا۔ یہ زمانہ آٹھویں صدی عیسوی کا زمانہ تھا جو مذہب و سیاست میں انقلابی سرگرمیوں کا' افکار اور عوام کی مسلسل چپقلش کا حکمران خاندانوں کے اچانک عروج اور خاتمے کا' مکتبوں میں فلسفیانہ مناظروں اور معبدوں میں فرقہ وارانہ مناقشوں کا دور تھا۔ انسانی افکار واحساسات کا ایسی فضا سے متاثر ہونا لازمی تھا لوگوں کے ذہن اب پرانے روایاتی تصورات سے آزاد ہو رہے تھے اور نئے تصورات کو اپنانے کے لیے بالکل تیار تھے۔

یہی وہ زمانہ ہے جب جنوبی ہند میں مستقبل میں ہونے والی مذہبی قوتوں کی بنیادیں استوار کی گئیں۔ شیوا اور وشنو رشیوں نے متحد ہو کر لوگوں کو بدھ مت اور جین مت سے ہٹا کر شیوا اور وشنو کی پوجا کی طرف مائل کیا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا جس سے انسانی قلوب متاثر ہوں اور ایسے بھجن یا راگ گائے جانے لگے جن میں اطاعت الٰہی' خدا کے جوارِ اقدس میں رہنے کی خوشی اور اس کے فضل کی تلاش سے متعلق مضامین تھے۔ انھوں نے اپنے تمام بھجن عوام کی زبان میں کہے اور ان میں ایسے عقائد کو جمع کر دیا جو مختلف مذاہب سے اخذ کیے گئے تھے۔ شیوا اور وشنو کے یہ عقیدت مند بھگتی مسالک کے پیرو اور ان ہی کو ترقی دینے کے لیے کوشاں تھے۔

جنوبی ہند کے ان بھجن گانے والوں کے ناموں کا احاطہ اس جگہ ناممکن ہے اور نہ ان کے راگوں میں بیان کردہ عقائد کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ البتہ ان چند مشہور شخصیتوں کا ذکر ضروری ہے جن کے علمی حربوں نے بالآخر ہندو مذہب کے اصلاح وترقی یافتہ عقائد کی ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا اور جن کی تعلیمات میں اسلامی اثرات کی جھلک کو واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

شنکراچاریہ: مالابار کے علاقوں میں جو عظیم مذہبی اصلاحات ہوئیں ان کا سہرا شنکر کے سر ہے۔ سب سے اہم اصلاح یہ تھی کہ بدھ مت ملک بدر کر دیا گیا۔ اس نے سلسلہ ہائے رہبانیت کی بھی تنظیم کی اور سنیاسیوں کے سلسلے تمام طبقات کے لوگوں کے لیے کھول دیئے

Marfat.com

لیکن اس نے صنف نازک کو راہبانہ زندگی گزارنے سے مستثنیٰ قرار دیا۔ اگر اس چنڈال کی کہانی جو دریائے گنگا کے درمیان فرق کیوں روا رکھا ہے' صحیح ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ شنکر معاشرے کی اصلاح کی طرف بھی مائل تھا۔ اس نے ''منش پنچک'' میں لکھا ہے:

''جس نے توحیدی زندگی کے نور میں مناظر قدرت کا مشاہدہ کرنا سیکھ لیا وہی میرا سچا شاگرد ہے۔ خواہ وہ چنڈال ہو یا دوجنا' یہ میرا ایمان اور عقیدہ ہے۔''

شنکر نے ہندو مذہب کی کورانہ تقلید سے انکار کر دیا تھا اور ان میں احتیاط سے ہر ممکن تبدیلی لانے کی کوشش کی تھی۔ جس کا نتیجہ برہمنوں کی طرف سے اس کی مخالفت اور حقارت میں نکلا۔ نویں صدی عیسوی کے آغاز میں شنکر جوان ہی مر گیا۔

شنکر کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنا عمیق تجرباتی ذہن اور عدم المثال استدلال مہارت کو اس کوشش میں لگا دیا کہ ان تمام مسلکوں کو ختم کر دیا جائے جو ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں اور صرف ایک منطقی نظام قائم کر دیا جائے۔ شنکر ہی وہ آدمی ہے کہ جس کے افکار کو بعد میں آنے والے مصلحین نے اپنے افکار کا نقطہ آغاز قرار دیا اور اسی کے عقائد و تعبیرات کو منوانے اور ان کی تصحیح یا تردید کرنے میں اپنی کوششوں کو محدود کر دیا۔

شنکر یہ بات ثابت کرنا چاہتا تھا کہ ہندوؤں کے تمام مذہبی صحیفے ایک ہی تعلیم دیتے ہیں اور نظریات میں اختلاف محض غلط فہمی اور صحیح بصیرت کی کمی کی وجہ سے ہے۔ شنکر کے نزدیک عقیدۂ توحید وجودی ہندو مذہبیات کا طرۂ امتیاز نہ تھا۔ ایسی وجودی توحید جو اٹل' مطلق اور مثالی ہو۔ اس کے بزدیک ہندو مذہبی تعلیمات میں خدا ایک ہی ہے کوئی دوسرا نہیں۔ حق صرف خدا ہے باقی سب باطل۔ وہ وجودِ محض اور عقلِ محض ہے۔ وہ صفات سے منزہ ہے' علیم و حکیم نہیں بلکہ ماورائے علم و فکر ہے۔ دنیا محض ایک مدرک بالحواس مظہر ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں اور یہ باطل سے نکلی ہے۔ باطل یعنی مایہ نے اپنی خود تغیری سے افراد کو جنم دیا اور یہ پوری کائنات ان ہی افراد سے مرکب ہے۔ افراد کی کثرت محض ظاہری ہے حقیقت میں وہ سب ایک ہی ہیں۔ ذی حس موجودات کی کثرت بھی ایک دھوکا ہے۔ نفس انسانی قطعی طور پر خدا سے مماثل ہے۔ اس کی انفرادیت مایا ہے اور اس کی حقیقت براہمن۔ انسان کو اپنے جہل کی بدولت خدا سے اپنی مماثلت کا احساس نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ اس مدرک بالحواس دنیا میں جو محض ایک تخلیق باطل ہے ایک حقیر وجود کے طور پر زندہ رہتا ہے۔ شنکر نے مظاہر کی اس دنیا

Marfat.com

کے مالک ایک خدا کا نظریہ پیش کیا اور اس کا نام ایشور رکھا۔ اس کے نزدیک ایشور تمام صفاتِ حسنہ سے متصف ہے۔ وہی خالق ہے جو مختلف دائروں میں دنیا کو بناتا اور بگاڑتا رہتا ہے۔ انسانی روح سزا و جزا اور اس کے فضل و رحمت کے لیے اس سے لو لگاتی ہے اور اسی کی معرفت اپنے لیے خیر حاصل کرتی ہے۔

شنکر نے جس طرح دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ایک حقیقی اور دوسری مجازی اسی طرح اس نے علم کے بھی دو حصے کیے۔ ایک علوی جس سے جہلِ انسانی دور ہوتا اور برہمن مطلق کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور دوسرا سفلی جس کے ذریعے انسان ایشور کے فضل و کرم سے مستفید ہوتا ہے۔ لیکن اس علم سفلی اور اس ایشور کا تعلق مظاہر کی اس دنیا تک محدود ہے۔ حقیقی نجات تو ان دونوں سے بالاتر رہ کر حقیقت تک پہنچنے سے ہوتی ہے۔ روح کے سوا حصول علم کے باقی تمام ذرائع' ذہن و عقل وغیرہ' چونکہ مایا کی پیداوار ہیں اس لیے اس وقت تک انسان علم علوی حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ ذہنی کوشش و کاوش پر مکمل طور پر قابو پا کر اسے روک نہ لیا جائے اور ''حال'' کی کیفیت طاری نہ ہو جائے۔ یہی وہ موقع ہے جب روح کو برہمن کے ساتھ اپنی وحدت کا عرفان ہوتا ہے اور وہ مظاہر کی اس دنیا کے دھوکے سے نجات پا جاتی ہے۔

شنکر کی تعلیمات اگرچہ گوناگوں نقائص کی حامل ہیں اور ان کی بنیاد کافی حد تک قدیم ہندو عقائد پر ہی رکھی گئی ہے لیکن اس کے وجودی توحید کے نظریئے نے ہندوستان میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور یہ نظریہ اپنی عظمتِ فکر' وسعتِ علم اور وقعتِ فلسفہ کی وجہ سے نسل انسانی کے خیال پر چھا گیا۔

شنکر اس طریق علم کا زبردست حامی تھا اور ویدانت کی تشریح میں جو کچھ اس نے بیان کیا علماء اور فلاسفہ پر اس کا غیر معمولی اثر ہوا۔ جنوب' مغرب اور اسی طرح شمال میں ہندوؤں کی کثیر جماعتیں اس کی پیرو ہو گئیں لیکن ان میں چند ایسے علماء بھی پیدا ہوئے جنھوں نے شنکر کی تعلیم پر اعتراض کیے۔ رام نوج ان میں پیش پیش تھا۔

رام نوج: رام نوج جنوبی ہند کے صوبہ مدراس کے قرب و جوار میں 1016ء میں پیدا ہوا۔ وہ ایک برہمن کا بیٹا تھا۔ وہ اول یادو پرکاش کا چیلا بنا جو کانجی ورم میں رہتا اور شنکر اچاریہ کا معتقد تھا۔ اپنے گرو سے اختلاف کی بنا پر بعد میں وہ یون مونی کا چیلا بن گیا' یہ شخص بھی شنکر کی تعلیمات سے متاثر تھا۔ یون مونی کے مرنے کے بعد رام نوج اس گدی پر بیٹھا۔ اپنے گرو

Marfat.com

کی ہدایت کے مطابق اس نے مقدس ہندو کتابوں کی شرحیں لکھیں۔

مصنف بننے سے قبل رام نوج سنیاسی رہ چکا تھا۔ گرو کی مسند پر بیٹھنے کے بعد اس نے اپنے چیلوں کے ساتھ ہندوستان کی سیاحت کا پروگرام بنایا اور کشمیر تک پہنچ کر اپنی مستقل جائے قیام پر لوٹ آیا۔ رام نوج کی تعلیم کا مقصد شنکر کے نظریہ توحیدی، وجودی اور مایا کی تردید کرنا اور فلسفہ ویدانت میں رہ کر مذہب بھگتی کی اشاعت کرنا تھا۔

رام نوج کے نزدیک برہمن وہ تنہا حقیقت اعلیٰ ہے جو ذات وصفات دونوں اعتبار سے غیر متجاوز عظمت کی مالک ہے۔ وہ سب کا مالک ہے' وہ سب کا مالک یعنی ایشور ہے' اسے وہ پرشوتم کا نام دیتا ہے۔ اس لیے وہ سب سے ارفع اور پوری کائنات میں جاری وساری ہے، وہ نقائص سے مبرا اور لاتعداد صفات سے متصف ہے، وہ لامحدود طاقت کا مالک اور تعمیر وتخریب اور حفاظت کا خدا ہے، وہ عدم سے کسی کو پیدا نہیں کرتا کیونکہ عدم محض سے تخلیق ناقابل فہم ہے۔ اس کی تخلیق ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہو جانے کا نام ہے۔ گویا وجود کرما سے گریا کی طرف آجاتا ہے۔ اوّل اول ایشور تنہا اور قائم بالذات تھا پھر اس سے ارواح اور مادے کا ظہور ہوا جس سے اس کا جسم تشکیل پذیر ہوا۔ روح اور مادہ حقیقی چیزیں ہیں لیکن ایشور ان کے تابع نہیں بلکہ یہ ایشور کے تابع ہیں اور اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لیے اس کے محتاج۔ ہر ایک دائرہ تخلیق کے بعد دنیا تحلیل کر دی جاتی ہے۔ مادہ غلیظ مادہ لطیف میں بدل جاتا ہے حتی کہ صرف وہ مادہ رہ جاتا ہے جسے ورائے لطافت مادہ کہا جاتا ہے۔ یہ اتنا لطیف ہوتا ہے کہ اس کا کوئی نام نہیں رکھا جاسکتا۔ گویا وہ غیر موجود ہے اور اس حالت میں وہ ''براہمن بلاشرکت غیر'' ہے۔

رام نوج نے اعلیٰ ذاتوں کی قدیم مراعات کو برقرار رکھا۔ البتہ اس نے اچھوتوں کے لیے کچھ مراعات کا اہتمام بھی کیا اور کہا کچھ مندر ایسے بھی ہونے چاہئیں جہاں معینہ دن اچھوت بھی جاسکیں۔

پراپتی کے متعلق اس کی تعلیمات نے اس کے پیروؤں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا' ایک شاخ کا نام ''دواگالائے'' کا یہ عقیدہ تھا کہ نجات کا دارومدار صرف فضل ربی پر نہیں بلکہ انسان کے اپنے اعمال پر ہے۔ دوسری شاخ ''تنگالائے'' فضلِ ایزدی کو واجب سمجھتی تھی۔

ہندو مذہب میں جن نئی نئی تحریکوں نے جنم لیا ان میں سے اکثر وبیشتر اسلام سے متاثر

Marfat.com

معلوم ہوتی ہیں۔ ابتدا میں ہندو مذہب پر اسلام کا اثر بالواسطہ اور جستہ جستہ ہوا اور ہندو مذہب میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ وہ اسلامی علوم کے نتیجے کے طور پر تھیں بلکہ یہ تبدیلیاں مذہبی درویشوں کی زبانی تعلیمات' ان کے عمل اور اخلاق کا نتیجہ تھیں۔ سواحل ہند پر جہاں بڑے بڑے ہندو گروا تھے' مسلمان بڑی کثرت سے آباد تھے۔ مسلمانوں نے ان علاقوں کے باشندوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے زبردست اخلاقی قوت کا مظاہرہ کیا۔ نیز عوام سے رابطہ کے لیے ویسے بھی انھیں قابل احترام حیثیت حاصل تھی۔

جنوبی ہند میں شنکر اور اس کے جانشینوں نے جن تصورات کو ترقی دی۔ ان کے اور اسلامی تعلیمات وتصوف کے درمیان خاصی مماثلت موجود ہے۔ جب اسلام جیسا قطعی توحیدی مذہب ظاہر ہوا تو شنکر کے عقیدہ توحید وجودی میں ایک نئی جان پڑ گئی۔ شنکر کی ولادت غالباً اس زمانے میں ہوئی جب مسلمانوں نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں شروع کی ہی تھیں۔ اس کی نشو ونما اس علاقے میں ہوئی جہاں عرب اور خلیج فارس کے علاقوں کے تاجر اکثر آیا کرتے تھے اور یوں اس کے گردوپیش وہ آواز گونج رہی تھی جس نے جاہلی عرب کے باشندوں کی کایا ایک لخت پلٹ دی تھی۔ شنکر کا متشددانہ عقیدہ توحید غالباً اسی آواز کی صدائے بازگشت تھی۔ شنکر کے جانشین رام نوج ' وشنوسوامی' مادھو وغیرہ نظریات اور مذہبی انداز فکر کے اعتبار سے اسلام سے قریبی مطابقت رکھتے ہیں۔ رام نوج کے زمانے میں ساحل کورومنڈل کی بندرگاہوں پر مسلمان رہتے تھے اور ان میں ایسے بزرگ موجود تھے جو اسلام کی تبلیغ کر کے لوگوں کو اسلام کے حلقہ بگوش بنا رہے تھے۔ چنانچہ رام نوج کا فلسفہ خدائے واحد کو مع اس کی صفات و حسنہ کے تسلیم کرنا ایمان اور والہانہ عقیدت کے ساتھ اس کی عبادت کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جن جماعتوں کو مذہب سے اب تک علیحدہ رکھا گیا ہے۔ ان کے لیے مذہب کے دروازے کھول دیئے جائیں۔ اس کے فلسفے میں صرف عبد ومعبود کے درمیان ہی نہیں بلکہ انسان اور انسان کے درمیان بھی محبت کارفرما ہے۔ یہ باتیں ایسی ہیں جو اسلام سے ملتی جلتی ہیں اور عین ممکن ہے کہ یہ سب ہندو ذہن پر اسلامی اثرات کا نتیجہ ہوں۔

جنوبی ہند میں دو اور ایسے فرقوں کا ذکر ازبس ضروری معلوم ہوتا ہے جن پر مذکورہ بالا فرقوں سے کہیں بڑھ کر اسلامی اثرات نمایاں ہیں' وہ فرقے یہ ہیں:

1: لنگایت

Marfat.com

2: سدھار

لنگایت: لنگایتی غالباً قدیم شیوفرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ عقیدہ بارھویں صدی عیسوی میں نمودار ہوا۔ اس عقیدے کا فروغ کس طرح ہوا؟ یا اس عقیدے کے علمبردار کون لوگ تھے؟ حتمی طور پر اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ لگایتیوں میں دو مشہور ہستیاں گزری ہیں وہ بساوَ اور چنا بساوَ کی ہیں۔ بساوَ اس فرقے کا حامی اور پرجوش مبلغ تھا وہ کلاچوری راجا بجال کا وزیر تھا جو کلیان کا حکمران تھا۔ راجہ بجال کی سلطنت میں جینیوں اور برہمنوں کا اثر نہایت قوی تھا۔ بساوَ ان دونوں کا دشمن تھا۔ اس صورت میں مذہبی کشمکش کا ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ بجال اور بساوَ دونوں اس کی بھینٹ چڑھ گئے۔ بساوَ کے بعد اس کے بھتیجے چناوَ بساوَ نے اپنے چچا کے مرنے کے بعد اس تحریک کو سہارا دیا۔

لنگایتی خدائے واحد کے پرستار ہیں۔ ان کے مذہب میں ریگہ ہے نہ قبرت، نہ یوہارا اور نہ یاترا۔ ان کے ہاں ذات پات کا بھی کوئی جھگڑا نہیں۔ جنسی اور نسلی اختلافات کی ان کے ہاں کوئی حقیقت نہیں۔ جو انسان پرماتما کی جس حد تک عبادت کرتا ہے وہ اسی نسبت سے مقدس ہے۔ ان کے ہاں نکاح لڑکے اور لڑکی کی مرضی پر موقوف ہے' شادی سے قبل دلہن کی اجازت ضروری ہے۔ نابالغ کی شادی کو مستحسن خیال نہیں کیا جاتا۔ طلاق کی اجازت ہے۔ بیواؤں کو قابلِ احترام سمجھا جاتا ہے اور انھیں دوبارہ شادی کی اجازت ہے۔ مردے کو جلایا نہیں جاتا بلکہ اسے نہ صرف دفن کیا جاتا ہے بلکہ غسل بھی دیا جاتا ہے۔ یہ لوگ تناسخ ارواح کے عقیدے کو بھی نہیں مانتے۔ لنگایتی اپنے کردار میں عباد' زاہد اور جنگجو ہوتے ہیں اور خاص طور پر کناری اور تلنگو میں پائے جاتے ہیں۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ مسلمان پہلے پہلے ہندوستان کے جنوبی سواحل پر اترے اور رفتہ رفتہ وہیں آباد ہوتے چلے گئے۔ اسلام چونکہ بنیادی طور پر ایک تبلیغی مذہب ہے اور ہر مسلمان اس کا مبلغ۔ اس لیے یہی معلوم ہوتا ہے کہ لنگایت مت نے بہت حد تک اسلامی اعتقادات کے زیر اثر جنم لیا۔ اس مذہب کے معتقدات و رسومات کی انقلاب انگیز خصوصیات کی توجیہہ کے لیے اور کوئی مفروضہ کافی نظر نہیں آتا۔ تناسخ ارواح جیسے راسخ ہندو عقیدے، ارتھی جلانے اور میت کی تطہیر جیسے عقائد کا ترک' ذات پات اور جنس کی تفریق سے احتراز وغیرہ ایسی باتیں ہیں جو بہ اعتبار اصل مسلم ہیں اور اپنے منبع کی واضح طور پر نشاندہی کرتی ہیں۔

Marfat.com

سدھارولوگ: یوگی بھی تھے اور طبیب وکیمیا گر بھی۔ لیکن اب اس مکتبہ فکر کے لوگ ناپید ہیں۔ ان کے نشانات صفحہ ہستی سے مٹ چکے ہیں۔ ان کی تحریروں میں تحریف کرلی گئی ہے۔ اس لیے ان کے عہد کا تعین مشکل ہے۔ اتنا کچھ ضرور ہے کہ سدھارولوگ برہمنوں کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ اپنی تحریروں میں برہمنوں کا مذاق اڑاتے۔ ان کے آسمانی دستور، مذہبی رسومات اور مقدس صحائف سے نفرت کا اظہار کرتے۔ وہ توحید پرست یوگی تھے اور شیو کے پجاری۔ مگر شیومت سے انھوں نے ہر اس نظریئے کو رد کردیا تھا جو خالص خداپرستی سے مطابقت نہ رکھتا تھا۔ اس نور ازلی تک رسائی اور اس کی معرفت ان کے اخلاقی نظام کا بلندترین مقصد تھا۔ جسے وہ ''پران جوتی''، ''پرولی'' یا ''وتاولی کہتے تھے۔

سدھارلوگ ایک خدا' ایک ''ست گرو'' (سچے معلم) اور تمام انسانوں کے لیے ایک مسلک پر ایمان رکھتے ہیں۔ آواگون کے منکر تھے۔ ہندوؤں کے مقدس صحائف کو مستند تسلیم نہ کرتے تھے۔ وہ متشدد توحید پرست تھے۔ نہ ویدوں کو پڑھتے اور نہ شاستروں کو اور نہ ہی مشرکانہ رسوم ادا کرتے۔ عقیدہ تناسخ ارواح کو انھوں نے رد کردیا تھا۔

شمالی ہند کے ہندو مصلحین اور اسلام کا ان پر اثر:

آٹھویں صدی وعیسوی میں بلوچستان اور سندھ مسلمانوں کی عملداری میں آگئے تھے۔ لیکن وہ سندھ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ مرکز سے بہت دور تھے اور وہاں سے ہدایات لینے میں انھیں گوناگوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ تقریباً تین صدیوں تک مسلمان ہندوستان کے باقی ماندہ حصوں پر سندھ و بلوچستان کی طرف سے حملہ آور نہ ہوسکے حتی کہ سبکتگین اور محمود غزنوی نے اپنی یورشوں کا رخ شمالی ہندوستان کی طرف پھیر دیا جس کے نتیجے میں ہندو سلطنت پنجاب سے ناپید ہوگئی۔ لیکن باقی حالات بدستور رہے کیونکہ غزنوی ہندوستان میں کوئی مستقل حکومت قائم نہ کرنا چاہتے تھے۔ ایک صدی اور گزر گئی اب غوری ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے بعد مغلوں نے تیرھویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہی شمالی ہند کو پوری طرح زیرنگیں کرلیا۔ ربع صدی کے اندر اندر اسلامی عساکر پنجاب سے آسام اور کشمیر سے وندھیاچل تک پورے ملک پر چھاگئے۔ ایک سو سال اور گزرے تھے کہ ہندوستان میسور تک ان کے قبضے میں آگیا۔

Marfat.com

مسلمانوں کی فتح نے ہندوستانی تمدن کے ارتقا پر زبردست اثر ڈالا۔ ہندومت بھی اس سے خوفناک حدتک متاثر ہوا کیونکہ اب پجاریوں اور پنڈتوں کی سرپرستی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ جس طرح مغلوب اقوام غالب قوم کا اثر قبول کرلیتی ہیں بالکل اسی طرح ہندوؤں نے بھی اسلامی آداب واطوار کا اثر قبول کرنا شروع کردیا اور جن اسلامی عقائد کا اثر جنوبی ہندو نے اول اول قبول کیا تھا اس کا نفوذ بتدریج شمالی ہند میں بھی ہونے لگا۔ جس کے نتیجے میں چند ایسے بااثر ہندو مصلح پیدا ہوئے جن کی تعلیمات پر اسلام کی چھاپ تھی۔ ان میں زیادہ مشہور رامانند' کبیر اور گرونانک ہیں۔

رامانند اور کبیر: شمالی اور جنوبی ہند کی بھگتی تحریک کے درمیان رامانند ایک واسطے کی حیثیت رکھتا ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق اس کا عہد غالباً چودھویں صدی عیسوی کے اواخر اور پندرھویں صدی عیسوی کے اوائل کا ہے۔ ایک خیال یہ ہے کہ رامانند رام نوج کے بعد روحانی سلسلے کی چوتھی کڑی ہے۔ پہلا گرو دیواچاریہ تھا، دوسرا گروہریانند' تیسرا گھومانند اور چوتھا رامانند۔

ایک دوسرے خیال کے مطابق رام نوج کے بعد رامانند روحانی سلسلے کی بائیسویں کڑی ہے اور یہی خیال درست ہے کہ کیونکہ اگر رام نوج کی تاریخ وفات 1137ء تسلیم کرلی جائے اور رامانند سے قبل بیس یا اکیس گرو گزر چکے تھے تو گمان اغلب یہی ہے کہ رامانند چودھویں صدی عیسوی کے اواخر میں پیدا ہوا۔

رامانند پریاگ (الہ آباد) کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوا۔ اس نے کچھ تعلیم پریاگ میں ہی حاصل کی اور کچھ بنارس میں۔ اس کا پہلا گرو ایک ویدانتی تھا جو توحیدی مکتبہ خیال سے تعلق رکھتا تھا مگر بعد میں وہ راگھوانند کا چیلا بن گیا۔ وہ ایک آزاد خیال انسان تھا۔ وہ ملک بھر میں گھوما جس نے اسے وسیع النظری کی صفت سے متصف کردیا۔ اس سیاحت کے دوران اس کی ملاقات مسلمان علماء سے بھی ہوئی۔

رامانند نے اپنے پرانے مقاصد کو علی الاعلان ترک کردیا اور وشنو کی جگہ راما کی پرستش کو رائج کیا۔ اس نے چاروں ذاتوں کو بلاامتیاز بھگتی کی تعلیم دی۔ اس نے اپنے نئے فرقے میں ہر ذات کے لوگوں کو شامل کیا۔

رامانند کی تعلیم نے مذہبی فکر کے دو مشہور مکاتب کو جنم دیا۔ ایک قدامت پسند اور دوسرا جدت پسند۔ پہلا مکتب خیال تو قدیم اعتقادات کا پرستار رہا اور عقائد ورسومات میں نہایت ہلکی

Marfat.com

قسم کی تبدیلیاں کیں۔ دوسرے مکتبہ فکر نے زیادہ آزادروش اختیار کی اور ایک ایسے مذہب کی بنیاد ڈالنے کی کوشش کی جو مختلف مذاہب کے لوگوں بالخصوص ہندو مسلمانوں کے لیے قابل قبول ہو۔ پہلے مکتب خیال میں تلسی داس کا نام سرفہرست ہے اور دوسرے مکتبہ فکر میں سرفہرست کبیر ہے۔ ہندوستان کے دوروسطی میں یہ دونوں شخصیتیں اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ تلسی داس رام کی بھگتی کا رشی گویا تھا۔ چونکہ اس کی تعلیمات کا جائے مضمون سے کوئی تعلق نہیں تھا اس لیے ہم اسے نظرانداز کرتے ہیں۔

کبیر: کبیر ایک دوسرے ہی نظام کا علمبردار ہے۔ اس نے اسرارِ حیات کا بغور مطالعہ کیا اور نورلم یزل کا جلوہ دیکھا۔ وہ عالم ماوراء سے فرد اور سماج کے لیے ایک نیا پیغام لایا۔ اس نے ذاتی تجربے پر ایمان کی بنیاد رکھی۔ اس نے ایک ایسے مستقبل کا خواب دیکھا جو تمام کدورتوں، ن راستیوں اور بدھورتیوں سے پاک ہو۔ اس نے مسلمہ عقائد کو بلا جھجک جھٹک دیا کیونکہ مذہبی معاملات میں مناقشات اور ریاکارانہ دین داری کو برداشت نہ کرسکتا تھا۔ وہ گوشہ نشین تیاگی نہ تھا کہ ناامید ہوکر دنیا کو خیرباد کہہ دیتا۔ وہ دنیا کی اخلاقی جدوجہد میں شمشیر بدست صداقت کی فتح کے لیے جہاد کرنے کا قائل تھا۔ اس نے ہندو مسلم اتحاد کا بیڑا اٹھایا اور مذہب انسانیت کا پیغام دیتے ہوئے یہ درس دیا کہ اور خدا نے بھی مجموعی طور پر تمام نسل انسانی میں اپنی جلوہ گری کی ہے۔

کبیر کی زندگی پر تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ مختلف اہلِ قسم اس کی پیدائش اور اس کی وفات کے بارے میں مختلف اندازے لگاتے ہیں۔ بہرحال اتنی بات ضرور پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ کبیر رامانند کا ہم عصر اور اس کا چیلا تھا۔ وہ ایک برہمن بیوہ کا لڑکا تھا جو سماج سے اپنا شرمناک فعل چھپانے کے لیے کبیر کو بنارس میں ایک تالاب کے کنارے چھوڑ گئی۔ اتفاقاً اسے بافندوں کے ایک مسلمان میاں بیوی نے دیکھ لیا اور اسے اپنا متبنی بنالیا۔ کبیر نے اپنا بچپن کا زمانہ ان ہی غریب مسلمان ماں باپ کے گھر گزارا اور ان ہی کا پیشہ اختیار کرلیا کیونکہ وہ اس قابل نہ تھے کہ اسے باقاعدہ تعلیم دلوا سکتے۔ بنارس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان رہتے ہوئے اس کے متجسس ذہن نے دونوں مذاہب سے واقفیت حاصل کرلی۔ کبیر بچپن سے ہی بڑا غیر متعصب تھا۔ اس نے روحانی راہنما کی تلاش میں بہترین ہندو اور مسلمان لوگوں سے ملاقات کی لیکن اسے وہ مطلوب نہ مل سکا جس کی اسے تلاش تھی۔ حتی کہ وہ یونہی گھومتا پھرتا

Marfat.com

ایک نہایت ہی ذہین ہندو بوڑھے رامانند سے ملا جو اس کی ذہنی و مذہبی بیداری کا سبب بن گیا۔ چنانچہ رامانند نے ہندو فلسفے اور مختلف ہندو مذاہب سے کبیر کی تعلیم کا آغاز کیا۔ وہ زیادہ عرصہ اپنے گرو کے پاس نہیں ٹھہرا بلکہ جلد ہی وہ سنیاسیوں اور رشیوں سے ملتا ہوا جگہ جگہ گھومتا پھرا۔

کبیر نے اپنے پیران طریقت سے جو تعلیم حاصل کی تھی وہ زبانی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کتابوں کو پڑھنا نہیں جانتا تھا۔ بہرحال اپنا عہد تلمیذ ختم کرنے کے بعد وہ بنارس میں ایک گرو کی حیثیت سے مقیم ہوگیا۔ اس کی تعلیم کو بھی دستور زمانہ کے موافق' نامساعد اور مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ ابتدا میں اسے بڑے تلخ اور طویل مباحثوں سے دوچار ہونا پڑا اور پھر ایذا رسانیوں کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ حکومت کی نظروں میں اسے مجرم ثابت کرنے کی کوشش کی گئی حتی کہ اسے جلاوطن کر دیا گیا۔ وہ جلد ہی بنارس لوٹ آیا اور پھر اسے کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ کبیر ایک سیدھا سادہ گرہست انسان تھا۔ اس نے لوئی نامی ایک لڑکی سے شادی کرلی تھی جس سے اس کے ہاں ایک لڑکا کمال اور ایک لڑکی کمالی پیدا ہوئے۔ اس نے جولاہے کا ہی پیشہ اختیار کیے رکھا اور کھڈی کے پاس بیٹھا اپنے چیلوں کو ہدایات دیتا رہا۔

کبیر نے ذات پات کے امتیازات کو تسلیم نہیں کیا۔ نہ وہ ہندو فلسفے کا قائل تھا اور نہ ہی برہمنوں کی طرح زندگی کو چار ادوار میں تقسیم کرتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ بھگتی کے بغیر کوئی مذہب ہی نہیں۔ تیاگ' برت اور دان کی کوئی حیثیت نہیں اگر ان کے ساتھ بھجن نہ ہوں۔ اس کی تعلیم ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لیے تھی اور ان میں سے کسی کو دوسرے پر ترجیح نہ دیتا تھا بلکہ وہ ایسی تعلیم کا پرچار کرتا تھا جسے دونوں مذاہب قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ ایک ایسے مذہب کا علمبردار تھا جو جملہ مذاہب اور عوام کو ایک ہی لڑی میں پرودے۔ اس کا طریق کار یہ تھا کہ وہ دونوں مذاہب کے مشترک عناصر اور باہمی مشابہتوں کا انتخاب کرتا اور ان کی تبلیغ کے لیے سنسکرت اور فارسی مصطلحات استعمال کرتا۔ وہ مذہب کی باطنی خوبیوں کی قدر کرتا تھا۔ اس لیے اس نے ظاہر رسوم کو رد کر دیا۔ اس کا کہنا تھا:

1: ''میں خدائے مطلق کا بندہ ہوں اور اس کے پرستاروں کو نجات دلانے آیا ہوں۔ میں نے اپنے زبانی اقوال کے ذریعے دنیا کو وہ تعلیم دی جس پر مہر صداقت ثبت ہے۔ دنیا گرفتار مصیبت تھی، تمام انسان موت وزیست کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، کسی کو دار عقبیٰ کا سراغ نہ ملا تھا، ان حالات میں قادر مطلق نے مجھے اس لیے بھیجا کہ میں دکھادوں کہ

Marfat.com

اول کیا ہے اور آخر کیا ہے؟''

2: ''میں کلمۂ حق کا پرچار کرنے دنیا میں آیا ہوں۔ میں نے گھر گھر جا کر یہ کلمہ سنا دیا ہے جو لوگ میرے پیغام کی طرف توجہ نہ دیں گے۔ یقیناً وہ بحرِ وجود کی چوراسی لاکھ موجوں کے درمیان ڈوب جائیں گے۔ بیدار گرو کبیر کہتا ہے کہ یہ قادر مطلق کا فرمان ہے۔''

3: جو لوگ میری تعلیمات کو بغور نہ سنیں گے وہ یم (ہلاک) کے دروازوں کی طرف جائیں گے مگر جو لوگ اس کی طرف توجہ دیں گے وہ میرے مسکن (نجات) کی طرف آئیں گے۔

ایسی ہی تعلیمات کی وجہ سے کبیر کے ایک چیلے دھرم داس نے اسے خدا کا اوتار قرار دیا۔ کبیر نے اپنی تعلیمات میں جو انداز بیان اختیار کیا اس کی صورت گری غالباً صوفی اولیاء شعرا نے کی۔ ہندی زبان میں اس سے قبل یا اس کے زمانہ میں ایسا کوئی شخص نہ تھا جس کی وہ پیروی کرتا۔ البتہ مسلمانوں میں ایسے لوگ موجود تھے جو اس کے لیے نمونہ بن سکتے تھے۔ مثلاً فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کا پندنامہ اس کے علاوہ اس کی تعلیمات سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بھی ضرور سنا ہوگا کیونکہ اس کے کلام میں ایسے صوفی شعرا کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ وہ متعدد مرتبہ اپنے کلام میں شراب' ساغر عشق' عاشق و معشوق' گل و گلستان' روحانی مسلک اس کے احوال و مقامات' مشکلات' مسافر' منزل جیسی اصطلاحات کا استعمال کرتا ہے۔ اس کے کلام میں دوسو سے زائد عربی اور فارسی الفاظ پائے جاتے ہیں جن کے تجزیئے سے پتہ چلتا ہے کہ صوفیانہ اعتقادات کا کبیر پر کتنا گہرا اثر تھا کبیر پر اسلامی اثرات کا سب سے بڑا ثبوت اس کی تعلیمات ہیں۔

کبیر کوئی باقاعدہ فلسفی نہ تھا بلکہ ایک صوفی شاعر تھا۔ اس نے مختلف طور پر نظموں کا ایک وسیع ذخیرہ چھوڑا۔ وہ خود لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ جب اس کی تعلیمات کی تدوین ہوئی تو اس میں اضافے ہوگئے ہوں۔ بنابریں یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کے اقوال ہر جگہ واضح نہیں اور اس کے خیالات کا تجزیہ بڑا مشکل ہے۔ تاہم اس کے تصورات کا بنیادی اصول خدا کو پکارنا ہے۔ مثلاً رام' ہری' گووند' برہم' ہمر' سائیں' ست پروش' اللہ' خدا لیکن ان سب میں ''صاحب'' اسے زیادہ محبوب تھا۔ کبیر کا الوہی تصور حد درجہ عمیق ہے۔ اس

Marfat.com

کے ہاں خدا ماوراء اور بے حد محدود ہے۔ غیر مشخص بھی ہے اور مشخص بھی۔ واجب بھی ہے اور مطلق بھی۔ متصف بھی ہے اور غیر متصف بھی۔ غیر وجودی بھی ہے اور وجودی بھی۔ آگاہ بھی ہے اور بے خبر بھی۔ نہ ظاہر ہے نہ باطن' نہ ایک ہے اور نہ دو وغیرہ وغیرہ۔ خدا کی ماہیت کو بیان نہ کر سکنے کی اسی دشواری نے بے ساختہ طور پر اسے یہ کہنے پر ابھارا:

''آہ! میں اس راز کو کس طرح افشا کروں؟ یہ کس طرح کہوں کہ وہ ذات پاک ایسی نہیں ہے' ویسی ہے' ہاں' ہاں اس کی ہستی کو بیان کرنے کے لیے الفاظ ہی نہیں۔''

خدا کے بارے میں ایک اور جگہ پر وہ کہتا ہے:

''ہر دل میں موجود ہے' ہر ایک ظرف میں اس کی جلوہ گری ہے۔''

لیکن اکثر وہ اس پر زور دیتا ہے کہ ذات خدا ''نور'' ہے۔ اس معاملے میں وہ متصوفہ کا مرہونِ منت ہے۔ اس نور واحد کو دیکھو جس نے سمندروں کو بھر دیا ہے جو تمام مخلوقات میں پھیلا ہوا ہے۔''

اور

''ہاں تمام موجودات تیرے نور سے معمور ہیں۔''

نیز

''تیرا اوڑھنا نور ہے۔ تیرا بچھونا نور ہے۔ تیرا تکیہ نور ہے۔ اے رشی بھائیو' سنو! ہادی برحق (خدا) نور کامل ہے۔''

تخلیق عالم کے بارے میں کبیر کے بیانات میں اختلاف ہے' ان میں سے بہت سے بیانات تو ہندوؤں کے قدیم نظریاتِ تخلیق پر مبنی ہیں اور بعض بیانات بظاہر اسلام سے متاثر معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ اتنے الجھے ہوئے ہیں کہ ان کا ٹھیک ٹھیک بیان ذرا مشکل ہے۔

کبیر نے حصول مقصد کے لیے گرو کا انتخاب انتہائی ضروری قرار دیا۔ کبیر کے پنتھ میں گرو کی وہی حیثیت ہے جو کسی سلسلہ طریقت میں مرشد کی۔ بلکہ کبیر گرو کو خدا سے بھی افضل قرار دیتا ہے اور کہتا ہے:

1: ''گرو کو گووند (خدا) سمجھ۔''

2: ''اگر ہری (خدا) ناراض ہو جائے تب بھی کچھ سبیل ہے لیکن اگر گرو ناراض ہو جائے تو پھر کوئی سبیل نہیں۔''

Marfat.com

اس لیے ضرروی ہے کہ گرو کے انتخاب میں انتہائی بالغ نظری سے کام لیا جائے اس لیے کہ:

''گرو کو صیقل گر ہونا چاہیے جو ذہن کو جلادے اور دماغ ہائے سینہ کو دھو کر آئینہ بنا دے۔''

کبیر نے خواہشات و جذبات پر قابو پانے اور واصل باللہ ہونے کے لیے وہی طریقے اختیار کیے جو مسلمان صوفیا کا طرۂ امتیاز تھے۔ اس نے اپنے پیروؤں کو بھی ان ہی طریقوں کے اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ ذکر و فکر میں فنا ہو جانے اور دل کے برے میلانات کو دور کر دینے میں اس نے بھی نجات کا راستہ ڈھونڈا اور خودی کو مٹا دینے کے لیے وہی راہ اختیار کی جو اسلامی تصوف کی راہ تھی۔ اسی لیے کبیر ہندو دھرم کے برعکس ستیاس کا قائل نہ تھا۔ اس کا کہنا یہ تھا:

''اے شیو! میں تو اس شخص کو چاہتا ہوں جو اپنے ہی گھر میں خود فراموش ہو' یوگ (Meditation) اور بھوگ (Pleasure) تو خانگی زندگی ہی میں میسر آسکتے ہیں۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ گھر کو خیر باد کہہ کر جنگل میں عزلت گزیں ہوا جائے۔''

غرض یہ کہ کبیر نے ہندومت ہی اختیار کیا اور نہ اسلام بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک نئی راہ تلاش کی۔ اس نے اسلام اور ہندومت کے امتزاج کی اولیں کوشش کی اور ہوسکتا ہے کہ ہندوستان کے عظیم مغل بادشاہ شہنشاہ اکبر کا دین الٰہی بھی کبیر کے مذہب کی ہی صدائے بازگشت ہو۔

کبیر نے اپنی متصوفانہ نظموں اور اقوال کا جو مجموعہ چھوڑا وہ بیجک کے نام سے موسوم ہے اور بنارس میں بمقام کبیر چورا کبیر پستھیو کے دارالتبلیغ میں اکیس کتابوں پر مشتمل ہے۔

گورونانک: گورونانک کی ولادت پنجاب میں 1469ء کے لگ بھگ لاہور کے قریب مقام تلونڈی' مہتا کالو چند نامی ایک شخص کے گھر ہوئی۔ پنجاب اس دور میں اس شاہراہ پر واقع تھا جہاں سے عساکر اسلامی نے گزر کر ہندی تمدن کو متاثر کیا۔ یہ صوبہ پندرھویں صدی عیسوی تک مسلمانوں کے زیر اقتدار رہا۔ اس کے شہر مسلم اولیاء اور فقراء سے بھرے پڑے تھے۔ پانی پت' سرہند' پاک پتن' ملتان' اچ وہ مقامات ہیں جو مشہور زمانہ مشائخ و اولیاء کا مسکن رہے۔ نانک نے ایسے ماحول میں جنم لیا جب ان مشائخ کی نیک سیرت، زُہد و تقویٰ اور اطاعت الٰہی زبان زد خاص و عام تھی۔ سات برس کی عمر میں نانک کو ہندی سیکھنے کے لیے بٹھایا گیا۔ دو سال

Marfat.com

بعد سنسکرت کی تعلیم کا آغاز ہوااور کچھ ہی عرصے بعد مولانا قطب الدین کے ہاں فارسی پڑھنے کے لیے بھیجا گیا۔ نانک نے اپنے ان اساتذہ سے کتنا اثر قبول کیا اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ اس بچے کی پیشی بینی اور حیرت انگیز ذکاوت کے متعلق مختلف حکایات ضرور مشہور ہیں۔ نانک کو اس تعلیم کا یہ فائدہ ہوا کہ اس نے ہندی، سنسکرت اور فارسی میں معتدبہ مہارت حاصل کرلی۔ نانک چونکہ ایک کھتری خاندان میں پیدا ہوا تھا اس لیے ہوسکتا ہے کہ نانک نے رامانند اور کبیر کی تعلیمات کا بھی مطالعہ کیا ہو اور اسی مطالعے نے اس کے مستقبل کی راہ کو متعین کردیا ہو۔

نانک کی شادی 19 برس کی عمر میں ہوئی جس کے بعد اس کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے۔ سری چندر جس نے بعد میں اداسی فرقے کی بنیاد رکھی۔ تیس سال کی عمر میں نانک نے گھربار کو چھوڑ دیا اور دو اور شخصیتوں کے معیت میں مختلف علاقوں کا دورہ کیا۔ اس دورے کا مقصد اس دور کے اولیائے کرام سے ملنا اور روحانی تجربات حاصل کرنا تھا۔ مختلف روایتوں پر اگر کچھ بھی اعتبار کیا جاسکتا ہے تو نانک نے اپنی عمر کے بقیہ چالیس سال لنکا، فارس اور عرب کے تمام مقدس مقامات اور اہم شہروں کی سیاحت میں گزارے۔ کہا جاتا ہے کہ نانک نے شیخ شرف رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی، ملتان کے شیوخ، پاک پتن میں بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین شیخ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بہت سے صوفیائے عظام سے ملاقاتیں کیں۔ نانک جہاں کہیں گیا اس نے اپنے تصورات ونظریات کی برملا تبلیغ کی اور جو کچھ کہا اس پر عمل کرکے دکھایا۔ بالآخر یہ دورے ختم ہوئے اور نانک مالکِ حقیقی سے جاملا۔

نانک کا مقصدِ حیات ہندو مسلم اتحاد تھا۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ سماج کی ناہمواریوں کو ختم کرنے کا واحد علاج مذاہب کے باہمی نزاع کو ختم کرنا ہے۔ اس کا کہنا تھا:

''ایک باقی رہے اور دوسرا فنا ہوجائے تبھی چین سے رہنا ممکن ہے۔ مگر جب تک دونوں قائم رہتے ہیں جدوجہد اور کشمکش جاری رہے گی۔ جب دونوں (باہم متحد ہونے میں) ناکام ہوگئے تو خدا نے فرمان جاری کیا کہ چونکہ بہت سے مصلحین فرقان لے کر لوگوں کو متحد کرنے لیے گئے اور ناکام ہوگئے اس لیے اب تو دنیا میں جا، سب لوگ گمراہ ہوگئے ہیں انھیں صحیح راہ دکھا، تو دنیا میں جا اور ان سب کو اسی ایک نام کا وظیفہ بتا۔ نانک! تو فریقین کے لیے ثالث بن کر جا۔ دین حق قائم کر اور برائی کا قلع قمع کرے۔ دونوں میں سے جو بھی تیرے

Marfat.com

پاس آئے اسے خوش آمدید کہہ۔ خون ناحق نہ ہونے دے۔ غریبوں کی کفالت کراور یہ یادرکھ کہ خدا 84 لاکھ انواع مخلوقات پر محیط ہے۔"

نانک اپنے آپ کو خدا کا مبعوث کیا ہوا پیغمبر سمجھتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اس نے دربارالٰہی سے آیات' سورتیں اور احادیث حاصل کی ہیں اس نے یہ تعلیم دی:

"کائنات میں صرف ایک خدا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور نانک خلیفۃ اللہ تعلیم حق دیتا ہے۔"

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ نانک نے آنحضورﷺ کی حیات طیبہ کو اپنا اسوۂ حیات بنایا اور اس کی تعلیمات کو اسی رنگ میں رنگا ہوا ہونا چاہیے۔ نانک ان معنوں میں صوفی تھا کہ اسے خدا کی حضوری کا زندہ و پائندہ ادراک حاصل تھا۔ وہ کبیر کی طرح ایک بے خبر خیال پرست نہ تھا۔

نانک کا تصور مذہب انتہائی عملی اور اخلاقی تھا۔ اس کا خدا تمام مخلوقات و موجودات سے ماورا ہے۔ اس کے حضور میں لاکھوں رسول' برہم' وشنو' مہیش' رام ہزاروں انداز اور ہزاروں اطوار سے مدح سراہیں۔ وہ خدا نا قابل فہم' بے کراں' بے حدوحدود' مختارکل' لازوال اور قیوم ہے۔ اس کی کوئی ذات پات نہیں۔ نہ وہ پیدا ہوا ہے اور نہ اسے فنا ہے۔ وہ قائم بالذات ہے۔ وہ وراء الورا ہے اور تمام نور اسی کا ہے۔ تاہم نانک یہ تسلیم کرتا ہے کہ خدا سب پر محیط اور سب پر جلوہ گر ہے۔

"ہر جسم میں برہما نہاں ہے اور ہر ظرف میں نور ظہور اسی کا ہے۔"

اس کے نزدیک' عالی صورت سے منزہ (نرنکار) اور نور (نرنجسن) ہے۔ اسلامی تعلیمات کی طرح نانک نے بھی اپنے پیروؤں سے خدا کی کامل اطاعت کا ان الفاظ میں مطالبہ کیا ہے:

1: "نانک صرف ایک التجا کرتا ہے جسم و روح سب تیرے قبضہ قدرت میں ہیں۔ تو ہی دور ہے تو ہی نزدیک اور تو ہی راہ کے درمیان اور تو ہی سمیع و بصیر ہے۔ تو نے اپنی قدرت کاملہ سے کائنات کو تخلیق کیا۔ نانک کہتا ہے کہ جو حکم بھی تو دے وہ قابلِ قبول ہے۔"

2: "جو کچھ خدا کرتا ہے جان لو کہ وہ تمھاری بہتری کے لیے کرتا ہے۔ اس کے احکام پر عمل پیرا ہونا عقل مندی ہے۔ ہمارے قلوب میں خدا کی عظمت اتنی ہونی چاہیے کہ جو

Marfat.com

کچھ بھی وہ مالک الملک حکم دے اسے اپنے پورے دل و دماغ سے بجالائیں۔ اپنے آپ کو کھودو! پھر تم اس شہنشاہ مطلق کو پالو گے اس کے سوا کوئی اور عقل کام نہیں آتی۔"

نانک ذات پات کی ناہمواریوں کو تسلیم نہیں کرتا وہ کہتا ہے:

"میں چار ذاتوں میں کسی ذات سے متعلق نہیں ہوں۔"

نجات حاصل کرنے یا روح کے نور کو نور الٰہی میں ملانے کے لیے انسان کو نانک نے چار طریقے اختیار کرنے کی ضرورت کا احساس دلایا۔

1: خوف خدا۔
2: حسن عمل۔
3: خدا پر کامل بھروسہ۔
4: صحیح مرشد کا انتخاب۔

خوف خدا کے بارے میں نانک کا کہنا یہ تھا:

1: "اس دن سے ڈر تا رہ جب خدا تیرا انصاف کرے گا۔"
2: "خوف خدا کو جگہ دے پھر موت کا خوف' تیرے دل سے نکل جائے گا۔"

نانک نے اپنی تصانیف میں حسن عمل یا عمل حق کا جگہ بہ جگہ ذکر کیا ہے۔ دو ہی موضوع ہیں جنھیں وہ بار بار ذکر کرتا ہے۔ نیکی کی تعریف اور بدی کی مذمت بھی اس کی تعلیمات کا خاصہ ہے۔ نانک اس مذہب کا قائل نہیں جو صرف ان سادھوؤں اور فقیروں کے لیے ہو جنھوں نے دنیا کو خیر باد کہہ دیا ہو۔ ایسا مذہب ایک ایسی قوم کا مذہب نہیں ہوسکتا جسے معاشرتی امور میں بھی مشغول رہنا ہو یہی وجہ ہے کہ نانک انتہا پسند رہبانیت اور بے قید شہوانیت کے بین بین ایک معتدل راستے کا حامی ہے۔

نانک نے اگرچہ اسلامی توحید و مساوات کو اپنالیا تھا لیکن ہندوؤں کے عقیدہ تناسخ ارواح پر یقین رکھتا تھا۔ اس کی یہ تعلیم ہے کہ گناہ گار بندے پے در پے موت وزیست کی مصیبت اٹھاتے رہیں گے تا آنکہ وہ اپنے قلوب کو حق کی طرف پھیر لیں لیکن بظاہر نانک اس سے مطمئن نہیں کہ آواگون کا چکر گناہ سے رکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ گمراہ کن لوگوں کو عذاب الیم سے ڈراتا ہے۔

"وہ گناہگار جنھوں نے حدود الٰہی کو توڑا ہے وہ گرفتار و گمراہ ہیں۔ ان پر گناہ کا بار اس

Marfat.com

قدر وزنی ہے کہ پیچھے پیچھے چل رہا ہے۔ ان کے سامنے آگ کا سمندر ہے، وہ اسے کیسے عبور کریں گے۔ پربت آگ انسانوں کے سر پر منڈلا رہے ہیں اور چنگاریوں کی بوچھاڑ کی طرح پتھر پھینک رہے ہیں۔"

"اے نانک! جب عذاب من جانب اللہ ہے تو انسان کے لیے کہاں مضر ہے۔"

نانک گناہگار لوگوں کے عبرت ناک انجام کا ذکر کرتا چلا جاتا ہے۔ وہ ایک ایسے عذاب سے لوگوں کو ڈراتا ہے جس کی ہولناکیوں اور دہشت ناکیوں سے صرف رحمت خداوندی ہی بچا سکتی ہے۔ وہ انسان کو احساس دلاتا ہے کہ خدا کی رحمت اس کی مدد کے لیے ہر وقت تیار ہے۔

1: "اگر تو ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے دل کو قابو کر لے تو خدا تیرے سامنے جلوہ گر ہوگا۔"

2: "اور جس پر خدا کی نظر کرم والتفات ہوتی ہے اسے وہ اپنے انعامات واکرامات سے نوازتا ہے۔"

یہ ہے نانک کی تعلیم کا ایک مختصر سا جائزہ۔ نانک کے انتقال کے بعد نانک کی مذہبی تحریک اس کے جانشینوں کے زیر سایہ پروان چڑھتی رہی۔ اس تحریک کا سخت اخلاقی معیار اور انتہا درجے کی مذہبی احتیاط والے عناصر تھے جنھوں نے ہندوستان میں اس تحریک کو ایک ممتاز مقام عطا کیا۔ نانک کے جانشین گرو کہلاتے تھے۔ پانچویں گروارجن نے گرو نانک کے فرمودات کو مدوّن کیا اور اس کا نام "گرنتھ صاحب" رکھا۔

سکھوں کے عبادت خانے گورودروازے کہلاتے ہیں۔ ان میں بت نہیں ہوتے البتہ "گرنتھ صاحب" کو ان کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔

بعد کے ہندو مصلحین:

کبیر اور نانک انتہا پسند مکتب خیال کے رہنما تھے۔ ان کے ہمعصر بھی ان کے حامی تھے اور بعد میں بھی مدت تک ان کے پیرو پیدا ہوتے رہے۔ کبیر کے علاوہ رامانند کے بارہ چیلوں نے بھی کچھ بھجن چھوڑے ہیں۔

1: دھنا

Marfat.com

2: پیپا

3: سائیں

4: رائے داس

پہلے تین چیلوں کے بھجن سکھوں کی آوری گرنتھ میں محفوظ ہیں اور رائے داس کی تعلیمات علیحدہ طور پر جمع کی گئی ہیں۔

دھنا: دھنا ذات کا جاٹ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ 1415ء میں پیدا ہوا اور راجپوتانے کا رہنے والا تھا۔ جہاں سے وہ اس لیے بنارس پہنچا کہ رامانند کا چیلا بنے۔ دھنا ابتدا میں بت پرست تھا بعد میں اس کے خیالات میں انقلاب آ گیا کیونکہ وہ کہتا ہے:

1: ''جب گرو نے علمِ الٰہی کی دولت کو میرے سینے میں ودیعت فرمایا تو میں نے خدا کا تصور کیا اور میرے دل نے گواہی دے دی کہ خدا ایک ہے۔''

2: ''میں عبودیت اور عشق الٰہی سے ہم آغوش ہو کر راحت و آرام سے ہمکنار ہوا۔ یہ سیر ہو کر مطمئن ہوا اور بالآخر میں نے نجات حاصل کی۔''

3: ''جس شخص کے دل میں وہ نورِ الٰہی ہے جس سے مخلوقات عالم معمور ہے' ہاں وہی خدا کی معرفت حاصل کر سکتا ہے اور وہ ہرگز فریب نہیں کھا سکتا۔''

پیپا: بھگت مالا اور اس کی شرح سے ککراؤں گڑھ کے راجا پیپا کے متعلق بہت کچھ معلوم ہوتا ہے۔ اس کتاب میں ان حیرت انگیز واقعات کا ذکر ہے جو اس کی زندگی میں رونما ہوئے۔ میکالف نے اپنی کتاب سکھوں کے مذاہب میں اس کے ایک بھجن کا ترجمہ پیش کیا ہے جو گرنتھ میں ملتا ہے۔ جس سے اس رجحان کا پتہ چلتا ہے جو اس دور کے رشیوں میں پایا جاتا تھا یعنی خدا جوہرِ اول ہے' گرو مواصلتِ حق کا ذریعہ ہے اور حقیقی عبادت روحانی ہی ہے۔

سائیں: سائیں ذات کا حجام تھا اور باندھوگڑھ موجودہ میں رہتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے حکمران کا روحانی پیشوا بن گیا۔ نابھا جی سائیں سے متعلق ایک حکایت بیان کرتا ہے جس میں اس رشی کے توکل علی اللہ اور خدا کے اس کی فوری مدد کرنے کا واقعہ مذکور ہے۔

رائے داس: رائے داس چمڑے کا کام کرتا تھا۔ سماجی حیثیت سے وہ بہت نیچی ذات سے تعلق رکھتا تھا۔ بنارس میں پیدا ہوا۔ مذہبی لوگوں اور رشیوں کا بڑا معتقد تھا۔ باپ سے جو پیسہ حاصل ہوتا ان لوگوں کی خدمت پر صرف کر دیتا جس سے اس کا باپ ناراض ہو گیا اور اسے گھر

Marfat.com

سے نکال دیا۔ وہ مع اپنی بیوی کے ایک خستہ حال جھونپڑے میں سکونت پذیر ہوا۔ بزرگوں کی خدمت میں مصروف رہتا اور ساتھ ہی جوتے گانٹھتا۔ اس کی سادگی اور قناعت دیکھ کر لوگ اس کی طرف کھنچنے لگے۔ اس کے بھجنوں میں جذبۂ عجز و انکسار اور خود سپردگی کا ولولہ نغمہ سرا ہے۔ اس کے معتقدات کبیر سے مختلف نہیں۔ وہ ایک ایسے خدا پر ایمان رکھتا ہے جو سب کا مالکِ مطلق ہے۔''

''ہری سب میں ہے اور سب ہری میں ہیں۔''

''خدا اگرچہ وحدت میں ہے مگر بایں ہمہ کثرت میں ہیں۔''

''وحدت کثرت ہے اور کثرت ایک ہری ہے۔ میں کس طرح کہوں کہ کوئی دوسرا بھی ہے۔''

رائے داس دنیا کو بازیچہ الٰہی تصور کرتا ہے اور اس نظریئے کی طرف مائل ہے کہ دنیا باطل محض ہے یا کم از کم درخور اعتنا نہیں:

''وہ (خدا) ایک بازی گر کی طرح دنیا کو سنوارتا ہے کسی کو اس کی بازی کا بھید معلوم نہیں۔ بازی جھوٹی ہے مگر بازی گر سچا ہے۔ ہاں یہ جان کر ذہن مطمئن ہو جاتا ہے۔''

پھر کہتا ہے:

''جسم بھی بے معنی ہے اور مایا بھی بے معنی۔ اے انسان! تو نے بغیر ہری کے زندگی فضول کر دی۔ مندر اور پرعشرت زندگی' نیز دوسرے دیوتاؤں پر بھروسہ کرنا یہ سب بے معنی ہیں۔''

کامل خود سپردگی اور انکسار رائے داس کے ہاں حسب معمول ہے:

''اور رام! صرف تو ہی حکیم ہے تو شاہ شاہاں ہے۔ میں تیرا' جاہل اور خستہ حال بندہ ہوں۔ نہ میرے اطوار نیک ہیں اور نہ قسمت میری ساتھی۔ میں بدحواس، بیوقوف اور بدی کا بندہ ہوں۔ میں گناہگار غریب' بے خبر' بزدل اور کور باطن ہوں' تو قادر ہے اور میرا بیڑا پار کر سکتا ہے۔ میں حریص و مکار ہوں۔ میرا جسم خستہ و شکستہ ہے اور میرا دل طرح طرح کے خوف و دہشت سے بھرپور ہے۔ بندہ رائے داس اپنے ''صاحب'' سے دعا کرتا ہے کہ اسے اپنے دیدار سے مشرف فرما۔''

کبیر کے بہت سے چیلے تھے جنھوں نے شمالی ہند اور دکن میں اس کے پیغام کی

Marfat.com

اشاعت کی۔ انھوں نے پنتھ کی بارہ شاخیں قائم کیں اور ہر ایک شاخ نے کبیر کے قریبی چیلوں میں سے کسی ایک کو اپنا پیشوا مان لیا۔

دادودیال: اس کے بعد آنے والی نسل میں دادودیال سب سے اہم شخصیت تھا۔ وہ کپاس صاف کرتا تھا۔ اس نے اکبر کا زمانہ پایا۔ مارواڑ کے ایک گاؤں نارائنا میں پیدا ہوا اور عمر کا بیشتر حصہ راجپوتانے میں گزارا۔ اس کے شاعرانہ مقولے 5 ہزار اشعار پر مشتمل ہیں۔ جنھیں ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر باب میں کسی اہم مذہبی سوال کو زیر بحث لایا گیا ہے:

کائنات' خدا اور انسان کے متعلق دادو کے تصورات اپنے پیشروؤں سے مختلف نہیں۔ دادو خدا کی وحدانیت پر زور دیتا ہے اور خدا کو ماوراء اور بے نہایت تصور کرتا ہے۔ اس کے نزدیک خدا واحد' نا قابل تغیر، غیر فانی اور نا قابل ادراک ہستی ہے۔ وہ تنویر ہے' جلوہ ہے' نور ہے' تجلّی ہے اور کمال ہے۔ وہ تمام موجودات عالم کے دل میں ہے۔

''وہ واحد' رحیم اور خالق عالم یہ کہتا ہے کہ میں ہستی میں رہتا ہوں۔ آپ اپنا مکان ہوں، میں عرش پر متمکن ہوں۔ خود اپنا کفیل اور اپنا آپ محتاج ہوں۔''

اس کے علاوہ وہ خالق و مالک ہے جس نے:

''ایک کلمے سے تمام مخلوقات پیدا فرمائی۔''

''وہ تخلیق کا ارادہ ہی کرتا ہے کہ اچانک مخلوق عدم سے وجود میں آجاتی ہے یا موجود سے معدوم ہو جاتی ہے۔''

دادو بے کلی کا قائل نہیں کیونکہ وہ کہتا ہے:

''جو شخص کہ سعی کی حقیقت سے واقف نہ ہے' وہ جانتا ہے کہ یہ برے ثمرات مرتب نہیں کرتی' سعی میں مسرت پنہاں ہے۔ مگر یہ صرف خدا کے راستے میں ہونی چاہیے۔''

غالباً دادو اپنے پیشروؤں سے زیادہ علوم تصوف کا مظاہر کرتا ہے۔ شاید اس لیے کہ وہ کمال کا چیلا تھا اور کمال غالباً اوروں کی نسبت اسلامی انداز فکر کی طرف زیادہ مائل تھا یا شاید اس لیے کہ مغربی ہند کے صوفیا نے اس پر زیادہ اثر ڈالا تھا۔

ملوک داس: دادو کے بعد ایک اور شخص جس نے اسلام کے زیر اثر اپنے مذہبی عقائد کی تعلیم دی ملوک داس ہے۔ ملوک داس عہد اکبری میں 1574ء میں پیدا ہوا اور ایک سو آٹھ برس کی طویل عمر پا کر 1682ء میں فوت ہوا۔ ملوک داس نے انھی مذہبی عقائد کی تعلیم دی جو

Marfat.com

اس کے زمانے تک ملک میں عام ہو چکے تھے۔ اس نے ظواہر مذہب یعنی یاترا' بتوں کی پوجا' اعمال صالحہ اور دیگر باتوں کو رد کر دیا اور یہ تعلیم دی کہ سچا مذہب باطنی ایمان سے عبارت ہے۔ مایا انسان کی دشمن ہے۔ خدا کا نام ہی اس کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ دنیا آنی جانی ہے اور علائق دنیاوی بیکار ہیں۔ انسان خاکی ہے اور خاک میں مل جائے گا۔ وہ لوگ سگِ دنیا ہیں جنھوں نے روحانی زندگی کے لیے خود کو وقف نہیں کیا۔ معرفت نفس' فنائے نخوت وخودی' ضبط شہوات' گرو پر اعتماد اور خدا سے عشق ذریعۂ نجات ہیں۔ اس کے ہاں درویش کی صحیح تعریف ہی یہ ہے:

1: ''وہ شخص خدا کا محبوب بندہ ہے جو عناصرِ خمسہ سے الگ رہتا ہے۔ پیاسوں کو پانی پلاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ایسے شخص کی عبادت قابل قبول ہے۔''

2: ''وہ شخص خدا کو جلد پالیتا ہے جو بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے، جو شخص جذبات نفسانی کو مٹا کر جیتے جی مرجاتا ہے، اس کے سامنے حضرت عزرائیل بھی جھکتے ہیں۔''

3: ''ہاں' ملوک داس اس شخص کو سچا درویش مانتا ہے جو سب انسانوں کے درد کو اپنا درد سمجھتا ہے۔''

ملوک داس نے بھی مذہبی وحدت اور ہندو مسلم اتحاد کی تعلیم دی۔

بیربھان اور ستنامی فرقہ: دادو کا ایک ہم عصر پیر بھان تھا۔ جس نے سادھوؤں یا ست نامیوں کے مشہور فرقے کی بنیاد رکھی۔ وہ رائے داس کے سلسلے سے وابستہ تھا اور سخت قسم کا موحد تھا۔ خدا کو ست نام یعنی ''نام برحق'' کہہ کر یاد کرتا تھا۔

ستنامی فرقے کے خاص مراکز دہلی' رہتک' آگرہ' فرخ آباد' مرزاپور (یو۔پی) اور راجپوتانہ میں جے پور ہیں۔ ان کے بارہ احکام جنھیں آدمی اپدیش (اولین حکام) میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں پر ان کا بالاختصار بیان اس لیے ضروری ہے تا کہ معلوم ہو سکے کہ یہ فرقہ کس حد تک اسلامی تعلیمات سے متاثر ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

1: ''ایک خدا کو مانو جس نے تمھیں پیدا کیا۔ وہ تمھیں مٹا بھی سکتا ہے۔ اس سے کوئی افضل نہیں۔ وہی عبادت کا مستحق ہے نہ کہ کوئی اور' ایک اللہ ہے اور ایک ہی کلمۃ اللہ۔ جو شخص کذب وافترا میں منہمک ہے' جھوٹ بولتا ہے اور ارتکاب گناہ کرتا ہے وہ دوزخ میں جائے گا۔

Marfat.com

2: تواضع اورانکسار، اختیار کر' دنیا سے محبت نہ کر' اپنے مذہب کا وفادار رہ اوران لوگوں سے تعلق نہ رکھ جو تیرے ہم مذہب نہ ہوں، کسی اجنبی کی روٹی نہ کھا۔

3: نہ کبھی جھوٹ بول، نہ کسی وقت کسی کی برائی کر۔نہ آب وگل اور نہ اشجاروحیوانات میں سے کسی کو بُرا کہہ۔زبان کو حمدِ خدامیں مصروف رکھ۔ کسی کی دولت، زمیں' مویشی یا چراگاہ کسی چیز کوغصب نہ کر۔ جو کچھ تیرے پاس ہے اس پر قانع رہ۔ کبھی برائی کا تصور نہ کر' ناجائز اشیاء' مرد' عورت' رقص' تماشا کسی پر نظر نہ ڈال۔

4: بری باتیں نہ سن۔ سوائے حمد باری کے کسی بات پر کان نہ دھر' گپ شپ سے اجتناب کر' کسی پر تہمت نہ لگا۔ نہ موسیقی سے تعلق رکھ اور نہ سوائے بھجن اور کچھ گا۔

5: خواہشات نفسانی اور زرومال کی حرص کو پاس نہ پھٹکنے دے۔ کسی کی کوئی چیز نہ چھین۔ خدامسبب الاسباب ہے اس پر تیرا جتنا بھروسہ ہوگا اتنا ہی تجھے ملے گا۔

6: جب تم سے پوچھا جائے تم کون ہو؟ تو کہہ دو ہم سادھ ہیں۔ ذات پات کے متعلق کچھ نہ کہو۔ بحث میں مت الجھو۔اپنے مذہب پر ثابت قدم رہواورانسانوں سے اپنی امیدیں وابستہ نہ رکھو۔

7: سفید لباس پہنو' رنگے ہوئے کپڑے استعمال نہ کرو۔فرقہ ورانہ امتیازات کے لیے اپنے بدن یا پیشانی پر کوئی نشان نہ بناؤ۔ چپلیں پہنو، نہ تسبیح اور جواہر استعمال کرو۔

8: منشیات استعمال نہ کرو' نہ پان چباؤ' نہ تمباکو پیو' نہ افیون کھاؤ' بتوں اور انسانوں کے سامنے اپنے ہاتھ اونچے نہ کرواور نہ سر جھکاؤ۔

9: نہ کسی کی جان لو' نہ کسی پر تشدد کرو' نہ کسی کے خلاف شہادت دو اور نہ جبراً کسی کی چیز چھینو۔

10: ایک مرد صرف ایک عورت سے نکاح کرے اور ایک عورت ایک مرد سے' مرد عورت کا پس خوردہ نہ کھائے۔ البتہ عورت مرد کا پس خوردہ کھاسکتی ہے۔عورت کو چاہیے کہ مرد کی وفادار رہے۔

11: فقیرانہ لباس اختیار کرو۔نہ خیرات مانگو۔ نہ نذرانے اور تحائف قبول کرو۔ نہ جادوٹونے سے خوفزدہ ہواور نہ اس سے استعانت چاہو۔ کسی چیز پر بھروسہ کرنے سے پہلے جان لو کہ جس پر تم بھروسہ کررہے ہو وہ کون ہے؟

Marfat.com

12: سادھ کو تو ہم پرست نہ ہونا چاہیے کہ وہ دنوں چاند کی گردشوں' مہینوں یا جانوروں اور پرندوں کی آوازیا شکلوں سے فال بد سمجھے، اسے تو صرف رضائے الٰہی کا طالب رہنا چاہیے۔

مہاتما گاندھی: متحدہ ہندوستان کی ماضی قریب کی تاریخ میں موہن داس کرم چند گاندھی کی شخصیت بڑی نمایاں رہی ہے۔ انھوں نے ہندوقوم کو متحد رکھنے، آزادی دلانے اور ترقی کے بامِ عروج تک میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ وہ 1869ء میں گجرات کاٹھیاواڑ میں پیدا ہوئے۔ قانون میں بارایٹ لاکیا۔ کچھ عرصہ جنوبی افریقہ میں بھی رہے۔ پھر متحدہ ہندوستان میں نیم سیاسی نیم مذہبی زندگی کا آغاز کیا۔ ہمیشہ ایک لنگوٹی نما دھوتی پہنتے تھے' بکری کا دودھ پیتے اور ''عدم تشدد'' کااصول ان کی سیاسی زندگی کا مشہور اصول تھا۔ ہندوقوم کی آزادی' سربلندی، ترقی کے ساتھ ساتھ وہ آزادی ہند کے لیے بھی کوشاں تھے۔اس مقصد کے لیے وہ بظاہر ہندو مسلم اتحاد کا بھی نعرہ لگاتے تھے۔ ذات پات کے سخت خلاف تھے۔ شودروں اور اچھوتوں کے مندروں میں داخلے کے حامی تھے۔ ہندوقوم کی انھوں نے بڑی خدمت کی، اس لیے ہندوقوم نے انھیں مہاتما کا لقب دیا۔ ان کی مورتی کی پرستش کی' انھیں ''باپو'' سے موسوم کیا مگر آخرکار یہ عدم تشدد کا پرچارک تشدد کا شکار ہوگیا۔ ایک ہندو ناتھورام گاڑ نے انھیں اچھوتوں کے مندروں میں داخلے کے مسئلہ پر گولی کا نشانہ بنایا۔ آج ہندوؤں کو جو آزادی حکومت اور اقتدار حاصل ہے اس میں مہاتما گاندھی کی خدمات اور جدوجہد سرفہرست ہیں۔

راجہ ہرش جس کا زمانہ 606ء سے 647ء تک ہے اس کی وفات کے بعد ہندوستان کی تہذیبی تاریخ کا باب بند ہوگیا۔ گپت خاندان کی شہنشاہیت سے متحدہ ہندوستان کی جگہ سیاسی طور پر منقسم ہندوستان نے لے لی۔ اس دور میں کئی ایسی تبدیلیاں رونما ہوئیں جنھوں نے عبادات' رسومات' قانون' روایات' زبان اور فنون کو ایک نئی شکل دے دی۔ دسویں صدی عیسوی کے بعد شمال میں اس کے دوسوسال بعد جنوب میں ہندوستان میں مسلم حکومت کے قیام کی وجہ سے حالات میں نئی تبدیلی آئی لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کے فاتح ہونے کی حیثیت سے آمد سے بہت پہلے بھی عرب اور ہندوستان کے مابین تجارتی اور علمی روابط موجود تھے۔

عرب اور پاک و ہند کے تعلقات بہت قدیم ہیں۔ ان دونوں علاقوں بالخصوص سندھ اور جنوبی عرب کے ساحل اس قدر قریب ہیں کہ ان کے درمیان تجارتی تعلقات اور دوسرے

Marfat.com

روابط کا قائم ہوجانا ناگزیر تھا۔ تاریخی روایات اس بات کی شاہد ہیں کہ مسلمان ملاح اور تاجر اپنی کشتیوں اور جہازوں پر لنکا اور ہندوستان کے ساحلوں پر آتے جاتے تھے۔ جب سندھ عرب حکومت کا ایک ماتحت علاقہ بن گیا تو اس سرزمین کے باشندوں اور عربوں کے درمیان گہرے رسم و راہ کا دروازہ کھل گیا۔ جب عباسیوں نے دمشق کی جگہ بغداد کو اپنا دارالحکومت بنایا تو ان کا سیاسی، مذہبی اور علمی مرکز سندھ سے اور قریب ہوگیا۔ اگرچہ تبلیغ اسلام کی کوشش منظم طور پر نہ ہوئی۔ تاہم تدریجاً اسلام اس خطۂ ارض میں پھیلتا رہا اور یہاں کے ہندوؤں پر مجموعی لحاظ سے اثر ڈالتا رہا۔"

مسٹر مشل (Mitchell) نے اپنی کتاب (Hinduism past and Present) میں لکھا ہے:

"محمود غزنوی (جو فاتح ہے) کی ہندوستان میں آمد سے پہلے فکر اسلامی کے اثرات جنوبی ہند میں مالابار کے علاقے سے محسوس کیے جاتے تھے۔ ان کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے اثرات یہاں محسوس کیے جاتے رہے۔ تاہم یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اسلام کے گہرے اثرات شمالی حصے میں واقع ہوئے۔ اس کے بعد انگریز مشنریوں نے ہندوستان کا رخ کیا۔ چنانچہ مجموعی طور پر مسلمانوں اور عیسائیوں کے افکار اور نظریات سے متاثر ہو کر مختلف اصلاحی تحاریک اٹھیں۔"

مسٹر مشل نے اسی کتاب میں آگے چل کر لکھا ہے:

"شمالی ہندوستان میں اسلام کی حیثیت فاتحانہ تھی۔ چنانچہ ہندو دھرم اور دین و عقائد پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔"

Farquar نے اپنی کتاب "Modern Religious Movements in India" میں اس بحث کا آغاز کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ہندوستان کے پرانے مذاہب جن میں ہندومت کے علاوہ، بدھ مت، جین مت، زرتشت اور اسلام شامل تھا اس مٹی کا کام کیا جس میں جدید تحریکات پیدا ہوئیں، البتہ اس کے بیج عیسائی مشنریوں نے بوئے۔"

☆☆☆

Marfat.com

جدید ہندو تحریکیں

پراتھنا سماج:

ہندومت.....اسلام اور عیسائیت کے برعکس کوئی آسمانی مذہب نہیں ہے۔اس کے آغاز اور ارتقائی منازل میں مختلف افراد کے افکار اور خیالات کا عمل دخل بہت واضح اور نمایاں ہے۔ ان کے ہاں ہر قسم کے مذہبی خیالات اور مذہبی رسوم کا عمل دخل رہا۔ بت پرستی ان کا عام شیوا تھا لیکن جب دوسرے مذاہب کے اثرات ان پر ظاہر ہوئے تو اس کے نتیجے میں ایسے طبقے نے جنم لیا جو مذہب سے کلی طور پر دستبردار تو نہ ہوئے تھے لیکن اس میں اصلاح کی کوشش کرنے لگے۔ان تحریکات میں جو ان کی تاریخ میں بڑی نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔اولیت کا مقام راجہ رام موہن رائے کی سرکردگی میں اٹھنے والی تحریک برہما سماج کو حاصل ہے جو 1828ء میں شروع ہوئی۔اس نے شرک' مائتھالوجی دیومالا اور بت پرستی کی مخالفت کی۔تمام مذہبی تحریکات میں اس کی تحریک زیادہ دوررس اثرات کی حامل تھی لیکن برہما سماج کے قیام کے اٹھارہ ماہ بعد وہ برطانیہ روانہ ہوا جہاں سے وہ واپس نہ آتا اگر عام موہن رائے کا دوست دوارکا ناتھ ٹیگور اس کی سرپرستی نہ کرتا۔

1842ء میں اس کے بیٹے رابندر ناتھ ٹیگور نے اس میں شمولیت اختیار کی اور بعد میں تحریک کا ایک اہم لیڈر بن گیا۔ یہ تحریک تقریباً 20 سال تک موثر طور پر منظر عام پر رہی اور اس میں کیشب چندر نے اس کو معاشرتی اصلاح کی تحریک کا روپ بھی عطا کیا۔

1867ء میں اس تحریک سے بمبئی میں ایک نئی تحریک پراتھنا سماج کا آغاز ہوا اور ان اصلاحی تحاریک نے یکے بعد دیگرے ایسے جذبات کی نمائندگی کی جو اس حقیقت کی عکاسی کرتے تھے کہ ہندوؤں پر اسلام اور بعد میں عیسائیت کے گہرے اثرات مرتب ہو چکے تھے۔

Marfat.com

برہما سماج:

فرکوھار نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ 19ویں صدی کی تمام مذہبی تحریکوں میں جو تحریک بلاشبہ سب سے زیادہ موثر ثابت ہوئی وہ برہما سماج تھی۔ برہما اس کی صفت ہے جو اپنشدوں اور فلسفوں ویدانت کا دیوتا تھا اور سماج سے مراد سوسائٹی ہے۔ اس طرح ''برہما سماج'' سے مراد توحید پرست سوسائٹی ہے۔

روم موہن رائے جس کا زمانہ حیات (1772ء سے 1833ء تک ہے) بہار کے مقام بردوان میں برہمن خاندان میں پیدا ہوا جو بنگال کی اسلامی حکومت سے کافی عرصہ تک منسلک رہا تھا۔ اس کے والدین مذہبی قسم کے لوگ تھے۔ جب وہ بارہ سال کا ہوا تو اس کو تعلیم کے لیے بھیج دیا گیا۔ اس دور میں یہ مقام اسلامی تعلیم کی نشر واشاعت میں اہم کردار ادا کر رہا تھا۔ یہاں اس نے جو تعلیم حاصل کی اس کے اثرات کے متعلق شیوا ناتھ شاستری اپنی کتاب ''برہمو سماج کی تاریخ'' میں لکھتے ہیں:

''وہ مسلمان مفکرین کے صوفیانہ خیالات سے بہت متاثر تھا۔ اس کا یہ تاثر تھا کہ ان صوفیا کے خیالات ہندوؤں کے ویدانت مکتبہ فکر سے کافی مطابقت رکھتے ہیں۔ رام موہن نے اپنی تمام زندگی میں ان ابتدائی اسلامی اثرات کو گھٹانے کی کوشش نہ کی۔ اس کی نجی زندگی میں اس کی عادات اور میلانات مسلمانوں کی مانند تھے۔ اور نجی گفتگو میں وہ اکثر اپنے پسندیدہ صوفیاء کے اقوال دہرانے میں خوشی محسوس کرتا تھا۔''

پٹنا سے واپسی پر پندرہ سال کی عمر میں اس کے دل میں بت پرستی کے خلاف جو نفرت تھی اس کے زیر اثر باپ کے ساتھ اس کے اختلافات نمایاں طور پر سامنے آئے۔ کچھ عرصہ وہ ادھر ادھر گھومتا رہا اور بالآخر بنارس میں قیام کر کے ہندو کتابوں کی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ اس نے سنسکرت زبان بھی سیکھی اور انگریزی زبان سے بھی شناسائی پیدا کی۔ باپ کی وفات کے بعد رام موہن رائے مرشد آباد چلا گیا اور 1804ء میں فارسی میں ایک پمفلٹ ''تحفۃ الواحدین'' شائع کیا جو درحقیقت اسلامی اثرات کا نتیجہ تھا۔ دنیاوی مذاہب کے متعلق اس کی معلومات حیران کن تھیں اور اس کے بارے میں وہ مزید معلومات اکٹھی کرتا رہتا تھا۔ اس کی لسانیات میں قابلیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاتا ہے کہ وہ بنگالی، سنسکرت، انگریزی، عبرانی

Marfat.com

اور یونانی زبانوں پر کافی دسترس رکھتا تھا۔

39 سال کی عمر میں 1814ء میں اس نے ایک سوسائٹی آتمیہ سبھا (روحانی سوسائٹی) کی بنیاد رکھی۔ جس کی ہفتہ وار میٹنگ ہوتی تھی۔ اس میں ہندو نوشتوں کے متن دہرائے جاتے تھے اور نظمیں پڑھی جاتی تھیں لیکن 1819ء میں یہ ختم ہوگئی۔

اس نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ اپنشدوں اور بدریانہ کی کتابوں' ویدانت سوتر کا مطالعہ شروع کیا۔ اس کا نظریہ تھا کہ اپنشد کامل توحید کی تعلیم دیتے تھے جو بت پرستی سے آلودہ نہیں تھی، اس لیے اس نے اپنے ہم وطنوں کو دعوت دی کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے پاکیزہ مذہب کی طرف رجوع کریں۔ اسی مقصد کے لیے اس نے ''ویدانت سوتر'' کے انگریزی اور بنگالی زبان میں تراجم شائع کیے۔ اس کی تحریروں نے بنگال اور اس کے نواحی علاقوں میں غیر معمولی جوش و خروش پیدا کر دیا۔ رام موہن رائے کے مطابق ذات پات ناقابل حمایت چیز تھی جس کی مخالفت کی جانی چاہیے۔ لیکن اس واضح موقف کے باوجود اس نے اپنی ذات کی مخالفت کی اور اپنا مقدس دھاگہ زنار باقی رکھا۔

اگست 1828ء اس نے ایک نئی جماعت کی بنیاد رکھی جس کا نام پہلے برہما سبھا تھا اور بعد میں برہما سماج رکھ دیا گیا۔ اس کے حمایتیوں میں دوار کا ناتھ ٹیگور اور کئی پڑھے لکھے لوگ شامل تھے۔ یہ سوسائٹی ہر ہفتے کی شام کے وقت اجلاس منعقد کرتی اور ان کا طریقہ عبادت چار حصوں پر مشتمل ہوتا تھا۔

1: سنسکرت زبان میں اپنشدوں کی عبادت کو دہرایا جاتا یہ عبارتیں ایک ملحقہ کمرے میں صرف برہمن ہی پڑھتا تھا۔

2: بنگالی زبان میں ان عبارتوں کا ترجمہ سنایا جاتا تھا۔

3: بنگالی زبان میں خطبہ یا وعظ دیا جاتا تھا۔

4: سنسکرت یا بنگالی زبان میں مواحدانہ نظموں کو پڑھا جاتا جو موہن رائے یا اس کے دوستوں نے لکھی ہوئی تھیں۔

اس کے علاوہ کوئی تنظیم رکنیت وغیرہ نہیں تھی۔ کوئی بھی شخص اس میں شمولیت اختیار کرنا چاہتا اس کو ہفتہ وار اجلاس میں شرکت کی اجازت تھی۔ رام موہن رائے کا خیال تھا کہ وہ ہندوانہ عبادت کو اصل پاکیزہ شکل کی طرف لے جا رہا ہے۔ اس نے ستی کی رسم کے خلاف بھی

Marfat.com

ایک تحریک چلائی اور بالآخر لارڈ ولیم بنٹیگ کے زمانے میں 1829ء کو یہ ظالمانہ رسم قانونی طور پر ممنوع قرار دی گئی۔ موہن رائے کی تحریک کو کامیابی حاصل ہوئی۔ نومبر 1830ء میں وہ برطانیہ روانہ ہوا لیکن 1833ء میں اس کا وہاں انتقال ہو گیا۔

رام موہن رائے بہت ذہین اور عزم و ہمت کا مالک انسان تھا، وہ نہ تو کوئی مفکر تھا اور نہ ہی مذہبی رہنما۔ اس کے سامنے کوئی مخصوص نظام بھی نہ تھا۔ ایک مقبول عام ہندومت کے اوہام و خرافات کا اسے سامنا تھا اور دوسری طرف وہ اسلام اور عیسائیت میں موجود سچائیوں سے بھی متاثر تھا۔ ان حقائق کا سامنا کرنے کے لیے اس نے ایک حل یہ تلاش کیا کہ نظریہ وحدت الوجود کو پکڑ لو اور یہ کہنے لگا کہ ہندومت کی (اصل) عقیدہ توحید ہے۔ وہ تناسخ پر بھی یقین نہیں رکھتا تھا، اس کے یہ ذہنی میلانات اس امر کی صاف عکاسی کرتے ہیں کہ وہ عیسائیت کی نسبت اسلامی تعلیمات سے زیادہ متاثر تھا۔ اگرچہ عیسائی کہتے ہیں کہ طریقہ عبادت عیسائیت سے لیا ہے۔

مسٹر مشل نے ہی اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے کہ ہندوؤں کی مذہبی احیاء کی تحریک رام موہن رائے سے شروع ہوئی جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ انڈیا میں گزارا لیکن ''برسٹل'' میں فوت ہوا۔ ظاہر بات ہے کہ اسلام کے نظریۂ توحید نے اس پر اثرات مرتب کیے تھے۔ جبکہ وہ عیسائیت کے بارے میں زیادہ علم نہیں رکھتا تھا۔

موہن رائے جن خیالات اور افکار کو رائج کرنا چاہتا تھا اس کے خلاف قدامت پسند ہندوؤں نے آواز اٹھائی۔ حتی کہ اس کے قریبی رشتہ دار بھی مخالفت پر اتر آئے۔ وہ ستی کی مخالفت کے ساتھ ساتھ بیوہ ہندو عورتوں کو دوسری شادی کا حق دلانے کے لیے بھی کوشش کرتا رہا اور یہ چیز قدامت پرستوں کے لیے سخت قابل اعتراض تھی۔ ستی کی رسم کو وہ قابلِ اعتراض اور خلافِ قانون قرار دلوانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے 1830ء میں ایک ہال تعمیر کرایا جس کو عام عبادت گاہ قرار دیا۔ یہ تحریک 1833ء میں موہن رائے کی وفات کے بعد کچھ عرصے کے لیے زیادہ بااثر نہ رہی۔ لیکن اس کی قیادت میں اس نے مختصر عرصے میں جو نتائج پیدا کیے وہ درج ذیل ہیں:

1: تقابل ادیان کے مطالعے کو اہمیت دی جانے لگی اور تعلیم یافتہ طبقے میں دیگر مذاہب کی سچی تعلیمات کو قبول کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔

Marfat.com

2: عقیدۂ توحید کی طرف میلان پیدا ہوا۔ بت پرستی اور مشرکانہ رسوم کے خلاف نفرت اور بیزاری کا اظہار کیا جانے لگا۔

3: سادہ اور عوامی عبادت کا اہتمام۔ عام لوگوں میں پاکیزہ صورت میں عبادت کا میلان پیدا ہوا اور ہندومت کی تعلیم میں پہلی مرتبہ عوامی سطح پر مل کر عبادت کرنے کا رجحان ظاہر ہوا۔ جس کا اظہار عوامی ہال کی تعمیر سے ہوا۔ اس میں مقدس نوشتوں کے متن کو دہرایا جاتا تھا۔

4: کئی صدیوں کے تعطل اور جمود کے بعد ذہنی بیداری کی لہر پیدا ہوئی اور اپنے مذہب کے علاوہ دیگر مذاہب کی تعلیمات کو سمجھنے اور ان سے متاثر ہونے کا رجحان پیدا ہوا۔

5: ہندو دھرم کی ظالمانہ رسوم کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوئی اور اصلاحی تحریک کا آغاز ہوا۔

رابندر ناتھ ٹیگور نے 1842ء میں برہما سماج میں شمولیت اختیار کی اور جلد ہی اس تحریک میں کافی اہمیت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ رابندر نے موہن رائے کی ہی تقلید کی اور وہ سمجھتا تھا کہ اصل ہندومت صحیح معنوں میں روحانی توحید پر مبنی مذہب تھا۔ رابندر کا خیال تھا کہ ہندوستان میں عیسائیت کی ضرورت نہیں ہے۔

''Encyclopaedia of Religions and "Ethics"'' کے مضمون نگار نے جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 816 میں لکھا ہے:

''اس کے عقیدے کے مطابق خدا ایک ایسی ذات ہے جس کی بہترین اخلاقی صفات بھی ہیں۔ اس نے کبھی اوتار کی شکل میں تجسیم اختیار نہیں کی۔ خدا دعاؤں کو سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے۔ اس کی عبادت صرف روحانی طریقہ سے کرنی چاہیے۔ ہندوؤں کا زہد و ریاضت، مندر اور عبادت کے مخصوص طریقے غیر ضروری ہیں۔ خدا کو عبادت کی مخصوص شکل و صورت کی ضرروت نہیں ہے بلکہ روحانی تنظیمی جذبے کی ضرورت ہے۔ گناہ سے پرہیز اور اس کی پشیمانی ہی معافی اور نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ خدا کے بارے میں علم حاصل کرنے کے لیے فطرت اور وجدان ہی دو ذرائع ہیں۔ کوئی کتاب مستند نہیں ہے۔''

رابندر نے خود بھی ایسی زندگی گزاری جو خدا کی عبادت سے مزین تھی۔ اس نے مختصر عبادت اور تعظیم کا طریقہ بیان کیا۔ جس کو ''برہم اپاس'' کہا جاتا ہے۔ یہ طریقہ خاص اس کے اپنے مذہبی تجربات کا نچوڑ تھا۔ رابندر اور اس کے نوجوان رفقاء کار کی پرجوش کوششوں کی وجہ

Marfat.com

سے بنگالی میں برہما سماج کوایک مرتبہ پھر ممتاز مقام حاصل ہوا۔ رابندر نے ہندو ادب خصوصاً اپنشدوں میں سے اقتباسات جمع کرا کے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام ''برہماب دھرم'' تھا۔ رابندر کے نزدیک یہ امر ایک حقیقت تھا کہ خدا کے ساتھ محبت کو اس پیمانے پر رکھا جائے کہ وہ شخص انسانوں سے کس قدر محبت رکھتا ہے۔

رابندر نے برہما سماج کے تنظیمی ڈھانچے میں اس بات کا اضافہ کیا کہ رکنیت کے وقت نئے ممبر کو کچھ باتوں کا حلف اٹھانا پڑتا تھا مثلاً:

1: وہ بت پرستی سے اجتناب کرے گا۔

2: خدا سے محبت کرتے ہوئے اس کی عبادت کرے گا۔

3: ایسے کام کرے گا جن کو خدا پسند کرتا ہے۔ رابندر نے اپنی طرف سے جو اضافے کیے ان کی بناء پر برہما سماج بھی منظم ہوگئی اور مجموعی طور پر اس نے ہندو معاشرت پر اچھے اثرات ڈالے حتیٰ کہ خود رابندر ناتھ نے اعتراف کیا کہ ''ہماری تحریک اور انگریزی تعلیم کے باعث اب ہم جاہلوں کی مانند لکڑی اور پتھر کو خدا سمجھ کر ان کی پرستش نہیں کرتے۔''

1857ء میں کشیب چندر سین اس تحریک میں شامل ہوا۔ 1869ء میں اس نے برہما سماج کی سرگرمیوں میں جوش وخروش سے حصہ لینا شروع کیا۔ کشیب چندر سین اعلیٰ تعلیم یافتہ خاندان کا رکن تھا اور رابندر ناتھ ٹیگور کشیب کو باصلاحیت دوست خیال کرتا تھا۔ 1860ء میں کشیب نے سنگت سبھا کی بنیاد رکھی جس کے باقاعدہ اجلاس ہوئے تھے اور عبادات کے علاوہ مذہبی اور معاشرتی مسائل پر بھی بحث کی جاتی۔ رابندر نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کسی بت پرستانہ مذہب کی پیروی وہ خود نہیں کرے گا اور اس مقصد کے لیے اپنے برہما سماج کے پیروکاروں کے لیے ترمیم شدہ رسومات کا جو سیٹ تیار کیا تھا۔ اس میں بت پرستی کو بالکل معدوم کر دیا تھا۔ کشیب نے 1861ء میں بنک میں اپنے عہدے سے استعفاء دے دیا۔ تاکہ تحریک میں دلجمعی سے حصہ لے سکے اور اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد برہمن ذات سے تعلق نہ رکھنے کے باوجود اسے منسٹر بنا کر اچاریہ کا خطاب دیا گیا۔ اس موقع پر یہ فیصلہ بھی کیا کہ منسٹرز نار نہیں پہنے گا۔

1864ء میں کشیب نے مدراس اور بمبئی تک دور دراز علاقوں کا دورہ کیا اور اپنے خیالات اور نظریات سے دوسرے لوگوں کو متاثر کیا۔ اس وجہ سے کئی دوسرے مقامات پر برہما

Marfat.com

سماج کی طرز پر تحریکات کا آغاز ہوا۔لیکن ان تمام تر تبدیلیوں کے باوجود جو کشیب کی سرگرمیوں کا نتیجہ تھیں۔ رابندر کو یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہ روحانی مذہب کو اس نئے جذبے کی بھینٹ نہ چڑھایا جائے۔

رابندر کے نزدیک مذہب سماجی اصلاحات سے زیادہ اہم تھا۔ رابندر جذباتی لحاظ سے کٹر ہندوؤں کی طرح سوچتا تھا اور وہ بیواؤں کی شادی کے بھی خلاف تھا لیکن دوسری طرف کشیب جو عیسائی تعلیم حاصل کر چکا تھا وہ یہ سمجھتا تھا کہ ذات پات کا خاتمہ ہونا چاہیے اور ہندو خاندانوں کی مکمل اصلاح ہندوستان کی اخلاقی اور مذہبی صحت کے لیے لازمی ہے۔ رابندر اور کشیب کے درمیان مذہبی اختلافات بھی رونما ہوئے۔ رابندر خدا سے وابستگی کے جذبات پر مبنی عادت پر یقین رکھتا تھا۔ اس کا اپنا کردار اور صفات روحانیت کی طرف مائل طبیعت کے لوگوں کو اتنا متاثر کر چکی تھیں کہ لوگ اسے مہارشی کہتے ہیں۔ لیکن کشیب اور اس کے ہم نواؤں کے مطابق فرد اور ملک کے لیے مذہب کے اخلاقی پہلو کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ 1864ء میں انھی اختلافات کے نتیجے میں رابندر نے منسٹر کے لیے زنار پہننا ضروری قرار دیا۔ اس پر کشیب اور اس کے حامیوں نے سخت احتجاج کیا اور 1866ء کے اختتام پر اس نے ایک نئی جماعت ''برہما سماج آف انڈیا'' کی بنیاد رکھی جبکہ رابندر اور اس کے رفقاء نے اپنی تحریک کو ''آدمی برہما سماج'' کا نام دے دیا۔

1869ء میں نئے سماج کے لیے ایک عمارت بنائی اور اس کے فوراً بعد وہ لندن روانہ ہوگیا۔ یہ سفر اس کے لیے ایک اچھا تجربہ ثابت ہوا۔ لندن سے واپسی پر کشیب سماجی اصلاحات کے لیے تازہ منصوبے دماغ میں لے کر واپس ہندوستان پہنچا۔

1872ء میں کشیب نے حکومت کے تعاون سے ''برہما سماج ایکٹ'' منظور کر دیا۔ جس کے تحت مختلف ذاتوں میں شادیاں جائز قرار دی گئیں۔ صغر سنی کی شادیوں کو ختم کر دیا گیا اور بیوہ عورتوں کو شادی کا حق دلایا گیا۔

وِشوانا تھ شاستری نے اپنی کتاب ''ہسٹری آف برہما سماج'' میں کشیب کی ان کوششوں کے متعلق لکھا:

''اس ایکٹ کا نفاذ مصلحین کی سرتوڑ کوششوں کی شاندار کامیابی قرار دی جاسکتی ہے جو وہ اپنی معاشرتی زندگی کی اصلاح و بہبود کے لیے کر رہے تھے۔ اس قانون کے تحت کم عمری کی

Marfat.com

شادیوں کو ختم کر دیا گیا اور زیادہ شادیوں کو قابل تعزیر جرم قرار دیا گیا۔ بیواؤں کے ساتھ اور مختلف ذاتوں میں شادی کی جو اجازت ملی اس پر ترقی پسندوں نے خوشی کا اظہار کیا لیکن دوسری طرف یہ ان اہم وجوہات میں سے ایک وجہ بن گئی جس کی بناء پر تقلید پسند ہندوؤں کی ہمدردیاں برہما سماج کے پیروکاروں سے ختم ہو گئیں۔''

(ہسٹری آف برہما سماج، جلد نمبر 1 صفحہ 125)

کشیب نے برطانیہ سے واپسی پر لڑکیوں کے لیے ایک نارمل سکول اور لڑکوں کے لیے صنعتی سکول اور خواتین کے لیے وکٹوریہ انسٹی ٹیوشن قائم کیا۔ کشیب نے مختلف علاقوں کے دورے کیے اور اس کی تحریک ہر جگہ کامیابی کے مراحل طے کرتی رہی۔ کلکتہ کے شمال میں کچھ فاصلے پر ایک ہندو تارک الدنیا شخص رام کرشن رہتا تھا۔ کشیب نے اس کے ساتھ بھی راہ و رسم بڑھائی۔ رام کرشن ایک زبردست مذہبی فطرت کا مالک شخص تھا۔ سخت کٹر ہندو تھا۔ فلسفہ ویدانت کا پیروکار تھا۔ اس پر کسی قسم کے مغربی اثرات موجود نہیں تھے' وہ ہر قسم کے بتوں کی پوجا کرنے کو تیار تھا اور ہندو عقائد و نظریات کی مخالفت کا جواب دینے کے لیے تیار رہتا تھا۔ تاہم اس کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ تمام مذاہب سچے ہیں اور یہ کہ کسی شخص کو وہ عقیدہ اور مذہب نہیں چھوڑنا چاہیے جس میں اس نے جنم لیا ہو۔ رام کرشن کے ساتھ کشیب کے تعلقات کا نتیجہ ضرور نکلا کہ کشیب کے نظریات پر رام کرشن کے کافی اثرات نمایاں نظر آنے لگے۔ کشیب کا یہ خیال تھا کہ وہ تحریک کا ہدایت یافتہ الہامی راہنما ہے اور اسے خدا کی طرف سے خاص الہام ہوتا ہے۔ اسی الہام کے تحت جب اس نے اپنی کم سن بیٹی کی شادی شمالی بنگال کی ریاست کوچ بہار کے نوعمر جانشین سے کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کی جماعت میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ بالآخر مخالف گروہ نے جس کی اکثریت اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد پر مشتمل تھی۔ اس کی جماعت کو چھوڑ کر نئی جماعت ''سادھارن'' برہما سماج کی تشکیل کی۔ انھوں نے کشیب کے مقاصد کو بھی پیش نظر رکھا۔ عورتوں کی تعلیم و تربیت پر زور دیا۔ کشیب نے 1881ء میں اپنی جماعت کو ''نئی تنظیم'' کا نام دیا۔ زندگی کے آخری سالوں میں وہ اس نظریئے سے بہت متاثر تھا کہ تمام مذاہب سچے ہیں۔ اس نے اپنی سہ شاخہ برچھی عیسائیوں کی صلیب اور اسلامی ہلال پر مشتمل ایک علامت بنائی۔

اس کے پاس مختلف مذاہب کی کتابیں موجود تھیں۔ عمر کے آخری حصے میں اسے خدائی

Marfat.com

الہام پر بہت یقین ہو چلا تھا۔ چنانچہ وہ اکثر و بیشتر خدا کے نام پر احکامات جاری کرتا کہ لوگ اس کی نئی تنظیم میں شامل ہو جائیں۔ کشیب کی وفات 1884ء میں ہوئی۔ زندگی کے آخری چھ سالوں میں اس کی کارکردگی اور خدمات نے لوگوں پر اثرات مرتب کیے۔

رابندر ناتھ ٹیگور کا انتقال 1905ء میں ہوا۔ لیڈروں کی وفات کے بعد برہما سماج کے اندر جو گروہ بندیاں ہوئی تھیں انھوں نے بعد میں تحریک کے اثرات کو کم کر دیا اور پھر اس تحریک کی جگہ آریا سماج نے لے لی۔

آریا سماج:

برہما کے بعد پرارتھنا سماج اور دوسری تحریکات نے اصلاحی میدان میں قدم جمانے کی کوشش کی لیکن وہ زیادہ اثر ورسوخ برقرار رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بعد کے زمانے میں جو تحریک زیادہ مقبول ہوئی وہ آریا سماج تھی۔ اس کا بانی دیانند سرسوتی تھا۔ اس کا عرصہ حیات 1826ء سے لے کر 1883ء تک ہے۔ یہ مغربی ہندوستان میں کاٹھیاواڑ کے علاقے میں موردعا کی ریاست میں ایک متمول برہما آصباشنکر کے ہاں پیدا ہوا۔ اس کا نام مول شنکر تھا۔ اس کا باپ شیوا کا معتقد تھا اور اس سے گہری وابستگی رکھتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا مذہبی آدمی بنے اور باپ کے مذہب پر کاربند رہے۔ چنانچہ اس نے اس کی مذہبی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی۔ بیٹے کی طبیعت میں تجسس اور تحقیق کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ اس کی بہن کی موت کے صدمے نے اسے دنیا کی بے ثباتی پر سنجیدگی سے سوچنے پر مجبور کیا۔ وہ بت پرستی کے خلاف ہو گیا اور تارک الدنیا لوگوں کی صحبت میں وقت گزارنے لگا۔ اس کے باپ نے اس کو ایک مرتبہ تلاش بھی کیا مگر وہ دوبارہ بھاگ نکلا۔ وہ ایک سنیاسی برہمانند سے ملا۔ جس نے اپنے ویدانت نظریئے کی حقیقت سے روشناس کر دیا اور وہ خود چونکہ سنیاسی بننا چاہتا تھا اس لیے تمام چیزوں سے قطع تعلقی اختیار کر لی۔ اس کی ملاقات پرمانند سرسوتی سے بھی ہوئی۔ جس نے اسے اپنے حلقے میں شامل کر لیا اور دیانند نام عطا کیا۔ جس سے وہ معروف ہوا' اس کے بعد اس نے سفر جاری رکھے۔ 1866ء سے لے کر 1874ء تک آٹھ سالہ دور میں بت پرستی کی مخالفت کے باوجود کافی تبدیلی آ گئی۔ وہ اس بات کا قائل ہو گیا کہ انسانی روح خدا سے مختلف ہے' دنیا حقیقی چیز ہے اور خدا کی ایک شخصیت ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ شیوا کی

Marfat.com

عبادت کرنے لگا۔

1866ء میں اس کی ملاقات ایک اندھے برہمن سے ہوئی جس کا نام ورجانند سرسوتی تھا۔ دیانند نے اس سے دو تین سال تک تعلیم حاصل کی اور اس کے خیالات پر ورجانند نے ہی اس کو تلقین کی کہ ''بھارت ورش میں ویدوں کی تعلیم بہت محدود ہوگئی ہے جاؤ اور ان کی تعلیم دو۔'' دیانند سرسوتی نے 1863ء کے بعد سفر کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا اور 1863ء کے بعد اس نے اپنے عقائد ونظریات کی عام نشرواشاعت کے لیے کئی کتابیں شائع کیں۔ شہر شہر پھرتا رہا، سنسکرت زبان کا لیکچر دیتا اور ویدوں کی اصل تعلیم جو وہ سمجھ سکا تھا اس کو بیان کرتا رہا۔ اس نے تقریباً ہر جگہ پر واضح کرنے کی کوشش کی کہ بت پرستی ویدوں کی تعلیم نہیں ہے۔ 1874ء میں الہ آباد کے مقام پر اس نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش کو مکمل کیا اور 1875ء کے اوائل میں اس نے باقاعدہ طور پر آریا سماج کی بنیاد رکھی۔ وہ ہندوؤں کو اُن کے قدیم عقیدے کی طرف لے جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے عیسائیت اور اسلام دونوں کی تعلیم کی کھلی مخالفت کی۔ وہ مختلف اُمور کی آڑ میں ہندوؤں کے جذبات کو عیسائیت اور مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرنا چاہتا تھا۔ دیانند کی آریا سے مراد خاص قسم کے لوگ نہیں تھے بلکہ وہ لوگ مراد تھے جو آریائی ذہن رکھتے تھے۔ یہ لوگ مقدس کتب پڑھنے کے مکلف تھے اور مذہبی رسوم کی نمائندگی کا حق بھی انھیں حاصل تھا۔ اس نے مختلف ذاتوں کے مابین شادی کی حمایت بھی کی۔ بچوں کی شادیوں کے خلاف آواز اٹھائی اور انقلابی خیالات کا مالک ہونے کا ثبوت دیا۔ اس نے ویدوں کی طرف مراجعت کا جو نعرہ لگایا۔ اس بناء پر اس کا موازنہ مارٹن لوتھر کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس نے جن نظریات کی عام اشاعت کی ان کو فرقوھار نے اپنی کتاب میں بڑے واضح انداز میں بیان کیا ہے:

1: خدا ہی علم صحیح کا منبع ہے اور ہر چیز کا مالک ہے۔

2: خدا تعالیٰ سچا، قوی، عادل، رحم کرنے والا، غیر موجود، ازلی، ابدی، علیم، خبیر، حاضر اور غیر فانی ہے صرف اس کی عبادت ہی جائز ہے۔

3: ویدیں علم صحیح کی کتابیں ہیں اور آریہ پر یہ فرض ہے کہ وہ ویدوں کو پڑھے اور دوسروں کو ان کی تعلیم دے۔

4: ہر شخص کو سچی بات کہنے پر آمادہ کرنا اور غلط بات کہنے کی مذمت کے لیے تیار

Marfat.com

کیا۔

5: ہر کام اچھائی اور برائی کو ملحوظ رکھ کر کرنا چاہیے۔

6: آریہ سماج کا بنیادی مقصد لوگوں کے ساتھ بھلائی ہے اور اس مقصد کے لیے بنی نوع انسان کی معاشرتی اخلاقی اور روحانی حالت کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔

7: ہر ایک کے ساتھ محبت اور انصاف کا سلوک کرنا چاہیے اور اس کے اوصاف کی قدر دانی کرنی چاہیے۔

8: جہالت کو فتح کر کے علم کو پھیلانا چاہیے۔

9: کسی شخص کو صرف ذاتی نیکی پر مطمئن نہیں ہونا چاہیے اور اپنی خوشحالی میں دوسروں کو شریک کرنا چاہیے۔

10: عام معاشرہ کی بہبود کے معاملات میں اپنے ذاتی مفاد کا خیال نہیں رکھنا چاہیے بلکہ ذاتی معاملات میں اسے آزادی سے عمل کرنے کی اجازت ہے۔

آریا سماج نے جہالت کو فتح کرنے اور ہندوؤں کو قدیم ویدوں کی تعلیمات سے متعارف کرانے میں بہت اہم رول ادا کیا۔

کے ایم سین (K.M.Sen) کے مطابق یہ تحریک اچھے مذہبی کام کرنے والی تھی۔ اس نے بہت اچھے طریقے سے سماجی فلاح و بہبود کا کام کیا۔ تعلیم کو پھیلانے اور پسماندہ لوگوں کا معیار بلند کرنے کی کوشش کی۔ پنجاب اور متحدہ صوبہ پنجاب میں اس کی پُر جوش طریقے سے پیروی کی جاتی تھی جو سنیاسی نظریات کی تبدیلی پر یقین نہیں رکھتی ہے۔''

گرس وولڈ نے دیانند کے مقاصد کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''جس طرح لوتھر نے رومن چرچ میں اس کی اتھارٹی کے خلاف عہد نامہ قدیم وجدید کے لیے اپیل کی تھی اسی طرح دیانند نے برہمنیت اور سمرتی کے خلاف پورے ہندوستانی نوشتوں کے لیے اپیل کی۔ لوتھر کا نعرہ تھا ''بائبل کی طرف مراجعت'' اور دیانند کا نعرہ تھا ویدوں کی طرف مراجعت۔ اس کے علاوہ ایک یہ بھی نعرہ تھا کہ'' ہندوستان ہندو کا ہے'' ان دونوں کو اگر ملایا جائے تو اس کے مقاصد مذہبی اور سیاسی ہیں یعنی یہ کہ ہندوستان کا مذہب اور اس کی حاکمیت اعلیٰ صرف ہندوستانی لوگوں کے پاس ہونی چاہیے اور مقصد کے حصول کے لیے وہ مذہب کی تطہیر کرنا چاہتا تھا۔ جب کہ ویدوں کی طرف مراجعت اور تمام غیر ملکی مذاہب کا

Marfat.com

خاتمہ جن میں اسلام اور عیسائیت بھی شامل تھے اس کا منشا تھا۔اس کا یہ بھی خیال تھا کہ قدیم تعلیمات کی طرف مراجعت کی بناپر انڈین خود بخود وقت کے ساتھ ساتھ اپنے اوپر حکومت کرنے کی قابلیت پیدا کرلیں گے۔"

(فرقو ھار کی کتاب، صفحہ نمبر 112 تا 114)

ویدوں کو الہامی خیال کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن میں تناسخ 'کرما' گائے کے تقدس کے نظریات بھی راسخ تھے۔ وہ ہندوؤں کے تمام دیوتاؤں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔ مندروں میں جانوروں کی قربانی اور نذرانوں کی رسومات کو ختم کرنا تھا۔اس کے ان خیالات نے نوجوان طبقے کو متاثر کیا اور اس کے پیروکاروں میں کافی اضافہ ہوا۔ بنیادی طور پر اس کی تحریک آریا سماج کا مزاج ہندو قومیت اور ہندو تہذیب سے متاثر تھا۔ انھوں نے دوسرے ادیان کو نیچا دکھانے کی کوشش کی مگر اس میں وہ زیادہ کامیاب نہ ہوسکے۔ دیانند کے بعد آریا سماج کی جڑیں اکثریت کی مخالفت نیز دوسرے اسباب کی بناء پر کمزور ہوتی چلی گئیں۔

☆☆☆

Marfat.com

ہندومت اور اسلام کا موازنہ

ہندومت اور اسلام ہر لحاظ سے ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ ان میں کوئی چیز مشترک نہیں جیسا کہ ہندومت کے تفصیلی مطالعہ میں ہم نے دیکھا ہے۔ ذیل میں مختصراً ہم دونوں مذاہب کے اہم امور کا موازنہ پیش کرتے ہیں۔

1: عقائدِ اسلام واضح اور متعین ہیں۔ ان میں کوئی ابہام نہیں پایا جاتا۔ سورۂ بقرہ آیت نمبر 177 میں ان عقائد کی تفصیل بیان کی گئی ہے:

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ

اصلی دین اور نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ' یوم آخرت' ملائکہ' الہامی کتب اور انبیاء پر ایمان لائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھی بنیادوں پر ایمان لانے کی تاکید حدیث جبریل میں کی ہے۔ فرمایا:

بَنِيَ الْاِسْلَامِ عَلٰى خَمْسٍ..... آخر تک

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور نماز قائم کرنا' زکوۃ ادا کرنا' حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

الغرض اجزائے ایمان اور ارکان اسلام واضح ہیں جن پر ایک مسلمان ہونے کے لیے ایمان لانا لازمی ہے۔

1: ہندومت کا کوئی مرکزی عقیدہ نہیں جس پر اس مذہب کی بنیاد ہو۔ مختلف گروہ جن کے عقائد متضاد' دینی شعائر مختلف اور رسوم و عبادات بالکل جدا جدا ہیں اس میں شامل ہیں اور سب کے سب ہندو کہلاتے ہیں۔ پنڈت جواہر لعل نہرو اپنی کتاب The Discovery

Marfat.com

of Indja کے صفحہ نمبر 73 پر لکھتے ہیں:

''عقیدے کے لحاظ سے ہندو مذہب غیر معین، مبہم اور مختلف پہلو رکھتا ہے۔ ہر شخص اپنے مطلب کے مطابق ہر چیز پا سکتا ہے، اس کی تعریف تقریباً ناممکن ہے، اس میں اعلیٰ ترین عقائد سے لے کر ادنیٰ عقائد تک شامل ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہیں۔''

2: دین اسلام کے ہادی اور راہنما نبی اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی زندگی اور سیرت محفوظ ہے اور تاریخ کے ہر معیار پر پورا اترتی ہے، نیز آپؐ کی سیرت دینِ اسلام کی عملی تفسیر ہے اور ہر زمانے میں انسانوں کے لیے بہترین نمونہ عمل ہے۔

''لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

(القرآن المجید، سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۲۱)

2: ہندومت کسی مرکزی شخصیت اور راہنما سے وابستہ نہیں، فی الحقیقت اس کا کوئی بانی نہیں۔ بقول جان کلارک ہندو مذہب کے بانیوں کی ذات ایک افسانہ ہے۔ ان کی شخصیتیں بادل کے پیغامبروں کی طرح ہیں جو متغیر اور متلون مزاج رکھتے ہیں، خود بھی سایہ اور سراب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(مذاہب عالم، صفحہ نمبر:25)

الغرض ہندو مذہب کا بانی کوئی ایک فرد نہیں بلکہ اس کے ابتدائی مدارج پر لاشخصیت کا ٹھپہ لگا ہوا ہے۔

3: اسلامی تعلیمات کی ترجمان کتاب ''قرآن مجید'' ہے جو الہامی ہے اور محفوظ ترین کتاب ہے، اس طرح سیرت پاک اور احادیث نبوی جو قرآن مجید کی تشریح اور تفسیر میں ہر لحاظ سے مستند اور محفوظ ہیں۔ حفاظتِ قرآن مجید کے بارے میں دشمنوں نے بھی شہادت دی ہے۔ بقول سر ولیم میور:

''اس بات کی تسلی بخش اندرونی اور بیرونی شہادت موجود ہے کہ قرآن مجید اس وقت بھی ٹھیک اسی شکل وصورت میں محفوظ ہے جس حالت میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔

(لائف آف محمد ﷺ، صفحہ نمبر 25)

حفاظت قرآن کا وعدہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

Marfat.com

اِنَّانَحْنُ نَزَّلْنَاالذِّکْرَوَاِنَّالَهٗ لَحَافِظُوْنَ ○

(القرآن المجید، سورۃ الحجر، آیت نمبر: ۹)

پھر قرآن مجید کی سند متصل اور متواتر ہے، اسی طرح احادیثِ نبویؐ روایت اور درایت کے اصولوں پر پوری اترتی ہیں۔

3: ہندومت کی کوئی متعین اور مستند کتاب نہیں جو اس کی تعلیمات کی ترجمان اور نمائندہ ہو۔ بقول الفنسٹن سابق گورنر بمبئی:

''ہندوؤں کے پاس کوئی مقدس کتاب تاریخ سے ملتی جلتی بھی نہیں، جو کتب ان کے ہاں پائی جاتی ہیں وہ جھوٹی کہانیوں' دیومالائی خرافات اور من گھڑت روایات کا مجموعہ ہیں۔'' (تاریخ ہند)

ہندوؤں کے ہاں سب سے زیادہ معروف اور مشہور ومقدس کتب وید' گیتا' منوسمرتی اپنشد وغیرہ ہیں لیکن ان کی صحت اور حفاظت مشکوک ہے۔ ویدوں کی تعداد' زمانۂ تالیف' وطن کسی پر اتفاق نہیں۔ تعلیمات متضاد ہیں خود ہندو انھیں الہامی نہیں مانتے۔ یہ کتب کئی دفعہ گم اور ضائع ہوئیں نیز یہ تحریف سے مبرا نہیں۔

4: اسلام دینِ توحید ہے شرک کی ہر آلائش سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ ہے جو اپنی ذات میں یکتا' صفات میں لاثانی اور افعال میں بے مثل ہے۔ اسلام میں شرک ناقابل معافی گناہ اور ظلمِ عظیم ہے:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْم ○ (سورۃ لقمان: ۱۳)

بلکہ اس کا اعلان ہے:

''وَاِلٰهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ (سورۃ البقرۃ: ۱۶۳)

پھر سورت اخلاص توحید کی بہترین ترجمان ہے:

قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ ○ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًااَحَدٌ ○ (سورۃ الاخلاص: ۱ تا ۴)

وہی قادر مطلق ہے اس کی ذات میں اس کی صفات میں نیز اس کے افعال میں کوئی اس کا شریک کار نہیں:

''لیس کمثلہ شیء (سورۃ الشوریٰ: ۱۱)

Marfat.com

4: ہندومت میں شرک کی ہر قسم پائی جاتی ہے۔ الوہیت' تجسیم' طول واوتار کا عقیدہ عام ہے۔ آباء پرستی' شجر پرستی' مظاہر پرستی موجود ہے۔ ان گنت دیوتاؤں کی لامتناہی دیومالا ہے۔ تثلیث' بت پرستی اور اوہام پرستی ہے۔ غرضیکہ ہندومت توحید کی بالکل ضد ہے۔ بقول جے بی فاس:

''ایک ہندو واحدالوجود یا شرک کا قائل ہوسکتا ہے۔ اس طرح ایک ہندو منکر خدا' دہریہ' ثنویت' تثلیث' کثرت یا وحدت میں کسی ایک عقیدہ کو قبول کرسکتا ہے۔''

یجروید میں کل دیوتاؤں کی تعداد 33 بتائی گئی ہے۔ جبکہ دوسری روایت میں 3340 دیوتا ہیں۔ دیوتاؤں کی یہ کثرت شرک فی ذات الٰہی ہے۔ ہندو روح اور مادہ کو خدا کی طرح ازلی اور ابدی قرار دیتے ہیں جو شرک فی الصفات ہے۔ نیز آگ' پانی' ہوا' سورج اور چاند کی عبادت کرتے ہیں جو شرک فی العبادۃ ہے۔

5: اسلام الہامی دین ہے۔ قرآن مجید کے مطابق آفرینش آدم علیہ السلام سے ہی وحی الٰہی کا سلسلہ جاری ہے اور آنحضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ نبوت اور وحی کی آخری کڑی ہیں۔ ان تمام انبیاء کا دین اسلام ہی تھا۔ قرآن مجید الہامی اور منزل من اللہ کتاب ہے جس کی تعلیمات کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے لیا ہے اور آج تک قرآن مجید انسانیت کے لیے ایک زندہ معجزہ ہے۔ اس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے فرستادہ آخری رسول ہیں' قرآن مجید کی بین آیات اس پر دلالت کرتی ہیں نیز خود غیروں نے اس کا اعتراف کیا ہے اور شہادت دی ہے۔

5: ہندومت غیر الہامی دین ہے۔ رسالت اور نبوت کے لیے ان کے ہاں واضح تصور نہیں پایا جاتا نہ ہی ان کے ہاں کوئی متفق علیہ الہامی کتاب ہے بلکہ ہندومت کی مقدس دینی کتب انسانی کاوشوں کا نتیجہ ہے، جس میں وقتاً فوقتاً ترمیم' تنسیخ اور تحریف ہوتی رہی' خود ہندوؤں کا اعتراف ہے کہ ہندو دھرم غیر الہامی ہے۔ پنڈت جواہر لعل نہرو اپنی کتاب The Discovery of India کے صفحہ نمبر 77 میں لکھتے ہیں:

''بہت سے ہندو ویدوں کو الہامی کتاب خیال کرتے ہیں حالانکہ وید صرف مختلف ادوار کی غیر مرتب معلومات کا مجموعہ ہیں۔''

6: اسلام عالمگیر اور بین الاقوامی مذہب ہے۔ اس کی عالمگیر سچائیاں' آفاقی اقدار

Marfat.com

اور ہمہ گیر تعلیمات قیامت تک کے لیے ہر زمانے اور معاشرے کے لیے مفید اور کارآمد ہیں۔ قرآن مجید یآ اَیُّھَا النَّاسُ سے تمام انسانوں کو خطاب کرتا ہے۔ نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد تمام حکمرانوں اور بادشاہوں کو دعوتِ اسلام دی پھر اسلام کا خدا رب العالمین، اس کا رسول رحمۃ للعالمین اور کتاب ذکر للعلمین ہے۔

6: ہندو دھرم سرزمینِ ہند تک محدود ہے اور متعصب قومیت کا ترجمان ہے۔ وید کی تعلیمات کے مطابق ہندو کا ہندوستان سے باہر نکلنا پاپ اور گناہِ عظیم ہے۔ ہندوؤں کا خدا عالمگیر نہیں بلکہ یہ آریاؤں کا خدا ہے جو غیر آریاؤں کا دشمن ہے۔ ان کے پاس کوئی عالمگیر پیغام کی حامل کتاب نہیں نہ ہی کوئی متفق علیہ عالمی شخصیت، عالمی تو کجا کوئی متفق علیہ قومی شخصیت بھی نہیں۔ بھارت ماتا سے مجنونانہ اور اندھی محبت کسی بھی اچھے ہندو کی نشانی ہے جو بھارت کے اس قومی ترانے سے ظاہر ہے:

''بندے ماترم!

''اے ماں! میں تیری پوجا کرتا ہوں۔''

7: اسلام عقلی اور فطری دین ہے۔ اس کی تعلیمات سادہ' عام فہم اور فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں اور عقل کی کسوٹی پر اترتی ہیں۔ قرآن مجید میں تفکر اور تدبر کی دعوت ہے۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اسلام فطرت کی پکار ہے:

فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ○ (سورۃ الروم: ۳۰)

نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ ○

''ہر بچہ فطرتِ سلیمہ اور دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

7: ہندومت خلاف عقل اور غیر فطری دین ہے۔ اس کی تعلیمات پیچیدہ اور فلسفیانہ ہیں جو عام آدمی کی فہم سے بالا ہیں۔ اس کے عقائد غیر فطری اور تعلیمات غیر عقلی ہیں۔ مثلاً خداؤں کا لامتناہی دیومالائی نظام' روح اور مادہ کا ازلی ہونا' ذات پات کی انسانیت سوز تعلیم' اور آواگون کا عقیدہ گائے کا تقدس اور برہمن کا تفرق وغیرہ۔

8: اسلام مساوات انسانی کا علمبردار ہے اور دین عدل ہے، اسلام کی نگاہ میں تمام انسان اور اقوام اپنی پیدائش اور اصل کے لحاظ سے مساوی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کا فرمان

Marfat.com

ہے:

''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ

(النساء : ۱)

رسول انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِنَّ الْعِبَادَ كُلَّهُمْ اِخْوَةٌ۔

تمام انسان باہم بھائی بھائی ہیں۔

خاندان' ذات پات' علاقہ اور زبان کی بدولت کسی کسی پر کوئی فوقیت نہیں پھر اسلامی قانون میں حاکم ومحکوم' امیر وغریب' مرد عورت اور عربی وعجمی برابر ہیں، تمام کے حقوق مساوی اور عدل وانصاف پر مبنی ہے۔

8: ہندومت ذات پات کا قائل ہے اور ظلم وبے انصافی پر مبنی ہے۔ ہندومت انسانوں کو مختلف ذاتوں اور طبقوں میں تقسیم کرتا ہے۔ برہمن' کھشتری' ویش اور شودر کی یہ تقسیم اٹوٹ ہے اور معاشرتی زندگی کا نہایت ہی بھیانک پہلو ہے۔ ہندومت میں عزت و احترام کی بنیاد یہی ذاتیں اور پیدائش کا اتفاق ہے۔ برہمن سب سے فائق اور پیدائشی افضل ہیں۔ انھیں خدائی حقوق حاصل ہیں، ان کا ہر جرم اور گناہ معاف ہے۔ جبکہ شودر پیدائشی طور پر گھٹیا ہے، اس کے کوئی حقوق نہیں بلکہ اس پر ہر قسم کا ظلم جائز ہے، ہر غیر ہندو شودر' ملیچھ، ڈاکو اور قابلِ نفرت ہے۔ اس کے چھونے سے ہی ہندو ناپاک اور نجس ہو جاتا ہے۔

9: اسلام میں برہمنیت نہیں ہر شخص علم ودین حاصل کرسکتا ہے۔ دینی علوم پر کسی کی اجارہ داری نہیں۔ ہر شخص بلالحاظ ذات' خاندان اور علاقہ اپنی ذاتی کاوش سے مسلمانوں کا مذہبی راہنما بن سکتا ہے۔ عبادات اور مذہبی شعائر کی ادائیگی کے لیے کسی برہمن پنڈت یا مولوی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر شخص براہ راست خود ہی عبادات کرسکتا ہے۔

9: ہندومت میں برہمنیت کا شکنجہ بڑا سخت ہے۔ دھرم کا علم حاصل کرنا صرف برہمن کی اجارہ داری ہے۔ کوئی عبادت' قربانی اور مذہبی فریضہ برہمن کے بغیر ممکن نہیں۔ حصولِ نروان اور نجات کا وسیلہ برہمی دیوتا ہے۔ اگر شودر بلاارادہ بھی وید کا کلام سن لے تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جائے نیز انھیں مندروں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔

Marfat.com

10: اسلام احترامِ آدمیت اور شرفِ انسانی کا دین ہے۔ انسان اشرف المخلوقات اور نائب خدا ہے:

"اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (سورۃ البقرۃ: ۳۰)

انسان مسجود ملائکہ ہے:

وَ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ ○ (الاسراء: ۶۲)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین خلقت پر پیدا کیا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○ (سورۃ التین: ۴)

10: ہندومت کی تعلیمات شرف انسانیت کے خلاف ہیں۔ مثلاً گائے کی پرستش بقول مہاتما گاندھی:

"گائے اور آدمی کے ذبح کرنے میں کوئی فرق نہیں۔"

گائے کو انسان سے افضل قرار دینا انسانیت کی توہین ہے۔ اسی طرح شجر پرستی' مظاہر پرستی تذلیل آدمیت ہے۔ اعمال کی بجائے ذات پات کو افضل قرار دینا شرفِ انسان کے خلاف ہے۔ ہندومت غیر ہندوؤں اور شودروں سے نفرت کا سبق دیتا ہے۔

11: اسلام عفت اور پاکدامنی کا دین ہے جس میں زوجین کا تعلق تقدس اور احترام پر مبنی ہے، بدکاری کے تمام راستے بند ہیں، مرد و عورت کا اختلاط ممنوع ہے۔ نکاح کو پسندیدہ' حجاب اور غض بصر کا حکم ہے۔ شائستگی کی تعلیم ہے، جنسی گفتگو کی ممانعت ہے، ستر پوشی کی تلقین ہے:

"ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ" (سورۃ البقرۃ: ۱۸۷)

امام راغب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لباس وہ ہے جو انسان کے امر قبیح کو ڈھانپ لے۔

11: ہندومت میں مذہب کے نام پر بے حیائی اور بدکاری کی تعلیم ہے۔ لنگ اور یونی کی پرستش' دیوتاؤں کے سامنے عورتوں کا ننگا ڈانس نیز مذہبی کتابوں میں ایسے اشلوک ہیں جنھیں ایک باحیا اور شریف آدمی اپنی زبان پر نہیں لاسکتا۔ پھر نیوگ یعنی کسی بے اولاد شادی شدہ عورت کا غیر مرد سے اولاد کی خاطر اختلاط مذہباً جائز ہے جو سراسر بدکاری اور بداخلاقی ہے۔

Marfat.com

12: اسلام رہبانیت' ترک دنیا اور نفس کشی کے خلاف ہے۔ دین و دنیا کی تفریق کا قائل نہیں' قرآن مجید میں نیکوں کی دعا کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

''رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً (سورۃ البقرۃ: ۲۰۱)

سیرت پاک کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں اشخاص کو منع کیا جنھوں نے عزلت نشینی' شادی نہ کرنا اور رات بھر عبادت کرنے کا عہد کیا تھا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمھارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔

12: ہندومت رہبانیت' ترکِ دنیا اور نفس کشی کی نہ صرف تعلیم دیتا ہے بلکہ حصولِ نروان کے لیے اسے ضروری خیال کرتا ہے۔ ہندومت کے تمام فلسفے تعذیبِ نفس پر زور دیتے ہیں، انسانی خواہشات اور فطری جذبات کو ختم کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور ایسی غیر فطری ریاضتیں ہیں جن میں نہ تو وہ دنیاوی خوشحالی ہے اور نہ ہی اخروی نجات۔

13: اسلام حقوقِ نسواں کا پاسبان ہے۔ عورت کو معاشرہ میں معزز اور محترم مقام دیتا ہے۔ مرد و عورت کے حقوق میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ مذہبی فرائض کی ادائیگی میں کوئی تفریق نہیں بلکہ عورت کی ذات مرد کے لیے باعثِ تسکین و مودّت قرار دی گئی ہے۔ ماں، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے اسے بلند مقام دیا گیا ہے۔ شادی میں اسے آزادی ہے' وراثت میں اس کا حصہ رکھا گیا ہے' تعلیم کے دروازے اس پر کھلے ہیں۔

13: ہندوؤں کی مذہبی کتب ویدوں میں عورت کو بے وفا' احمق اور منافق کہا گیا ہے۔ اسے نکاحِ ثانی کی اجازت نہیں بلکہ پتی کے ساتھ چتا میں جل مرنا ہی اس کا مقدر ہے۔ وراثت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ مذہبی تعلیم اس کے لیے ممنوع ہے۔ چنانچہ رگ وید میں ہے:

''عورتوں کے ساتھ محبت نہیں ہوسکتی، عورت کا دل استقلال سے خالی ہے، وہ عقل کی رُو سے نہایت ناقص ہے۔''

14: اسلام تصورِ فلاح پیش کرتا ہے۔ بقول قرآن مجید:

''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا''

ایک اور جگہ فرمایا:

Marfat.com

"قَدْاَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ"

اسلام یہ تصور دیتا ہے کہ انسان کی فلاح کا دارومدار ایمان اور نیک اعمال پر ہے۔ اگر انسان سے غلطی یا گناہ سرزد ہوجائے تو اس کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ غلطی کے اعتراف اور ندامت سے اللہ تعالیٰ گناہ معاف کردیتا ہے اور وہ فلاح پاسکتا ہے۔

14: ہندومت میں جونی چکر اور تناسخ سے حصولِ نروان کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ جو مایوسی اور قنوطیت پیدا کرتا ہے۔ انسانی روح حصولِ نروان کے لیے مسلسل اجسام بدلتی رہتی ہے۔ ایک غلطی پر اسے 184000 اجسام اور روپ بدلنے پڑتے ہیں۔ اس طرح نروان اور فلاح ناممکن ہے۔ عقیدہ تناسخ عقل، سائنس اور فطرت کے خلاف ہے۔

15: اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ ہر شعبۂ زندگی، اخلاق، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور روحانی کے متعلق مکمل اور تفصیلی ہدایات دیتا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ○ (المائدہ : ۳)

15: ہندومت رسوم پرستی، اوہام وخرافات کا نام ہے۔ جادومنتر پر اعتقاد رکھتا ہے۔ دین ودنیا کی تفریق سکھاتا ہے اور ہر شعبہ زندگی میں راہنمائی نہیں کرتا۔

☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

باب نمبر5:

جین مت

اس باب میں ہے.....جین مت کا معنی ومفہوم، مہاویر کے حالات، عقائدونظریات، تعلیمات اوراطواروعادات۔

Marfat.com

جین مت

جین مت ہندوستان کے قدیم مذاہب میں سے ہے۔ فی الحقیقت جین مت ہندو دھرم کے خلاف عوامی ردعمل تھا۔ ہندومت کی فلسفیانہ موشگافیاں خصوصاً اپنشد کی پیچیدہ تعلیمات عوام کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔ آتما اور برہمن کے اتحاد کا نظریہ جو اپنشد ہی نے پیش کیا وہ عوام الناس کے لیے ناقابلِ فہم اور ناقابلِ قبول تھا۔ اس کے ردعمل کے طور پر ہی جین مت وجود میں آیا۔ اس لیے ہندو اسے بدعتی تحریک کہتے ہیں۔ جینیوں کو عموماً ہندو ہی سمجھا جاتا ہے اور مردم شماری میں انھیں ہمیشہ ہندو ہی شمار کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جین مت اپنے عقائد اور نظریات کے لحاظ سے ایک الگ مذہب تھا لیکن ہندومت کا اژدھا جس طرح سابقہ ادوار میں کئی مذاہب ہڑپ کرتا رہا ہے اس طرح جین مت بھی اس اژدھا کا شکار ہوا حتی کہ آج کل جین مت کی انفرادیت اور امتیاز کو پہچاننا مشکل ہے۔

جین مت کا مفہوم:

لفظ جین جنا سے مشتق ہے جس کے معنی فاتح اور غالب کے ہیں۔ جین مت کے اکابر یعنی مذہبی پیشواؤں کو جنا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے سفلی جذبات پر مکمل ضبط اور غلبہ حاصل کر چکے ہیں۔ جین مت کے ماننے والوں کا خیال ہے کہ جین مت ہی ازلی دین ہے جو کئی صدیوں میں مختلف مذہبی پیشواؤں کے ذریعہ پہنچتا رہا ہے۔ یہ لوگ جو تناسخ کے وسیع سمندر کے راہنما ہیں۔ گویا جینیوں کے نزدیک تناسخ کا عمل ان لوگوں کی مرضی سے ظہور میں آتا ہے۔

جینیوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اس وقت تک چوبیس مشہور جینا اس دنیا میں آچکے ہیں جن میں اسے اول جینا کو آئے ہوئے لاکھوں برس گزر چکے ہیں۔

Marfat.com

مہاویر سوامی کے حالات

نام ونسب:

جینی روایات کے مطابق مہاویر سوامی چوبیسواں اور آخری جنا یعنی تھرتھنگر ہیں۔ ان کا اصلی نام وردھمان تھا۔ وہ پٹنہ کے قریب ایک کھشتری گھرانہ میں 540ق م میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام ''سرھاوتہ'' تھا جو قبیلہ جنا تیر کا سردار تھا۔ ان کی والدہ ریاست مگدھ کے حکمران خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔

زمانہ اور مہاویر کی وجہ تسمیہ:

مہاویر کا زمانہ 599ق م سے 527ق م ہے۔ ''مہاویر'' لقب ملنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بچپن میں وردھمان اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ شاہی باغ میں کھیل رہا تھا کہ شاہی اصطبل سے ہاتھی بھاگا اور باغ میں پہنچ گیا۔ ہاتھی کے چنگھاڑنے سے باقی بچے تو بھاگ گئے لیکن وردھمان اپنی جگہ کھڑا رہا۔ ہاتھی نے اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن وردھمان کمال بہادری سے سونڈ پکڑ کر ہاتھی پر سوار ہوگیا اور اسے ہانک کر اصطبل میں لے آیا۔ اس بہادرانہ کارنامے پر اس کا نام ''مہاویر'' پڑ گیا۔

تلاش نجات:

مہاویر کی پرورش بچپن میں بڑے ناز ونعم سے ہوئی۔ 30 برس کی عمر میں مہاویر نے ہندومت کو خیر باد کہا۔ اپنے بالوں کو سادھوں کی طرح جٹا دھاری بنایا، تمام لباس ترک کر کے صرف ایک جوڑا رکھ لیا اور راہبوں کے ایک گروہ میں شامل ہوگئے۔ آخر کار یہ سب کچھ بھی چھوڑ دیا اور وسط ہند میں گھومتے پھرتے رہے تا کہ سکون اور طمانیت کا راز معلوم ہو سکے۔

Marfat.com

انھوں نے اپنی روح آلائشوں سے پاک کرنے کے لیے ''اھنسا'' یعنی اصولِ عدم تشدد کو اپنایا۔ جس کا مقصد کسی جاندار کو اذیت دینے سے پرہیز کرنا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ہر جاندارذی روح کواحترام کی نگاہ سے دیکھا اورانھیں کسی قسم کی تکلیف پہنچانے سے گریز کیا۔ بعض لوگوں نے مہاویر کا مذاق اڑایا لیکن انھوں نے توجہ نہ دی۔ کتوں نے انھیں کاٹ کھایا لیکن وہ پُرعزم رہے۔ اس طرح بارہ برس مہاویر نجات کی تلاش میں سرگرداں رہے اور بالآخر ایک درخت کے پاس بیٹھ کر ایک گہرے مراقبے میں مشغول ہوگئے۔ آخر 42 سال کی عمر میں انھیں کامل نروان حاصل ہوا۔

مہاویر نے اس راہِ نجات کی تلقین دوسرے لوگوں کو بھی کی جس میں انھیں کامیابی حاصل ہوئی اور پچاس ہزار کے قریب راہب اس کے پیروکار بن گئے۔ اس نے دنیوی خواہشات پر فتح حاصل کی تھی۔ اس لیے جینا (فاتح) کہلایا۔

وفات:

آخر مہاویر نے 72 سال کی عمر میں جنوبی بہار کے ایک مقام پاوا میں وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے ماننے والوں کی تعداد اس کی زندگی میں ہی پانچ لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ کسی زمانے میں جینیوں کو زبردست قوت حاصل رہی۔ جس کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ انھوں نے مندروں سے معمور شہر تعمیر کیے جن میں چند ایک ابھی بھی باقی ہیں۔

کوہ ابو (Mount abu) میں اب بھی سینکڑوں عظیم الشان جین مندر موجود ہیں اور ان میں سنگِ مرمر استعمال کیا گیا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

بنیادی اصول

جینی کرم اور تناسخ کے عقیدہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں انسان کا ہر فعل اس کی روح پر اثر انداز ہوتا ہے خواہ یہ فعل اچھا ہو یا برا۔ عمل صالح کی نورانیت سے روح روشن ہوتی ہے اور برے عمل سے روح تاریک ہو جاتی ہے۔ جینیوں کے نزدیک روح کو تاریک کرنے والے عمل میں سب سے بری بات کسی ذی روح کو ہلاک کرنا ہے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ کسی جان کی حفاظت ان کے نزدیک سب سے بڑی نیکی ہے۔ اگر کوئی شخص بھول کر کسی کی جان لے لے تو اس سے بھی روح تاریک ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک فوجی، شکاری اور قصاب یہ سب لوگ سیاہ دل ہیں اور نورانیت سے محروم ہیں۔

فلسفہ اہنسا:

مہاویر جب نجات کے حصول میں سفر پر روانہ ہوئے تو دورانِ سفر انھوں نے جانور کو اذیت دینے سے گریز کیا۔ وہ راستے پر پاؤں رکھنے سے پہلے اسے صاف کرتے تاکہ کیڑے مکوڑے ان کے پاؤں سے روندے نہ جائیں۔ وہ ناک اور منہ پر کپڑا رکھتے تاکہ جراثیم سانس کی گرمی سے ہلاک نہ ہو جائیں۔ مہاویر نے اپنی غذا سے گوشت اور انڈوں کو دور کیا۔ وہ کم سوتے، وہ اپنے دانتوں اور جسم کی صفائی شاذ ہی کرتے۔ اگرچہ یہ بات صحت کے مسلّم اصولوں کے خلاف ہے لیکن مہاویر نے اسے ایک اہم اصول کی حیثیت سے اپنایا۔ ان کا نقطہ نگاہ یہ تھا کہ اپنی جان کی خاطر کسی ذی روح کی جان ضائع نہ کی جائے۔

چنانچہ اس سلسلے میں ذی روح کے لیے مزید ہمدردیاں پیدا ہوتی ہیں۔

ہر جینی حلف اٹھاتا ہے کہ وہ کسی ذی روح کو ایذا نہیں دے گا۔ یہ ایذا نہ خود پہنچاؤں گا اور نہ کسی دوسرے کو اس کی اجازت دوں گا۔ پس میں اقرار کرتا ہوں کہ کسی ذی روح کو ہلاک

Marfat.com

کرنے کو قابل مذمت سمجھتا ہوں اور سچے دل سے اقرار کرتا ہوں۔

تجرّ داور گروہ بندی:

جینی راہبوں سے تجرّ د کا حلف لیا جاتا ہے کہ وہ راہبانہ طور پر زندگی بسر کریں گے ان کے دو گروہ ہیں۔

1: وائٹ کلیڈ (سوتیامبر)

2: سکائی کلیڈ (گمبر)

وائٹ کلیڈ: سفید پوش (سوتیامبر): ایک گروہ (White Clad) کہلاتا ہے۔ یہ لوگ اکثر سفید لباس میں ملبوس نظر آتے ہیں اور زیادہ تر یہ لوگ شمالی ہندوستان میں آباد ہیں۔

سکائی کلیڈ: دوسرا گروہ (Sky Clad) کہلاتا ہے۔ آسمانی لباس پہننے والے یہ بالکل برہنہ مادر زاد ننگے رہتے ہیں اور کپڑوں کو ترک کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ ہندوستان کے جنوبی حصے میں آباد ہیں۔ ان کا یقین ہے کہ مہاویر نے شادی نہیں کی بلکہ انھوں نے سب کچھ چھوڑ دیا اور دنیا سے کنارہ کشی کی۔ جب مسلمان ہندوستان میں فاتح کی حیثیت سے آئے تو مسلمانوں نے انھیں حکماً ستر پوشی کرائی۔

پیشہ:

جین مذہب کے ماننے والے وہ لوگ جو راہبانہ زندگی اختیار نہیں کرتے وہ سخت قسم کا حلف نہیں اٹھاتے۔ البتہ وہ ایسے تمام امور سے اجتناب کرتے ہیں جن سے کوئی زندگی ہلاک ہو۔ چنانچہ جینیوں میں قصاب کا پیشہ اور ماہی گیری ممنوع ہے۔ یہ لوگ کھیتی باڑی کا کام بھی نہیں کرتے کیونکہ ہل چلاتے وقت کیڑے مکوڑے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ عام طور پر جینی تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے خاصے امیر ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

عقائد ونظریات

حصول نروان:

جین مت نے ذات پات کی تمیز' عبادت وقربانی کی پابندی' خدا، ویدوں اور سنسکرت زبان کی تقدیس کا انکار نہایت سختی سے کیا۔ ان کے ہاں جنت اور دوزخ کا تصور پایا جاتا ہے۔ نروان کے حصول کا واحد طریقہ نیک اعمال ہیں۔

ہندومت اور جین مت میں فرق:

جینیوں کا خیال ہے کہ ان کا دھرم ماقبل تاریخ سے چلا آتا ہے۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ جین مت دراصل ہندو دھرم کے بے شمار فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے لیکن یہ خیالات درست نہیں کیونکہ جینی ویدوں اور اپنشدوں کو سند تسلیم نہیں کرتے۔ علاوہ ازیں وہ برہمہ کے تصور اور کائنات کے بارے میں ہندو نظریہ کی تردید کرتے ہیں۔

فلسفہ روح:

البتہ روح سے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے کہ روح غیر فانی ہے، ان کے خیال میں روحیں کثرت سے ہیں اور سب کی سب خودمختار' آزاد اور ازلی ہیں۔ کائنات بھی ازلی ہے' نہ اس کا آغاز ہے' نہ اس کا کوئی انجام۔

یہی روحیں کائنات کی زندگی کا باعث ہیں۔ کائنات کا یہ سلسلہ زمانے سے وابستہ ہے' ایک زمانہ دو چکروں میں مکمل ہوتا ہے۔

1: صعودی دور

2: نزولی دور

Marfat.com

صعودی دور: (Ascending Cycle): پہلے چکر کو صعودی چکر کہتے ہیں۔ اس میں اشیاء یا روحیں اپنے آغاز کار میں بری حالت میں ہوتی ہیں لیکن بتدریج بہتر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ لوگوں کی عمروں میں اور ان کے قدوقامت میں خوشگوار اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ جب روح تمام آلائشوں سے پاک ہوجاتی ہے تو وہ بہشت میں پہنچ جاتی ہے۔ اسے جینی لوگ حصولِ نروان کا نام دیتے ہیں۔

نزولی دور (Descending Cycle): دوسرے دور کو نزولی دور کہا جاتا ہے۔ اس دور میں چیزیں اور روحیں روز بروز بد سے بدتر ہوتی چلی جاتی ہیں حتی کہ دوزخ میں پہنچ جاتی ہے۔ لوگ قدوقامت اور عمروں کے لحاظ سے چھوٹے سے چھوٹے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہر دور میں 24 جنا ظاہر ہوتے ہیں، اس مین سب سے پہلا رسابھ تھا، اس کی عمر صرف 84 لاکھ برس تھی اور اس کی اونچائی 500 کمان کے برابر تھی۔ آخری جنا مہاویر سوامی تھا جو بدھ مہاراج کے ہم عصر تھے۔

کائنات کی تقسیم:

جینیوں کے نزدیک کائنات کی عام فہم تقسیم اس طرح ہے:

1: جیو یعنی روح (Spirit)

2: اجیو یعنی غیر فانی ذی روح، مادہ

جینیوں کے نزدیک روح اور مادہ غیر فانی ہیں۔ ان میں کرم کا اصول ان کے تعلق کو قائم رکھتا ہے۔ مادہ بدی اور ظلمت ہے جبکہ روح نیکی اور نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ روحانی بالیدگی کے حصول کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ انسان مادیت پر غلبہ حاصل کر کے روح کو پاکیزہ اور منزہ کرے۔ اس روحانی ارتقاء سے روح مادیت کے شکنجے سے آزاد ہوکر نروان حاصل کرتی ہے لیکن جینیوں کا یہ نظریہ ہندو نظریہ مکتی کے خلاف ہے کیونکہ جین مت میں برہمہ کے نزدیک ہر روح منفرد اور غیر فانی ہے۔ مادیت کے اس شکنجے سے آزادی کیوں کر ممکن ہے؟

جینیوں کے نزدیک اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ یہ ہے کہ انسان دنیاوی تعلقات سے اپنے آپ کو الگ کرلے۔ جینیوں کے ہاں ایک اصول ''دیا'' ہے جس کے معنی ترس کھانے کے ہیں۔

Marfat.com

تعلیمات

فلسفۂ نروان:

جس دور میں مہاویر پیدا ہوئے اس وقت سب سے اہم مسئلہ نروان کا حاصل کرنا تھا۔ مہاویر نے نروان کے حصول کے لیے دو طریقے منفی اور ایجابی بیان کیے ہیں۔

نروان کے حاصل کرنے کا منفی طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے دل سے ہر قسم کی خواہشات اور آرزوئیں نکال دے کیونکہ خواہشات اور تمنائیں ہی مصائب اور رنج کا باعث ہوتی ہیں۔ جب انسان کی خواہش پوری نہیں ہوتی تو وہ مخمصے سے دوچار ہوتا ہے' جب خواہش ہی نہ ہوگی تو روح مسرت اور خوشی سے ہمکنار ہوگی اور یہ قلبی مسرت اور راحت ہی نروان ہے۔

مہاویر کے نزدیک نروان کے حصول کا ایجابی طریقہ یہ ہے کہ انسان کے عقائد، علم اور عمل درست ہوں۔

اعمال کی درستگی کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے۔

1: اہمسا یا آزادی (Ahimsa) یعنی کسی ذی روح کو تکلیف نہ دی جائے۔ جس طرح انسان کا اپنا وجود محترم اور عزیز ہوتا ہے اسی طرح دوسروں کو بھی سمجھنا چاہیے۔

2: ستیام (Satyam) یعنی راستی ہمیشہ راستی کو اپنا شعار بنایا جائے اور دوسروں کے اموال کو ناجائز طریقہ سے حاصل کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

3: استیام یا چوری سے اجتناب (Asteyam) حلال روزی کمائی جائے اور دوسروں کے اموال کو ناجائز طریقہ سے حاصل کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

4: برہمچاری (Brahmachary) یعنی عفت پاک دامنی کی زندگی بسر کی

Marfat.com

جائے۔

5: اپری گراہہ (Apari Graha) یعنی لذّاتِ مادی وحواس خمسہ یعنی سننے، دیکھنے، سونگھنے اور چکھنے میں مکمل طور پر غلبہ اور فتح ہونی چاہیے۔

دہریے:

جینیوں کے ہاں چونکہ کائنات ازلی ہے اور خدا کا کوئی تصور موجود نہیں لیکن ہندوؤں کے زیر اثر ان کے مندروں میں بھی مورتیاں نظر آتی ہیں۔ جن میں وشنو، کرشن اور لکشمی خاص طور پر مقبول ہیں۔ پہاڑی مقامات پر جینیوں کے مندر پتھروں سے بنے ہوئے دیوی دیوتاؤں کی مورتیوں سے اَٹے پڑے ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

اطوار وعادات

اکثر جینی سبزی پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ پانی چھان کر پیتے ہیں۔ لکشمی فرقہ کے لوگ اندھیرا ہوجانے پر بالکل پانی نہیں پیتے۔ راہب جین متی اپنے منہ پر کپڑا باندھے رکھتے ہیں اور ہاتھوں میں برش لیے ہوتے ہیں جس سے وہ پہلے راستے کو صاف کرتے ہیں پھر اس پر قدم رکھتے ہیں۔ مالدار جینیوں نے ہسپتال قائم کررکھے ہیں۔ جہاں پرندوں' بیمار اور بوڑھے جانوروں کے علاج وآرام کا انتظام کیا گیا ہے۔ جینیوں کے ان اطوار نے ہندوؤں پر گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ خصوصاً مہاتما گاندھی کا عدمِ تشدد کا فلسفہ اور ہندوؤں میں سبزی خوروں کا رواج جین مت کے ہی اثرات ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

جین مت کی کتب

چوتھی صدی قبل مسیح کے آخر میں جنوبی بہار کے علاقوں میں قحط پڑ گیا جس وجہ سے بھوابا ہو کی قیادت میں جینیوں کی ایک بہت بڑی جماعت میسور اور اس کے قرب وجوار میں جا آباد ہوئی۔ لوگ پاٹلی پتر میں مقیم رہ گئے، انھوں نے ایک کونسل قائم کی تا کہ مقدس کتب کو ازسرنو مرتب کیا جاسکے۔ اس کونسل نے ''بارہ انگس'' کتابیں مرتب کیں۔ پانچویں یا چھٹی صدی میں ''لیبھائی'' ضلع گجرات میں دوسری کونسل قائم کی گئی جس نے جین مت کے تمام اصولوں کو اکٹھا کیا اور ان کو کتابوں کی شکل میں مرتب کیا۔ ان میں ''انگس'' ایک مکمل صحیفہ ہے اس کے علاوہ اور بھی کتب مدون کی گئیں مثلاً: اپانگہ، ہیولہ، سوترا وغیرہ۔

☆☆☆

Marfat.com

تنقیدی و تحقیقی جائزہ

1: جین مت میں تعذیبِ نفس، ترک خواہشات اور ترک دنیا ہی بہترین عبادت ہے لیکن یہ تمام امور خلافِ فطرت ہیں۔

2: جینیوں کا دعویٰ ہے کہ ان کا مذہب قدیم ترین مذہب ہے۔ یہ صرف انسانوں کے لیے نہیں بلکہ کائنات کی تمام چیزوں کا مذہب ہے لیکن اس دعویٰ کے باوجود جین مت عالمگیر مذہب نہ بن سکا۔ اس نے کبھی ہندوستان سے باہر قدم نہیں رکھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اصول بہت سخت ہیں۔ خصوصاً اہنسا کہ کسی جانور کو قتل نہ کرنا۔ پھر اس اصول میں انتہائی غلو روا رکھا گیا ہے اور اس اصول کی بنا پر جینی دنیا کا کوئی پیشہ اختیار کرنے کے قابل نہ رہے۔ مثلاً زراعت، فوج، طب، ماہی گیری، قصاب وغیرھم۔ یہ اصول عملی زندگی میں ناقابل عمل ہے اور انسانی فطرت کے بھی خلاف ہے۔ اگر ان تعلیمات پر سختی سے عمل کیا جائے تو کاروبارِ حیات معطل ہو کر رہ جائے۔ یہی نہیں اگر پوری دنیا جین مت قبول کر لے تو دنیا تباہ و برباد ہو جائے نہ تو کسی چیز کا کاشت ہو کر کھانا پکے، نہ ہی کپڑا بُنا جائے اور نہ کوئی سفر کے لیے قدم باہر نکالے۔ اس خامی کی وجہ سے یہ مذہب دوسرے ملکوں میں مقبول نہیں۔ البتہ اس کے ماننے والے ہندوستان میں خاصی تعداد میں موجود ہیں۔

3: جین مت میں خدمتِ خلق کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ایسے اداروں کا قیام جن کے ذریعے انسان وحیوان کی خدمت ہو سکے۔ ان کا محبوب مشغلہ انسانوں کے فائدے کے لیے ہسپتال کھولنا ہے۔ ان جانوروں کے آرام کے خیال سے گئوشالہ قائم کرتے ہیں۔ ان کی عبادت نروان کی دعا پر مشتمل ہوتی ہے:

''آقا جین کے سامنے میں اپنا سر عاجزی سے جھکاتا ہوں جو ساری دنیا کا معبود ہے اور امن و راحت بخشنے والا دنیا کی تمام مخلوقات کو وہ ابدی سکون عطا کرتا ہے۔ کاش کہ میں اس

Marfat.com

کی مہربانی سے نروان کا اعلیٰ ترین تحفہ حاصل کرسکوں۔شری شانتی!

جین مذہب کے حقیقی عروج کا زمانہ موریہ خاندان کا عہد ہے۔ چندر گپت موریا نے جین مت قبول کرلیا تھا اور جین مت کو شاہی سرپرستی میں خوب ترقی حاصل ہوئی۔

☆☆☆

Marfat.com

باب نمبر6:

بدھ مت

اس باب میں ہے .....بدھ مت کا تعارف، بدھ مت سے قبل ہندوستان کی حالت، بانی بدھ مہاراج کے حالاتِ زندگی، تنظیم کے اصول، اشاعت، مشہور فرقے، دینی ادب، بنیادی تعلیمات ونظریات، تصورِ توبہ، تصورِ خدا، مقبولیت اوراشاعت کے اسباب، زوال کے اسباب، بدھ مت اوراسلام کا موازنہ۔

Marfat.com

بدھ مت

تعارف:

بدھ مت ادیان عالم میں سے ہے۔ ایک مشہور مغربی محقق کے بقول بدھ کے ماننے والوں کی تعداد 50 کروڑ ہے۔ بعض لوگوں نے بدھ مذہب کو مذہب کی بجائے ایک فلسفہ قرار دیا ہے کیونکہ کوئی مذہب اس وقت تک مذہب قرار نہیں پاتا جب تک کہ اس میں خدا کا تصور موجود نہ ہو۔ ہندومت والوں نے بدھ مت اور جین مت کو بدعتی قرار دیا ہے کیونکہ ان دونوں نے برہمنوں کی فوقیت اور ان کے علم وحکمت کا انکار کیا۔ بدھ مذہب اگرچہ جین مت کے قدرے بعد ظاہر ہوا لیکن دونوں مذاہب میں بہت سے مسائل مشترکہ پائے جاتے ہیں مثلاً:

1: دونوں مذاہب میں ترک دنیا اور رہبانیت کا میلان پایا جاتا ہے۔
2: دونوں عملی زندگی سے فرار کی راہ آئندہ کامیابی کے لیے ضروری خیال کرتے ہیں اور
3: دونوں برہمن ازم کے خلاف احتجاجی تحریکیں تھیں۔

لیکن دونوں مذاہب میں بنیادی فرق یہ ہے کہ جین مت میں ترک دنیا کے بارے میں زیادہ مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔

بدھ مت سے قبل ہندوستان کی حالت:

بدھ مت سے قبل ہندوستان کی مذہبی' اخلاقی' معاشرتی اور سیاسی حالت ناگفتہ بہ تھی اور ایک نئے مذہب کے پنپنے اور ارتقاء کے لیے مناسب ماحول تھا۔ ذیل میں ہم ان احوال کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں۔

مذہبی حالت:

ہندو سوسائٹی میں شرک کی ہر قسم پائی جاتی ہے۔ مظاہر پرستی' کثرت پرستی اور فرضی

Marfat.com

دیوتاؤں کی پوجا عام تھی۔ شجر، حجر اور حیوانات اور نباتات تک کی پرستش ہوتی تھی۔ ہندو معاشرہ ذات پات کے غیر فطری اور غیر عقلی ظالمانہ نظام میں منقسم تھا جس میں برہمن سب سے اونچی ذات تھی، اسے ہر قسم کی مراعات اور خدائی حقوق حاصل تھے، کوئی قربانی اور نذر و نیاز برہمن کی اشیر باد کے بغیر مقبول نہ ہوتی تھی۔ برہمن خدا کے منہ سے پیدا ہوا تھا اس لیے کوئی گناہ، جرم یا ظلم اسے ناپاک نہیں کر سکتا تھا۔ اسے حکومت کی اور قانون کی پوری حمایت حاصل تھی۔ اس مادی قوت کے علاوہ آریہ نسل کی اخلاقی و عملی تائید بھی حاصل تھی۔ تقدس و پاکیزگی کے اس غیر انسانی تصور نے اسے قتل، بدکاری اور بداخلاقی کا مجسمہ بنا دیا تھا، اس کے برعکس نچلی ذاتیں اور غیر آریائی نسلیں نیم حیوانی ذلت آمیز زندگی گزارنے پر مجبور تھیں۔ ان کے کوئی انسانی حقوق نہ تھے۔ دینی علوم ان کے لیے شجرِ ممنوعہ تھے۔ الغرض پورا مذہب پیچیدہ عقائد اور فلسفیانہ موشگافیوں کا مجموعہ تھا جو عام انسان کی فہم سے بالا تھا۔ کرم کا غیر فطری عقیدہ اور تناسخ کا لاینحل مسئلہ اس کی مثالیں ہیں۔

اخلاقی حالت:

ہندو معاشرے میں اخلاق نام کی کوئی شے نہ پائی جاتی تھی۔ شرک تمام اخلاقی مفاسد کا سرچشمہ ہے۔ اس لیے مذہب کے نام پر زنا کاری اور جنسی آزادی عام تھی۔ جنسی اعضاء، لنگ اور یونی تک کی پرستش کی جاتی تھی۔ نیوگ کا نظریہ رائج تھا۔ مذہبی طبقہ میں قمار بازی، شراب خوری اور سود خوری عام تھی۔ عورت کو کوئی حقوق حاصل نہ تھے۔ اسے عزت و احترام اور برابری کا درجہ حاصل نہ تھا۔ ویدوں کی تعلیم اسے احمق، بے وفا اور منافق قرار دیتی تھی۔ قمار بازی میں بیویوں کو لگایا جاتا تھا۔ زندگی کے ہر مسئلہ میں وہ کسی نہ کسی کی باندی اور ملکیت قرار پاتی تھی۔ رہبانیت، ننگا پن اور عریانی خوبی خیال کی جاتی تھیں۔ ننگے سادھوؤں اور بیکار مذہبی راہنماؤں کا ایک طفیلی طبقہ پیدا ہو گیا تھا جو محنت کشوں، مزدوروں اور غلاموں کے خون پسینے کی کمائی ہڑپ کر جاتا تھا۔

معاشرتی زندگی:

معاشرہ ذات پات اور اونچ نیچ میں بٹا ہوا تھا۔ برہمنوں اور اونچی ذات والوں کو تمام حقوق اور مراعات حاصل تھیں۔ اس کے برعکس شودروں کی زندگی حیوانوں سے بدتر تھی۔

Marfat.com

تینوں اونچی ذاتوں کی خدمت اس کا فریضہ تھا، علم کے دروازے اس پر بند تھے، اگر وہ غلطی سے وید کا کلام سن بھی لے تو سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں ڈال دیا جاتا تھا۔ عورت مرد کی غلام تھی، خودکشی اور ستم کی رسم عام تھی۔ بچپن کی شادی کا رواج تھا۔ وراثت میں اس کا کوئی حق نہ تھا۔ الغرض معاشرتی ظلم وستم اور ناانصافی عام تھی۔

سیاسی حالت:

بادشاہت اور ملوکیت اپنی تمام خرابیوں کے ساتھ موجود تھی۔ عدالتی نظام بے انصافی پر مبنی تھا۔ راجہ اور بادشاہ کو خدا کا نائب تصور کیا جاتا تھا اور اس کی اطاعت خدا کی طرح کی جاتی تھی۔ ہندوؤں کا مشہور قانون ساز منو لکھتا ہے:

''بادشاہ اگر نابالغ بچہ بھی ہو تو اسے یہ خیال کر کے کہ یہ بھی ایک انسان ہے حقارت سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ بادشاہ فی الواقع انسان کی شکل میں خدا ہے۔''

بادشاہ کے مشیر برہمن ہوتے تھے اور بادشاہ کے لیے لازم تھا کہ وہ برہمن سے مشورہ لے اور اسے خیرات اور دان دے۔ عوام الناس کے کوئی حقوق نہ تھے۔

الغرض جب ہندو معاشرے میں ہر شعبہ زندگی میں فساد اور خرابی پیدا ہوگئی تو ان خرابیوں کو دور کرنے کے لیے گوتم بدھ میدانِ عمل میں آئے۔ مہاتما بدھ کا عظیم ترین کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے ظلم رسیدہ اور دکھی مخلوق کی مظلومیت کو زبان بخشی۔ وہ برہمیت کے انسانیت سوز تسلط کے خلاف ایک موثر صدائے احتجاج ثابت ہوئے۔ انھوں نے شرک اور بت پرستی سے بیزاری کا اظہار کیا۔ بے شمار فرضی دیوتاؤں کے تصور کو باطل ٹھہرایا۔ ذات پات اور جونی چکر سے انسانیت کو نجات دلائی۔ عورت کا احترام بحال کیا۔ انسان کو اعلیٰ اخلاق، نیکی، محبت، عفت اور مساوات کا درس دیا۔ مہاتما بدھ کی مساعی نے ہندوستان کی مذہبی کایا پلٹ دی اور بہت جلد ہندو اور برہمنی اقتدار کی بجائے بدھ کی اخلاقی اقدار اور مذہب کو سیاسی بالادستی حاصل ہوگئی۔

☆☆☆

Marfat.com

بدھ مہاراج کے حالاتِ زندگی

بدھ کے معنی و مفہوم:

سنسکرت میں ''بدھ'' کے معنی عارف اور نور کے ہیں یعنی ایسا آدمی جسے معرفتِ الٰہی حاصل ہوگئی ہو اور دنیا کی تاریکی سے باہر نکل آیا ہو نیز انسانیت کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف بلا رہا ہو۔

بدھ مہاراج کا شمار دنیا کے عظیم روحانی پیشواؤں میں ہوتا ہے۔ اگر چہ ان کی تاریخی شخصیت میں کسی کو کلام نہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ بدھ مہاراج کی ابتدائی زندگی مخفی ہے۔ کیونکہ مذہبی راہنماؤں کی ابتدائی زندگی اکثر عوام کی نگاہوں سے اوجھل ہوتی ہے، بلکہ دوسرے لفظوں میں ان کا زمانۂ عروج لوگوں کے سامنے ہوتا ہے۔ اسی طرح مہاتما بدھ سے متعلق جو معلومات ہمیں میسر آتی ہیں وہ بہت کم ہیں۔

ولادت اور نام:

بدھ مہاراج جنوبی نیپال میں ہمالیہ کے دامن میں بنارس سے سو میل کے فاصلے پر ''کپل وستو'' کے نزدیک لمبینی (Lambini) میں 563 قبل مسیح میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام سدھونا تھا جو ساکیہ (Sakya) قوم کی ایک چھوٹی راج دھانی کے راجہ تھے۔ گوتم کھشتری خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کا ذاتی نام سدارتھ اور خاندانی نام گوتم تھا۔ قبیلے کا نام پر انھیں ساکیہ منی کہا جاتا تھا۔

ولادت کے بارے میں مختلف قصے:

بدھ کا نام انھیں علم و عرفان کے حصول پر دیا گیا۔ گوتم کی شخصیت سے متعلق بدھ دینی

Marfat.com

ادب میں مختلف حکایات بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے 5047 کہانیاں ان کی ولادت سے متعلق ہیں۔ جن میں گوتم کی پہلی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً وہ کبھی پرندہ بھی رہے۔

ولادت سے پہلے ان کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک سفید ہاتھی ان کے جسم میں داخل ہورہا ہے۔ بدھ مت کی دینی روایات کے مطابق ان کی پیدائش کے وقت آسمان مختلف نشانات سے منور ہوگیا بعض جگہ زلزلے ظاہر ہوئے، بعض باغوں مین بغیر موسم کے پھل اور پھول پیدا ہوگئے نیز بعض جگہ آسمانی نغمے سنے گئے۔ دریاؤں کا کھارا پانی میٹھا ہوگیا۔ بدھ مہاراج نے پیدا ہوتے ہی چلنا شروع کردیا۔ اس قسم کے معجزات کا ذکر ان کے حالات میں ملتا ہے۔ بدھ کی والدہ ساتویں دن ہی فوت ہوگئی۔ بچے کی حفاظت اور پرورش کا فریضہ اس کی خالہ نے نبھایا جو سدھونا کی دوسری بیوی تھی۔

چار نظارے:

گوتم کے والد کو سادھو نے یہ بتایا تھا کہ اگر یہ لڑکا گھر سے باہر نہ نکلے تو ایک بڑا بادشاہ بنے گا۔ ورنہ اسے جنگلوں کی خاک چھاننا ہوگی اور عظیم روحانی راہنما ہوگا۔ اس پیش گوئی کے تحت راجہ نے ایک بڑے محل میں بچے کے لیے آرائش اور عیش و آرام کے سامان بہم پہنچائے۔ ایک قریبی ریاست کے راجہ کی بیٹی یشودھرا سے اس کی شادی کردی تاکہ ازدواجی زنجیر اسے ترکِ دنیا کی طرف مائل نہ کرے لیکن بدھ روایات کے مطابق گوتم بدھ کو چار نظارے ہوئے۔ جنھوں نے ان کی طبیعت کو بدل کر رکھ دیا۔

چنانچہ پنڈت رادھا کرشن لکھتے ہیں:

''چار مرتبہ جب وہ اپنے محل سے باہر نکلا تو عام کہانی کے مطابق وہ ایک بوڑھے آدمی سے ملاقاتی ہوا اور محسوس کیا کہ وہ خود بھی ضعیفی اور مجبوری کا شکار ہوسکتا ہے' ایک بیمار کو دیکھا تو محسوس کیا کہ وہ خود بھی بیمار ہوسکتا ہے۔ ایک مُردے کو دیکھا تو محسوس کیا کہ ایک دن اس کا بھی یہی حشر ہوگا لیکن اس کے برخلاف اس نے ایک تارک الدنیا فقیر کو دیکھا جس کے چہرہ سے اطمینان اور مسرت کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں' کیونکہ اس نے تلاشِ حق کا روایتی مسلک اختیار کیا تھا۔ گوتم بدھ نے بنابرآں طے کرلیا کہ وہ بڑھاپے' بیماری اور موت سے اس سادھو کے نقش قدم پر چل کر رہائی حاصل کرلے گا۔ سادھو گوتم بدھ سے کہتا ہے میں سارا منا ایک

Marfat.com

راہب ہوں' جس نے پیدائش اور پھر موت کے ڈر سے آزادی حاصل کرنے کے لیے عائلی زندگی کوترک کردیا ہے۔ اس مقدس آدمی کے دیدار نے گوتم بدھ کو بے حد متاثر کیا اور اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ انسان کی شایانِ شان منزل مقصود مذہب (حق گوئی وصداقت پر مبنی اصولوں) کی تلاش ہے۔''

(مقدمہ باب۔مرتبہ پروفیسر پی وی پٹ)

پہلے تین نظاروں سے دنیا کی بے ثباتی کا اظہار ہوا جبکہ سادھو کو دیکھ کر اس کی طبیعت بے حد متاثر ہوئی کہ دنیا کے فکروغم سے آزاد اپنے خیالات میں مگن ایک کامیاب زندگی کا نشان بنا ہوا ہے۔ نتیجتاً 29 برس کی عمر میں گوتم نے جوان بیوی اور نومولود بچے کوسوتے ہوئے چھوڑا اور جنگل کی راہ لی۔ گوتم نے ایک برہمواستاد کی شاگردی اختیار کی لیکن شانتی حاصل نہ ہوئی۔ ایک گاؤں میں اسے پانچ برہمن ملے گوتم ان میں شامل ہوگیا اور اپنے جسم کو مسلسل روزوں سے یہاں تک فنا کیا کہ چھاتی کی ہڈیاں ابھر آئیں۔ چھ برس اسی طرح مجاہدے اور تعذیبِ نفس میں گزارے لیکن سکون کا راستہ میسر نہ آیا۔ پانچ ساتھی بھی ساتھ چھوڑ گئے۔ گوتم کے لیے اب یہ لمحہ فکریہ تھا کہ آخر وہ کیا کرے؟ آخر گوتم اس مراقبے سے تنگ آ گیا۔ انھوں نے اپنے گذشتہ تجربات پر غور کیا اور یہ فیصلہ کے کہ نروان اور عرفان نہ تو بھوکا رہنے سے حاصل ہوسکتا ہے اور نہ ہی حکیمانہ مراقبے سے' چنانچہ انھوں نے پھر کھانا پینا شروع کردیا اور جستجو کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ انجامِ کار ''گیا'' کے مقام پر درختوں کے ایک جھنڈ میں بیٹھ گئے اور گیان دھیان کے گہرے سلسلے میں غرق ہوگئے۔

حصول نروان:

بدھ مت کی روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اپنے پچھلے تجربات کو ناکام دیکھ کر مایوسی اختیار نہ کی بلکہ مسلسل ناکامی نے ان میں عزم پیدا کردیا۔ انھوں نے اپنے دانتوں کو زور سے بند کرلیا اور کہا:

''کھال (پٹھے) اور ہڈیاں گھل جائیں' زندگی کا خون خشک ہوجائے مگر میں یہیں بیٹھا رہوں گا جب تک عرفان حاصل نہ ہوجائے۔''

اسی دوران انھیں اپنی جستجو اور ان کے نتائج پر غور کرنے کا موقع ملا اور وہ اس نتیجے پر

Marfat.com

پہنچے کہ انسانی زندگی نجات سے صرف اسی صورت میں ہمکنار ہوسکتی ہے جب کہ وہ نجات کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ (Tanha) یعنی غلط چیزوں کی خواہش کو دور نہ کرے۔ انسانی زندگی اسی لیے ناکام ہوتی ہے کہ انسان اپنی خواہش کا غلام بن جاتا ہے اور صراطِ مستقیم پر گامزن نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر اسے خواہش سے نجات حاصل ہوجائے تو اسے ایک دائمی سکون مل جائے گا جسے نروان کہتے ہیں۔

گوتم اپنے نئے روحانی تجربے میں محسوس کرنے لگا کہ وہ خواہشوں سے آزاد ہورہا ہے۔ انجام کار انھوں نے عرفان کی کیفیت کو پالیا۔ جہالت نے مٹ کر علم کی صورت اختیار کرلی۔ انھیں یہ یقین ہوگیا کہ ان کی طبیعت میں خواہش کے جتنے تقاضے تھے وہ ایک ایک کرکے محو ہوگئے اوراب خواہش کا شعلہ بجھ گیا ہے۔ چنانچہ گوتم کو بدھی نروان یا عرفان میسر آگیا۔ اسی بناء پر آئندہ گوتم کو گوتم بدھ کہا جانے لگا۔ اس طرح آخر اس نے ملّت وحیات' مسرت ومضرت اور نفع وضرر کا راز پالیا۔

نروان کی اسی کیفیت کے بعد اس کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا کہ جو کچھ اسے حاصل ہوا ہے اسے اپنے تک محدود رکھیں یا اس کو دوسروں تک پہنچائیں۔ چنانچہ گوتم بدھ نے فیصلہ کیا کہ نروان کی اس نعمت سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچنا چاہیے۔

بدھ تنظیم:

چنانچہ مہاتما بدھ تبلیغ کے لیے نکلے تو سب سے پہلے انھیں وہی پانچ سادھو ملے جو انھیں چھوڑ گئے تھے۔ اب یہ لوگ اس سے مل کر بہت خوش ہوئے اور بڑے عقیدت مند بن گئے اور اسی طرح بدھ تنظیم کا آغاز ہوا جسے بدھ سنگ کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد بہت سے لوگ بدھ کی تنظیم میں شامل ہوتے چلے گئے۔ ابتدا میں ان کی تعلیم کو کھشتریوں نے قبول کیا لیکن رفتہ رفتہ برہمن بھی آنے لگے۔ شروع میں نئے آنے والوں کو سنگ میں شامل ہونے کی اجازت خود بدھ مہاراج دیتے تھے' جب تعداد بڑھنے لگی تو اپنے عقیدت مندوں کو بھی اجازت دے دی کہ وہ بھی لوگوں کو سنگ میں شامل کرتے چلے جائیں۔

Marfat.com

خواتین کی شمولیت:

شروع شروع میں اس تنظیم میں صرف مردوں کولیا جاتا تھا۔عورتوں کے اصرار کے پیشِ نظر آخر کار بدھ مہاراج نے انھیں بھی اجازت دے دی لیکن انھوں نے فرمایا کہ اگر عورتوں کو تنظیم میں نہ لیا جاتا تو ست دھرم زیادہ دیر چلتا اور بدھ کا قانون ہزار برس چلتا۔اب صرف 500 سال چلے گا۔

اہلِ خانہ:

اس کے بعد بدھ کے بہت سے عزیز واقارب بھی اس تنظیم میں شامل ہوگئے جن میں ان کی بیوی یشودھرا بھی شامل تھی۔جس نے اپنی زندگی کے آخری ایام بدھ کے طریق کار کے مطابق ترک دنیا اور رہبانیت میں گزارے۔ان شامل ہونے والوں میں بدھ کے ایک رشتے دار تھے جوان کے انتہائی مخلص تھے'ان کا نام ''اننڈ'' تھا اور یہ بدھ کا خادمِ خاص ہے۔

بدھ مہاراج کی وفات:

بدھ کی وفات کے حالات تفصیل کے ساتھ بدھ دھرم کی کتابوں میں موجود ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بنارس کے قریب ایک گاؤں کس نارا (Kusinara) میں ان کے لیے سال کے دو درختوں کے نیچے ایک کاوش (صوفہ) تیار کیا گیا۔ جہاں پر وہ غمزدہ عقیدت کیشوں کے حلقے میں لیٹے رہے۔ بدھ کے آخری الفاظ یہ تھے:

''اب اے راہبو! میں تمھیں مخاطب کرتا ہوں کہ دنیا کی ہر شے فنا ہونے والی ہے۔اس لیے پورے لگن کے ساتھ اپنے مشن میں مشغول ہو جاؤ۔''

روایت کے مطابق اس کے بعد ان پر غنودگی طاری ہوگئی اور بدھ روایت کے مطابق 80 سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس طرح انھوں نے دائمی نروان حاصل کیا، ان کی لاش کو جلا دیا گیا اور ان کی ہڈیوں کو دس مختلف مقامات پر دفن کر دیا گیا اور وہاں عظیم گنبد بنا دیئے گئے جنھیں Stupa کہا جاتا ہے۔ 1959ء میں پشاور کے علاقے میں جب ایک سٹوپا کو کھولا گیا تو شیشے کے ایک برتن سے تین ہڈیوں کے ٹکڑے دستیاب ہوئے۔

Marfat.com

تعلیم وتفریق:

بدھ مہاراج نے بہت سی اخلاقی قدروں کو واضح کیا۔ نیز شراب کے استعمال پر بھی بحث ہوئی اور یہ بھی سوال پیدا ہوا کہ خیرات میں خود بخود ملنے والا سونا اور چاندی وصول کیا جانا چاہیے یا نہیں۔ چنانچہ اصولی طور پر سختیوں کو نرم کرنے کا سوال پیدا ہوا۔ ایک جماعت دینی عمل کی سختیوں کو کم کرنے اور سہولتیں مہیا کرنے کے حق میں تھی۔ چنانچہ وہ دوسروں سے علیحدہ ہوگئی۔ تفریق کا یہ عمل جب ایک دفعہ شروع ہوا تو کہاں رک سکتا تھا۔ آئندہ 300 برس میں 18 فرقے تیار ہو گئے جو بدھ دھرم کی تشریح اپنے نقطہ نگاہ سے کرتے تھے۔

☆☆☆

Marfat.com

بدھ مت کی اشاعت

بدھ مذہب کی تبلیغ:

سنگ کی تعلیم وتربیت کے بعد بدھ مہاراج نے تبلیغ کا باقاعدہ آغاز کیا۔شروع میں ان کا یہ معمول تھا کہ خشک موسم میں 9 مہینے وہ اور ان کے ساتھی دھرم کی تبلیغ میں گزاریں اور برسات کے تین مہینے ایک جگہ جمع ہوکر تزکیۂ نفس، باہمی خدمت اور تعلیم وتربیت میں بسر کریں۔اس تنظیم کے اصول بڑے سادہ تھے۔

تنظیم کے اصول:

1: زرد کپڑے پہننا

2: سرمنڈوانا

3: کشکول رکھنا

4: ہرروز کچھ وقت گیان دھیان میں گزارنا(Meditation)

سنگ میں ہر داخل ہونے والے کے لیے تین پناہوں کو ضروری قرار دیا گیا:

1: میں بدھ میں پناہ لیتا ہوں۔

2: میں دھرم میں پناہ لیتا ہوں۔

3: میں سنگ میں پناہ لیتا ہوں۔(یا سنگھ۔خانقاہی سلسلہ)

اشاعت:

اگرایک زبردست شخصیت بدھ مت کی تائید نہ کرتی تو بدھ مت برباد ہوگیا ہوتا۔ یہ شخصیت راجہ اشوک ہندوستان کے مشہور راجہ چندرگپت موریہ کا پوتا تھا۔ چندرگپت نے سکندر

Marfat.com

کی فوجوں کو شکست دے کر سارے ہندوستان پر اپنا قبضہ جمالیا۔ اشوک نے دادا کی سلطنت میں مزید اضافے کیے۔ آٹھ برس کے دور حکومت کے بعد اشوک نے بنگال میں ایک جنگ جیتی جس سے اس کے قلب و دماغ پر ایک شدید ردعمل پیدا ہوا' اس نے نہ صرف یہ کہ خونریزی کو بند کرنے کا اعلان کیا بلکہ یہاں تک حکم دیا کہ محل میں پکنے والے کھانوں میں گوشت اور مچھلی کا استعمال نہ کیا جائے۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا اور وہ یہ تھا کہ نہ صرف انسانوں کے لیے بلکہ جانوروں کے لیے بھی ہسپتال اور آرام گاہیں تعمیر کرائیں۔ نتیجتاً اشوک نے اعلانیہ طور پر بدھ کی شفقت بھری تعلیم کو اپنایا اور اس دھرم کی تبلیغ میں ہر ممکنہ کوشش سے کام لیا۔ تبلیغ کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ اس نے چٹانوں پر کتبوں کی صورت میں شفقت بھرے اعلانات کھدوائے۔ جن میں سے ایک مغربی محقق کی تحقیق کے مطابق اب بھی 35 کی تعداد میں موجود ہیں گویا کہ 2300 برس ہو گئے ہیں ان کتبوں میں اخلاقی ہدایات کندہ ہیں۔

راجہ اشوک اگرچہ خود بھکشو بن کر نجات کا طلب گار نہیں ہوا لیکن اس کی تبلیغی مساعی سے بدھ دھرم کو ایک منظم صورت مل گئی۔ چنانچہ اس کے عہد میں دھرم کی شیرازہ بندی کے لیے 250 قبل مسیح میں تیسری بدھ کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں دھرم کی ازسرِ نو تنظیم کا منصوبہ تیار کیا گیا۔ اشوک نے بدھ دھرم کی تعلیم کو عالمی سطح پر پیش کرنے کا اہتمام کیا۔ اس بناء پر اشوک کو بدھ دھرم کا بانی ثانی خیال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے دور دراز ملکوں میں بدھ دھرم کے مبلغ اور ایلچی بھیجے۔ شام' مصر' یونان تک اس کے مبلغین کے پہنچنے کا پتہ چلتا ہے۔ اس کا اپنا بھائی یا بیٹا مہندر سری لنکا کے مشن کا سربراہ تھا۔ چنانچہ آج بھی وہاں ایک چٹان زائرین کو دکھائی جاتی ہے' جہاں اس نے مراقبہ اور عرفان کی منزلیں طے کیں۔ ''مہندر'' جب لنکا پہنچا تو وہاں کے راجہ نے اس کی تعلیمات سے متاثر ہو کر بدھ دھرم قبول کر لیا۔ چنانچہ لنکا میں بدھ دھرم کو خاصی مقبولیت حاصل ہوئی۔ خانقاہیں قائم ہوئیں۔ قدیم دینی ادب کو محفوظ کیا گیا۔ اسی حفاظت و اہتمام کا یہ نتیجہ تھا کہ اصل بدھ دھرم کے آثار لنکا سے ہی دستیاب ہوئے۔ اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ ہو کہ ہندوستان میں بدھ دھرم پر تشدد روا رکھا گیا۔ اندرون ملک اس کے آثار ضائع ہو گئے۔

بدھ مت کی اشاعت' ترقی اور عروج میں راجہ اشوک کی خدمات ناقابل فراموش ہیں اس لیے اسے ''بدھ ثانی'' کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

بدھ مت کی ترقی اور اس کی اشاعت میں اشوک نے ایک مرکزی کردار ادا کیا ہے اور اس کی کوششوں کے نتیجہ میں بدھ مت ہندوستان میں رائج ایک مذہبی فرقہ کی حیثیت سے ترقی کر کے' ایک بین الاقوامی مذہب بن گیا۔ اشوک جو موریہ خاندان کا تیسرا بادشاہ تھا' 270 ق م میں تخت نشین ہوا، وہ اپنے دور حکومت میں موریہ خاندان کی پرانی جنگجوئی اور توسیع حکومت کی پالیسی پر قائم رہا۔ اپنی حکومت کے آٹھویں سال میں ہندوستان کی ایک دوسری ریاست سے ایک خونریز جنگ کے نتیجہ میں اس کا دل جنگجوئی کی پالیسی سے بھر گیا اور وہ قلبی طمانیت کی تلاش میں مذہب کی طرف رجوع ہوا۔ کچھ عرصہ بعد اشوک نے تشدّد کے خلاف اپنے ردعمل کے نتیجے میں بدھ مذہب اختیار کرلیا جو کہ اس وقت ہندوستان میں ابھرتا ہوا مذہب تھا اور اپنے اندر راہنسا (عدم تشدد) کا ایک باقاعدہ نظریہ رکھتا تھا۔ بدھ مت اختیار کر لینے کے بعد جہاں اشوک نے عمومی اعتبار سے ہندوستان کے عوام میں مذہبی اور اخلاقی اقدار اور رواداری کے جذبہ کے فروغ کے لیے کوششیں کیں۔ وہاں اس نے بدھ مذہب کی ترقی اور اشاعت کے لیے خصوصی طور سے اقدامات کیے۔ اشوک کی زیرسرپرستی بدھ مت کو حکومت کی طرف سے بہت سی ایسی مراعات حاصل ہوئیں جن سے وہ اب تک محروم تھا۔ اشوک کے عطا کردہ انعامات اور جاگیروں کے نتیجہ میں بدھ سنگھ بہت خوش حال ہوگیا۔ بھکشوؤں کے لیے نئی خانقاہیں (ویار) قائم ہوگئیں۔ ممتاز بھکشوؤں کو شاہی تقریب اور دربار میں اثر و رسوخ حاصل ہوا اور بدھ سنگھ میں بھکشوؤں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ اشوک نے جگہ جگہ بدھ مت کی تاریخ سے وابستہ مقدس مقامات پر عمارتیں بنوائیں اور کتبے نصب کرائے اور اس طرح ہندوستان میں بدھ مت کی ظاہری حالت کو بہت مستحکم کردیا۔ اس کے ساتھ ساتھ معنوی اعتبار سے بھی بدھ مت کی خدمت کے لیے اس نے ممتاز بھکشوؤں کے مشورے سے اپنی راجدھانی پاٹلی پتر (پٹنہ) میں بدھ مت کے تیسرے ''اجتماع'' کا اہتمام کیا۔ وہاں اس کا یہ مقصد بھی تھا کہ ایک بار پھر بدھ مت کی تعلیمات کو ان کی خالص شکل میں مرتب کر کے محفوظ کرلیا جائے۔ چنانچہ اس وقت کے ممتاز ترین بھکشو تیسا موگالی پتا کی زیرصدارت یہ تیسرا ''اجتماع'' منعقد ہوا جس میں تقریباً ایک ہزار بھکشوؤں نے حصہ لیا اور متفق علیہ خالص تعلیمات کو تین مجموعوں میں مرتب کرلیا گیا۔ یہی مجموعے آج تری پٹیکا کے نام سے ہنایان یا تھیرادا دبدھ مت کی مقدس کتابیں ہیں۔

ایک اور مقصد جو اس ''اجتماع'' کے نتیجے میں حاصل ہوا اور جو بدھ مت کے ایک بین

Marfat.com

الاقوامی مذہب بننے کی طرف ایک اہم قدم ثابت ہوا یہ تھا کہ اس ''اجتماع'' کے بعد ہندوستان کے اندر اور بیرونی ممالک میں بدھ مت کی تبلیغ کے لیے مختلف جماعتیں روانہ کی گئیں۔ شمالی ہندوستان میں کشمیر' گندھار (افغانستان) اور ہمالیہ کی پہاڑی ریاستوں کے علاوہ مغربی ہندوستان اور جنوبی ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں بھی مبلغین کی جماعتیں بھیجی گئیں۔ بیرون ممالک میں' جنوب میں لنکا اور جنوب مشرق میں ہند چین ملایا' سماٹرا کے علاوہ یونان' مصر' شام اور شمالی افریقہ تک کی بستیوں کے نام' اشوک کے کتبوں میں ملتے ہیں۔ جہاں کہ اس نے مبلغین کی جماعتیں روانہ کیں۔ لنکا کی تبلیغی جماعت میں خود اشوک کا لڑکا مہندر اور بیٹی سنگھ مترا شامل تھی۔ بدھ مت کی تبلیغ کے سلسلے میں اشوک کی کوششوں سے اس مذہب کو جو ترقی حاصل ہوئی اس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ اشوک کے بعد متعدد بدھ آثار اس کی شہادت دیتے ہیں کہ اس دور میں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بدھ مت عوام کا مذہب بن گیا تھا اور اس کی حیثیت اب ہندوستان میں ایک محدود فرقہ سے بڑھ کر ایک بااثر اور طاقتور مذہبی روایت کی ہوگئی تھی۔ بیرونی ممالک میں اشوک کی تبلیغی کوششوں کا سب سے نمایاں اثر سری لنکا اور افغانستان میں ہوا۔ لنکا تو آج تک ایک اہم بودھ ملک ہے' لیکن افغانستان صدیوں بدھ مت کے زیر اثر رہ کر اور بدھ مت کی مذہبی روایت کو وسط ایشیا اور پھر وہاں سے چین تک پہنچا کر بعد میں دوسری مذہبی روایات' یعنی پہلے ہندومت اور پھر اسلام کے زیر اثر آ گیا۔

اشوک ایک جابر بادشاہ تھا لیکن بدھ مت قبول کرنے کے بعد اس نے امن' شانتی اور نیکی کے ساتھ لوگوں کی خدمت کرنے کے شعار کو اپنالیا۔ اشوک کی شفقت' نیکی اور رحم طلبی کا دائرہ جانوروں تک وسیع ہوگیا۔ ایک چٹانی فرمان میں لکھا ہے کہ کسی جانور کی بھینٹ نہ چڑھائی جائے بلکہ تہواروں پہ بھی جانوروں کی بے جا قربانیاں نہ دی جائیں۔ دیوتاؤں کے کھانے میں بھی تھوڑے جانور بھینٹ چڑھائے جائیں۔ الغرض اشوک اعظم ایک مثالی بادشاہ تھا اور اس کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت کا راز اس کی نیکی اور عوام کی خدمت کا جذبہ ہی تھا۔ اشوک ایک بڑا بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ بدھ دھرم کا ایک بہت بڑا سرپرست' پرچارک اور مبلغ تھا۔ اسی لیے اسے ''بدھ ثانی'' کہا جاتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

بدھ مذہب کے مشہور فرقے

ھنایانہ بدھ دھرم:

ھنایانہ سنسکرت کالفظ ہے۔ جس کا معنی ہے چھوٹا پہیہ۔ اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مہایانہ مکتب فکر والوں نے انھیں طنزاً یہ نام دیا۔ اوراسی کے مقابلے میں انھوں نے اپنے آپ کو مہایانہ کہا۔ جس کے معنی ہیں بڑا پہیہ Great Vehical یاGreat Caret تاہم ہنایانہ مکتب فکر والے خود کو School od Elders یا اکابرین کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس فرقے کا مرکزی نشان بھکشو ہے۔ پالی نوشتوں کا محافظ یہی ہے۔ اس کی عام تعلیم یہ ہے کہ اپنی ذات کی نفی کی جائے Self Denial اور ہر لمحہ دنیا کی بے ثباتی کو پیش نظر رکھا جائے کہ دنیا دارالمحن ہے۔ بھکشو کا مقصودِ حیات نروان کا حصول ہے۔ چنانچہ وہ کسی گوشۂ سکون میں ارہت بننے کی دھن میں مراقبے میں مشغول رہتا ہے تا کہ نروان حاصل کر سکے۔ ان کی اسی خلوت پسندی کی بنیاد پر مہایانہ مکتب فکر والے انھیں مطعون کرتے ہیں کہ یہ خودغرض لوگ ہیں جنھیں نفیٔ ذات نہیں بلکہ ذات کی تعمیر اور اسے نیک بنانے کا خیال ہے جب کہ مہایانہ مکتب فکر والے اپنی روحانی تعمیر کو روک کر خدمتِ خلق میں مصروف رہتے ہیں اور دوسروں تک نیکی کی تعلیمات کو پہنچاتے ہیں۔

ھنایانہ مکتبِ فکر والے بدھ کے آثار وتبرکات کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ بدھ کے مجسمے بناتے ہیں جن کی لمبائی اور چوڑائی بعض اوقات انتہائی غیر معمولی ہوتی ہے۔

پالی نوشتوں میں یہ لکھا ہے:

”بدھ مہاراج پہلے بدھ نہیں تھے۔ ان سے پہلے بھی بدھ ہوگزرے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی ذکر موجود ہے کہ وہ آخری بدھ بھی نہیں ہیں۔ البتہ انھیں اپنی ریاضتوں کی بناء پر

Marfat.com

غیر معمولی حیثیت ضرور حاصل ہوگئی تھی۔ ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ ایک بہت بڑے مہتر یا اپنے مناسب وقت پر آکر وہی کام سرانجام دیں گے جو بدھ مہاراج نے انسانوں کے لیے انجام دیا۔

اس فرقہ کی کتابیں ترنی پتا کا (3 ٹوکرے) کہلاتی ہیں۔

ھنایانہ مکتب فکر سیلون' لنکا' برما' سیام' کمبوڈیا اور لاؤس میں رواج پذیر ہوا۔ چونکہ یہ سب علاقے جنوبی ایشیا میں ہیں۔ اسی مناسبت سے ہنایانہ مکتب فکر والوں کو جنوبی بدھ دھرم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں مہایانہ بدھ مت' چین' کوریا' جاپان اور تبت میں فروغ پذیر ہوا اور یہ سب شمالی علاقے ہیں اس کی بناء پر انھیں شمالی بدھ دھرم کہا جاتا ہے۔

مہایانہ بدھ مت:

راجہ کنشک نے اپنے زمانہ میں کئی غیر ملکی نظریات کو بدھ مت میں داخل کرلیا اور اس جدید مذہب کا نام ''مہایان'' بڑی گاڑی رکھا یعنی اس بڑی گاڑی میں سوار ہوکر کثیر تعداد میں نروان تک سفر کرسکتے ہیں۔

اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ہنایانہ کے مقابلے میں یہ لوگ خود کو برتر سمجھتے ہیں اور مہایانہ کہتے ہیں جس کا مقصود ہے ''حصول سعادت کا اعلیٰ ذریعہ''۔ اس مکتبہ فکر میں ناامیدی کی جگہ امید ہے۔ انھوں نے امید آفرینی کے لیے عقیدے رائج کیے۔ بنیادی طور پر ان لوگوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ نفی ذات یا (Self Denial) کو ملحوظ خاطر رکھنا اور محض اپنی تعمیر اور روحانی ارتقاء کی کوشش میں مگن رہنا ہی زندگی کا حاصل نہیں بلکہ انسان کو یہ چاہیے کہ وہ دوسروں کی خدمت بھی بجالائے اور انھیں بھی نیکوکار بننے کا موقع فراہم کرے۔ اس فرقہ میں گوتم بدھ کی عبادت کو بھی دھرم کا حصہ شمار کیا گیا ہے بلکہ بدھ کو الوہیت اور خدائی کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ گوتم بدھ بننے سے پہلے وہ بدھی ستو تھے۔ ایک بدھی ستو کا منتہائے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ''میں بے سہاروں کے لیے حفاظت کا فریضہ انجام دوں گا۔ مسافروں کے لیے راہنما بنوں گا جو لوگ روشنی کی تلاش میں ہیں ان کے لیے چراغ بنوں گا جو لوگ طوفان میں گھرے ہوئے ہیں انھیں ساحل مراد تک پہنچاؤں گا۔''

Marfat.com

ھنایانہ بدھ مت کی طرح مہایانہ مکتب فکر میں بھی یہ عقیدہ موجود رہا ہے کہ بدھ نہ پہلے ہادی ہیں اور نہ آخری لیکن مہایانہ بدھ مت میں اس عقیدے کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ ان لوگوں نے پرانے بدھوں کا سراغ لگانے کی کوشش کی اور بہت سے پیشوایانِ مذہب۔ اس طرح بدھ کے ماننے والوں کی تعظیم واکرام کی فہرست میں شامل ہوتے چلے گئے۔

اس کا ایک خوشگوار نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے مقامی دیوتا ہادیان مذاہب کی حیثیت سے اس فہرست میں شامل ہوگئے اور شامل کرنے کے نتیجے میں بعض علاقوں میں اسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور یہ مکتب خیال چین' کوریا اور جاپان تک جا پہنچا۔ مہایانہ مکتب فکر نے اسی نقطہ نگاہ کو پیش کیا کہ انسان کے بے شمار نجات دہندے ہوسکتے ہیں کہ انسان کی پریشانی کو دور کریں۔ اس طرح مہایانہ مکتب فکر والوں نے ایک عمومی امید افزا ماحول پیدا کر دیا۔

مہایانہ مکتب فکر کے درجات:

مہایانہ مکتب فکر والوں میں عام طور پر تین درجے ہیں:

1: منشی بدھ

2: بدھی ستو

3: دھیانی بدھ

منشی بدھ: منشی بدھ سے مراد وہ پیشوایان مذہب ہیں جو دکھی انسانیت کے نجات دہندے بن کر آئے اور گوتم بدھ کی طرح ظاہر ہوکر انھوں نے لوگوں کی راہنمائی کی' گویا کہ یہ طبقہ بنیادی طور پر راہنما اور معلم شمار ہوتا ہے۔

بدھی ستو: یہ لوگ پہلے قسم کے بدھ سے بھی زیادہ اہمیت کے حامل شمار کیے جاتے ہیں یعنی یہ وہ بزرگ ہیں جو تدریجاً کمال تک پہنچے ہیں۔ ان کے دینی ادب کے حوالے سے دو آدمی ایسے ہوئے ہیں جنھیں کامل خیال کیا جاتا ہے۔

خود گوتم بدھ جو بدھ بننے سے پہلے بدھی ستو تھے اور ان کے اپنے ایک بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھیں یہ عرفان کی منزل ان کی ایک زندگی نہیں بلکہ بہت سی زندگیوں کے نتیجے میں حاصل ہوئی۔ بدھ روایات کے مطابق بدھ کو اپنی پہلی بہت سی زندگیاں اچھی طرح یاد ہیں۔

Marfat.com

دوسرے بدھی ستووہ ہیں جو بدھ کے بعد آئیں گئے۔ وہ مہتریا ہیں' پہلے یہ خیال تھا کہ وہ ہندوستان میں ہوں گے' بعد میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کا ظہور کسی دوردراز کے ملک میں ہوگا تاہم انھیں سب سے بڑا انسان سمجھتے ہوئے بدھوں کے ہاں ان کے خیالی مجسمے بنائے گئے اور پوجا گیا۔ چین اور تبت مین اس تصور کو خاصی مقبولیت حاصل ہوئی۔

دھیانی بدھ: یہ دھیان یا معرفت کا بدھ ہیں۔ انھیں دنیا سے کوئی سروکار نہیں بلکہ یہ فکر کی گہرائیوں میں ڈوبے رہتے ہیں۔

مہایانہ اور ھنایانہ دونوں مکتبِ خیال دوسری اور چوتھی صدی مسیحی میں خاصے مقبول ہوئے اور ہندوستان سے نکل کر بدھ مت کی اشاعت چین اور جاپان تک پہنچ گئی اور وہاں اسے کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ تبت میں بدھ مت کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ تبت کے مذہبی پیشواؤں کو لامہ کہا جاتا ہے اور ان میں سب سے بڑا ''دلائی لامہ'' کہلاتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

بدھ مت کا مقدس دینی ادب

زبانی اور تحریری روایات:

گوتم کے زمانے میں عام طور پر کتابیں لکھی نہیں جاتی تھیں بلکہ اہم مذہبی تعلیمات کو منظوم صورت میں حفظ کرادیا جاتا تھا۔ انھیں سوتر کہا جاتا تھا۔ تقریباً تین برس تک بدھ کی تعلیم کو تحریر میں لانے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چنانچہ مسٹر وارڈ کے مطابق:

The Budha like jesus left behind him no written works.

اشوک کے زمانے میں ایک بدھ کانفرنس منعقد ہوئی جس نے پہلی بار یہ فیصلہ کیا کہ بدھ کی تعلیمات کو اور عقائد کو کتابی شکل میں پیش کیا جائے۔ یہ کتابیں بعد میں تری پتا کا کے نام سے مشہور ہوئیں۔ انھیں پالی نوشتے بھی کہا جاتا ہے۔ مہند جب ان کی نقل لے کر لنکا گیا تو وہاں اس کا ترجمہ مقامی زبان میں کیا گیا۔ پانچویں صدی عیسوی تک تقریباً سات سو برس کے بعد بدھ گوش نامی ایک راہب نے دوبارہ ان کا ترجمہ پالی زبان میں کیا کیونکہ اصل کتابیں معدوم ہوچکی تھیں۔ چنانچہ اب یہی تری پتا کا سب سے قدیم اور مستند مانی جاتی ہے۔

تری پتا کا:

یعنی 3 ٹوکریاں۔ ان کی تصنیف پہلے اور زبان میں تھی بعد میں اس کا بنگالی میں ترجمہ ہوا اور پھر پالی میں ترجمہ ہوا۔ یہ کتابیں درج ذیل ہیں:

1: وینہ پتا کا

2: ستا پتا کا

3: ابھی دھماں

Marfat.com

وینہ پتا کا: ان میں پہلی ٹوکری کو Vinaka کہتے ہیں جو ان کے شاگرد پالی وینہ نے مرتب کی، اس میں راہبانہ تنظیم کے اصول وقواعد بیان کیے گئے ہیں۔

ستا پتا کا (Suttas): دوسری کو ستا پتا کا (Suttas) کہا جاتا ہے جو بدھ کے عقائد اور اخلاقی تعلیمات پر مبنی ہے' اسے ان کے شاگرد انند نے ترتیب دیا۔

ابھی دھماں (Abhi Dhamma): تیسری کو ابھی دھماں کہا جاتا ہے اور یہ متکلمانہ بحثوں وفلسفہ پر مشتمل ہے۔ بدھ کی اخلاقی تعلیمات پر مبنی ایک مختصر کتاب (Padas Dhamma) دھمیت یا دھمیو جس کے معنی ہیں:

The path of virtue

''نیکی کا راستہ نفی ذات اور عفو ودرگزر پر۔

اس کتاب میں بہت زیادہ زور دیا گیا ہے جس کی ایک مثال یہ ہے:

"He abused me, he struck me, he overcame 'ne, he robbed me, in those who harbour such thoughts, harted will never cease."

''اس نے مجھے گالی دی، اس نے مجھے زدوکوب کیا، اس نے مجھے پچھاڑ ڈالا اور اس نے مجھے لوٹ لیا۔ جن لوگوں کے دلوں میں ایسے خیالات جاگزیں رہتے ہیں وہاں نفرت کبھی نہیں مٹ سکتی۔''

اس کے برعکس اسلام میں قصاص کا حکم ہے لیکن گالی کے بدلے گالی دینا بہتر نہیں۔ دھمیت کا انداز گیتا کی طرح ہے۔ اس کا زمانہ غالباً وہی ہے جو گیتا کا ہے۔

گوتم بدھ کی تعلیمات کا اگر تنقیدی جائزہ لیا جائے تو وہ ایک بانیِ مذہب کی بجائے ایک فلسفی اور معلمِ اخلاق نظر آتے ہیں جن کی تعلیمات کا بنیادی نکتہ اور سارا زور اخلاق پر ہے۔ گوتم نے چونکہ اپنے شعور وادراک کی آنکھ ہندوستان کی فضا میں کھولی تھی اور یہیں کے مروّج فلسفے کا مطالعہ کیا تھا، اس لیے لاشعوری طور پر وہ جونی چکر اور تناسخ کے قائل ہو گئے جس کا فلسفہ یہ ہے:

''جونہی کوئی جاندار خواہ وہ انسان ہو یا حیوان یا دیوتا' اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کی ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے جس میں خوشگواری یا ناگواری اس کے سابقہ اعمال کی بناء پر ظہور میں آتی ہے۔''

Marfat.com

بنیادی تعلیمات اور نظریات

نظریات:

مہاتما بدھ کی زندگی اور بدھ مت کی مقدس کتابوں کے مطالعہ سے مندرجہ ذیل بنیادی تعلیمات، عقائد اور نظریات کی نشاندہی ہوتی ہے۔

مہاتما بدھ نے مندرجہ ذیل چار اعلیٰ صداقتوں (آریہ ستیہ) کی تلقین کی ہے:

1: زندگی مجسم دکھ ہے۔

2: زندگی کے ان دکھوں کا سبب نفسانی خواہشات ہیں۔

3: ان خواہشات کو دبانا اور ان سے بچنا ضروری ہے اور یہ بالکل ممکن ہے کہ ہر انسان ان سے بچ سکے۔

4: ترکِ خواہشات اور ہوائے نفس سے بچاؤ کے لیے کسی سخت ریاضت کی ضرورت نہیں اور نہ ہی کسی قسم کی عیش پرستی کی بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال سے یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے جسے مہاتما بدھ اشٹ مارگ یا درمیانی راستہ کا نام دیتے ہیں۔

اشٹانگ مارگ:

خواہشات سے بچنے کا درمیانی راستہ جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ دراصل افراط وتفریط کے درمیان موجود ہے۔ یہ راہ ترکِ دنیا اور عیش وآرام کی زندگی کی درمیانی راہ ہے۔ اس راہ کو اختیار کرنے کے لیے گوتم بدھ نے جو آٹھ اصول مقرر کیے اور جن باتوں کے اختیار کرنے کی اس نے تاکید کی وہ یہ ہیں:

طریق ہشت گانہ:

1: صحیح علم وعقیدہ

Marfat.com

2: صحیح ارادہ ومقصد

3: صحیح کلام

4: صحیح عمل

5: صحیح سلوک

6: صحیح جدوجہد اور صحیح کاوش

7: صحیح یادداشت

8: صحیح غوروفکر

بدھ مت کے بعض پیروان آٹھ اصولوں کو تین تک محدود کردیتے ہیں اور ان کا دارو مدار درج ذیل تین بنیادوں پر بتلاتے ہیں:

1: فہم وخرد

2: اخلاق

3: توجہ اور ذھیان

بنیادی چار مراحل:

مندرجہ بالا آٹھ اصولوں کے حصول کے لیے چار مراحل سے گزرنا ضروری ہے:

1: پہلا مرحلہ بودھی نظام میں داخلہ کا ہے جب کہ انسان اس بات کا عہد کرلے کہ وہ اس طریقے کو اپنائے گا۔ اس عہد سے اسے اپنی کامیابی کا یقین ہوجاتا ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ کامیابی دیر سے حاصل ہو اور ایک یا زیادہ جنم اس کی نجات میں حائل ہوں۔

2: دوسرا مرحلہ وہ ہے جب انسان آخری جنم سے پہلے ایک جنم لیتا ہے۔ ان کے متعلق کہا گیا ہے کہ ''یہ لوگ ایک بار پھر آئیں گے'' یہ مرحلہ ایسا ہے کہ یہاں انسان کے بہت سے فاسد خیالات دور ہوجاتے ہیں۔

3: تیسرا مرحلہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب انسان موت وزیست کے آخری چکر میں داخل ہوتا ہے، ایسے انسان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ''یہ شخص اس دنیا میں دوبارہ جنم نہیں لے گا۔'' اس منزل پر بچے کھچے فاسد خیالات کا بھی خاتمہ ہوجاتا ہے۔

4: چوتھا اور آخری مرحلہ ''اڑھت'' کا ہے جو حقائق کی آگاہی اور موت کا درمیانی

Marfat.com

وقفہ ہے۔ موت کے ساتھ ہی انسان نروان حاصل کر لیتا ہے۔

بدھ مت نے ان لوگوں سے جو اس راہ پر چلنا چاہتے ہوں چند باتوں کا مطالبہ کیا اور وہ یہ کہ شہری زندگی کو خیر باد کہہ دیں۔ گھر' پیشہ' خاندان' اہل وعیال' سماج غرضیکہ ہر چیز کو تیاگ دیں۔ ایسے لوگوں سے صحبت رکھیں جو تارک الدنیا ہیں، اپنے لباس' خوراک اور عادات واطوار میں سادگی اختیار کریں۔ اس میں زیب وزینت اور کسی قسم کی نمائش کا دخل نہ ہو۔ مکان کی جگہ پہاڑوں کی غاروں میں سکونت پذیر ہوں اور شہر سے کوئی واسطہ وعلاقہ نہ ہو۔ لباس کے لیے صرف تین کپڑے کافی ہیں۔ سر اور داڑھی کو بالکل منڈوا دیا جائے۔ خوراک بھیک مانگ کر حاصل کی جائے اور بھیک بھی صرف صبح کے وقت مانگی جائے۔

اس نظام میں ہر شخص بلا امتیاز ذات پات داخل ہو سکتا ہے۔ البتہ بیمار اور روگی اشخاص کا داخلہ اس میں ممنوع ہے' جو شخص ایسے نظام میں داخل ہو جاتا ہے اسے ''بھکشو'' کہا جاتا تھا۔ ایسی زندگی اختیار کرنے کے لیے اس شخص کو سرعام اعلان کرنا پڑتا ہے لیکن اس کے لیے یہ لازمی نہیں کہ وہ تاعمر اس عہد کا پابند رہے۔ اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جب چاہے اس نظام سے باہر آ سکتا ہے۔

احکامِ عشرہ:

ہر بھکشو سے مندرجہ ذیل اصولوں پر عمل پیرا ہونے کا مطالبہ کیا جاتا ہے:

1: وہ کسی جاندار کو قتل نہ کرے گا۔

2: چوری کا مرتکب نہ ہوگا۔

3: زنا کے قریب نہ جائے گا۔

4: جھوٹ نہیں بولے گا۔

5: نشہ آور اشیاء سے اجتناب کرے گا۔

6: دوپہر کے بعد کھانا نہیں کھائے گا۔

7: رقص' سرود اور موسیقی سے دور رہے گا۔

8: ہار' خوشبو' وغیرہ کا استعمال نہ کرے گا۔

Marfat.com

9: کسی آرام دہ جگہ پر نہ بیٹھے گا اور نہ سوئے گا۔

10: سونے اور چاندی کے قریب نہ جائے گا۔

یہ وہ باتیں ہیں جن سے بھکشوؤں کو بچنے کی تاکید کی گئی' انھیں یہ کہا گیا کہ وہ ہر مہینے میں کم از کم دو بار اپنے نفس کا احتساب کریں اور دیکھیں کہ وہ کس حد تک ان نواہی پر عمل پیرا ہیں۔ ان تمام اصولوں پر عمل پیرا ہونے کا صرف یہ فائدہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان کو اطمینانِ قلب کی نعمت حاصل ہو جاتی ہے' اور یہی ''نروان'' ہے۔

یہ قوانین و اصول ان لوگوں کے لیے ہیں جو دنیا کو بالکل ترک کر دیں لیکن یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں' چنانچہ بدھ مت میں ایسے لوگوں کے لیے بھی گنجائش رکھی گئی جو دنیاوی کاروبار کے ساتھ اس مذہب پر بھی عمل پیرا ہونا چاہئیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اوامر و نواہی کی ایک علیحدہ فہرست موجود ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے دو گروہ بنا دیئے گئے۔ ایک وہ جو اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کے خواہاں ہیں اور دوسرے وہ جو اپنے دامن عفت و عصمت کو معصیت سے داغ دار ہونے سے بچانا چاہیں اور یوں نیک اور بااخلاق کہلائیں۔ اول الذکر لوگوں کو درج بالا دس اصولوں میں سے پہلے پانچ اصولوں پر عمل کرنے کی تاکید کی جاتی تھی اور نیک چال چلن ان کے لیے لازمی تھا۔ والدین' استاد' اہل و عیال اور ملازموں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید تھی۔ تارک الدنیا لوگوں اور بھکشوؤں کی خدمت ان کا فرض تھا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں خیال یہ تھا کہ وہ نروان تو حاصل نہیں کر سکتے البتہ ان باتوں پر عمل کر کے وہ اپنی اگلی زندگی کو بہتر بنا سکتے ہیں۔

مؤخر الذکر لوگوں کے لیے دس اصولوں میں سے پہلے آٹھ کی پابندی لازمی ہے۔ ان کو دنیاوی خواہشات لایعنی گفتگو اور سیر و تفریح سے ممانعت کی گئی۔ حتیٰ کہ ان کے لیے گفتگو کے موضوع مقرر کر دیئے گئے۔

گوتم بدھ نے نجات یا نروان کا دارومدار انسان کی ذاتی کوشش پر رکھا اور اسے اپنے اعمال کا قطعی طور پر ذمہ دار ٹھہرایا۔ بدھ کا قول تھا:

''انسان برائی کا ارتکاب خود کرتا ہے اور اس کے خراب نتیجہ کو بھگتنا' بھی اس کی اپنی ذمہ داری ہے۔ وہ خود ہی برائی سے کنارہ کش ہو سکتا ہے اور پاکیزگی اور نجاست دونوں ذاتی صفات ہیں' کوئی بھی دوسرے کو پاکیزہ نہیں بنا سکتا۔''

Marfat.com

توبہ کا تصور:

اسی بناء پر بدھ مت میں عبادت وقربانی کے علاوہ توبہ اور کفارہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس مذہب میں گناہ دوقسموں کے ہی ہوسکتے ہیں۔ اول اخلاقی قوانین کی خلاف ورزی اور دوم جہالت یا حقائق سے عدم واقفیت۔ ان دونوں اقسام کے گناہوں کا ازالہ توبہ اور کفارہ سے ممکن نہیں بلکہ انسان اگر اپنی زندگی کو بنیادی طور پر تبدیل کرلے تو ان گناہوں سے اپنا دامن بچایا جاسکتا ہے۔

خدا کا تصور:

مہاتما بدھ نے نفیاً یا اثباتاً خدا کا کہیں ذکر نہیں کیا' خدا اور ماوراء الطبیعیات امور کے متعلق وہ لاادری نظریات کے پرچارک ہیں۔ اسی طرح بدھ کی تعلیمات میں جنت وجہنم، حیات بعدالموت' آخرت کے عذاب وثواب کا بھی کہیں ذکر نہیں ملتا۔ علاوہ ازیں جناب بدھ نے زندگی کے معاشی' معاشرتی اور سیاسی پہلو پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔

الغرض مہاتما بدھ نے عوام الناس کو روح' آتما' تناسخ اور دیوی دیوتاؤں کے چکر میں نہیں ڈالا' نہ وحدت الوجود کا پیچیدہ اور ناقابلِ فہم فلسفہ پیش کیا بلکہ اس کے برعکس اخلاقیات کا ایک سادہ' واضح' آسان اور قابلِ عمل ضابطہ پیش کرنے پر اکتفا کیا۔

☆☆☆

Marfat.com

بدھ مت کی مقبولیت کے اسباب

بدھ مت عوام میں جلد مقبول ہوگیا اور بڑی تیزی سے پھیلا' تھوڑے ہی عرصہ میں یہ ہندوستان اور پاکستان سے نکل کر لنکا' سیام' نیپال' وسط ایشیا' تبت' ملائشیا' انڈونیشیا' چین' فلپائن' برما' بھوٹان اور جاپان تک جا پہنچا۔ بدھ مت کی مقبولیت اور وسیع اشاعت کے مندرجہ ذیل اسباب تھے:

1: گوتم بدھ کی شخصیت
2: برہمنیت اور ذات پات کا خاتمہ
3: سادہ اور آسان تعلیمات
4: شاہی سرپرستی
5: تبلیغی اور عالمی مذہب

گوتم بدھ کی شخصیت:

مہاتما بدھ کی اپنی زبردست شخصیت اس دھرم کی اشاعت کا موجب بنی۔ اس کے ذاتی احوال اور ذاتی مثال بڑی پرکشش تھی۔ شہزادگی اور ولی عہدی کے باوجود رہبانیت کو اختیار کرنا' شدید ترین ریاضت کے بعد نروان کا حصول' شاہی سے گدائی' عالمِ باعمل' خدمت خلق کا جذبہ اور دکھی انسانیت سے محبت۔ یہ سب امور عوام الناس کے لیے باعث کشش تھے کیونکہ بانی مذہب کا اعلیٰ کردار اس کے مشن اور مذہب کو مقبول بنا دیتا ہے۔

برہمنیت اور ذات پات کا خاتمہ:

بدھ مت برہمنیت اور ذات پات کی غیر فطری تقسیم کے خلاف احتجاج تھا۔ عوامی جذبات برہمن کے خلاف تھے مگر برہمن کے فولادی پنجے سے نجات کی کوئی راہ دکھائی نہ دیتی

Marfat.com

تھی۔ مہاتما بدھ نے عوام کو یہ راہ دکھائی۔ مہاتما بدھ نے نیک اعمال پر زور دیا اور کہا کہ پیدائش اور ذات پات سے انسان اعلیٰ اور افضل نہیں بنتا۔ بدھ مت کا کہنا ہے:

''آدمی اپنے اعمال سے برہمن ہوتا ہے پیدائش سے نہیں۔ حسب نسب' پیدائش اور لٹیں رکھنے سے کوئی برہمن نہیں ہوتا بلکہ برہمن وہ ہے جو راست کار ہو' وہی مبارک اور سعادت مند ہے۔'' (دھم پد)

سادہ اور آسان تعلیمات:

ہندومت کے سبب عام لوگ پیچیدہ فلسفوں' لایعنی مابعد الطبیعیاتی بحثوں' بیکار رسوم' پیچ در پیچ عبادات، قربانیاں اور دیومالائی فرضی کہانیوں میں غرق تھے۔ یہ تمام امور روز مرہ عملی زندگی سے غیر متعلق تھے۔ اس کے برعکس بدھ کی سادہ اور عام فہم تعلیمات عوام کی فطرت اور طبیعت کے قریب تھیں جو لوگوں میں مقبولیت کا باعث بنیں۔

علاوہ ازیں ہندومت میں تہذیب نفس نیز مکتی اور نروان حاصل کرنے کے لیے بے معنی سخت ریاضتوں اور ناقابلِ فہم تپسیاؤں کا رواج تھا۔ اس کے برعکس بدھ نے اعتدال کی راہ اختیار کی، جناں مارگ اور بھگتی مارگ کو چھوڑ کر کرم مارگ پر زور دیا۔ برہمنوں نے ہندومت کو افراط و تفریط کا چیستان بنا دیا تھا، ایک گناہ کی سزا بھگتنے کے لیے ایک لاکھ چوراسی ہزار جونی چکر میں سے گزرنا پڑتا تھا جبکہ اس کے برعکس مقدس گنگا میں ایک اشنان تمام کے تمام گناہوں کو دھو دیتا تھا نیز مقدس مقامات کی زیارت ہی بھگوان کے قرب اور مکتی کا ذریعہ تھی۔ اس کے مقابلہ میں مہاتما بدھ نے عوامی نفسیات کے مطابق سیدھی سادی اخلاقی تعلیم پیش کی جس پر عمل کرنا آسان تھا نیز عقیدہ کرم اور تناسخ کو بھی سادہ بنا دیا۔

شاہی سرپرستی:

تاریخ شاہد ہے کہ مذہب کی اشاعت اور ترویج میں سیاسی طاقت اور حکومتی سرپرستی کا بڑا عمل دخل رہا ہے عربی کا مشہور مقولہ ہے:

''الناس علٰی دین ملوکھم

لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔

''جیسا راجی ویسی پرجا

Marfat.com

جس طرح قسطنطین اعظم رومی نے عیسائیت کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا اسی طرح بدھ مت کی اشاعت میں راجہ اشوک اور کنشک نے بڑی سرگرمی دکھائی۔ ان کی دیکھا دیکھی امراء اور راجاؤں نے بدھ مت قبول کرلیا، اس کی سرپرستی کی حتی کہ بدھ مت عالمی مذہب بن گیا اور ہندوستان سے باہر دیگر ممالک میں پھیل گیا۔

تبلیغی اور عالمی مذہب:

بدھ مت میں ہر شخص بلالحاظ ذات پات شامل ہوسکتا تھا حتی کہ خواتین بھی۔ مہاتما بدھ کی بیوی یشودھرا شعبہ نسواں کی انچارج تھیں۔ مذہب کے لحاظ سے تمام انسان برابر تھے' اس میں مرد اور عورت کی بھی کوئی تمیز نہ تھی۔ ہندومت میں لڑکی کی پیدائش منحوس خیال کی جاتی تھی جبکہ لڑکے کو آسمانی نور سمجھا جاتا تھا لیکن مہاتما بدھ نے عورت کو احترام دیا اور مردوں کے مساوی درجہ دیا اور پھر بدھ مت میں نروان کا حصول برہمن کی ذات تک محدود نہ تھا بلکہ ہر شخص حاصل کرسکتا تھا۔ نیز بدھ مت کی تبلیغ بھی پیروکاروں پر ضروری تھی۔

☆☆☆

Marfat.com

بدھ مت کے زوال کے اسباب

جن اسباب اور عوامل کی وجہ سے بدھ مت بسرعت تمام پھیلا انھی عوامل سے بے توجہی اور محرومی کی بناء پر بدھ مت زوال پذیر ہوا حتی کہ ہندوستان میں اسے برہمنیت کا اژدھا نگل گیا۔ ان اسباب کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

بنیادی تعلیمات سے انحراف:

ہر مذہب اور تحریک اس وقت تک زندہ رہتی ہے جب تک وہ اپنے بنیادی اصولوں کو برقرار رکھتی ہے لیکن بدھ مت نے اپنی بنیادی تعلیمات سے انحراف کیا' وہ جس ملک میں بھی گیا وہاں کے عقائد اور روایات سے مصالحت کر لی بلکہ مقامی روایات میں مخلوط ہو کر رہ گیا کہ اس کی اصل شکل پہچاننا مشکل ہوگئی۔ اس میں شرک پرستی کی آمیزش ہوگئی۔ بت گری' مجسمہ سازی' تصویر کشی اور پیکرِ محسوس کی پوجا عام ہوگئی۔ یوں یہ سادہ' آسان اور عام فہم مذہب' پیچیدہ اور فلسفیانہ دھرم بن گیا۔ ہندوستان میں برہمنی عقائد بتدریج اس پر غالب آگئے اس طرح تبت' چین' جاپان اور دیگر ممالک میں بدھ مت' تاؤمت' کنفیوشسزم اور شنٹو مذہب کے ساتھ گڈمڈ ہوگیا۔ جلد ہی مہاتما بدھ کی مورتی اور بہت سے بت پوجے جانے لگے، اس طرح یہ مذہب ہر ملک کی رسوم و روایات کا ملغوبہ بن گیا اور ہر جگہ کا بدھ مذہب دوسری جگہ کے بدھ مذہب سے جدا ہوگیا۔

فرقہ بندی:

فرقہ بندی' نفاق اور اختلاف کسی مذہب کے لیے سمِ قاتل ہے۔ بدھ مذہب بھی پہلے دو فرقوں بعد ازیں 18 فرقوں میں بٹ گیا جیسا کہ ہون سیانگ لکھتا ہے:

''بدھ مت میں 18 فرقے پیدا ہو چکے تھے جن میں مجادلہ اور مباحثہ عام تھا، اس وقت انیسویں صدی میں بھی بدھ مذہب میں نہ اعتقادات کے لحاظ سے اتحاد پیدا ہوا اور نہ اعمال

Marfat.com

کے لحاظ سے۔ دو بڑے فرقے مہایانہ اور ھنایانہ موجود ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے آپ کو حق پر بتاتا ہے اور شاکیہ منی کی اصل تعلیم کے مورث ہونے کے دعویدار ہے۔''

(تمدن ہند، صفحہ نمبر:289)

برہمنیت میں ترمیم:

برہمنوں نے بدھ مت کی مقبولیت کو دیکھ کر اپنے اندر لچک پیدا کر لی۔ بدھوں کو خوش کرنے کی خاطر بدھ کو وشنو دیوتا کا اوتار مان لیا۔ سری نواسی اور راما سوامی آیسٹگر ہسٹری آف انڈیا میں رقم طراز ہیں:

''عوام کی مقبولیت حاصل کرنے کی اس دوڑ میں برہمن مذہب کو کامیابی حاصل ہوئی' اس نے خاموشی کے ساتھ بدھ مذہب کی بیشتر باتیں لے لی۔ ذات پات کی سختیاں ڈھیلی کر دیں۔ حکمرانوں کی خوشامد شروع کر دی جس سے ہندو حکمران بھی ہندو مذہب کے لیے کوشاں ہو گئے' اس طرح ہندو مت نے بھی حکمرانوں کی سرپرستی حاصل کر لی۔''

(ہسٹری آف انڈیا، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر:147)

شاہی سرپرستی سے محرومی:

بدھ مت جب شاہی اور سرکاری سرپرستی سے محروم ہو گیا تو بہت جلد زوال کا شکار ہو گیا حتی کہ اسے ہندوستان سے اپنا بوریا بستر لپیٹنا پڑا۔

دیگر مذاہب سے مقابلہ:

بدھ مت کا جب دوسرے مذاہب سے مقابلہ اور تصادم ہوا تو بدھ مت کا ڈھیلا ڈھالا نظام پسپا ہو گیا، خصوصاً اسلام کے مقابلہ میں بدھ مت ہر لحاظ سے شکست کھا گیا۔ اسلام سے بدھ مت کا ٹکراؤ محمد بن قاسم کے حملے سے شروع ہوا۔ اسلام کی سادہ' متین' ٹھوس اور فطری تعلیم میں بہت کشش پائی جاتی تھی' اس وقت بدھ مت میں ہندو بدعات وخرافات کی کافی ملاوٹ ہو چکی تھی اس سے اسلام کا ریلا اس زوال پذیر ملاوٹی مذہب کو بہا کر لے گیا۔

بدھ مت کے پیروکاروں کی زیادہ تعداد چین' برما' نیپال' تبت' بھوٹان' اور لنکا میں آباد ہے۔ ان کی تعداد میں بڑا اختلاف ہے۔ احمد عبداللہ المسدوسی کی تحقیق کے مطابق پندرہ کروڑ اکتالیس لاکھ' ستاون ہزار ایک سو چھہتر (154157176) ہے۔

Marfat.com

حکیمانہ اقوال

آخر میں ہم مہاراج گوتم بدھ کے چند قابل قدر حکیمانہ اقوال تحریر کرتے ہیں:

1: طریقہ اعتدال کے متعلق حسب ذیل قول بڑا مشہور ہے:

ہر ایک معصیت سے بچو۔

ہر ایک خوبی کو اپناؤ۔

قلب ونظر کا تزکیہ کرو، یہی گوتم بدھ کی تعلیم ہے۔

2: گوتم بدھ ذات پات کے قائل نہ تھے وہ کہتے ہیں:

کوئی شخص پیدائش کی بنا پر برہمن نہیں ہو جاتا۔

کوئی شخص پیدائش کی بناء پر اچھوت نہیں ہو جاتا۔

برہمن اپنے عمل کی بناء پر برہمن ہوتا ہے۔

اچھوت اپنے عمل کی بناء پر اچھوت ہوتا ہے۔

3: بدھ کی تعلیم کا مرکزی نقطہ نروان کا حصول ہے، وہ کہتے ہیں:

''ہر برائی کی جڑ خواہشِ نفسانی ہے، جب انسان خواہشات نفسانی کی سرکش اونٹنی کو اطاعتِ الٰہی کی چھری سے ذبح کر دیتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ کی صفات میں رنگ لیتا ہے تو وہ نروان حاصل کر لیتا ہے۔''

4: مہاتما بدھ نے گرو اور چیلے کے فرائض اس طرح بیان کیے:

چیلوں کے فرائض ہیں کہ وہ اپنے گرو کی تعظیم کریں، ان کے روبرو مودبانہ کھڑے ہوں اور اس کے حکم کو مانیں۔

گرو کے فرائض یہ ہیں کہ چیلوں کو دیر پا علم کی تعلیم دیں، انھیں اچھی اور مفید باتیں سکھائیں اور ان کی عقل اور شعور کو بیدار کرنے کی کوشش کریں۔

Marfat.com

نروان:

''پیدائش' بڑھاپا' بیماری' دکھ اور کمزوریوں کا مجموعہ ہوتے ہوئے اور ان چیزوں کا شکار جو بھی اشیاء ہیں ان کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے' میں نے اس کی تلاش شروع کی جو کہ غیر مخلوق' غیر تغیر پذیر' نروگ' بے غم' بے عیب اور ہر پابندی سے آزاد اور محفوظ ہے یعنی نروان اور میں نے اس کو پالیا۔

جو ایک جزیرہ ہے' وہ لاثانی جزیرہ!
یہی ہے موت اور بے ثباتی کا خاتمہ
اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھنا اور ہر شئے سے بے تعلق ہو جانا۔
میں اسے نروان کے نام سے پکارتا ہوں۔
یہی وہ جزیرہ ہے۔۔۔لاثانی جزیرہ!!

☆☆☆

Marfat.com

بدھ مت اور اسلام کا موازنہ

بدھ مت اور دین اسلام میں کئی امور میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ مثلاً: ہادیانِ مذاہب کی زندگیاں کسی حد تک مماثل ہیں۔ دونوں راہنماؤں کی زندگیوں میں دکھی انسانیت کی خدمت اور معاشرتی برائیوں کی اصلاح کا مشترکہ جذبہ کارفرما تھا اور دونوں نے آرام و آسائش کی زندگی ترک کر کے، خلقِ خدا کی ہدایت کی کٹھن راہ اختیار کی۔ دونوں نے عوام کے سامنے اعلیٰ اخلاق پر مبنی ذاتی کردار پیش کیا۔ ظاہری رسوم اور عبادات کی بجائے اصلاحِ نفس، صدق، طہارت، تقویٰ اور نیک اعمال پر زور دیا۔ مذہب پر مخصوص طبقہ کی اجارہ داری کی مخالفت کی۔ معاشرہ کے استحکام کے لیے معاشرہ کے مختلف طبقات کے حقوق و فرائض کا تعین کیا۔

دونوں مذاہب کی تعلیمات میں بھی مماثلت پائی جاتی ہے۔ بدھ مت میں انسانی زندگی کا مقصود اصلاحِ نفس اور نروان کا حصول ہے اور اسلام نے بھی تزکیۂ نفس اور تقویٰ، نیز فلاح کو مقصدِ حیات ٹھہرایا ہے۔ گوتم بدھ کی ہشت پہلو تعلیم یعنی کلی صداقت کی تلقین حرص و طمع سے اجتناب، چوری، بدکاری، نشہ اور رقص و سرود کی ممانعت اسلامی تعلیمات کی ہی صدائے بازگشت ہے۔

ان مشترکہ امور کے باوجود اسلام اور بدھ مت میں کافی کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم دونوں مذاہب کے اہم امور میں موازنہ پیش کرتے ہیں:

1: بدھ مت معروف معنوں میں ایک مذہب کی شرائط پوری نہیں کرتا بلکہ یہ ایک اخلاقی فلسفہ ہے۔ اصلاحاً ایک مذہب کے لیے چند عقائد، روحانی موجودات اور امورِ غیب پر ایمان لازم ہوتا ہے نیز مذہب کے لیے عبادت گاہ، طریقہ عبادت اور ایک مذہبی کتاب کی ضرورت تسلیم شدہ ہے۔ جبکہ بدھ مت کے اس مفہوم میں مذہب نہیں ہے۔ مہاتما بدھ کی تعلیم میں نفیاً یا اثباتاً خدا کا کوئی ذکر نہیں ملتا، وہ فلسفہ ''لاادری'' کے قائل ہیں۔ پھر مہاتما بدھ نے

Marfat.com

اپنی زندگی میں نہ کوئی کتاب پیش کی، نہ عبادت گاہ بنوائی اور نہ ہی عبادت کا کوئی خاص طریقہ وضع کیا۔ نیز بدھ مت جنت و دوزخ' آخرت کی زندگی' عذاب وثواب کے تصور سے خالی ہے، اسی لیے محققین بدھ مت کو محض ایک اخلاقی فلسفہ سمجھتے ہیں جس کا مقصد تزکیہ نفس اور باطنی طہارت کے سوا کچھ اور نہیں۔ مشہور فرانسیسی مستشرق موسیو لی بان کے الفاظ میں:

''بدھ مت بنیادی طور پر نفس کشی اور اخلاقی تربیت کا نظام ہے۔''

بدھ مت کے برعکس اسلام ایک منظم' مربوط اور واضح عقائد کا نظام پیش کرتا ہے۔ قرآن حکیم سورہ بقرہ آیت نمبر 177 میں ان عقائد کی تفصیل بیان کی گئی ہے:

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ○

''اصل دین اور نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ' یوم آخرت' ملائکہ' الہامی کتب اور انبیاء پر ایمان لائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھی بنیادی ایمانیات کی تائید حدیث جبریل میں کی ہے۔ بعدازیں فرمایا:

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول اور بندے ہیں اور نماز قائم کرنا' زکوۃ ادا کرنا' حج کرنا نیز رمضان کے روزے رکھنا اسلام ہے۔''

الغرض اجزائے ایمان اور ارکان اسلام واضح ہیں جن پر ایک مسلمان ہونے کے لیے ایمان لانا لازمی ہے۔

2: اسلام عقلی اور فطری دین ہے جبکہ بدھ مت غیر فطری' خلافِ عقل اور ناقابلِ عمل مذہب ہے' اس ضمن میں چند مثالیں قابلِ ذکر ہیں:

بدھ مت عائلی اور خاندانی زندگی سے فرار کی تعلیم دیتا ہے جو تمدنی زندگی کی خشت اول ہے خود مہاتما بدھ نے گھر بار چھوڑ کر نروان حاصل کیا۔

اس طرح رہبانیت' تعذیبِ نفس اور سخت ریاضتیں خلاف فطرت ہیں نیز انسانی خواہشات کو ختم کرنا اور بشری صلاحیتوں کو معطل کرنا جن کی بدھ تاکید کرتا ہے خلاف عقل اور غیر فطری امور ہیں۔ اس کے برعکس اسلام نے بشری قوتوں کی تصعید کی ہے نہ کہ ان کو فنا کیا ہے۔

3: بدھ مت ایک مکمل نظامِ زندگی نہیں ہے جو ہر شعبہ زندگی کے متعلق مکمل

Marfat.com

ہدایات دیتا ہو بلکہ یہ صرف اخلاقی تربیت کا ڈھیلا ڈھالا نظام ہے جو محض اخلاقی پہلو پر زور دیتا ہے۔ مہاتما بدھ نے زندگی کے معاشی' معاشرتی اور سیاسی پہلو پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ علاوہ ازیں روحانی موجودات کے متعلق بھی خاموشی اختیار کی ہے جو مذہب کی اساس ہیں۔

اس کے برعکس اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو ہر معیار پر پورا اترتا ہے:

اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً ○

یہ آیت اسلام کا طرہ امتیاز ہے۔ الغرض دین اسلام ہر شعبہ زندگی، اخلاقی' معاشرتی' معاشی' سیاسی اور روحانی کے متعلق مکمل اور تفصیلی ہدایات دیتا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ ○ (المائدہ : ۳)

4: بدھ مت ترکِ دنیا اور رہبانیت کا دین ہے' مہاتما بدھ نے اپنے پیروؤں کو معیشت اور معاشرت کے متعلق جتنی ہدایات دی ہیں ان سب کا بنیادی پتھر ''ترک دنیا اور نفس کشی'' ہے چونکہ اس کی منزل مقصود نروان ہے جو بغیر نفس کشی کے حاصل نہیں ہوسکتا اس لیے وہ انا اور خودی کو مٹانے کے لیے نہایت سخت ریاضتیں تجویز کرتا ہے۔ مثلاً داڑھی' مونچھ اور سر کے بالوں کو نوچنا تاکہ غرور حسن خاک میں مل جائے۔ کانٹوں یا کیلوں کے بستر پر لیٹنا' بدن پر خاک ملنا جو تعذیبِ نفس کی صورت ہے' عورت اور مرد کے فطری تعلق سے پرہیز' کسی جاندار کو ہلاک کرنے سے اجتناب۔ علاوہ ازیں نئے کپڑے نہ پہننا' بلکہ کوڑے پر پڑے ہوئے چیتھڑے یا قبرستان کے مردوں کے کفن اتار کر پہننا۔

اس کے برعکس اسلام رہبانیت اور ترک دنیا کو ترقی اور تمدنی ارتقاء کے لیے مہلک قرار دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور قول ہے:

''لَارَهْبَانِیَّةَ فِی الْاِسْلَامِ''

دین اسلام انسان کو دنیا سے بھرپور استفادہ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

قرآن مجید کی میں ہے:

''رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً'' (البقرة : ۲۰۱)

سیرت پاک کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ نے ان تینوں اشخاص کو منع کیا جنھوں نے عزلت نشینی' شادی نہ کرنا اور رات بھر عبادت کرنے کا عہد کیا تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تمھارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔ الغرض اسلام خودی کو فنا نہیں کرتا بلکہ اس کی

Marfat.com

نشو ونما کرتا ہے۔

5: بدھ مت کی مقدس کتب غیر محفوظ اور غیر مستند ہیں کیونکہ مہاتما نے اپنی زندگی میں کوئی کتاب نہیں لکھی۔ پھر تاریخ سے ثابت ہے کہ اس کے کسی پیروکار نے بھی اس کی زندگی یا اس کے بعد کسی قریبی زمانے میں بدھ کی تعلیمات ضبط تحریر میں لانے کی کوشش نہیں کی۔ بعض روایات بتاتی ہیں کہ بدھ کے انتقال کے سو سال بعد بدھ مت کی موجودہ کتب لکھی جانے لگیں، پھر موجودہ کتب محققین کے مطابق غیر مستند ہیں۔ خود بدھ مت کے فرقے بھی ان کتب پر متفق نہیں ہیں۔

اس کے برعکس دین اسلام کی ترجمان کتاب ''قرآن مجید'' ہے جو محفوظ ترین کتاب ہے۔ اس طرح سیرت پاک اور احادیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام جو قرآن مجید کی تشریح اور تفسیر میں ہر لحاظ سے مستند اور محفوظ ہیں۔ ان کی حفاظت کی شہادت دشمنوں نے بھی دی ہے بقول سر ولیم میور:

''اس بات کی تسلی بخش اندرونی اور بیرونی شہادت موجود ہے کہ قرآن مجید اس وقت بھی اس شکل وصورت میں محفوظ ہے جس حالت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔

(لائف آف محمد ﷺ، صفحہ نمبر:25)

اِنَّانَحْنُ نَزَّلْنَاالذِّکْرَوَاِنَّالَہٗ لَحَافِظُوْنَo

(القرآن المجید، سورۃ الحجر، آیت نمبر:9)

پھر قرآن مجید کی سند متصل اور متواتر ہے' اسی طرح احادیثِ نبویؐ روایت اور درایت کے اصولوں پر پورا اترتی ہیں۔

6: بدھ مت کی تعلیمات تغیر اور تحریف سے محفوظ نہیں رہیں، مہاتما بدھ کے ایک صدی بعد اس کے معتقد ویسالی نے بدھ مت کے اصول' عقائد اور احکام مرتب کرنے کی کوشش کی مگر اس کے متعلق ''دیپ ومسا'' کا مصنف لکھتا ہے:

''اس میں بھکشوؤں نے اصل بدھ مت کے اصول بدل دیئے نیز اس کے عقائد اور احکام میں بہت کچھ ترمیم وتنسیخ کی اور اصل سوتروں کو بدل کر نئے سوتر بنا لیے۔''

(میکس مولر۔ بدھ مت کی مقدس کتب)

Marfat.com

یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ آخری زمانہ میں تو بدھ مت کو کافی تحریف سے دوچار ہونا پڑا یہاں تک کہ اس کے بنیادی اصول بھی بدل گئے۔

مثلاً: ابتدائی بدھ دھرم میں خدا کا کوئی وجود نہ تھا ''لاادری'' فلسفہ کا پرچار کیا جاتا تھا مگر بعد میں ایک غیر فانی ہستی کا وجود مان لیا گیا جو تمام کائنات سے برتر ہے۔

ابتدائی بدھ مت میں جنت دوزخ کا کوئی تصور نہ تھا مگر اب نیک اعمال کا صلہ جنت اور برے اعمال کی سزا دوزخ تسلیم کرلیا گیا۔

ابتدائی بدھ مت میں زاہدانہ زندگی کے قواعد سخت تھے مگر بعد میں نرم کردیئے گئے۔

بدھ مت میں یہ تحریف زیادہ تر کنشک کے زمانے میں ہوئی جو پہلی صدی عیسوی میں گزرا ہے۔ راجہ گرہہ کشمیر میں کونسل کا انعقاد ہوا جس میں ضروریات کے مطابق ترمیم و تنسیخ ہوئی اور بدھ مت کے قوانین نئے سرے سے مرتب کیے گئے۔ ان نئے قوانین کو چھوٹے فرقے ''ہنایان'' نے رد کردیا جبکہ سوادِ اعظم مہایان فرقہ نے اسے قبول کرلیا۔

(ہاک مین، بدھ مت بطور مذہب، صفحہ نمبر:15)

اس کے برعکس اسلام کی تعلیمات میں کوئی تحریف' تنسیخ اور ترمیم نہ ہوئی۔ اسلام کی تعلیمات آج بھی وہی ہیں جو اس کے آغاز میں تھیں۔ خدائے واحد کا تصور' اسلام کی تعلیمات میں رہبانیت کی ممانعت پہلے دن سے رہی ہے۔

7: بدھ مت کا مرکزی نقطہ حصول نروان ہے' مہاتما بدھ کہتے ہیں:

''انسانی زندگی میں تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے۔''

اور یہی تغیر وتبدل بدھ مت کی تعلیمات کا مرکزی خیال ہے۔ مہاتما بدھ کے نزدیک زندگی میں مصائب اور تغیر وتبدل کی بنیادی وجہ خواہشات ہیں اور خواہشات کی سرکش اونٹنی ذبح کرنے سے ہی نروان حاصل ہوسکتا ہے۔ میکس مولر کے مطابق:

''نروان سے مراد انسان کا معدوم ہوجانا یا خواہش کی قید سے بالکل آزاد ہوجانا ہے۔''

بدھ مت میں نروان کا حصول' نفس کشی' تعذیبِ نفس' رہبانیت اور غیر فطری ریاضتوں سے ہی ممکن ہے۔ بدھ مت کے برعکس اسلام ''تصورِ فلاح'' پیش کرتا ہے بقول قرآن:

''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا''

ایک اور جگہ فرمایا:

Marfat.com

قَدْاَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ

اسلام یہ تصوُر دیتا ہے کہ انسان کی فلاح کا انحصار ایمان اور نیک اعمال پر ہے۔ اسلام خواہشات کو ختم نہیں کرتا بلکہ ان میں اعتدال پیدا کرتا ہے تا کہ انسانی صلاحیتیں تمدنی ارتقاء میں استعمال ہوں اس لیے وہ دنیا میں رہ کر اس کی اصلاح کا قائل ہے، وہ رہبانیت اور تعذیب نفس کے خلاف ہے اور یہی انسانی زندگی کی درست راہ ہے۔

8: بدھ مت خدا، جنت ودوزخ کے تصورات سے خالی ہے۔ روحانی موجودات پر ایمان نہیں رکھتا، اس لیے بدھ مت کو الہامی مذہب ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں۔ اس کے برعکس اسلام کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روز اول ہی سے انسان کی روحانی ہدایت کا انتظام کیا اور انسانی ہدایت کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ورسل آئے جو اپنے اپنے وقت میں ہدایت اور اصلاح کا فریضہ ادا کرتے رہے اور اس سلسلہ ہدایت کی آخری کڑی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ قرآن مجید آخری الہامی کتاب ہے۔ اس طرح اسلام نہ صرف الہام اور وحی کا قائل ہے بلکہ آخری الہامی دین ہے۔

9: بدھ مت میں گداگری اور بھیک مانگنا مذہبی فریضہ ہے۔ بدھ بھکشو کو اجازت نہیں کہ وہ بسر اوقات کے لیے کوئی پیشہ اختیار کرے بلکہ بھکاری بننا اس کے لیے ضروری ہے۔ اس کے برعکس اسلام ہر شخص کے لیے کام کرنا ضروری قرار دیتا ہے اور گداگری کو ننگ انسانیت اور معاشی ارتقاء کے لیے رکاوٹ قرار دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کوئی شخص اس سے بہتر روٹی نہیں کھاتا جو وہ اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھاتا ہے۔''

بخاری ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر تم میں سے ایک شخص ایک رسہ لے اور ایندھن کا ایک گٹھ اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لے آئے اور پھر اسے فروخت کر دے جس سے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بچائے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ لوگوں سے سوال کرتا پھرے پھر وہ اس کو کوئی خیرات دے یا نہ دے۔''

10: بدھ مت عائلی اور خاندانی زندگی کو روحانی ترقی اور حصولِ نروان کے خلاف قرار دیتا ہے۔ مہاتما بدھ نے رات کی تاریکی میں بیوی بچوں کو چھوڑ کر جنگل کی راہ لی اور اس

Marfat.com

معاشرتی بندھن کو آن واحد میں توڑ دیا جو زوجین کو ایک مقدس رشتہ میں منسلک کرتا ہے ہر بھکشو کے لیے عورت مرد کے فطری تعلق سے اجتناب لازمی ہے، اس طرح بدھ مت میں ہمیں خاندانی اور ''معاشرتی زندگی'' کے متعلق کوئی ہدایات نہیں ملتیں۔ اس کے برعکس اسلام ازدواجی زندگی کو تمدن کی نشوونما اور نسلِ انسانی کی بقاء کے لیے ضروری ٹھہراتا ہے جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

باب نمبر 7:

کنفیوشس مذہب

اس باب میں ہے..... کنفیوشس کا تعارف، حکیم کنفیوشس کے حالات، مقدس مذہبی کتب، اقوال تعلیمات، رابطے، اسلام اور کنفیوشس کا موازنہ۔

Marfat.com

ابتدائی تعارف

پس منظر:

چین کا شمار دنیا کے قدیم ترین ممالک میں ہوتا ہے اور یہ قدیم حکمت و دانش کا مرکز رہا ہے۔ قدیم تاریخ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے چین کے متعلق یہ تاثر پیدا ہوگیا ہے کہ چینی قوم حکمت و فلسفہ اور فکر دانش کی خصوصیت سے محروم رہی ہے لیکن اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی چینی علم و حکمت تک رسائی نہیں ہوسکی۔ نیز چینی زبان بھی کافی مشکل ہے جس کا سیکھنا کچھ آسان نہیں۔ اسی وجہ سے دوسری زبانوں میں اس کے ترجمے اس کے اصل معنی کو پوری طرح واضح نہیں کرتے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مشہور فرمان جو امام غزالی نے احیاء العلوم کی کتاب العلم میں نقل کیا ہے:

''اُطْلُبُوْا الْعِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْنَ

''علم حاصل کرو خواہ تمھیں چین جانا پڑے۔''

اسی چینی حکمت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ آخرکار اس قدیم حکمت و دانش سے حجاب اٹھ گیا اور لوگ چین کے علم و حکمت و فکر و دانش اور عملی اخلاق سے واقف ہوئے۔

چین کے قدیم مذاہب:

چین میں تین مذاہب خاص طور پر مروّج رہے ہیں جن میں دو خاص اسی علاقے میں ظہور پذیر ہوئے:

1: تاؤازم
2: کنفیوشس ازم
3: بدھ مت

Marfat.com

بدھ مت ہندوستان سے پہلی صدی عیسوی میں تبلیغ کے ذریعے چین میں پہنچا۔ یہ تینوں مذاہب آپس میں اس قدر مخلوط اور مدغم ہوگئے ہیں کہ ایک ہی شخص بیک وقت تینوں مذاہب کا پیروکار ہوسکتا ہے حتی کہ مردم شماری میں اہلِ چین کو ان مذہب کی بناء پر مختلف گروہوں میں شمار کرنا محال ہے۔ مذہبی تعصب کے فقدان اور مذہبی رواداری کی وجہ سے چین کی تاریخ میں قتل و غارت کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ تینوں مذاہب میں زیادہ مقبولیت جس کو حاصل رہی ہے وہ مذہب کنفیوشس ہے۔ اس کا نیا نام عیسائی مشنریوں نے دیا ہے، ورنہ خود اہل چین اسے Ju-Chia کے نام سے موسوم کرتے ہیں، جس کے معنی ہیں ''علماء کی تنظیم۔''

☆☆☆

Marfat.com

حکیم کنفیوشس

طور مارزندگی:

کنفیوشس ایک معلم، فلسفی اور ایک سیاسی مفکر کی حیثیت سے چین میں معروف ومقبول ہے جس کے افکار نے مشرقی ایشیا کی تہذیب پر دوررس اثرات چھوڑے ہیں۔ کنفیوشس اپنے افکارو تعلیمات کی شہرت ومقبولیت کے باوجود اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کو حسرتوں میں بدل کر اس دنیا سے رخصت ہوا لیکن عزائم کی ناکامی نے کبھی بھی اس کے مزاج میں تلخی پیدا نہ کی۔

کنفیوشس کی اصل زندگی مختلف قسم کی روایات کے طومار میں دب کر رہ گئی ہے۔ حتی کہ اس کی زندگی کے بارے میں بہت کم مواد دستیاب ہے۔ اس کی تاریخِ پیدائش، خاندان اور دیگر تفصیلی حالات سے آگاہی محال ہے۔

کنفیوشس کا زمانہ تقریباً 551 تا 479 ق م ہے۔ کنفیوشس کا ظہور ایسے زمانے میں ہوا جبکہ چین میں جاگیرداری نظام اپنی موت آپ مر رہا تھا اور ایک نیا چین ابھر رہا تھا۔ اس کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک معمولی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ بعض نے ان کے والد شولان کو شاہی خاندان سے بھی منسوب کیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کنفیوشس کے والد ایک بہادر سپاہی اور ایک شہر کے حاکم تھے۔ ان کی بہادری کی داستانیں زبان زد خاص و عام تھیں۔

پیدائش وذہانت:

کنفیوشس 551 قبل مسیح میں چین کے قدیم صوبے لو (Lu) میں اپنے والدین کے ہاں بڑی کبرسنی میں طویل دعاؤں سے پیدا ہوئے۔

Marfat.com

خاندانی نام ''Kung تھا۔ کنفیوشس دراصل کنف فوتس (Kung-fu-Tze) کی لاطینی صورت ہے جس کے معنی ماسٹر کنگ کے ہیں۔ یہ تین برس کی عمر میں سایۂ پدری سے محروم ہوگئے۔ چونکہ والد نے کوئی اثاثہ نہ چھوڑا تھا۔ لہٰذا ابتدائی زندگی نہایت غربت وعسرت کے عالم میں بسر کی لیکن اس کسمپرسی میں بھی تحصیلِ علم میں مصروف رہے۔ 17 برس کی عمر میں انھیں توشہ خانے کا محافظ مقرر کیا گیا۔ اپنی عمدہ کارکردگی سے اسے گورنر کے ہاں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ پھر انھیں زراعت کا نگران مقرر کیا گیا۔ انیس برس کی عمر میں وہ سلسلہ ازدواج میں منسلک ہوگئے لیکن اس کے باوجود وہ دانش قدیم کے ماہر تسلیم کیے جانے لگے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ صوبہ لو(Lu) کے وزیراعظم نے بستر مرگ پر اپنے بیٹے کو تاکید کی وہ کنفیوشس سے علم حاصل کرے۔

تعلیم وتدریس:

23 برس کی عمر میں انھوں نے تعلیم وتدریس کے میدان میں قدم رکھا اور ایک معلم کی حیثیت سے لوگوں کو تعلیم دینے لگے۔ چنانچہ ان کے مکان پر بڑی بڑی مقتدر شخصیتیں حاضر ہوکر ان سے علمی راہنمائی حاصل کرتیں۔ حتی کہ ان کے تلامذہ کی تعداد 3000 ہوگئی اور وہ پندرہ برس تک تدریس میں مصروف رہے اور اپنے فلسفیانہ افکار سے لوگوں کو بہرہ ور کرتے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ برائی سے بھاگنا بہادری نہیں۔

52 برس کی عمر میں انھیں ''Chungtoo کا مجسٹریٹ بنادیا گیا۔ ان کی اصلاحات اس قدر موثر ثابت ہوئیں کہ انھیں اور اعلیٰ عہدوں کے لیے منتخب کرلیا گیا۔ آخر محکمہ عدل کا وزیر مقرر کردیا گیا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے لائق شاگردوں کی مدد سے صوبہ (Lu) کو سلطنت کی قابلِ رشک مثالی ریاست بنادیا لیکن کنفیوشس نے اصلاحات کا معیار اتنا اونچا رکھا تھا کہ وہ زمانے کا ساتھ نہ دے سکے۔ چنانچہ خودغرض' لوگوں نے رکاوٹیں پیدا کرنی شروع کردیں۔ ہمسایہ ریاستوں نے کنفیوشس کے لیے سازشوں کا جال بچھادیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ chi کے مراکشی حکمران نے ڈیوک (Duke) کو 80 رقاصائیں اور 120 عمدہ گھوڑے بھجوائے اور ساتھ سفارش کی کہ کنفیوشس کو معزول کردیا جائے۔ لو(Lu) کے ڈیوک نے ان تحائف کو قبول کرلیا اور کنفیوشس کو فارغ کردیا۔ چنانچہ

Marfat.com

496 قبل مسیح (B.C) میں کنفیوشس کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا گیا۔ پھر 13 برس تک کنفیوشس چین کے مختلف حصوں میں گھومتا پھرتا رہا۔ اس کی آرزو یہ تھی کہ اسے کوئی سلطنت مل جائے جہاں وہ اپنے اصولوں کو نافذ کر کے ایک مثالی ریاست بنا کر اپنے اصولوں کی صداقت کو ثابت کر سکے لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

وفات:

485 قبل مسیح میں وہ لو میں واپس آ کر مقیم ہو گیا۔ 481 قبل مسیح میں اس کا ایک مخلص شاگرد اور 489ق م میں دوسرا شاگرد فوت ہو گیا اور اس کے سات روز بعد وہ خود 489ق م میں 73 سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ اسے احترام کے ساتھ دفن کیا گیا اور کیوفو میں اس کا مقبرہ آج بھی ایک قومی زیارت گاہ ہے۔

اس کے مقبرہ پر ''بہترین حکیم۔قدیم ترین معلم'' کے الفاظ کندہ ہے۔

بعض جدید محققین نے اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ کنفیوشس کے واقعات کو مبالغہ آمیز رنگ دیا گیا ہے ورنہ وہ ایک معمولی استاد تھا۔

کنفیوشس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے لائق شاگردوں کا ایک حلقہ تیار کر لیا جس نے دانش قدیم کو کھنگالا اور انھیں مرتب صورت میں بعد میں پیش کیا۔

Marfat.com

کنفیوشس کی تعلیمات پر مبنی کتب

کنفیوشس کی تعلیمات کا جائزہ لینے کے لیے جو بنیادی کتب ملتی ہیں وہ پانچ ہیں اوران کو(Five Kings) کہا جاتا ہے:

1: شوکنگ
2: شی کنگ
3: لی چی
4: بی کنگ
5: چون چن

اس کے علاوہ چار کتابیں کنفیوشس کے افکار کے مطالعہ کے لیے ضروری ہیں جو اس کے تلامذہ نے لکھیں وہ یہ ہیں:

1: اینلکٹس
2: علم عظیم
3: چونگ جونگ
4: نظریہ اعتدال

شوکنگ (شوچنگ):

(The Book of History):

یہ کتاب تاریخ کے موضوع پر ہے جس میں اڑھائی ہزار قبل مسیح سے لے کر چھٹی صدی قبل مسیح تک کے مختلف شاہی خاندانوں کے حالات مذکور ہیں۔ نیز ان کی تاریخی تقریریں شامل ہیں جو پہلے 100 تھیں جبکہ اب اٹھاون رہ گئی ہیں۔

Marfat.com

شی کنگ (شی چنگ):

:(The Book of Poetry)

یہ بنیادی طور پر شاعری کی کتاب ہے۔اس منظوم کتاب میں 18 سو قبل مسیح سے لے کر چھٹی صدی قبل مسیح تک مختلف خاندانوں کے حالات نظم کی صورت میں ملتے ہیں۔یہ ابتداء میں کوئی تین ہزار نظموں پر مشتمل تھی جن میں سے کنفیوشس نے 305 نظموں کا انتخاب کیا جو آگے منتقل ہوا۔

لی چی:

:(The Book of Rites)(Lichi)

لی کی (Liki) یہ کتاب کتابِ رسوم ہے۔ اس کتاب میں جو دراصل ایک خاص خاندان کی سرکاری کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔اس میں وہ رسومات اور طریقے درج ہیں جن پر بادشاہ اور ان کے امراء عمل میں کیا کرتے تھے۔

بی کنگ (تابی چنگ):

:(Yiching)(Yiking)

اس کو ''کتاب تغیرات'' کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب مختلف قسم کے واقعات اور حوادث کے بیان میں ہے اور سب سے قدیم کتاب قرار دی جاتی ہے۔کنفیوشس اس کتاب کا بڑا دلدادہ تھا۔ وہ اس قدیم مصنف کی اس قدیم تصنیف کو اس حد تک اہمیت دیتا تھا کہ ایک بار اس نے یہ کہا کہ اگر میری عمر اجازت دے تو پچاس برس میں صرف اسی کتاب کا مطالعہ کرتا رہوں۔ کتاب مختلف قسم کے طلسماتی (جادوئی) نقشوں اور علمِ جفر سے متعلق مختلف باتوں پر مشتمل ہے۔

چون چن:

:Anais of Spring and Autumn(Chun-Chin)

یہ کتاب بہار اور خزاں کے واقعات پر مشتمل ہے۔ یہ کنفیوشس کی اپنی تالیف ہے جس میں انھوں نے سلطنت لو(Lu) کے آٹھویں صدی قبل مسیح 722 تا 481 (B.C) یعنی اپنی

Marfat.com

وفات کے کچھ عرصہ قبل تک کے حالات بیان کیے ہیں۔

اینلکٹس:

(The Ananlicts):

یہ کنفیوشس اور ان کے تلامذہ کے اقوال ومباحث پر مبنی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس میں کنفیوشش لوگوں سے باتیں کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس میں زندگی کے حقائق عام فہم کہانیوں اور تمثیلوں کے انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔

علم عظیم:

(The Great Learning):

یہ کتاب دراصل لی چی کا انتالیسواں باب ہے لیکن بعد میں اسے اس کی افادیت کی بناء پر الگ سے تیار کرلیا گیا اور اس میں کنفیوشس کے بارے میں زیادہ معتبر باتیں نہیں ملتیں۔

چونگ جونگ:

(The Doctrine of the means):

یہ کتاب بھی دراصل لی چی کا باب نمبر 28 ہے اور کنفیوشس کے فلسفیانہ افکار کی بڑی عمدہ تشریح ہے جس میں خاص طور پر فطرت انسانی اور کائنات کے نظامِ اخلاق پر گفتگو کی گئی ہے یہ کنفیوشس کے پوتے (کیہ) کی طرف منسوب ہے۔

نظریہ اعتدال:

(The Book of Mencius):

یہ کتاب کنفیوشس کے اقوال ماننے والے مفکرین کے اقوال پر مبنی ہے اور فلسفہ کنفیوشس کو سمجھنے کے لیے زینے کا کام دیتی ہے۔

پہلی پانچ اور آخری چاروں کتابوں کی تاریخ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ان کتابوں کو مختلف آزمائشوں سے گزرنا پڑا ہے۔ پورے چین کا یہ حقیقی حکمران جسے شہنشاہ اعظم کہنا بجا ہوگا ڈیوک تھا جو چن (Chun) خاندان کی مختصر سی حکومت کا بانی تھا۔ جس نے چین کے

Marfat.com

تمام صوبہ جات کو اپنے زیر نگیں کر کے 221ق م میں ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھی اور شہنشاہِ اول کا لقب اختیار کیا۔ اس نے پرانے جاگیرداری نظام کا قلع قمع کیا۔ سلطنت کو 36 صوبوں میں تقسیم کیا۔ دنیا کے عجائبات میں سے ایک مشہور عجوبہ دیوارِ چین تعمیر کرائی۔ نیا سکہ ایجاد کیا۔ چینی طرزِ تحریر میں اصلاح کی لیکن ان ساری باتوں کے ساتھ ساتھ اس شہنشاہ نے 213ق م میں یہ حکم دیا کہ کنفیوشس کی تمام کتابوں کو جلا دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس شخص نے کنفیوشس مذہب کے 420 علماء کو زندہ دفن کروادیا لیکن تین سال ہی گزرے تھے کہ یہ شہنشاہ فوت ہوگیا۔ چنانچہ ھن (Hun) خاندان کی حکومت جو پانچ سال بعد قائم ہوئی' اس دور میں کنفیوشس کی کتابوں کو دوبارہ برسرِعام لایا گیا اور انھیں ازسرِنو شہرت حاصل ہوگئی۔

بہرحال جو کتابیں کنفیوشس نے خود لکھیں یا اس سے پہلے لکھی گئیں یا اس کے شاگردوں نے لکھیں ان پر تبصرہ کرتے ہوئے "Lewts Brown لکھتا ہے:

"For the most party, they are the collection of ancient rituals, hymns, cermonial laws, magic, historcial chronicles and proverbs. Their importance to us rests not upon their own merit but soley upon the very real thought night incredible on marit. They have dominated the life and tought of learned china."

(The Believing World-Brown)

"یہ کتب زیادہ تر قدیم رسومات' بھجن، روایتی قوانین' تاریخی روایات اور ضرب الامثال کا مجموعہ ہے۔ ان کی اہمیت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے زمانۂ دراز تک چین کی علمی اور فکری زندگی کو متاثر کیے رکھا ہے۔"

☆☆☆

Marfat.com

حکیمانہ اقوال

ذیل میں ہم کنفیوشس کے چند اقوال درج کرتے ہیں جن سے اس کے خیالات ونظریات کا پتہ چلتا ہے۔مثلاً وہ کہتا ہے:

1: ''بیشک رئیسوں کے اخلاق کی مثال ہوا کی سی ہے اور محکوم لوگوں کی مثال گھاس کی طرح ہے۔جس طرف ہوا چلتی ہے اسی طرف گھاس مائل ہوتی ہے۔''

النَّاسُ عَلَى دِيْنِ مَلُوْكِهُمْ

یعنی عوام کے رجحانات حکام کے اطوار سے متعین ہوتے ہیں۔

2: ایک شاگرد نے پوچھا کہ ارواح پرستی کیا ہے تو کنفیوشس نے جواب دیا:

''جب تک تم زندہ کی خدمت نہیں کر سکتے روحوں کی خدمت کیا کرو گے۔

So long as you are not able to serve men, how can you serve the spirits.

3: کسی شاگرد نے آخرت کے بارے میں سوال یا تو اس نے کہا:

''جب تم زندگی کو نہیں جانتے تو موت کو کیسے جانو گے۔

So long as you do not know life, how can you know death.

4: ایک شاگرد نے عبادت سے متعلق سوال کیا تو جواب ملا:

''اگر کوئی شخص انسان کی خدمت پورے طور پر بجالائے اور روحوں کا بھی قدرے احترام کرے تو عقل وبصیرت یہی ہے۔

کنفیوشس کی قبر پر یہ کتبہ کندہ ہے:

''بہترین حکیم.....قدیم معلم''

Marfat.com

5: کسی شاگرد نے پوچھا:

''کیا ہم کو بدی کا بدلہ نیکی سے دینا چاہیے؟''

کنفیوشس نے جواب دیا:

'' تو پھر ہم نیکی کا بدلہ کس چیز سے دیں گے؟ ظلم کا انصاف سے بدلہ دو اور نیکی کا احسان سے۔ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو جو تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے ہو۔''

6: تفکر کے بغیر علم ایک بیکار محنت ہے اور علم کے بغیر تفکر خطرناک ہے۔

7: محتاط آدمی سے فاش غلطی نہیں ہوتی۔

8: والدین کی نیکیاں اور برائیاں بچوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

9: سچائی کی عظمت انسان سے ہے نہ کہ انسان کی عظمت سچائی سے۔

If there be righteousness in the heart there will be beauty in the character.

10: دل کی درستگی کردار کی درستگی ہے۔

ii) If there be beauty in the character there will be harmony in the home.

11: حسنِ سیرت خاندانی ہم آہنگی پر منتج ہوتا ہے۔

iii) If there be harmony in the home there will be order in the nation.

12: خاندانی ہم آہنگی قومی نظم وضبط پیدا کرتی ہے۔

iv) If there be order in the nation, there will be peace in the world.

13: قومی نظم وضبط عالمی امن پر منتج ہوتا ہے۔

14: نیکی انسان کو خوشحالی بخشتی ہے اور بدی افلاس کا سرچشمہ ہے۔

15: اچھا آدمی وہ ہے جسے اچھے لوگ اچھا سمجھیں اور اس سے برے لوگ نفرت کریں۔ برا آدمی وہ ہے جسے برے لوگ اچھا سمجھیں اور نیک آدمی اس سے نفرت کریں۔

16: اچھی حکومت وہ ہے جس میں بادشاہ بادشاہ ہو، وزیر وزیر ہو، باپ باپ ہو۔

Marfat.com

17: ایک ریاست کی آبادی بڑھ گئی' کنفیوشس سے اس کا حل پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا:

Enrich them and after that Educate them.

یعنی اول انھیں خوشحال بناؤ پھر انھیں تعلیم دو۔"

18: جو تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے لیے پسند کیوں کرتے ہو؟

19: حقیر فوائد کے حصول کا لالچ بڑے بڑے معاملات کی تکمیل میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔

20: ابتدا پر توجہ دینے سے قبل انجام کو سوچ لو۔ اس صورت میں انجام کار کوئی مشکل نہ ہوگی۔

21: اعلیٰ انسان جو چیز اپنی ذات میں تلاش کرتا ہے، ادنیٰ اسے دوسروں میں ڈھونڈتا ہے۔

22: جب باہر نکلو تو لوگوں سے اس طرح پیش آؤ جیسے تم ایک معزز مہمان کی خدمت بجالا رہے ہو۔ لوگوں کی خدمت کرتے وقت ان سے تمھارا سلوک اس طرح ہونا چاہیے گویا تم ایک عظیم قربانی دے رہے ہو۔ جو اپنے لیے نہیں چاہتے، دوسروں کے لیے بھی نہ چاہو۔ پھر تم دیکھو گے کہ خاص و عام میں کوئی بھی تمھیں برا نہ کہے گا۔

23: خیر خواہی' ہمدردی اور ایثار' انسان کی امتیازی خوبیاں ہیں۔ انسانی کردار میں ان کی مجسم صورت ہی دراصل اس کے فرض شناس ہونے کی نشاندہی کرتی ہے۔

24: انسان پیدائش کے وقت کچھ بھی ساتھ نہیں لاتا اور نہ ہی مرتے وقت کچھ ساتھ لے جاتا ہے۔

25: چاروں سمندروں میں جو بھی انسان ہیں وہ سب بھائی بھائی ہیں۔ پھر ایک نیک انسان کیوں کر غمزدہ ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی بھائی نہیں۔

26: وہ شخص جو خود جھک جاتا ہے دوسروں کو کس طرح سیدھا کرسکتا ہے؟

☆☆☆

Marfat.com

تعلیمات

کنفیوشس ازم مشرق بعید کا قدیم ترین مذہب ہے لیکن حقیقی معنوں میں کنفیوشس مت کوئی مشہور مذہب نہیں ہے کیونکہ کنفیوشس نے الہام کا کوئی دعویٰ نہیں کیا نیز کنفیوشس مذہب' خدا' وحی' الہام' جنت و جہنم' اخروی جزا وسزا جیسے مابعد طبیعیاتی مسائل کے متعلق خاموش ہے۔ اس میں کوئی ''مذہبی عبادت'' یا دینی عقائد نہیں پائے جاتے۔ اس نے کبھی روح کو غیر فانی نہیں کہا۔ فی الحقیقت وہ کسی اعلیٰ ترالٰہی وجود کے ازلی و ابدی علم اور کامل ہدایت کے سرچشمے سے سیراب نہیں ہوا، اس لیے اس میں روحانی تسکین اور قلبی طمانیت کا وجود نہیں۔ الغرض کنفیوشس کی تعلیمات میں روحانی پہلو ناپید ہے جو اہم مذہبی خصوصیت ہے۔

دنیاوی وسیاسی تعلیمات:

کنفیوشس حقیقتاً ایک سیاسی نظریہ ہے' یہی وجہ ہے کہ سیاسی دائرہ میں اس کا وسیع اثر رہا ہے۔ لہٰذا ماہرین مذہب کی رائے ہے کہ کنفیوشس مذہبی مقتدا تو نہیں تھا البتہ معاشرتی' اجتماعی اور سیاسی مصلح ضرور تھا۔ زندگی کے ابتدائی شعبوں نیز اچھی حکومت اور حکمران کے متعلق اس کی کافی تعلیمات ہیں۔ وہ رعایا سے زیادہ حاکم کی اصلاح کا قائل تھا۔ اس کے خیال میں ایک نیک اور مثالی حاکم رعایا کی اصلاح کے لیے اسے نیک اور مثالی بنا سکتا ہے۔ اس کا قول ہے:

''حاکم کو اپنے نام کی لاج رکھنی لازم ہے۔''

کنفیوشس اپنے شاگردوں کے ساتھ ایک مرتبہ جنگل سے گزر رہا تھا کہ راستے میں ایک عورت کو روتے ہوئے پایا۔ عورت سے پوچھنے لگا:

''وہ ایسے خطرناک مقام کو چھوڑ کیوں نہیں دیتی۔

Marfat.com

عورت نے جواب دیا:

''حکومت جابر اور ظالم ہے۔''

حکیم کنفیوشس نے شاگردوں سے کہا:

''بچو! یاد رکھو! ظالم اور جابر حکومت شیر سے بھی زیادہ وحشی اور خوفناک ہے۔''

حکمران کے لیے تعلیمات:

کنفیوشس نے حکمرانی کے پانچ اصول بنائے ہیں:

1: فیض رسانی۔

2: دیانت داری

3: خوش اطواری

4: عملی دانائی

5: خلوص یعنی صحیح عقیدہ

کنفیوشس ہی کا قول ہے:

''اچھی حکومت وہ ہے جس میں بادشاہ بادشاہ ہو اور وزیر وزیر ہو۔''

کنفیوشس خود کچھ عرصہ صوبہ'' لو کا وزیرِ عدل رہا تھا۔ اس وقت اس نے اسے مثالی ریاست بنانے کی کوشش کی۔ بددیانتی اور برائی کو ختم کر دیا۔ حتی کہ گلی کوچے میں گری پڑی اشیاء کوئی نہ اٹھاتا تھا۔ اس کے زمانۂ وزارت میں وفاداری اور نیک نیتی عوام کی خصوصیات اور پاکدامنی' عفت خواتین کی خصوصیات ہوگئی تھیں۔ اس نے ایک بڑے عہدیدار کو بھی سزا دے کر اپنی انصاف پسندی کو چار چاند لگائے لیکن آخرکار حاسدوں نے اسے معزول کروا دیا۔

کنفیوشس کی زندگی بھر آرزو رہی کہ اسے حکمرانی نصیب ہوتا کہ وہ مثالی حکومت قائم کر سکے جبکہ خود اس کا قول ہے:

''میں صرف تین سال میں اپنے افکار کو عملی شکل دے سکتا ہوں۔''

"If any ruler would employ me as his director for twelve months, I would accomplish some thing considerable. In three years, I would attain the

Marfat.com

realization of my hopes."

معاشرتی تعلیمات:

تنظیمِ معاشرہ حکیم کنفیوشس کے نزدیک ایک حکم خداوندی ہے جس کی ترکیب ''پانچ رشتوں'' سے ہوتی ہے۔ ہر رشتہ وفاداریوں کے نظام سے منسلک ہے۔ الغرض انھوں نے صرف ان امور سے بحث کی جن سے عوام کو روزمرہ زندگی میں واسطہ پڑتا ہے۔

اس طرح اس کی معاشرتی واخلاقی تعلیمات سادہ' عام فہم اور لچکدار ہیں جن کا بیشتر حصہ فطری اصولوں پر مبنی ہے۔

اخلاقی تعلیمات:

کنفیوشس کی تعلیمات کی بنیاد اخلاق پر ہے۔ وہ اصلاح اخلاق کے لیے علم وتربیت کو ضروری بتلاتا ہے۔ اس کا قول ہے:

''دنیا کی سب سے بڑی دولت علم ہے۔''

نیز تعلیم کی افادیت کے متعلق ان کا قول ہے:

''ایسا کوئی شخص مشکل سے ہی ملے گا جس نے تین سال تک علم حاصل کیا ہو اور اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا ہو۔''

نیز علم کے لیے وہ تفکر وتدبر کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ ان کا قول ہے:

''بغیر تفکر علم بیکار محنت ہے۔''

کنفیوشس نے اخلاق کے جن پہلوؤں پر زیادہ زور دیا ہے وہ والدین کی اطاعت، حاکم کی اطاعت، عدل وانصاف اور عزیزوں کی امداد ہے۔ اس کا مشہور مقولہ ہے:

''اچھا آدمی وہ ہے جسے اچھے لوگ اچھا آدمی کہیں اور اس سے برے لوگ نفرت کریں جبکہ برا آدمی وہ ہے جسے برے لوگ اچھا سمجھیں اور اچھے لوگ اس سے نفرت کریں۔''

☆☆☆

Marfat.com

پانچ بڑے رابطے

حکیم کنفیوشس نے معاشرتی استحکام کے لیے مندرجہ ذیل پانچ رابطوں کے استحکام پر زور دیا ہے:

1: حاکم اور رعایا کا رابطہ۔
2: باپ اور بیٹے کا رابطہ۔
3: میاں اور بیوی کا تعلق۔
4: بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی سے تعلق۔
5: دوست اور دوست کا تعلق۔

کنفیوشس نے اخلاقی زندگی اور معاشرتی استحکام کی بنیاد مذکورہ پانچ رابطوں پر رکھی ہے، ان میں سے ہر ایک کے ذمے کچھ فرائض اور ہر ایک کے لیے کچھ حقوق ہیں جن کا تعلق حاکم وقت سے بھی ہے اور عام رعایا سے بھی۔ ان میں سے ہر شخص اطاعت وفرماں برداری کے ایسے نظام سے منسلک ہے جس کا تعلق ایک دوسرے سے ہے۔ پہلے چار رشتوں کے متعلق معین اصول ہیں اور پانچویں رشتے میں تسلیم ورضا اہم کردار سرانجام دیتے ہیں۔

کنفیوشس اس بات کا قائل ہے کہ بدنظمی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب حاکم اپنے مرتبہ کے تقاضے نبھانے سے قاصر ہو اور رعایا بھی اپنے مقام سے دور ہو چکی ہو۔ باپ اپنے مقام اور مرتبہ سے غافل ہو اور بیٹا اپنے فرائض سے منہ موڑ چکا ہو۔ علیٰ ھٰذا القیاس اخلاقی بلندی اور معاشرتی استحکام اس وقت تک نہیں آ سکتا جب تک ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ اور مقام کا خیال نہ رکھے۔

کسی نے ایک بار اس سے پوچھا:

"کیا کوئی لفظ ایسا ہے جو زندگی کے لیے بنیادی اصول کا کام دے سکے؟

Marfat.com

اس نے جواب دیا:

''ہاں! باہمی مراعات یعنی دوسروں کے ساتھ وہ سلوک نہ کرو جو تم دوسروں سے اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔''

کنفیوشس کا یہ بھی قول ہے:

''اچھی حکومت اور اچھا معاشرہ وہ ہے جس میں بادشاہ بادشاہ ہو' وزیر وزیر ہو' باپ باپ ہو اور بیٹا بیٹا ہو۔

حاکم کو تلقین کی کہ بادشاہ خود اپنے عمل سے رعایا کے لیے اچھی مثال قائم کرے نیز تاکید کی کہ حکمران طبقہ اور رعایا اپنے فرائض خلوص سے سرانجام دے۔

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں رابطوں کا جائزہ:

حکیم کنفیوشس نے جن پانچ رابطوں کے استحکام پر زور دیا ہے وہ مبہم اور غیر واضح ہیں جبکہ اسلام نے ان رابطوں کے متعلق تفصیل' وضاحت اور جامعیت سے تاکید کی ہے۔

حاکم اور رعایا: کنفیوشس کے نزدیک رعایا کو ہر حال میں حاکم کی اطاعت کرنی چاہیے۔ اسلام نے بھی حاکم کی اطاعت کی تاکید کی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ

(سورۃ النساء: ۵۹)

''اللہ اور اس کے رسول اور حاکم کی اطاعت کرو۔''

اسی طرح خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ خلافت میں فرمایا:

''جب تک میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کروں اس وقت تم میری اطاعت کرنا بصورت دیگر تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔''

علاوہ ازیں حاکم کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ رعایا کی بہتری کے لیے کوشاں رہے۔ حکمران پر فرض ہے کہ وہ رعایا کے کمزور' معذور اور بے سہارا طبقوں کو ضروریات زندگی مہیا کرے۔ نیز اندرونی امن قائم کرے اور بیرونی دشمنوں سے حفاظت کرے۔ اس طرح اسے رعایا کے جان' مال اور عزت کی حفاظت کا ذمہ دار ٹھرایا گیا ہے۔

باپ اور بیٹا: اسلام نے اولاد اور والدین کے حقوق بھی وضاحت سے بیان کیے

Marfat.com

ہیں۔ اسلام نے والدین پر بچوں کی پرورش' تربیت کی ذمہ داری ڈالی ہے بلکہ ان کی تعلیم اور روحانی تربیت کو دینی فریضہ قرار دیا ہے تا کہ ان کی تعلیم و تربیت انھیں دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضامن ہو۔ ارشاد خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم:6)

''اے ایمان والو! اپنے آپ اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔''

اس کی تائید میں ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام ہے:

''قیامت کے دن سب سے پہلے مدعی انسان کے رہنے والے اپنے اہل وعیال ہوں گے۔ وہ دربار الٰہی میں عرض کریں گے: ''اے ہمارے پروردگار! تو خود ہمارا انصاف فرما کہ ہم مجرم ہیں یا والدین مجرم ہیں۔ ہم نادان تھے مگر ہمارے والدین نے ہمیں حرام کھلایا، انھوں نے جیسی تعلیم ہمیں دینی چاہیے تھی اس میں کوتاہی کی اور نتیجتاً ہم جاہل اور بے دین رہ گئے۔

(احیاء علوم الدین از امام محمد غزالی)

اس کے برعکس اسلام نے اولاد کے بڑے بڑے فرائض احسان' احترام' اطاعت' شکر گزاری اور دعائے خیر بیان کیے ہیں جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

''اور تمھارے رب کا حکم ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، ان کے سامنے انکساری کا پہلو جھکائے رکھو، انھیں اف تک نہ کہو، نہ جھڑکو بلکہ ان سے ادب سے گفتگو کرو اور دعا کرتے رہو کہ اے اللہ ان پر رحم کر جس طرح انھوں نے بچپن میں ہماری پرورش کی۔

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر 23 اور 24)

اسی طرح دین اسلام نے تفصیل سے والدین اور اولاد کے حقوق و فرائض کا تعین کیا ہے۔

میاں بیوی کا تعلق: انسان بنیادی طور پر مدنی الطبع ہے۔ ارسطو کے بقول انسان مل جل کر رہنے کا عادی ہے۔ اس طرح عائلی زندگی تمدن کا بنیادی اور پہلا یونٹ ہے۔ قرآن مجید نے عائلی زندگی میں قاعدہ کلیہ اس طرح بیان کیا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ○

(سورۃ النساء)

Marfat.com

یعنی عائلی زندگی میں مرد کو سربراہی حاصل ہے اور عورت اس کی مشیر اور وزیر ہے۔ پھر قرآن مجید نے ایک مثالی بیوی کی اس طرح خصوصیات بیان کی ہیں:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ

(سورۃ النساء)

''نیک بیویاں اپنے خاوند کی مطیع اور ان کی عدم موجودگی میں مال وعزت کی محافظ ہوتی ہیں۔''

اس کی تائید میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بہترین بیوی وہ ہے کہ جب تم دیکھو تو دل خوش ہو جائے' کوئی بات کہو تو اطاعت کرے اور تمھاری غیر حاضری میں تمھارے مال اور عزت کی حفاظت کرے۔''

اس کے برعکس ایک خاوند کو ہدایت کی:

''خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ

''تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی اہل وعیال کے حق میں بہتر ہو۔

نیز فرمایا:

'' خاوند پر فرض ہے کہ جب کوئی چیز خود کمائے تو بیوی کو حصہ دے اور اسے اچھے کپڑے پہنائے' ناراضگی کی حالت میں نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے اور نہ گالی دے۔

الغرض میاں بیوی انسانی گاڑی کے دو پہیے ہیں جنھیں اسلام نے اپنے اپنے فرائض خوش اسلوبی سے ادا کرنے کی ہدایت کی ہے تا کہ انسانی زندگی کی گاڑی آسانی سے رواں دواں رہے۔

بھائی کا بھائی سے تعلق: تمام مسلمان آپس میں دینی بھائی ہیں لہٰذا انھیں آپس میں اتفاق' اتحاد' پیار اور محبت سے رہنا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ''

''بے شک مومن بھائی بھائی ہیں۔''

نیز فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر:103)

Marfat.com

''تم سب اللہ کی رسی کو تھام لو اور آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے کہ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو' کسی چیز کی قیمت بڑھانے کے لیے بولی نہ دو' آپس میں بغض نہ رکھو' ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو' ایک دوسرے کے سودے پر سودا مت کرو۔ اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے' نہ اس کا ساتھ چھوڑتا ہے' نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اسے حقارت سے دیکھتا ہے۔''

دوست کا دوست سے تعلق: اسلام میں دوستی' محبت اور دشمنی کی بنیاد اللہ کی خوشنودی اور رضا کو ٹھہرایا ہے اور اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ کا بار بار درس دیا گیا ہے۔ ایک دوست کو دوسرے دوست سے نہ صرف محبت' پیار سے پیش آنا چاہیے بلکہ اس کے لیے ایثار اور قربانی کا بھی مظاہرہ کرنا چاہیے اور ضرورت پڑنے پر اس کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ○

(سورۃ الحشر، آیت نمبر:9)

''اور وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود ضرورت مند کیوں نہ ہوں۔''

اسی کی تائید میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا خیر خواہ ہے۔ نہ تو خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے مصیبت میں تنہا چھوڑتا ہے۔''

ابن خلدون نے اپنی کتاب تاریخ کے ''مقدمے'' کے چھٹے باب میں لکھا ہے:

''معاشرہ میں مختلف لوگوں کو علیحدہ علیحدہ صلاحیتیں عطا کی گئی ہیں۔ ہر انسان دوسرے کا محتاج ہے۔ اگر تمام افرادِ معاشرہ اپنے فرائض بہتر طور پر ادا کریں تو معاشرہ ترقی کرتا ہے۔

اس طرح اسلام نے معاشرتی اصلاح کی غرض سے مندرجہ بالا تمام اکائیوں اور رشتوں کی اصلاح کے لیے اصول وضوابط مقرر کیے ہیں تا کہ معاشرے کا ہر طبقہ اپنے فرائض دیانت داری سے ادا کرے اور معاشرہ مستحکم' مضبوط اور مثالی بن جائے۔

☆☆☆

Marfat.com

کنفیوشس ازم مذہب تاریخ کے آئینے میں

مینشش :

کنفیوشس کی وفات کے فوراً بعد اس کے کسی معتقد نے اس کی تعلیمات میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ مینگ زو (Meng Tzu) جو عام طور پر مینشش کے نام سے مشہور ہے اس کا سب سے زیادہ معتقد تھا۔ غالباً وہ اس کی موت سے ایک صدی بعد پیدا ہوا، وہ بھی لو (Lu) کا رہنے والا تھا۔ اس کی زندگی اکثر و بیشتر اس کے مرشد و آقا سے ملتی جلتی تھی۔ اس نے ذریعہ معاش کے طور پر فلسفے کا سکول کھول لیا۔ چالیس برس کی عمر میں وہ ایک ریاست سے دوسری ریاست میں اس مقصد سے گھوما کہ وہ حکومت سے کنفیوشی اصولوں کا نفاذ کروا سکے۔ اسے اس بارے میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا کیونکہ حالات اب بھی سازگار نہ تھے۔ وہ کافی عرصہ زندہ رہا اور اپنی زندگی کے آخری بیس سالوں میں اس نے کوئی کام نہ کیا۔

اس نے کنفیوشی مذہب کی خدمت کی۔ کنفیوشی تعلیمات کی شرح و تفسیر میں اس نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ کنفیوشس کی تعلیم کے مختلف پہلوؤں کو ترقی دی۔ وہ بھی اپنے استاد کی طرح انسانی فطرت کی اچھائی پر یقین رکھتا تھا۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ خیر خواہی و ہمدردی اور سچائی و راستبازی جیسی بنیادی صفات انسان میں شرم و حیا کے جبلی احساس سے جنم لیتی ہیں۔

کنفیوشس اور دوسرے چینی فلسفیوں کی مانند اس نے مذہب اور حیات بعد الممات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور اس سے اپنا پہلو بچانے کی کوشش کی۔ تاہم گمانِ اغلب یہ ہے کہ وہ بلاشبہ خدائے واحد پر یقین کامل رکھتا تھا۔ اسے ہی تمام دنیاوی اعزازات کا مصدر و منبع سمجھتا تھا اور یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ خدا مصائب و ابتلا کے ذریعے انسانوں کے صبر و حوصلہ کی آزمائش کرتا ہے۔ خدا کو پہچاننے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ انسان اپنے آپ کو پہچانے۔ وہ طاقتوروں کے مقابلے میں مسلسل کمزوروں کی حمایت کرتا رہا اور وہ بار بار اسی پر زور دیتا رہا کہ ایک حکمران کا

Marfat.com

اولین فرض عوام کی حالت کو بہتر بنانا ہے۔

ہن خاندان کا کردار:

مینشش کی تعلیمات کا کوئی فوری اثر نہیں ہوا۔ البتہ ہُن خاندان کے دورِ اقتدار میں کنفیوشی مذہب کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی۔ اس دور میں اگرچہ بادشاہ کے اخلاقی فرائض کی نسبت مذہبی تقریبات کی عمدگی اور پاکیزگی و پارسائی میں زیادہ شدّت اور غلو پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن اس عہد سے اس کے باوجود کہ تاؤمت اور بدھ مت اس کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے' کنفیوشی مذہب کو سرکاری سرپرستی حاصل رہی اور یہ فیصلہ ہوا کہ پوری سلطنت کے ہر شہر میں کنفیوشی عبادت گاہیں تعمیر کی جائیں۔ جہاں پر قربانی' موسیقی اور مذہبی رسوم کے ذریعے کنفیوشس کو خراج عقیدت پیش کیا جائے۔ یہ عبادت درحقیقت کنفیوشس کی پرستش نہ تھی، نہ اسے ابھی دیوتا کا مقام حاصل ہوا تھا اور نہ اس سے حاجت روائی کے لیے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ البتہ ہن خاندان کے آخری سالوں میں اس کی مورتی کنفیوشی عبادت گاہوں کی زینت بنادی گئی۔ اس کے کئی سو سال بعد اس کے چیدہ چیدہ معتقدوں کی مورتیاں بھی کنفیوشس کی مورتی کے ساتھ شامل کردی گئیں۔ سولہویں صدی عیسوی میں ان مورتیوں کی جگہ لکڑی کی تختیوں پر کندہ کنفیوشی تعلیمات نے لے لی۔ اب ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو کنفیوشی عبادت گاہوں میں پھلوں اور سبزیوں کے چڑھاوے چڑھائے جاتے اور ہر پندرھویں تاریخ کو لوبان جلایا جاتا۔ سال میں دوبار بہار و خزاں کے موسم میں بادشاہ اپنے امراء کے ساتھ خود مذہبی رسومات میں حصہ لیتا اور دعا و مناجات کے ذریعے امداد کا طالب ہوتا۔

سنگ خاندان کا دورِ اقتدار:

سنگ (Sung) خاندان کے عہد میں قدیم کنفیوشی تعلیمات کو ترقی دی گئی اور فلسفیوں کے ایک خاص مدرسہ نے ان میں کسی حد تک ترامیم بھی کیں۔ یہ فلسفی بدھ مت سے متاثر تھے، اس دور کے ایک زبردست چینی عالم چیوہسی (Chuhsi) نے ان تعلیمات کی ایک معیاری تفسیر لکھی ہے۔

کنفیوشی تعلیمات کو کسی طور پر الہامی نہیں کہا جاسکتا، نہ ہی کنفیوشس نے خود الہام کا دعویٰ کیا۔ اسے صرف انسان کے ان فرائض سے بحث تھی جو اس معاشرے کے ایک فرد کی

Marfat.com

حیثیت سے عائد ہوتے ہیں۔ ان ہی فرائض کی ادائیگی میں ہم آہنگی دراصل رضائے الٰہی کا موجب بنتی ہے اور ان کی مخالفت اس کی نافرمانی کا موجب۔ کنفیوشی تعلیمات میں خدائے تعالیٰ کے بارے میں نہایت مبہم سے اشارے ملتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اس نے بہت ہی کم اظہارِ خیال کیا ہے۔ ان میں سے ایک روحانی شخصیات کا مسئلہ ہے۔ کنفیوشس خود مردوں کی ارواح کو ایصال ثواب کے لیے رسوم انجام دیا کرتا تھا۔ لیکن اس کا قول تھا کہ اگر تم انسانوں کی خدمت نہیں کر سکتے تو پھر ارواح کی خدمت کس طرح کر سکتے ہو؟ اس کے ایک اور جملے سے آخرت یا حیات بعد الممات کے متعلق اس کے نظریئے پر روشنی پڑتی ہے اس کا کہنا ہے:

''جب تم زندگی کی حقیقت کو نہیں جانتے تو تم موت کو کہاں سمجھ سکتے ہو؟''

اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ اس کی تعلیمات صرف دنیا تک محدود تھیں۔

چینیوں کے ہاں کنفیوشی تعلیمات اور تہذیب لازم وملزوم ہیں اور پھر کنفیوشی مت مذہب ہے بھی نہیں کیونکہ اس میں نہ کوئی مذہبی اجارہ داری ہے اور نہ خانقاہیں جیسا کہ بدھ مت یا تاؤمت میں۔ پھر بھی یہ مذہب یقائے باہمی کے اصول پر چین میں مدتوں زندہ رہا۔ بعد میں اس میں اجداد پرستی' جو چینی قوم کا خاصہ ہے' شامل ہوگئی۔ اس مذہب کی بیرون ملک تبلیغ کے لیے چینیوں نے کوئی جدوجہد نہیں کی۔ البتہ چینی تہذیب جب جاپان اور کوریا پہنچی تو کنفیوشی مذہب بھی خود بخود وہاں پہنچ گیا۔

کنفیوشی مت 1912ء تک چین کا غالب اور سرکاری مذہب تھا۔ اس کے بعد صدر جمہوریہ چین ''یان شی کئی کے عہد میں (1916ء) اسے مختصر عرصہ کے لیے احیاء نصیب ہوا۔ 1924ء میں پھر اسے زندہ کرنے اور سیاسی حیثیت دینے کی کوشش کی گئی کنفیوشی مندروں کی درستی عمل میں آئی۔ پرانی رسومات کو جدید چین کے مطابق از سر نو ترتیب دیا گیا۔ اور 27 اگست کو جو کنفیوشس کا یوم پیدائش ہے' تعطیل قرار دے دیا گیا۔ اب سے کچھ عرصہ پیشتر صورت یہ تھی کہ تمام چینی بنیادی طور پر کنفیوشی تھے۔ ان کا رجحان کسی حد تک بدھ مت اور تاؤمت کی طرف بھی تھا لیکن اب سیاسی اقتدار چونکہ کمیونسٹوں کے ہاتھوں میں ہے اس لیے اس بارے میں اب کچھ کہنا مشکل ہے۔ چین اور جاپان کو ملا کر دنیا میں کنفیوشیوں کی تعداد تقریباً 45 کروڑ ہے۔

Marfat.com

اسلام اور کنفیوشس کا موازنہ

مماثلتیں:

1: اسلام اور کنفیوشس مذہب اخلاقی اور سیاسی تعلیمات بنیادی طور پر یکساں ہیں لیکن ظاہری شکل اور عملی طریقہ مختلف ہے۔

2: دونوں مذہب انسانی دوستی اور انسانی فطرت کا گناہ سے پاک ہونے کے دعوے دار ہیں۔

3: دونوں نے اعتدال کی راہ کی تلقین کی ہے۔ خَيْرُ الْأُمُوْرِ اَوْسَطُهَا۔

4: دونوں مذہبوں کے رہنماؤں کا ذاتی کردار راست بازی پر مبنی ہے۔

5: دونوں معاشرتی رابطوں کو مستحکم بنیاد پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔

اختلافات:

1: کنفیوشس مذہب بین الاقوامی مذہب نہیں۔اس کی تعلیمات فقط چین کی افتادطبع کے عین مطابق ہیں۔

2: کنفیوشس مذہب میں جامعیت نہیں، صرف سیاسی اور اخلاقی تعلیمات ہیں، دینی عقائد نہیں۔

3: کنفیوشس مذہب مابعد طبیعیاتی پہلو کو نظر انداز کرتا ہے جبکہ اسلام کی بنیاد ہی ایمانیات پر ہے۔

4: کنفیوشس مذہب میں مردہ پرستی' اوہام پرستی' دیوی دیوتاؤں کی پرستش' مندروں میں کنفیوشس کے نام پر قربانیاں دی جاتی تھیں' یہ سب شرک کی اقسام ہیں جبکہ اسلام کامل توحید کا دین ہے۔

Marfat.com

5: کنفیوشس مذہب الہام کا دعویٰ نہیں کرتا جبکہ اسلام الہامی دین ہے۔
کنفیوشس نے خود کہا:

''میں اسلاف کا سرمایا آگے منتقل کرنے والا ہوں' اسلاف سے محبت بھی ہے اور عقیدت بھی۔''(Degge)

6: کنفیوشس مذہب کی اصل کتب یا ضائع ہوگئیں یا ترمیم و تنسیخ کا شکار ہوگئیں جبکہ اسلامی کتاب قرآن مجید مکمل طور پر محفوظ ہے۔ علاوہ ازیں کنفیوشس کے بعد پرانی کتابوں کا بہت سا حصہ ضائع ہوگیا یا مجروح لیکن قارئین کرام کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ چین کی یہ پرانی کتب اس امر کی مدعی نہیں کہ وہ الہامی ہیں یا بذریعہ وحی نازل ہوئیں۔ انھیں مورخین شعراء اور دیگر مصنفین نے اس طرح تصنیف کیا جس طرح یہ عبارتیں ان کے خیال میں آئیں۔

(Doctrine of Meahs)

7: کنفیوشس کی تعلیمات لچکدار اور مصالحت پسندانہ ہیں جبکہ اسلام بنیادی عقائد میں مصالحت کا روادار نہیں ہے۔ کنفیوشس انجذابی اور انہضامی مذہب ہے جبکہ اسلام دوسروں کو جذب کرتا ہے۔

8: کنفیوشس مذہب معاشرتی تعلیمات اور سیاسی رابطے کی تلقین کرتا ہے لیکن اسلام نے زیادہ مفصل اور جامع تعلیمات دی ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

باب نمبر8:

زرتشت اِزم

اس باب میں ہے.....زرتشت کا تعارف، تعلیم، مذہبی عقائد، مذہبی کتب، واضح اصول، فلسفہ خیروشر، مذہبی رسومات، آگ کی پوجااوراسلام اورزرتشتی مذہب کاموازنہ۔

Marfat.com

تاریخ وتعارف

دینِ زرتشت اِزم اگرچہ مشہور عالمی مذاہب میں سے ایک ہے لیکن یہ امر خاصہ تعجب خیز ہے کہ ان تمام عالمی مذاہب میں سے جو صدیوں سے زندہ رہے اور آج بھی موجود ہیں ان میں سے ایک ہونے کے باوجود اس کے ماننے والوں کی تعداد انتہائی قلیل ہے یعنی پوری دنیا میں فقط سوا لاکھ کے قریب۔

لیکن اس کی تاریخی داستان خاصی طویل ہے۔ آج سے بہت پہلے وسط ایشیا سے ایک قوم اٹھی جسے آریا کہا جاتا ہے۔ کچھ آریا لوگ مغرب کی جانب چلے گئے اور اس نسل کے لوگ یورپ میں آج تک آباد ہیں۔ کچھ مشرق کی طرف آئے جن میں نمایاں آریاؤں کی دو شاخیں ہیں۔

1: ہندوستانی آریا۔

2: ایرانی آریا

جو شاخ ہندوستان میں آباد ہوئی اس کے مذہب کا تذکرہ ویدک دھرم (ہندو مذہب) میں گزر چکا ہے۔ آریاؤں کا وہ حصہ جو ایران میں رہ گیا تھا ہم اس کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ بات تاریخی شواہد سے واضح ہے کہ ان دونوں شاخوں کی جغرافیائی اصل ایک تھی۔ اس لیے قدیم ایران کا مذہب اور قدیم ہندوستان کا مذہب آپس میں مشترک ہیں اور ان دونوں مذاہب کی روایات کافی حد تک ایک دوسرے ملتی جلتی ہیں اگرچہ دونوں مذاہب میں مماثلت کے باوجود بعض بنیادی اختلافات بھی ہیں۔

گمانِ غالب ہے کہ قدیم آریا کے دو صدیاں قبل دو حصے ہو گئے تھے۔ ایک ایران میں رہ گیا اور ایک ہندوستان میں آ کر آباد ہو گیا۔ اصل میں دونوں کے دینی افکار کی بنیاد ایک تھی۔ مگر جغرافیائی ماحول کی بناء پر دونوں کی آئندہ زندگی مختلف ہو گئی۔

Marfat.com

اہم ادوار:

اہلِ ایران کے مذاہب کے تاریخی حالات دریافت کرنا ویدک دھرم کے مقابلے میں بھی زیادہ مشکل ہے۔ ایران کا قدیم مذہبی ادب بہت کم دستیاب ہے۔ ایرانی مذہب کی تاریخ کے مطالعے کی سہولت کے لیے اسے تین ادوار میں اور حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1: ایران قبل از زرتشت

2: زرتشت اور اس کی تعلیم

3: زرتشت کے بعد اِس مذہب کا ارتقاء

ایران قبل از زرتشت: قدیم ایران کا مذہب ویدک دھرم کے مشابہ تھا۔ چنانچہ دونوں میں مظاہر فطرت کی پرستش رائج رہی تھی۔ لوگ دیوی اور دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔

جیسا کہ مشہور مصنف جے بی ناس نے لکھا ہے:

"The common people worship powers known as devas, similar ones of the veda, they were personifications of the powers of nature - Sun, Moon, Stars, Earth, Fire, Water and Winds." (J.B. Noss)

دونوں مذاہب کے ہاں ایک ہی نام اور ایک ہی خوبیوں سے متصف دیوتاؤں کی پرستش ہوتی تھی۔ مثلاً ہندوستانی دیوتا مترا ایرانی دیوتا متھر اسے مشابہ ہے۔ ہندوستانی دیوتا وایو ایرانی دیوتا' ویتا سے مشابہ ہے جبکہ ہندوستانی دیوتا یم ایرانی دیوتا جم سے مشابہ ہے، اسی طرح یونانی دیوتا یودانوز ویدک دھرم کے دیوتا ورونا سے مشابہ ہے۔ یہاں یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے کہ جس طرح' ویدک دھرم میں مظاہرِ فطرت کی پرستش نظر آتی ہے اسی طرح قدیم ایرانی مذہب میں لوگ مظاہرِ فطرت کی پرستش کرتے نظر آتے ہیں۔

ایرانیوں میں اگرچہ اَگنی دیوتا کا تصور نہ تھا۔ تاہم براہِ راست آگ کا احترام اور اس کی پرستش کی جاتی تھی۔ دیوتاؤں کے لیے قربانیاں دیتے وقت آگ جلائی جاتی تھی۔ قربان گاہ کے نزدیک گھاس کو پاک کیا جاتا تھا اور اس پر سوم رس چھڑکا جاتا تھا۔ ایک میز لگائی جاتی تھی جس پر قربانی کے ٹکڑے رکھے جاتے تھے' چنانچہ جناب زرتشت کی آمد سے قبل مظاہرِ فطرت اور

Marfat.com

مختلف دیوتاؤں کی پوجا کا رواج عام تھا۔

البتہ ایرانیوں میں زرتشت کے آنے سے پہلے چند خوبیاں بھی موجود تھیں جن میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ لوگ جھوٹ سے نفرت کرتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ لوگ مقروض ہونے سے بھی بڑی نفرت کرتے تھے کیونکہ مقروض ہونا جھوٹ بولنے کے جرم کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ لوگ طب میں مہارت رکھتے تھے۔

☆☆☆

Marfat.com

حیاتِ زرتشت

زرتشت مذہب کے مطابق زرتشت ایران کے قدیم پیغمبر ہیں لیکن ان کے زمانے میں اختلافات پایا جاتا ہے۔ مثلاً مغربی محققین میں سے بعض نے ان کا زمانہ 660 قبل مسیح سے 583ق م قرار دیا۔ بعض نے 1000ق م۔ بعض نے 2200 سے 2400ق م اور بعض محقق ایسے بھی ہیں جو زرتشت کا زمانہ 6350ق م بتاتے ہیں۔ بعض زمانہ ماقبل تاریخ بتاتے ہیں۔ زرتشت کے متعلق معلومات کا ذریعہ اوستا اور ایرانی روایات ہیں۔

بہرحال زرتشت کی شخصیت افسانوی ہے یا تاریخی اور واقعی۔ اگر تاریخی ہے تو کس صدی قبل مسیح میں؟ اس کا جواب اور اس کی تفصیلات دنیا کے کسی گوشے میں بھی یقینی طور پر نہیں مل سکیں۔ یورپ کے محققین بھی قطعی اور حتمی طور پر کچھ بیان نہیں کر سکے۔ خود زرتشت کے ایک پیروکار ایم۔ این ڈھلہ (Mr. M.N.Dhalla) نے (History of Zoraestrianism) میں لکھا:

"We know some thing of Buddha and Jesus but we know practically nothing of the life Zordaster"

ان کے متعلق کچھ معلومات میسر ہیں تو اس مذہب کی دینی کتب اوستا یا دیگر روایات سے ملتی ہیں۔

لفظ زرتشت:

انگریزی لفظ Zoroaster یونانی لفظ زرتشا سے بنا ہے۔ اس لفظ کے کیا معنی ہیں اس کے بارے میں مختلف قیاس آرائیاں کی گئی ہیں اور حسب ذیل معنی تجویز کیے گئے ہیں۔

1: بڑا پادری

2: دستور

Marfat.com

3: دستورِ دستوراں

4: روحانی رہنما (Spiritual Guide)

5: اونٹوں والا بوڑھا (شیخ الابل)

بہرحال ان معانی میں اول الذکر یعنی ''بڑا پادری'' معنی زیادہ بہتر اور موزوں معلوم ہوتے ہیں۔

پیدائش:

زرتشت کے مولد کے متعلق مختلف روایات پائی جاتی ہیں۔ غالباً وہ میڈیا یا باختریہ کے علاقہ میں پیدا ہوئے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ''پورومشاسپ'' زمیندار کے گھر میں پیدا ہوئے جن کا تعلق آریا قوم کی ایک ذات سے تھا۔ ان کے والد کا نام پوروشاسپ (Porushasep) اور والدہ کا نام دھدو (Duhdu) تھا۔ زرتشت کا خاندان جادوگروں اور پروہتوں کا تھا۔

بعض مورخین یا محققین نے زرتشت کا مولد موجودہ تہران کے قریب ایک جگہ رے (Ray) قرار دیا ہے۔ اوستہ کے حوالے کے مطابق زرتشت کا گھر دادیا (Daidya) کے کنارے پر تھا۔ ایک دوسری زرتشتی کتاب میں مذکور ہے کہ ایک دوسرے دریا دراجا کے کنارے واقع تھا لیکن اس بات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ دریا میڈیا کی شمال مغربی سرحد پر ہے۔ علامہ شہرستانی نے دونوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ باپ اول الذکر علاقے میں رہتا تھا اور ماں رے میں۔

کہا جاتا ہے کہ ان کے والد نے شراب پی تو فرشتے نے بچے کی پیدائش کی خوشخبری سنائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صوبے کے گورنر نے اپنے بڑے مشیروں کے مشورے سے بچے کو آگ میں ڈال دیا لیکن بچہ محفوظ رہا۔ چنانچہ ایرانی روایات میں ان کی پیدائش کے ساتھ بعض معجزے بھی بیان کیے گئے ہیں۔ مجوسیوں کو علم نجوم سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ بچہ (زرتشت) ان کے مذہب کے زوال کا باعث ہوگا لہٰذا اس کے قتل کی کوشش کی گئیں۔

خرق عادت:

1: مجوسی ازم کے مطابق زرتشت کو بھڑکتی آگ میں ڈالا گیا تو آگ گلزار بن گئی

Marfat.com

اور وہ شعلوں سے کھیلنے لگے۔

2: مویشیوں کے راستے میں ڈالا گیا تو ایک گائے نے حفاظت کی۔

3: بھیڑیوں کے غار میں چھوڑ دیا گیا۔ بھیڑیے زمین میں گڑ گئے۔ دو فرشتوں نے دودھ پلایا۔

تعلیم:

یہ باور کیا جاتا ہے کہ زرتشت کے بچپن میں اس نے ایک اتالیق حکیم بزاں کرزل سے تعلیم حاصل کی۔ پندرہ برس کی عمر میں ان کی روحانی رسم ادا ہوئی۔ بعدازاں انھوں نے اپنے ملک کے دانشوروں سے' مسافروں سے' تاجروں سے اور سیاحوں سے مذاکرات اور مکالموں کے ذریعے معلومات جمع کیں۔ ان میں علم وفن سیکھنے کا بے پناہ جذبہ موجود تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ انھوں نے مشہور استاد حکیم بزاں کرزل سے تعلیم حاصل کی۔ ذہانت اس قدر تھی کہ ایک سال کے قلیل عرصے میں متعدد علوم' مذاہب' زراعت' گلہ بانی اور جراحی کے ماہر ہو گئے۔

جوانی میں خدمت خلق کے کارنامے سرانجام دیئے۔ سوچ بچار کے عادی تھے۔ پہاڑ میں گوشہ نشین ہوئے اور ان کے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ انسان آئے دن طرح طرح کی مصیبتوں کا کیوں شکار ہوتا ہے؟

غروبِ آفتاب کا منظر دیکھ کر' زرتشت اچھل پڑا انھیں اپنے مسئلے کا حل مل گیا تھا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ جس طرح دن روشنی اور اندھیرے میں بٹا ہوا ہے اسی طرح دنیا بھی نیک اور بد میں منقسم ہے۔ نیز جس طرح دن کی رات میں تبدیلی ممکن نہیں اسی طرح نیکی اور بدی کا باہم بدل جانا ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں جس طرح اندھیرا اور روشنی دو الگ الگ چیزیں ہیں اسی طرح دو خدا ہیں ایک خدا سراپا نیکی اور خیر' اہورمزدا (یزداں) اور دوسرا خدا سراپا بدی اور شر جسے وہ اینگرامینوں (اہرمن) کہتے ہیں۔ اس طرح پورے مذہب کی بنیاد ثنویت پر رکھ دی لیکن بعض محققین نے اس بات کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ زرتشت کی تعلیم توحید کی تعلیم تھی۔

Marfat.com

امیشاسپنتاز:

دین زرتشت میں خدا کی صفات کو مشخص کر کے سات غیر فانی ہستیاں قرار دی گئی ہیں۔ یہ سات روحیں ہیں جن میں سرفہرست مزدا کا نام ہے۔ باقی چھ صفات یہ ہیں:

1: آشا یعنی صداقت اور راستی (Asa Vahisto)
2: واہو مانا یعنی نیک خیالات (Vohumano)
3: واہوار (سچا)
4: نعمتوں کا مالک یعنی خشاویریا
5: غیر فانی
6: آرمایتی یعنی تقویٰ اور دینداری (Amereta)

حصول عرفان:

اوستا کے حوالے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زرتشت عرفان کے حصول کے لیے ایک بلند و بالا پہاڑ پر غور و فکر اور مراقبے میں وقت گزارا کرتے تھے۔ بعض روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے سات برس کے لیے چپ کا روزہ رکھا۔

بعض کہتے ہیں کہ کئی برس صحرانوردی کی اور سوائے پنیر کے کچھ نہ کھایا۔ کہا جاتا ہے کہ 25 برس کی عمر میں گھربار، ماں باپ اور تین بیویوں اور بچوں کو چھوڑ کر بیابان کی طرف روانہ ہوئے۔ زرتشتی روایات کے مطابق 30 برس کی عمر میں دریائے دینیا کے کنارے ان کے سامنے ایک قوی ہیکل صورت ظاہر ہوئی جو انسانوں سے 9 گنا بڑی تھی۔ زرتشتی روایات کے مطابق اس ظاہر ہونے والی صورت کا نام ودہومانا (Vohumano) یا بہمن (فکر حسین یا فکر جمیل) تھا، جسے آہور کے دربار میں پہنچایا گیا۔ جب زرتشت سے ودہومانا نے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کن لوگوں میں سے ہیں؟ تمھاری منتہائے آرزو کیا ہے؟ اور تمھاری سرگرمی عمل کیا ہے؟ اس کے جواب میں زرتشت نے کہا:

''سپنما خاندان کا زرتشت ہوں، راستی میری آرزو ہے اور میری سرگرمی عمل یہ ہے کہ میں راستہ اور سچائی پر عمل پیرا ہو سکوں۔

کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد فرشتہ انھیں روحانی دنیا میں لے گیا۔ حتیٰ کہ زرتشت کو اپنا

Marfat.com

سایہ نظر نہ آیا اور زرتشت جب آہورمزد کے دربار میں پہنچا تو اس نے سلام کیا۔ اس کے بعد آہورمزد نے اسے سچے دین کے اصول سکھائے۔ آئندہ دس برس تک وحی کا سلسلہ جاری رہا اور اس کے اختتام پر زرتشتی روایات کے مطابق صرف ایک چچازاد بھائی ان پر ایمان لایا ورنہ اس کی مخالفت ہوئی جیسا کہ گاتھا میں ہے:

''میں کس زمین کی طرف بھاگ جاؤں اور کس طرف اپنے قدموں کو جھکاؤں؟ مجھے اپنے خاندان اور قبیلے سے نکال دیا گیا ہے' مجھے اپنے قبیلے کی حمایت بھی حاصل نہیں اور نہ ہی مذہبی حکمرانوں کی۔ اے مالک! میں اپنا غم تجھے سناتا ہوں۔''

آخر بادشاہ وشتاسپ اس پر ایمان لے آیا۔ اس کی بیوی' بھائی اور دو وزیر بھی اس پر ایمان لائے۔ گھوڑے کی معجزانہ صحت کے بعد ایک وزیر کی لڑکی (Hvovi) سے زرتشت کی شادی ہوگئی۔ اس طرح شاہی خاندان سے تعلق قائم ہوگیا۔ بعدازیں بادشاہوں نے زرتشت کو (مذہبی راہنما) تسلیم کرلیا اور یوں پورے ایران وعراق میں آتش کدے قائم ہوگئے۔ آخر ایک جنگ میں زرتشت 77 برس کی عمر میں مارا گیا۔

☆☆☆

Marfat.com

اخلاقی تعلیمات

جناب زرتشت کی نمایاں اخلاقی تعلیمات مندرجہ ذیل ہیں:

1: طہارت افکار۔ظاہری و باطنی طہارت۔

2: صداقت وراست بازی۔

3: خدمتِ خلق اورامداد۔ زرتشت کہتے تھے کہ دوسروں کی اخلاقی امداداور مالی نصرت کرنی چاہیے نیز یہ امداد خندہ پیشانی سے ہونی چاہیے۔جیسا کہ اہور نے زرتشت سے کہا:

''اے زرتشت! ایسے شخص پر افسوس ہے جو خیرات دیتے وقت خوش دلی سے نہ دے۔''

4: عائلی زندگی کی تاکید ملتی ہے۔ نیز عمل اور محنت کی زندگی مستحسن ہے۔ زرتشت خود آخر دم تک کھیتی باڑی کرتے رہے۔ان کا کہنا ہے:

''وہ زمین جو بیکار پڑی رہتی ہے وہ اچھی نہیں لگتی جس طرح خوبصورت بانجھ بیوی کو لوگ پسند نہیں کرتے۔

زرتشت ازم میں محرمات سے شادی کو مستحسن قرار دیا گیا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

مذہبی عقائد

زرتشت نے آہورمزدا کے تصور کو خدائے بزرگ و برتر کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اس طرح ان کا میلان توحید کی طرف ہے۔ زرتشت نے خداوند نور کی 23 صفات پیش کی ہیں جو اسلامی تصور سے ملتی ہیں۔ مثلاً خالق کائنات' مالک کل' عقل کل' علیم' رحیم' غیر فانی وغیرہ۔

نیز زرتشت کے ہاں آخرت، جنت و دوزخ' ملائکہ کا عقیدہ اور انبیاء کی ضرورت کا نظریہ پایا جاتا ہے جو آسمانی مذاہب کے بنیادی عقائد ہیں۔ ان کی بنیادی تعلیم خیر وشر کی کشمکش ہے دوسرے لفظوں میں اسے ثنویت کہا جاتا ہے۔

زرتشت کی تعلیمات سے باخبر ہونے کے لیے گاتھا کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ گاتھا تعداد میں پانچ ہیں جو 17 نظموں پر مشتمل ہے اور اب وہ اوستا کے بڑے حصے لینے کا ایک جزو ہے۔ یہ گاتھا اپنے افتتاحی الفاظ کے حوالے سے موسوم کی گئی ہے۔

گاتھا کے عمیق مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب زرتشت قدیم آسورہ یا آہورہ کے تصورات کی ایک ارتقائی صورت ہے۔

گاتھا میں خیر وشر کا واضح مقابلہ نظر آتا ہے جس سے اس دین کی ثنویت کا تصور کرنا ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ ثنویت غیر محدود نہیں بلکہ انجام کار آہورمزدا کی فتح ہوگی۔ یعنی خیر شر پر غالب آئے گا۔ گاتھا میں پل صراط کا بھی پتا چلتا ہے جسے وہ چنوٹ (Chinnot) کہتے ہیں جو اسلامی تصور سے قریب ہے۔ جب تک یہ مقابلۂ خیر وشر جاری ہے انسان کے لیے کسی نہ کسی ایک جانب کا انتخاب کرنا اور اس میں پوری کوشش صرف کرنا ضروری ہے۔ نیک خیالات' عمدہ اعمال سے اور نیک الفاظ سے انسان آہورمزدا کے مشن کی تائید کرتا ہے۔ گاتھا میں یہ تصور بھی موجود ہے کہ ایک روز دنیا کا خاتمہ ہوگا اور اسی خاتمے پر تمام چیزوں کا ایک ٹیسٹ (Test) ہوگا یعنی انھیں جانچا جائے گا اور پگھلی ہوئی دھات کا ایک سیلاب آئے گا جس میں ساری برائیاں جل کر راکھ ہو جائیں گی لیکن سچائی کو آنچ نہیں آئے گی۔

Marfat.com

مقدس مذہبی کتب

اوستا اور ژند:

مذہب زرتشت کی مقدس کتاب کو اوستا کہا جاتا ہے۔ جس کے معنی (اصل متن) کے ہیں۔ ژند کے معنی شرح کے ہیں۔ اس کا اضافہ بعد میں کیا گیا۔ اس طرح یہ کتاب ژند اوستا کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مجموعہ کتب 21 صحائف پر مشتمل ہے جن میں سے اب صرف گاتھا محفوظ رہ گئی ہے۔ اوستا کی زبان قدیم ایرانی زبان ہے اور ژند کی زبان پہلوی ہے گویا اوستا کی شرح پہلوی زبان میں ہے۔

اوستا کی تقسیم:

اوستا کے پانچ حصے ہیں:

1: یستا (ژند) حمد وستائش

2: وسپورڈ/وسپرٹ (Vaspird) (سرداران)

3: وندیداد (Vendidad) بھوت پریت

4: یشت (Yashts) نذر ونیاز

5: خورداوستا:

یستا: یہ 72 ابواب پر مشتمل ہے۔ ان میں قربانی کی دعائیں جمع کی گئی ہیں نیز قربانی کے وقت کی دعائیں ہیں۔ یہ اوستا کا قدیم ترین حصہ ہے جو سب سے زیادہ مقدس اور الہامی قرار دیا جاتا ہے' گاتھا بھی اسی میں شامل ہے۔

وسپورڈ/وسپرٹ (Vaspird) (سرداران): اس کے معنی (All the Lords) کے ہیں۔ یہ 24 ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں آہورمزد خدائے خیر کے شریکوں کا ذکر ہے۔

Marfat.com

وندیداد (Vendidad) بھوت پریت: یہ کتاب 22 ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ ہندوستانی پارسیوں کا دستور حیات ہے اس میں ارواحِ خبیثہ سے مقابلہ کرنے کی تدابیر ہیں۔

یشت (Yashts) نذرونیاز: یہ کتاب 21 ابواب پر مشتمل ہے۔ ان میں بھجن اور دعاؤں کا ذکر ہے۔

خورداوستا: یہ شخصی عبادت کی دعائیں ہیں جو پروہت اور عام لوگ یکساں پڑھتے ہیں۔

تحریف وترمیم:

زرتشت کی موت کے ڈھائی سو سال بعد 331 ق م میں سکندر اعظم نے ایران پر حملہ کیا اور زرتشتی مذہب کی کتب مقدسہ کو نذر آتش کر دیا۔ زرتشتی علماء اور پروہت غاروں اور پہاڑوں میں جا چھپے۔ جب زرتشتی مذہب کا دوبارہ احیاء ہوا تو پروہتوں نے اپنے حافظہ سے کتب مدّون کیں، اس طرح لازماً ان مدّونہ کتب میں تحریف وترمیم ہوئی۔ بعد ازیں پہلوی زبان میں ان کتب کا ترجمہ ہوا، اس طرح زرتشت کی کتب مقدسہ ژندی اور پہلوی دو زبانوں میں پائی جاتی ہیں۔

الغرض ان کتب کی تعداد، زبان اور زمانہ تدوین کے متعلق اس قدر شدید اختلافات پائے جاتے ہیں کہ کوئی محقق یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ موجودہ کتبِ زرتشت غیر محرف ہیں۔

گاتھا:

اب ہم گاتھا کے متن کا مختصراً تذکرہ کرتے ہیں؛

پہلی گاتھا 7 نظموں پر مشتمل ہے اور اس کا افتتاح زرتشت کی دعا سے ہوتا ہے جس کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

''اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے میں تیری مدد کا ملتجی ہوں۔ اے مزدا! جو سب چیزوں میں اول ہے، میں تیرے حضور یہ دعا کرتا ہوں کہ مجھے روحانی کام کرنے کی توفیق حاصل ہو۔ اے حق وراستی! میں فکر جمیل اور روح ثور کی خوشنودی کیسے حاصل کر سکتا ہوں۔''

اس گاتھا کی دوسری نظم ایک مکالمے پر مشتمل ہے جو بہشت میں وقوع پذیر ہوتا ہے جو روح ثور (Ox Soul) کی طرف سے یہ شکایت ہوتی ہے کہ زمین پر جانوروں سے تشدد روا رکھا جا رہا ہے۔ چنانچہ بہمن یا (Vohumana) زرتشت کو ان کی حفاظت کے لیے نامزد کرتا

Marfat.com

ہے۔ روح ثور پہلے مطمئن نہیں ہوتی لیکن بعد میں زرتشت کی پورے خلوص سے کی گئی دعا پر مطمئن ہو جاتی ہے۔

تیسری نظم زرتشت کے عقائد کی عکاسی کرتی ہے۔

چوتھی طویل نظم مزدا کی حمد وستائش بیان کرتی ہے۔

پانچویں نظم ایک مکالمہ ہے جس میں زرتشت شیطانوں کی مذمت کرتا ہے۔ یہ گاتھا اس دعا پر ختم ہوتی ہے:

''مزدا مجھے وہ تمام باتیں بتایئے جو بہترین تعلیمات ہیں اور جو بہترین اعمال ہیں۔ اے فکر جمیل! اے حق وراستی! تو ہی حمد وثنا کا مستحق ہے۔ ہمیں یہ یقین دلا دیجئے کہ نوع انسانی آپ کی رضا کے مطابق عمل کرے گی۔

دوسری گاتھا 4 نظموں پر مشتمل ہے جن میں سے بعض حصے اسرارِ کائنات کو بیان کرتے ہیں۔

تیسری گاتھا جو (Spantamanu) روحِ خیر کے نام سے معروف ہے' اس سے زرتشت کے عقیدے روحِ خیر کا اظہار جامع طور پر ہوتا ہے۔

چوتھی اور پانچویں گاتھا صرف ایک نظم پر مشتمل ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

مذہبِ زرتشت کے واضح اصول

الہام پر اصرار:

زرتشت جیسا کہ گاتھا سے ظاہر ہے اپنے الہام کی صداقت کو بڑی تاکید سے پیش کرتا ہے۔ گویا اسے یقین ہے کہ وہ خدا کا فرستادہ ہے اور اس کا میلان توحید کی طرف ہے۔

مظاہرِ فطرت کا بیان:

گاتھا میں زمین' سورج' ستاروں اور اسی طرح دوسرے مظاہر فطرت کے حوالے سے آہورمزدا کی حمد وستائش بیان کی گئی۔ یہ مظاہرِ فطرت خالقِ کائنات کی عظیم قوتوں کا اظہار ہیں۔

زرتشت کا خیال یہ تھا کہ آہورمزدا نظامِ کائنات کو قائم رکھنے کے لیے امیشا سپنتاز (Amesha Spentas) یعنی غیر فانی کارکنانِ قدرت سے کام لیتا ہے۔

خیروشر:

زرتشت کا عقیدہ یہ تھا کہ آہورمزدا خدائے بزرگ وبرتر موجود ہے لیکن مخلوق میں اس کی مخالف ذاتیں ہیں یعنی خدا کی خدائی مخالفت کے بغیر نہیں۔ زرتشت کے مذہب میں آشا (Asha) یعنی راستی اور دروغ یا دروج یعنی جھوٹ متضاد قوتیں متصادم رہتی ہیں۔ نیکی کا بدی سے مقابلہ جاری رہتا ہے لیکن انجام کار کامیابی آہورمزدا کو ہوگی یعنی حق باطل پر غالب آئے گا۔ یہ خیال تعلیم زرتشت کے ہر حصے میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

ہر آدمی کے قلب میں خیروشر کا تصادم جاری رہتا ہے۔ آہورمزدا نے ہر انسان کو خیروشر میں امتیاز کی صفت عطا کی ہے۔ پھر اس کو کسی ایک کے انتخاب کرنے کا اختیار دیا ہے۔ آہور مزدا مجبور نہیں کرتا۔ خیروشر کے انتخاب میں انسان خودمختار ہے۔

Marfat.com

نیکی کی اشاعت:

خیروشر کو واضح طور پر علیحدہ کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس لیے گاتھا میں نیک کام اور نیک آدمیوں کی صفات کو بیان کیا گیا ہے تا کہ ان صفات کو اختیار کر کے سے دنیا میں نیکی کو پھیلایا جائے۔

مذہبی رسوم سے متعلق زرتشت نے بہت اختصار سے کام لیا ہے۔ پہلے سے جو قدیم آریائی رسمیں چلی آرہی تھیں ان مشرکانہ رسموں کو ترک کردیا گیا۔ تاہم بعض دوسری رسمیں جاری ہیں۔

زرتشت کا یہ عقیدہ ہے کہ حق آخرکار ضرور باطل پر غالب آئے گا۔ ان کے نزدیک قوت شر نہ ازلی ہے نہ ابدی۔ ان کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ موجودہ نظام درہم برہم ہونے کے بعد ایک نیا نظام ظاہر ہوگا۔ حق وباطل کا موازنہ ہوگا۔ باطل کو آگ اور پگھلی ہوئی دھاتیں کھاجائیں گی اور حق وصداقت کے لیے آگ اور پگھلی ہوئی دھاتیں دودھ کی نہریں بن جائیں گی۔ موت کے بعد انفرادی محاسبہ ہوگا اور قیامت کے بعد اجتماعی حساب کتاب ہوگا۔

فلسفہ خیروشر:

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ زرتشت، غروب آفتاب کا منظر دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچا کہ جس طرح دن روشنی اور اندھیرے میں بٹا ہوا ہے اسی طرح دنیا نیک اور بد میں منقسم ہے نیز جس طرح دن رات میں تبدیلی ممکن نہیں اسی طرح نیکی اور بدی کا باہم بدل جانا ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں جس طرح اندھیرا اور روشنی دو الگ الگ چیزیں ہیں اسی طرح دو خدا ہیں، ایک خدا سراپا نیکی اور خیر آہورمزدا (یزداں) اور دوسرا خدا سراپا بدی اور شر جسے وہ اینگرامینو (اہرمن) کہتے ہیں۔ یہی زرتشت کا فلسفۂ خیروشر ہے جس کی بنیاد ثنویت یعنی دو خداؤں کے تصور پر ہے۔

زرتشت کی تعلیمات کا دوسرا اہم عنصر کائنات میں خیروشر کی باہمی کشمکش کا استحضار اور اس کا ایک ہمہ گیر تصور ہے۔ زندگی کا تاریک، پُر اَندوہ اور شر کے مختلف مظاہر سے عبارت پہلو انسان کے لیے ہمیشہ ایک مسئلہ رہا ہے۔ مذاہب عالم جو انسانی تقدیر کے بنیادی سوالوں کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس مسئلہ سے پہلو تہی نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ دنیا کے تقریباً سبھی

Marfat.com

مذاہب میں کائنات میں شر کے وجود' اس کی موجودگی میں انسانی رویہ اور اس کے دائمی حل کے سلسلے میں تعلیمات ملتی ہیں۔ لیکن شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ زرتشت دنیا کے ان مذاہب میں سے ہے جنھوں نے اس مسئلہ کو خصوصی اہمیت دی ہے اور زندگی کے اس پہلو کو اپنی پوری توجہ کا مستحق سمجھتے ہوئے اس سلسلے میں واضح اور تفصیلی تعلیمات پیش کی ہیں۔ بلکہ اگر صرف زرتشت کے اپنے کلام گاتھاؤں کو ہی پیش نظر رکھا جائے تو بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ خیر وشر کی دوئی اور ان کا باہمی تضاد ایک ایسا موضوع تھا جس نے زرتشت کو گہرے طور سے متاثر کر رکھا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی تعلیمات کے کسی پہلو میں اس حقیقت سے غافل نہیں رہے اور مختلف صورتوں میں یہ موضوع ان کی اکثر تعلیمات میں جھلکتا رہتا ہے۔ دوسری طرف زرتشت کے بعد ان کے پیروؤں نے اس سلسلہ میں اتنا انہماک ظاہر کیا کہ بالآخر وہ کائنات میں دو مستقل طاقتوں کو خیر اور شر کے الگ الگ سربراہوں کی حیثیت سے ماننے لگے اور ''ثنویت'' یا دو خداؤں پر عقیدہ رکھنے والے قرار پائے۔ بعد کی زرتشتی روایت میں اس ''بدعت'' کے ارتقاء پر آگے چل کر ہم گفتگو کریں گے یہاں تو سرِ دست زرتشت کے اپنے کلام اور زرتشتی روایت میں خیر اور شر کی باہمی کشمکش کی اہمیت سے بحث ہے۔

یہ بات کہ خیر اور شر کی طاقتوں کا الگ الگ وجود اور ان کی باہمی کشمکش کا تصور زرتشت کی ذاتی بصیرت کی دین تھی یا اس میں ان کے ماحول اور قدیم ایرانی مذہبی تصورات کا بھی کچھ حصہ تھا۔ اس کا فیصلہ سرِدست موجودہ تاریخی ماخذوں کی روشنی میں مشکل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن قدیم ایرانی مذہب کی جڑواں روایت ویدک مذہب کے تصورات کو دیکھتے ہوئے جہاں کائنات میں خیر اور شر کی طاقتوں کی تقسیم' دیوتاؤں اور راکشسوں کی تفریق کی صورت میں ابتدا سے ہی موجود ہے' یہ کہنا کچھ بعید از قیاس نہ ہوگا کہ قدیم ایرانی مذہب بھی اس نوع کے عقائد کا حامل رہا ہوگا جہاں سے زرتشت کو خیر اور شر کے سلسلے میں بنیادی تصورات مل سکتے تھے۔ دوسری طرف گاتھاؤں میں خانہ بدوش جنگجو قبائل اور زراعت پیشہ پُر امن کسانوں کے درمیان موت وزیست کی کشمکش کو جس پرزور طریقہ سے خیر اور شر کو دوئی کے ایک بڑے مظہر کی صورت میں پیش کیا گیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے زرتشت کے نظریات میں اس دور کے سماجی اور معاشی حالات کے اثرات بھی تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ وہ کہتے ہیں:

''اے خدا! میرا تجھ سے یہ سوال ہے کہ اس کی کیا سزا ہوگی جو شیطان کے پرستاروں

Marfat.com

کی حکومت چاہتا ہو؟ ان لوگوں کی حکومت جو برے برے کام کرتے ہیں اور جو پرامن کسانوں (اور مویشی پالنے والوں) کے جانوروں اور آدمیوں پر طاقت آزمائی کرکے ہی اپنی روزی حاصل کرتے ہیں؟''

(یاسنا31_15)

بہرحال اگر قدیم ایرانی تصورات اور ان کے اپنے دور کے سماجی اور معاشی حالات کا کوئی اثر زرتشت کی تعلیمات پر تسلیم بھی کرلیا جائے تو جس شدت اور وضاحت کے ساتھ زرتشت نے خیر اور شر کی کشمکش سے متعلق تصورات کو پیش کیا ہے اسے ان کے اپنے روحانی تجربہ اور ذاتی بصیرت کی دین ہی کہا جاسکتا ہے۔

زرتشت کی تعلیمات میں اگرچہ آہورمزدا یا معبود حقیقی، خیر اور شر کی کشمکش سے بالاتر ہے اور کائنات میں اس کشمکش کا وجود خود اس کی تخلیق اور اس کی اجازت سے جاری ہے، لیکن پھر بھی چونکہ آہورمزدا خیر کو پسند اور شر کو ناپسند کرتا ہے اور اس کشمکش کے آخری دور میں (قیامت کے نزدیک بالآخر شر پر خیر کی فتح ضرور ہوگی) اس لیے آہورمزدا کو خیر کا طرف دار اور سرپرست کہا جاسکتا ہے لیکن باوجود خیر کو پسند کرنے اور شر سے نفرت کرنے کے آہورمزدا خیر اور شر کی کشمکش میں براہِ راست دخل انداز نہیں ہوتا، بلکہ طرفین کو ایک وقت مقررہ (قیامت) تک کے لیے چھوٹ دیئے ہوئے ہے کہ وہ آپس میں نبرد آزمائی کرکے اپنے اپنے جوہر دکھا لیں۔ اس طرح خیر کی جماعت کی سربراہی آہورمزدا نہیں بلکہ اس کے کازکن ''روح القدس'' (اسپنٹامینیو) کے سپرد ہے۔ جس کو گاتھاؤں میں آہورمزدا کا ''روحانی فرزند'' کہا گیا ہے۔ یہ ''روح القدس'' ایک نمایاں مقام کا حامل ہے۔ آہورمزدا سے قربت اور روحانی درجہ بندی میں اپنی حیثیت کے لحاظ سے وہ دوسری تمام ''متبرک ہستیوں'' پر فوقیت رکھتا ہے اور تمام مخلوقات میں اولین درجہ پر فائز ہے۔ اپنی اس نوعیت کے لحاظ سے زرتشت ''روح القدس'' کے واسطہ ہی سے آہورمزدا تک پہنچنا چاہتے تھے اور یہ کہ دوسرے تمام انسانوں کو ہدایت کا راستہ ''روح القدس'' کے واسطہ سے ہی حاصل ہوتا ہے، ''روح القدس'' کو آہورمزدا کا اہم ترین کارکن کہا جاسکتا ہے اور جب ہم ''روح القدس'' کی اس اہم ترین خصوصیت کو سامنے رکھیں کہ خیر اور شر کی کشمکش میں خیر کی جماعت کی سربراہی ''روح القدس'' (اسپنٹامینیو) ہی کے سپرد ہے تو پھر اس کو آہورمزدا کا سالار اعظم کہنا نامناسب نہ ہوگا۔

Marfat.com

دوسری طرف کائنات میں شر کی جماعت کا سردار' دوسرے الفاظ میں ابلیس اعظم' انگرامینیو ہے۔ گاتھاؤں میں انگرامینیو اور اسپنٹامینیو (روح القدس) کو جڑواں کہا گیا ہے اور چونکہ اسپنٹامینیو کی تخلیق ارادۂ الٰہی سے بتائی گئی ہے اس طرح انگرامینیو کا خالق بھی بالواسطہ آہورمزدا ہی قرار پاتا ہے' اگرچہ اس سلسلہ میں صراحت سے کوئی بیان نہیں ملتا۔ بہرحال' باوجود آہورمزدا (خیرمحض) کی تخلیق ہونے اور باوجود خیر کی جماعت کے سردار اسپنٹامینیو کے جڑواں یونے کے' انگرامینیو نے ابتدا سے ہی اپنے لیے شر کا راستہ پسند کیا۔ گویا ابتدائے آفرینش سے ہی اسپنٹامینیو (روح القدس) اور انگرامینیو (ابلیس اعظم) کے راستوں کا اختلاف اور ان کی باہمی دشمنی واضح ہوگئی تھی۔ ایک جگہ زرتشت کہتے ہیں:

''میں اب دونوں جڑواں قوتوں کو بیان کرتا ہوں جب کہ روزِ ازل ہی اس نے جو کہ خیر کی روح ہے' شر کی روح سے یوں خطاب کیا ''ہمارے خیالات' ہماری تعلیمات' ہماری خواہشات' قول' فعل' دل' دماغ کبھی بھی ایک دوسرے کے مطابق نہیں ہوسکتے۔'' (یاسنا45۔22)

اس طرح خیر اور شر کے ان دو سربراہوں کے اختلاف اور باہمی کشمکش میں جو روزِ ازل سے ہی شروع ہوگئی تھی کائنات کی مخلوقات اپنی اپنی پسند کے مطابق خیر یا شر کی جماعت میں شامل ہوتی چلی گئیں۔ ان دونوں جماعتوں کی اس جنگ میں کسی مصلحت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس جنگ کا خاتمہ کسی ایک جماعت کے نیست ونابود ہوجانے پر ہوگا جبکہ شر کی جماعت ہرلمحہ خیر کو مٹانے پر تلی رہتی ہے۔ یہ دونوں طاقتیں تاقیامت اسی طرح برسرپیکار رہیں گی جبکہ زرتشتی عقیدے کے مطابق ایک مسیحا (سوشیانت) کا ظہور ہوگا جس کی معاونت سے خیر کی جماعت شر پر مکمل غلبہ حاصل کرلے گی اور کائنات سے شر نیست ونابود ہوجائے گا۔

الغرض زرتشت کے اس فلسفہ خیروشر کے مطابق حق آخرکار ضرور باطل پر غالب آئے گا' ان کے نزدیک قوت شر نہ ازلی ہے نہ ابدی ان کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ موجودہ نظام درہم برہم ہونے کے بعد ایک نیا نظام ظاہر ہوگا۔ حق وباطل کا موازنہ ہوگا۔ باطل کو آگ اور پگھلی ہوئی دھاتیں کھا جائیں گی اور حق وصداقت کے لیے آگ اور پگھلی ہوئی دھاتیں دودھ کی نہریں بن جائیں گی۔ موت کے بعد انفرادی محاسبہ ہوگا اور قیامت کے دن اجتماعی حساب کتاب ہوگا۔

Marfat.com

مذہب زرتشت کا انجام

زرتشت کے اس دنیا سے کوچ کرتے ہی زرتشتی تعلیمات فراموش کی جانے لگیں۔ مظاہرِ فطرت اور قدیم دیوتاؤں کی پرستش کا طریقہ پھر سے رائج ہوگیا۔ زرتشت کے بعد بھی اگرچہ عبادات میں گاتھا کا استعمال جاری رہا لیکن اس کی زبان بہت مشکل تھی۔ زرتشتی علماء نے جب اس کی تشریح وتفسیر کا فریضہ انجام دیا تو اس میں کثرت پرستی داخل ہوگئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ زرتشت کی کامیابی کے بعد مجوسیوں نے اپنی تبلیغی جدوجہد کو عارضی طور پر ختم کردیا اور اس کے لیے کسی بہتر موقع کا انتظار کرنے لگے۔ زرتشت کی وفات سے انھیں پھر سے اپنے مذہب کے پرچار کا موقع مل گیا۔ عوام نے مجوسیوں کو پھر سے اپنا مذہبی پیشوا تسلیم کرلیا اور کچھ عرصہ بعد لوگوں کے اعلیٰ طبقات بھی ان کے زیر اثر آگئے، اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ زرتشتی مذہب میں مجوسی اعتقادات نے فروغ پالیا۔ قدیم دیوتاؤں متھرا، تشتریا، فراواشی اور اناہتاء کی پوجا پھر سے شروع ہوگئی۔ ان دیوتاؤں کو فرشتوں کا درجہ دے دیا گیا اور ''آہورمزدا'' کے ساتھ ان دیوتاؤں کو بھی خدا کا مقام دے کر شامل کرلیا گیا۔

مذہبی رسوم میں جادو، منتر اور ستارہ شناسی پھر سے شامل ہوگئے۔ مردوں کو جانوروں اور پرندوں آگے پھر سے ڈالا جانے لگا۔ گاتھا میں مذہبی رسوم وشعائر کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ کیونکہ زرتشت نے ظاہری عبادات کو بہت کم اہمیت دی تھی لیکن مجوسیوں نے اس کی تلافی کردی اور اوستا میں ایسے عقائد داخل کردیئے جن کا گاتھا میں کوئی وجود نہ تھا۔

پہلے یہ بتایا جاچکا ہے کہ زرتشت کے انتقال سے ایرانیوں میں زرتشت کی تعلیمات اجنبی بن کر رہ گئیں۔ حتی کہ استائے آخر میں ''آہورمزدا'' کو فرشتوں کی عبادت کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ یہ فرشتے زرتشت سے قبل کے وہی دیوتا تھے جن کا ذکر اوپر ہوچکا ہے اور جنھیں اب فرشتوں کا مقام دے دیا گیا تھا۔ صفات الٰہی ''ایشاسپتنا'' کا رشتہ کھینچ تان کر کسی نہ کسی

Marfat.com

طرح پرانے عقائد سے جوڑ دیا گیا اور ان میں سے بہت سی صفات فرشتوں سے منسوب کر دی گئیں۔ صفات الٰہی کے بعض وظائف قدیم دیوتاؤں کی طرف منتقل ہو گئے۔ پرستش کے نئے نئے طریقے ایجاد ہوئے۔ خدا اور اس کی مخلوق کو معبودیت کا یکساں درجہ دے دیا گیا۔ گاتھا کو منتر بنا دیا گیا حالانکہ زرتشت نے اپنے مذہب سے جادو اور منتر کو بالکل نکال دیا تھا۔

اوستائے آخر کی وحدانیت عیسائی عقائد کے مماثل ہو گئی اور یہ عقیدہ پیدا ہو گیا کہ زندگی کے بعض شعبے ماتحت روحانی ہستیوں کی ملکیت ہیں اور ان میں خدائے اعلیٰ کی مدد کی ضرورت نہیں اور زندگی کے کام انجام دینے کے لیے خدائے اعلیٰ تک رسائی ضروری نہیں بلکہ ان چھوٹی اور ماتحت ہستیوں سے یہ کام نکلوائے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ ان ماتحت روحانی ہستیوں اور ایرانیوں کے قدیم دیوتاؤں کی تعریف میں نظمیں لکھی گئیں جو یشت کے نام سے اوستا کا ایک باب بن گئیں۔ ان حالات میں یہ بات کچھ زیادہ تعجب انگیز نہیں کہ زرتشت کی وفات کے بعد اس کے پیروؤں میں قدیم عقائد پھر سے ابھر آئے۔ سات ابواب والی گاتھا میں اس کا کافی ثبوت موجود ہے اور یشت کی نظمیں صاف بتا رہی ہیں کہ زرتشت کے بعد ایرانیوں میں ویدوں کے عقائد و تصورات اور فطرت پرستی پھر سے رواج پا گئے تھے۔ مجوسیوں نے جو علم نجوم کے ماہر اور خوابوں کی تعبیر میں کافی درک رکھتے تھے زرتشت کے اس عقیدے کو بالکل بگاڑ دیا کہ آنے والی زندگی ایک خالص روحانی زندگی ہوگی۔ انھوں نے زرتشت کی شخصیت کو کچھ اس طرح پیش کیا کہ گویا وہ بھی انھی کی طرح ایک ساحر و کاہن تھا جسے مستقبل کے واقعات کا پتہ چلانے میں مہارت حاصل تھی۔ اسی وجہ سے اسے خدائے برتر کے ساتھ ایک خصوصی تعلق تھا۔ استا کے آخری حصے میں آہورمزدا اور زرتشت کے باہمی مکالمات میں بھی افسانوں کا خاصا عمل دخل ہے۔

گاتھا میں زرتشت کے اس پختہ عقیدے کا ذکر ملتا ہے کہ جس کام پر وہ مامور ہوا تھا وہ اس کی زندگی میں ہی مکمل ہو جائے گا۔ وہ خود اور اس کے پیروکار اس کام کی تکمیل میں شریک ہوں گے اور یہی وہ لوگ ہوں گے جن کے ذریعے دنیا کو شر سے نجات ملے گی۔ مجوسیوں نے اس عقیدے کو بھی بدل ڈالا۔ زرتشت اور اس کی پیروؤں کی وفات کے بعد یہ عقیدہ پیدا ہو گیا کہ نجات دہندوں کا ظہور مستقبل میں ہوگا۔

زرتشت کے بعد اس کے پیزوؤں نے اس کی تعلیمات سے یہ نتیجہ بھی نکالا کہ نیکی اور

Marfat.com

خیر کو شر پر بہر حال فتح ہوگی۔ چنانچہ شیطان یا ''انگرامینیو'' سے مقابلے کے لیے انھوں نے مینڈھوں کی قربانی کی رسم ایجاد کی۔ جس کے ساتھ گاتھا کے چند الفاظ دہرائے جاتے۔ لوگوں کی توجہ اصل گناہ سے ہٹ کر ظاہری مذہبی رسوم کی ادائیگی سے وابستہ ہوگئی۔ بے گناہ کا کفارہ یہی قربانی اور گاتھا کے چند منتر تھے۔ اوستا کے آخر میں جو گناہ زیادہ اہم تھے وہ یہ تھے:

1: کسی شخص پر ناجائز طور پر حملہ کرنا اور پھر اس کا تاوان نہ دینا۔

2: قتل نفس۔ اگر اس کا دوبارہ ارتکاب کیا جائے۔

3: کسی ایسے گھر میں آگ لے جانا جس میں موت واقع ہوا اور اس کے وقوع کو ایک ماہ سے زیادہ گزرا ہو۔

4: نعش کو پرندوں کے حوالے کرنے سے پیشتر اسے اچھی طرح نہ باندھنا۔

5: کسی گڈریئے کے کتے کو اچھی غذا دینا۔

ان گناہوں کی اہمیت کا آپ نے بخوبی اندازہ لگا لیا ہوگا؟ زرتشت کی اصل تعلیم میں ان کا وجود ملتا ہے یا نہیں لیکن ستم یہ ہے کہ ان تمام عقائد و رسوم، جن کا ذکر اوپر ہوا زرتشت سے منسوب کر دیا گیا۔ البتہ کچھ ایسے عقائد ضرور تھے جنھیں مجوس محو نہ کر سکے۔ ان میں سرفہرست عبادات میں مجسموں اور تصویروں کے استعمال کی ممانعت نیز حیات بعد الممات اور اخلاقی جزا و سزا شامل ہیں۔

''اوستائے آخر ساسانی بادشاہ شام پور دوم کی نگرانی میں مرتب ہوئی۔ یہ زمانہ چوتھی صدی عیسوی کا زمانہ تھا۔ مذہب زرتشت نے مختلف ارتقائی مراحل طے کرنے کے بعد جو صورت اختیار کی اس کی نشاندہی اوستائے آخر میں کی گئی ہے۔

دورِ حاضر کے زرتشتی:

زرتشت کے ظہور سے پہلے ایران میں جو قدیم مذہب رائج رہا ہے اس میں مظاہر فطرت اور ارواح پرستی شامل تھی۔ دیو کے نام سے جنوں بھوتوں کی پوجا بھی موجود تھی۔ فرشتوں کا تصور بھی موجود تھا مگر انھیں خدا کا شریک قرار دیا جاتا تھا۔ ان مشرکانہ عقائد کی اصلاح کے لیے زرتشت نے تبلیغی مساعی انجام دیں۔ گاتھا کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ زرتشت توحید کے قائل تھے، شرک کی مخالفت کرتے تھے لیکن ان کی وفات کے بعد ان کے دین میں بہت

Marfat.com

سے اوہام اور خرافات مل گئیں۔ زرتشتی مذہب میں ہنوامنشی بادشاہوں کے زمانے میں عقائد میں تبدیلی آتی چلی گئی۔ ساسانی بادشاہوں کے عہد میں زرتشت سے پہلا مذہب اور زرتشت کا مذہب آپس میں خلط ملط ہوگئے۔ جب مسلمان ایران میں داخل ہوئے تو زرتشتی مذہب کی یہی مخلوط صورت ایران میں رائج تھی۔

ساسانی سلطنت کی تباہی کے ساتھ ساتھ دین زرتشت کا کوئی سہارا باقی نہ رہا۔ ایران کی آبادی میں سے کثیر حصہ مشرف بہ اسلام ہوگیا کیونکہ مسلمان خلفاء کے زمانے میں ایرانیوں کو بہت سی مراعات حاصل تھیں جو لوگ اپنے قدیم دین پر قائم رہنا چاہتے تھے وہ ایران کے الگ حصے سیستان وغیرہ کے علاقوں میں آباد ہوگئے۔ اسلامی فتوحات کے 100 برس کے بعد زرتشتی لوگوں کی ایک کثیر تعداد ساحلِ ہند کی طرف منتقل ہوگئی۔ بمبئ' کاٹھیاواڑ کے علاقے میں ان کی بستیاں آباد ہوئیں' ان لوگوں کو پارسی کہا جاتا ہے۔ جو ایران میں رہ گئے وہ خود کو زرتشتی کہلواتے تھے۔ مسلمان عام طور پر انھیں گبر کہتے ہیں، یہ لوگ آج تک ایران میں موجود ہیں۔ ان کے اپنے معبد اور آتش کدے ہیں۔ یہ رسوم ورواج میں قدیم زرتشتی آئین کی پیروی کرتے ہیں جو زرتشتی ہندوستان میں آباد ہیں انھیں پارسی کہا جاتا ہے یہ لوگ مذہب کے پکے ہیں۔ یہ نہ خود دین بدلتے ہیں اور نہ کسی کو اپنے دین میں داخل کرتے ہیں۔ زرتشتی دین تبلیغی نہیں ہے۔ ہندوستان میں رہنے کی وجہ سے پارسیوں پر ہندو مذہب کا گہرا اثر پڑا ہے۔ گائے کا تقدس ہندوستانی آریاؤں اور ایرانیوں میں قدیم زمانے سے مشترک چلا آرہا ہے جس طرح ہندوؤں کے ہاں پنڈت ہوتے ہیں ان کے ہاں پروہت ہوتے ہیں۔

طبقات علماء اور آگ پرستی:

جو مذہبی رسوم کی راہنمائی کرتے ہیں ان کے تین درجے ہیں:

1: دستور

2: موبد

3: ہربد

1: دستور علمائے مذاہب ہیں۔

2: موبد رسوم کی راہنمائی کرتے ہیں۔

Marfat.com

3: ہر بد سب سے نچلے درجے کے مذہبی رسوم کی ادائیگی کرنے والے ہیں۔

آگ کا تقدس قدیم ایرانی روایات سے ثابت ہے۔ اسے خدا کا نور اور زندگی کا منبع خیال کیا جاتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ زرتشت کے اپنے زمانے میں بھی آگ کو اسی تقدس کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ تاہم اس کی پرستش نہیں کی جاتی تھی۔ زرتشتی آگ کو خدا کا نور اور نشان سمجھتے تھے اور اپنے آتش کدوں میں آگ بجھنے نہیں دیتے تھے۔ پارسی لوگ اپنے مردوں کو نہ جلاتے ہیں، نہ دفن کرتے ہیں، نہ پانی میں بہاتے ہیں کیونکہ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ آگ پانی اور مٹی تینوں مقدس ہیں۔ لہٰذا دفن کرنے سے مٹی کی' بہانے سے پانی کی اور جلانے سے آگ کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کے ہاں مردے کو دخمہ (مینار خاموشی) (Tower of Silence) میں رکھ دیتے ہیں جہاں سے گدھیں وغیرہ کھا لیتی ہیں۔ ان کے ہاں عجیب وغریب رسم یہ ہے کہ لاش کے ساتھ پروہت کتے کو ساتھ لاتے ہیں۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے ہوائی چیزیں کتے کے ڈر سے لاش کو خراب نہیں کرتیں۔ اس رسم کو ''سگ دید'' کہتے ہیں۔

بعض پارسیوں کا دعویٰ ہے کہ آتش پرستی کے ذریعے ایک طرف انسان کو اپنی زندگی کے بیچ ہونے کا یقین دلایا جاتا ہے اور دوسری طرف ان میں اخوت اور باہمی الفت پیدا کی جاتی ہے۔ تیسرا یہ کہ انسان اپنے انجام کا نظارہ کر سکے۔ جس طرح آگ راکھ ہو جاتی ہے اسی طرح ایک نہ ایک دن انسان مٹ جائے گا اور جس طرح آگ خوشبو پھیلاتی ہے اسی طرح انسان کو بھی نیکی پھیلانی چاہیے۔

☆☆☆

Marfat.com

اسلام اور زرتشتی مذہب کا موازنہ

مماثلت:

زرتشتی مذہب اور اسلام کے بعض بنیادی عقائد میں مماثلت ہے۔

1: دونوں مذاہب خدا کی وحدانیت اور رحمت پر ایمان رکھتے ہیں۔

2: ہر دو انسانی زندگی کو خیر و شر میں کشمکش قرار دیتے ہیں جس میں آخر کار نیکی اور خیر کو فتح ہوتی ہے۔

3: نیکی اور برائی کے اختیار کرنے میں انسان خود مختار ہے۔

4: دونوں حیات بعد الممات، جنت و دوزخ' ملائکہ اور انبیاء کی ضرورت کے قائل ہیں۔

5: ہر دو کی اخلاقی تعلیم تقریباً یکساں ہے۔ مثلاً طہارت' راست گوئی' خدمتِ خلق اور عائلی زندگی کے متعلق دونوں مذاہب میں تاکید کی گئی ہے۔

اختلافات:

1: اسلام ایک تاریخی دین ہے۔ تاریخ کی کسوٹی اور تنقید پر پورا اترتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے بانی کی زندگی اور تعلیمات تفصیلاً محفوظ ہیں اور تاریخی تنقید اور معیار پر پوری اترتی ہیں۔

لیکن مجوسیت غیر مستند قصے کہانیوں کا مرقع ہے۔ زرتشت کی زندگی اس قدر افسانوی ہے کہ قطعیت سے کوئی بات کہنا محال ہے حتی کہ:

زرتشت کے تلفظ کے متعلق 11 آراء ہیں۔

زرتشت کے معنی میں بیسیوں شبہات ہیں۔

Marfat.com

جائے پیدائش اور وطن کے متعلق مختلف آراء ہیں حتی کہ زرتشت کے زمانے اور وقت کے متعلق بھی اختلاف ہے، انھی امور کی بنا پر ان کی شخصیت کو افسانوی کہا جاتا ہے۔

2: اسلام کا الہامی صحیفہ یعنی قرآن مجید ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے۔ جس شکل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اسی شکل میں موجود ہے حتی کہ غیر مسلموں اور مستشرقین نے بھی اعتراف کیا ہے کہ قرآن ہر لحاظ سے محفوظ اور مستند ہے۔

لیکن مجوسیت کے صحائف اور دیگر دینی ادب تباہی کا شکار ہوا۔ پھر کئی صدیوں بعد پروہتوں نے یادداشت سے لکھا، اس میں تحریف وترمیم مسلم ہے۔ ترجمہ کے ذریعے اصل تعلیمات میں تبدیلیاں ہوگئی ہیں۔ موجودہ ژند اوستا کا بہت کم حصہ زرتشت کی اپنی تعلیمات کا قرار دیا جاسکتا ہے۔

3: اسلام کامل توحید کا علمبردار ہے۔ توحید فی الذات' توحید فی الصفات اور توحید فی الافعال کا قائل ہے، وہ صرف ایک رب العالمین پر ایمان لانے کی تلقین کرتا ہے۔

لیکن اول تو مجوسیت میں توحید پائی ہی نہیں جاتی اگر پائی بھی جاتی ہے تو وہ ناقص ہے، وگرنہ اس میں ثنویت دو خداؤں یعنی آہورمزدا (یزداں) اور اہرمن کا تصور پیش کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں آہورمزدا کے ساتھ بھی چھ صفات مشخص کی گئی ہیں جنھیں سات غیر فانی ہستیاں یا ہفت ملائکہ کہتے ہیں۔

4: اسلام سادہ اور فطری دین ہے، عقل کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے اور اعلیٰ اخلاقی تعلیمات دیتا ہے۔

لیکن مجوسینت میں آتش پرستی بنیادی عقیدہ ہے جو سراسر عقل اور فطرت کے خلاف ہے۔ نیز موجودہ مجوسیت دیومالائی اور غیر فطری عناصر کا مجموعہ ہے حتی کہ محرمات سے نکاح بھی جائز ہے جو بالکل خلافِ عقل' خلافِ فطرت اور خلافِ اخلاق ہے۔

5: اسلام عالمگیر' جامع اور آفاقی دین ہے۔

لیکن مجوسیت ایک قومی مذہب ہے بلکہ وراثتی ہے۔ ان کے ہاں دوسروں کو اپنے دین میں داخل نہیں کیا جاسکتا۔

6: اسلام تبلیغی دین ہے۔

لیکن زرتشت ازم غیر تبلیغی ہے۔

Marfat.com

7: اسلام آسان اور سہل دین ہے۔ الدین یسر کے تحت اسلام ہر معاملہ میں انسانی فطرت اور سہولت کو پیش نظر رکھتا ہے۔ ہر شخص علم دین حاصل کر کے عالم دین' امام اور خطیب بن سکتا ہے۔ عبادات کی قیادت کے لیے کوئی پیشہ ور مذہبی راہنما ضروری نہیں ہے، اس طرح شادی بیاہ' ولادت اور موت کی رسوم سادہ اور سہل ہیں۔

لیکن ابتدائی دینِ زرتشت میں رسم و رواج نہایت سادہ تھے جبکہ بعد کے زرتشتی مذہب میں پیچیدگیاں آگئیں یہاں تک کہ نکاح' موت اور دیگر معاشرتی رسوم موبد اور مذہبی راہنما کے بغیر ادا نہیں ہو سکتیں۔ اس طرح ان کے ہاں پیشہ ور مذہبی گروہ پیدا ہو گیا۔

8: اسلام میں میت اور مردے کا بڑا احترام کیا جاتا ہے، اسے بڑے اعزاز کے ساتھ غسل دیا جاتا ہے، خوشبودار کفن دیا جاتا ہے اور بڑی سادگی اور احترام سے دفن کیا جاتا ہے۔

لیکن زرتشت سے قبل مجوسی لوگ مردوں کو دفن نہیں کرتے تھے بلکہ درندوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ زرتشت نے یہ رسم موقوف کر کے' مردے دفنانے کا سلسلہ شروع کیا۔ مگر اس کے بعد پھر وہی وحشت ناک رسم شروع ہو گئی۔ زرتشتی اپنے مردے کو ایک کنویں میں جسے ٹاور آف سائلنس یعنی خاموشی کا کنواں کہتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں ان کا گوشت چیلیں اور گدھیں کھا جاتی ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

باب نمبر9:

یہودیت

اس باب میں ہے .....اسلام اور یہودیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اورحضرت موسیٰ علیہ السلام کی اہمیت، یہود کا تاریخی ارتقاء، مقدس دینی کتب، موجودہ بائبل، تحریک صیہونیت اور یہودیت اوراسلام کا موازنہ۔

Marfat.com

حیات ابراہیم علیہ السلام

یہودیت دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ہے۔ یہودیوں کے خیال میں اس مذہب کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوتا ہے جو انبیاء میں عظیم نبی ہیں۔ دنیا کے تینوں بڑے سامی مذاہب کے روحانی پیشوا اور امام الناس آپ ہی ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہودیت پر گفتگو کرنے سے قبل سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات زندگی قرآن اور بائبل کی روشنی میں تحریر کیے جائیں۔

بائبل اور حضرت ابراہیم علیہ السلام:

بائبل کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کلدانیوں کے شہر ار میں پیدا ہوئے جو عراق کا ایک متمدن شہر تھا۔ علماء کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ظہور کے وقت شہر اُر کی آبادی ڈھائی لاکھ سے زیادہ تھی۔ وہاں کے باشندے چاندی، سونے اور تانبے کے زیورات اور برتن بناتے تھے۔ مندر تعمیر کرتے اور دیواروں اور پتھر کی سلوں پر تصویریں کھودتے تھے، مجسمے اور مورتیاں بناتے تھے۔ ار کے کتبات میں تقریباً 50 ہزار خداؤں کے نام ملتے ہیں۔ ہر شہر کا الگ محافظ خدا ہوتا تھا۔ ارکارب البلد ننار (دیوتا تھا) اسی مناسبت سے لوگوں نے اس شہر کا نام قمرینہ بھی رکھا تھا۔ اسی طرح ایک دوسرے بڑے شہر کا لرسہ کارب البلد شماس (سورج دیوتا) تھا اور اسی طرح دوسرے خداؤں کے نام ستاروں اور سیاروں وغیرہ سے لیے گئے تھے۔ یہ وہ ماحول تھا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے شعور کی آنکھ کھولی۔ اُر کی آبادی تین طبقوں پر مشتمل تھی۔

1: عمیلو: یہ اونچے طبقے کے لوگ تھے۔ جن میں پجاری، حکومت کے عہدیدار اور فوجی شامل تھے۔

Marfat.com

2: مشکینو: یہ تجارت' صنعت کار اور زراعت پیشہ لوگ تھے۔

3: اُردو: جو غلاموں پر مشتمل ہوتا تھا۔

ان سب طبقوں میں پہلا طبقہ عمیلو خاص امتیازات کا حامل تھا۔ ان کے فوجداری اور دیوانی حقوق اور ان کے جان و مال کی قیمت' دوسروں سے بڑھ کر تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کا جو حال ہمیں تالمود (Talmud) میں ملتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوہ عمیلو طبقے کے ایک فرد تھے اور ان کا باپ ریاست کا سب سے بڑا عہدیدار تھا۔

بائبل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر پیدائش کے گیارہویں باب سے لے کر 25 باب تک ملتا ہے۔ سب سے پہلے آپ کا نسب نامہ بیان کیا گیا ہے جو حضرت نوح کے بڑے بیٹے سام تک پہنچتا ہے۔ اس کے بعد آپ کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی سوتیلی بھتیجی سارہ (جو باپ کی طرف سے تھی) سے شادی کر لی جو ان سے دس سال چھوٹی تھی، آپ کے والد تارح انھیں اپنے ساتھ لے کر ار (Ur) سے سفر کرتے ہوئے حاران آجاتے ہیں۔ جہاں تارح کا انتقال ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حاران یا حران سے 75 برس کی عمر میں سرزمین کنعان تشریف لے جاتے ہیں۔ ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ خداوند ان لوگوں سے انعامات کثیرہ اور ایک بڑی قوم بنانے کا وعدہ کرتے ہیں اور وہ یہ کہ کنعان کی سرزمین انھیں اور ان کی اولاد کو عطا کرے۔ بائبل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خیمے میں بسنے والے' بھیڑوں اور بکریوں کے پالنے والے سردار قبیلہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ بعدازاں حضرت ابراہیم علیہ السلام جنوبی فلسطین کا رخ کرتے ہیں اور وہاں ایک قربان گاہ خداوند کے نام پر بناتے ہیں۔ اس زمین میں قحط پڑنے کی وجہ سے بحری راستے کو عبور کرتے ہوئے مصر کے زرخیز ملک میں تشریف لے جاتے ہیں۔ یہاں ایک عجیب واقعہ پیش آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس لیے خوف زدہ ہیں مصری ان کی خوبصورت بیوی کو حاصل کرنے کے لیے انھیں قتل نہ کر دیں۔ اسے اپنی بہن ظاہر کرتے ہیں جب ساری کو فرعون کے حرم میں لے جایا جاتا ہے تو خداوند فرعون اور ان کے خاندان پر مصیبتیں نازل کرتا ہے۔ چنانچہ فرعون انھیں مصر سے چلے جانے کا کہتا ہے۔

(بائبل، کتاب پیدائش، باب نمبر: 12، 15 تا 20)

Marfat.com

''اور فرعون کے امراء نے اس کو دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے ساری کی تعریف بیان کی اور وہ عورت فرعون کے گھر پہنچائی گئی اور اس نے ابراہام پر اس کی خاطر احسان کیا اور بھیڑ' بکریاں بیل اور گدھے اور غلام لونڈیاں اور اونٹ اس کے پاس ہوگئے۔ اس پر خداوند نے فرعون اور اس کے خاندان پر ابراہام کی بیوی کے سبب سے بڑی بڑی بلائیں نازل کیں۔''

تب فرعون نے حضرت ابراہیم کو بلا کر کہا کہ:

''تو نے یہ کیا کیا تو نے مجھے یہ کیوں نہ بتایا کہ تیری بیوی ہے۔ تو نے یہ کیوں کہا کہ وہ تیری بہن ہے۔ اسی لیے میں نے اسے لیا کہ وہ میری بیوی ہو۔ سو لے اور اپنی بیوی کو لے کر چلا جا۔''

اس قسم کا ایک اور واقعہ بائبل کی کتاب پیدائش باب نمبر 20 آیات 2 تا 18 میں جیرارڑ کے بادشاہ ابی ملک کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ بائبل کے بیان سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ مصر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی قربان گاہ یا تبلیغی مرکز قائم کیا تھا یا نہیں؟

ابراہیم علیہ السلام کی کنعان میں واپسی پر ان کے اور حضرت لوط علیہ السلام کے چرواہوں میں ایک تنازعہ پیدا ہوگیا۔ چنانچہ وہ الگ الگ راستے اختیار کر لیتے ہیں حضرت لوط علیہ السلام جنوبی اردن کی ایک وادی کا انتخاب کرتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جستر ون اور اس کے گردونواح میں مقیم رہتے ہیں۔ تاہم خاندانی روابط میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ:

''حضرت لوط علیہ السلام کو جب ان کے دشمن پکڑ کر لے جاتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے مجاہدین کے ساتھ مل کر دشمنوں سے ان کی خلاصی کرواتے ہیں۔''

بائبل کے مطابق جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بوڑھے ہو جاتے ہیں تو انھیں ہر وقت یہ غم ستاتا ہے کہ ان کی کوئی اولاد نہیں۔ کوئی وارث نہیں اور اس کا خادم یا مختار الیعذ روشقی سارے ورثے کا مالک بن جائے گا۔ خداوند اپنے وعدے کو دہراتا ہے اور وارث کے پیدا ہونے کی خوشخبری دیتا ہے۔

(بائبل، کتاب پیدائش، باب نمبر: 15-1 تا 4)

ان باتوں کے بعد خداوند کا کلام رؤیا (خواب) میں ابراہام پر نازل ہوا اور اس نے

Marfat.com

فرمایا کہ اے ابراہیم علیہ السلام مت ڈر۔ ابراہام نے کہا کہ خداوند تو مجھے کیا دے گا میں تو بے اولاد ہوں اور میرے گھر کا وارث دمشقی الیعذر رہے۔ پھر ابرہام نے کہا کہ دیکھ تو نے مجھے کوئی اولاد نہیں دی اور دیکھ میرا خانہ زاد میرا وارث ہوگا۔ تب خداوند کا کلام اس پر نازل ہوا اور اس نے فرمایا کہ ''یہ تیرا وارث نہ ہوگا بلکہ وہ جو تیرے صلب (پیٹھ) سے پیدا ہوگا وہی تیرا وارث ہوگا۔''

بائبل کے حوالے کے مطابق ساری اپنی مصری باندی حاجرہ ابراہیم علیہ السلام کو پیش کرتی ہے کہ وہ اس کی بیوی ہے اس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 86 برس تھی۔ 99 برس کی عمر میں خداوند پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نگاہ کرم کرتا ہے اور ان سے عہد باندھتا ہے جس کی علامت ختنہ قرار دیا جاتا ہے۔ ساری کا نام بھی ساریٰ رکھ دیا جاتا ہے۔

بائبل کے بیان کے مطابق اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے جائز وارث حضرات اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی جاتی ہے۔

(بائبل، کتاب پیدائش، باب نمبر 17: آیات نمبر: 17 تا 18)

''تب ابراہیم علیہ السلام سرنگوں ہوا اور ہنس کر کہنے لگے کیا سو برس کے بوڑھے سے کوئی بچہ ہوگا اور ساریٰ جو کہ 90 برس کی ہے کوئی اولاد ہوگی۔''

حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کے وقت آپ کی عمر 100 برس تھی۔ اسی دوران سدوم اور عمورہ کے علاقے پر جہاں قوم لوط آباد تھی' عذاب آتا ہے اور پورا علاقہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام بھاگ کر اپنی اور اپنی دو بیٹیوں کی جان بچاتے ہیں۔ دوسری طرف ساریٰ کے کہنے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت حاجر (حاجرہ) اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ کی بے آب و گیاہ سرزمین پر چھوڑ آتے ہیں۔ بائبل کے مطابق اسحاق علیہ السلام کی قربانی اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں اور خدائی امتحان میں پورے اترتے ہیں اور ایک دنبہ ذبح کر دیا جاتا ہے۔ اس اثناء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک اور بیوی قطورہ سے شادی کرتے ہیں ان سے بھی اولاد ہوتی ہے۔

175 برس کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام وفات پا جاتے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام انھیں مکفیلہ کے باغ میں جو حیرون کے پاس ہے' دفن کرتے

Marfat.com

ہیں۔

بائبل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو کردار پیش کیا گیا ہے۔ رافیل تپائی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

"He is shrewd and not above line when reqired by self interst. Brave in war. Extremely hospitable. Just a hard bar-gainer and unquestioning believer in God."

بہرحال بائبل آتشِ نمرود کے گلزار بن جانے کے واقعے سے خاموش ہے نیز انھوں نے کلدانیوں کے بتوں کو جو پاش پاش کیا' بائبل نے اس عظیم کارنامے کا ذکر نہیں کیا۔ قرآن حکیم میں ان دو عظیم واقعات کا خصوصی طور پر ذکر ہے جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عراقی دور کی زندگی کا کوئی واقعہ بائبل میں بیان نہیں کیا گیا۔ قرآن اور بائبل کا ایک دلچسپ اختلاف یہ ہے کہ قرآن کے بیان کی رُو سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشرک باپ ان پر ظلم کرنے میں پیش پیش تھا اور بائبل کہتی ہے کہ ان کا باپ خود اپنے بیٹوں پوتوں اور بہوؤں کو لے کر حاران میں جا بسا۔"

(بائبل، کتاب پیدائش، باب نمبر: 11، آیات نمبر: 27 تا 32)

قرآن حکیم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قرآن حکیم میں جس شان اور خوبی سے بیان ہوا ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کی 25 سورتوں اور 63 آیات میں ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور ان کے عظیم القدر کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔

سورۂ بقرہ' الانعام' ابراہیم' مریم' انبیا' حج' عنکبوت' شعراء' صٰفٰت۔ ان سورتوں میں قدرے تفصیل سے جبکہ باقی سورتوں میں اختصار کے ساتھ آپ کا ذکر کیا گیا ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک ایسے ماحول میں اپنے شعور کی آنکھ کھولی کہ ان کی قوم بت پرستی اور کواکب پرستی میں مبتلا تھی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں سورۂ انبیاء میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شروع ہی سے رشد و ہدایت اور ایمانی بصیرت سے

Marfat.com

نوازا تھا۔ چنانچہ انھوں نے بت پرستی کی مذمت کرتے ہوئے اپنے والد اور اپنی قوم سے یہ کہا کہ:

''یہ بے جان مورتیاں کیا حیثیت رکھتی ہیں جن کو تم نے اپنا معبود اور مرکز توجہ بنا رکھا ہے۔''

(القرآن المجید، سورۃ الانبیا، آیت نمبر 51 تا 56)

جب باپ نے سرزنش کی تو آپ نے توحید کا تصور پیش کیا اور قوم کی توجہ اس پروردگار کی طرف دلائی جو زمین و آسمان کا خالق و مالک ہے اور انھیں اِن خرافات سے باز آنے کے لیے کہا۔

سورۂ مریم 42۔43 میں خاص اس مناظرے کا ذکر کیا گیا ہے جو باپ بیٹے میں پیش آیا اور باپ کی نصیحت پر کان نہ دھرنے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے بحسن وخوبی کنارہ کشی اختیار کرلی اور **سلام علیك سَأستغفر لك ربی** کے الفاظ کہہ کر رخصت ہوئے۔

سورۂ شعراء میں باپ اور قوم کے ساتھ مناظرے کا تفصیلی واقعہ بیان کیا گیا ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بتوں کی بے حیثیتی' دلائل سے ثابت کرتے ہوئے' ان کی مذمت کرتے ہیں اور دوسری طرف اللہ کی نعمتوں اور قدرتوں کا ذکر کرکے اس کی عظمت کو اجاگر کرتے ہیں لیکن آزر اور قومِ آزر کے دل کسی طرح بھی قبول حق پر آمادہ نہیں ہوتے۔

سورۂ الانعام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیش کردہ روشن دلائل کو ایک نئے انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ روشن ستارے' چمکتے ہوئے چاند اور اس کے بعد سورج کے غروب ہونے سے ان کی اصل حقیقت کو بے نقاب کرتے ہوئے قوم کی توجہ کو ان اجرام فلکی کے خالق و مالک کی طرف منسوب کیا گیا ہے:

يٰقَوْمِ اِنِّی بَرِیٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ○

(القرآن المجید، سورۃ الانعام، آیت نمبر 79 و 78)

سورہ الانبیاء 59 تا 66 میں یہ ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسے نادر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جبکہ قوم ایک مذہبی میلے پر چلی گئی تھی تمام بتوں کو پاش پاش کردیا۔ سوائے بڑے دیوتا کے قوم جب واپس آئی اور معبودان باطل کا یہ حشر دیکھا تو سر پکڑ کر بیٹھ

Marfat.com

گئے۔ یہ تو معلوم ہی تھا کہ یہ کام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ہی انجام پا سکتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے آخری فیصلہ یہ کیا کہ انھیں آگ کے ایک بہت بڑے الاؤ میں زندہ جلا دیا جائے۔ تلمود کا بیان ہے کہ اس کے بعد بادشاہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام قید کر دیئے گئے۔ دس روز تک جیل میں رہے پھر بادشاہ کی کونسل نے ان کو زندہ جلا دینے کا فیصلہ کیا۔

سورۂ انبیاء کی آیت نمبر 68 تا 70 اور سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت نمبر 79 تا 98 میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ کو انجامِ کار آگ کے بڑے آلاؤ میں ڈالا گیا لیکن وہ آگ گلزار بن گئی۔

يَانَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ

(القرآن المجید، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 69)

سورۂ بقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بادشاہ وقت نمرود سے مناظرے کا ذکر ہے۔ نمرود نے کہا کہ اپنے رب کا کوئی ایسا وصف بتاؤ جو مجھ میں نہ ہو آپ نے کہا:

رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ

اس نے جواباً کہا کہ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ محسوس کر کے کہ یہ موٹی عقل والا اس بات کو سمجھ نہیں سکا' فلسفیانہ موشگافیوں سے آزاد ہو کر خالقِ یکتا کا ایک ایسا وصف بتایا جو اس کی عقل میں آ سکتا تھا اور فرمایا:

قَالَ اِبْرَاهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ۝

(القرآن المجید، سورۃ البقرہ، آیت نمبر: 258)

''حضرت آدم علیہ السلام نے کہا میرا رب مشرق سے سورج نکالتا ہے تو مغرب سے نکال وہ کافر لاجواب ہو گیا۔''

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ آپ اپنے علاقے سے ہجرت فرما کر کنعان کی سرزمین میں آباد ہو جاتے ہیں۔ یہاں بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ آپ کو اولادِ نرینہ عطا فرماتے ہیں اور پہلے حضرت اسماعیل اور بعد میں حضرت اسحاق تولّد ہوتے ہیں۔ اب ابراہیم علیہ السلام کو اور کڑی آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے۔ سورۂ صٰفّٰت میں مذکور ہے کہ آپ کے بیٹے نے ابھی شباب میں قدم (18 سال) رکھا ہی تھا کہ خواب میں دیکھا کہ

Marfat.com

اسے ذبح کررہے ہیں۔ بیٹے سے اس کا ذکر کیا۔ بیٹے نے سر تسلیم خم کردیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کے حلق پر چھری چلا دیتے ہیں اور آزمائش میں پورا اترتے ہیں۔ رحمت خداوندی سے حضرت اسماعیل کی بجائے ایک دنبہ ذبح ہوجاتا ہے اور اس سنت ابراہیمی کی یادگار کے طور پر عیدالاضحیٰ پر قربانی کی صورت میں مسلمان ہر سال اس واقعہ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام امام للناس کے منصب پر فائز ہوئے۔

سورۂ ابراہیم علیہ السلام میں حضرت حاجرہ اور اسماعیل کو مکہ مکرمہ میں اس وقت کی بے آب وگیاہ سرزمین میں آباد کرنے کا ذکر موجود ہے۔ ''واد غیر ذی ذرعٍ'' سورۂ بقرہ میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کڑی آزمائشوں میں پورا اترے تو انعام خداوندی سے نوازے گئے اور انھوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر کعبہ مکرمہ کی تعمیر کروائی اور وہیں سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی دعا کچھ یوں فرمائی:

''رَبَّنَاوَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًامِنْهُمْ يَتْلُوْاعَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ○

(القرآن المجید، سورۃ البقرہ، آیت نمبر:129)

سورۂ ہود، الحجر، عنکبوت اور الذریٰت میں فرشتوں کا آپ کے پاس آنے کا ذکر موجود ہے جو حضرت اسحاق کی پیدائش کی بشارت اور قوم لوط کی ہلاکت کے احکام لے کر آئے تھے۔

(القرآن المجید، سورۃ العنکبوت، آیت نمبر:31)

سورۂ حج میں اس امر کا بیان ہے کہ آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ لوگوں کو بیت اللہ کا حج کرنے کی دعوت دیں۔ تاکہ تبلیغ کے مختلف مراکز ایک عالمی سطح پر بہت بڑے مرکز کی طرف رجوع کریں:

''وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ ○

(القرآن المجید، سورۂ حج، آیت نمبر 22۔27)

اس طرح وہ جلیل القدر آفتاب ہدایت جس کی ابتدائی نورانی کرنیں عراق کی محدود وادی ظلمت کو منور کرتی ہیں، اس وقت کی پوری دنیا یعنی عراق، فلسطین، شام، مصر سے لے کر عرب کے ریگزاروں تک کو ہدایت ربانی سے منور کردیتا ہے۔

قرآن حکیم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو مثالی کردار پیش کیا ہے۔ اس کے

Marfat.com

حوالے سے انھیں امت مسلمہ کے لیے اسوۂ قرار دیا گیا ہے:

''اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ کَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِیْفًا وَلَمْ یَكُ مِنَ الْمُشرکین ○

(القرآن المجید، سورۃ النحل، آیت نمبر:120)

''حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات میں ایک پوری امت تھے' اللہ کے مطیع فرمان اور یک سو اور وہ کبھی مشرک نہ تھے۔''

سامی ادیان میں اہمیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مخالفین جنھوں نے آپ کو آگ میں جلانے کی کوشش کی دنیا سے مٹ گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس موحد کو سرفراز کیا۔ چار ہزار برس سے دنیا میں اس کا نام روشن ہے اور قیامت تک رہے گا۔ دنیا کے تمام مسلمان' عیسائی اور یہودی اس خلیل رب العلمین کو بالاتفاق اپنا پیشوا امام للناس مانتے ہیں' دنیا کو ان چالیس صدیوں میں جو کچھ بھی ہدایت ملی اس ایک انسان اور اس کی پاکیزہ اولاد کی بدولت میسر آئی ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی شخصیت کی اہمیت مندرجہ ذیل امور سے واضح ہے:

1: حضرت ابراہیم علیہ السلام جد الانبیاء ہیں۔

2: دنیا کے تین مشہور الہامی مذاہب کے روحانی پیشوا ہیں۔

3: تاریخ ادیان کا منظم آغاز انھی سے ہوتا ہے۔

4: انھوں نے ہی منظم تبلیغ کا آغاز کیا۔

5: اسلام میں ان کی خصوصی اہمیت ہے۔

جدالانبیاء: جد کے معنی دادا کے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی بنیادی طور پر دو شاخیں ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام' حضرت اسحاق علیہ السلام۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے آگے بارہ بیٹے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام پھر حضرت سلیمان علیہ السلام آتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ یہ تمام انبیاء بنی اسرائیل سے ہیں پھر نبوت بنی اسرائیل سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف منتقل کی جاتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آتے

Marfat.com

ہیں۔ارشادالٰہی ہے:

اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا

(القرآن المجید،سورۃ البقرہ،آیت نمبر:124)

''میں تمھیں تمام بنی نوع انسان کا پیشوا بناؤں گا۔''

بائبل میں اس پیش گوئی کا اس طرح ذکر ملتا ہے:

''تیری نسل اپنے دشمنوں کے دروازہ پر قابض ہوگی اور تیری نسل سے زمین کی ساری قومیں برکت پاویں گی۔ میں نے تجھے بہت سی قوموں کا باپ بنایا ہے اور تجھ سے بہت سی قومیں پیدا ہوں گی اور تیری نسل سے بادشاہ ہوں گے۔

(بائبل، کتاب پیدائش، باب نمبر:22)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت' استقامت' صدق ووفا کے بدلہ میں نبوت کو' ان کے گھرانے میں مختص کردیا گیا' ارشاد باری ہے:

وَجَعَلْنَافِیْ ذُرِّیَّةِ النُّبُوَّةِ وَالْكِتٰبِ

(القرآن المجید،سورۃ العنکبوت،آیت نمبر:27)

''اور ہم نے اس کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔''

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء آپ کی نسل سے ہوئے اس لیے آپ کو جدالانبیاء کہا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد دنیا میں خوب پھلی اور پھیلی۔ اس سے نسل درنسل اقوام کا ظہور ہوا' ان میں بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل اور اصحاب مدین وغیرہ کا سلسلہ نسب یقیناً آپ سے ثابت ہے پھر آپ کی نسل انھی پر ختم نہیں' تحقیق کا دائرہ جوں جوں وسیع ہوگا مزید حقائق سامنے آئیں گے حتی کہ دیگر ممالک میں آباد شعوب اور اقوام کا سلسلہ نسب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام تک جا پہنچے گا۔

سامی ادیان: تمام سامی ادیان آپ کی طرف منسوب ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت پر یہود' نصاریٰ اور مسلمان سب متفق ہیں۔ سب اپنا تعلق انھی سے جوڑتے ہیں۔ سب ان کی اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حتی کہ عرب کے مشرکین بھی اپنا امام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے اور ان کا بھی یہ دعویٰ تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سچے پیروکار

Marfat.com

ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیروکار کہتے تھے۔ یہودی کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام تو یہودی تھے اس لیے ان کے صحیح پیروکار ہم ہیں' عیسائی کہتے تھے کہ ان کے صحیح پیروکار ہم ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ○

(القرآن المجید، سورۃ آل عمران، آیت نمبر:67)

''اے اہل کتاب! تم 'ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑا کرتے ہو؟ تورات اور انجیل تو ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہی نازل ہوئی' تو کیا تم (اتنی بات بھی) سمجھتے نہیں۔ تم لوگ جن چیزوں کا علم رکھتے ہو ان کی بابت خوب (بحث) کر چکے' اب اس بات کے بارے میں کیوں بحث کرتے ہو جس کا تمھیں کوئی علم نہیں۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ یہودی تھا اور نہ نصرانی بلکہ وہ تو ایک مسلم یکسو تھا اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔''

تاریخ ادیان کا باقاعدہ آغاز: تاریخ ادیان کا باقاعدہ آغاز انھی کی ذاتِ اقدس سے ہوتا ہے۔

ماقبل تاریخ

2000B.C	حضرت ابراہیم علیہ السلام
1500B.C	یہودیت
ہندو دھرم	1500B.C کے بعد
مذہب زرتشت	600ق م
600ق م	بدھ دھرم
	جین دھرم
550ق م	مذہب کنفیوشس

آغاز سن عیسوی عیسوی (عیسائیت)

منظم تبلیغ کا آغاز: ہر نبی کو اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام' حضرت صالح علیہ السلام' حضرت ھود علیہ السلام وغیرہ اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اُر سے چل کر فلسطین پھر مصر' پھر سرزمینِ حجاز میں جاتے ہیں'

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ پہلے نبی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عالمگیر دعوت کا کام عالمی سطح پر لیا ہے۔ عراق سے مصر تک اور شام و فلسطین سے سرزمین حجاز تک۔ آپ نے برسوں بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ایک سو برس زیادہ عرصے تک خود فریضہ تبلیغ انجام دیا۔ علاوہ ازیں اپنے مشن کو عالمی سطح پر منظم طور پر چلانے کے لیے شرق اردن میں (i) اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو (ii) شام و فلسطین میں حضرت اسحاق علیہ السلام کو (iii) اور اندرون عرب اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مامور کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے عرب کا خطہ اس مشن کا مرکز قرار پایا۔"

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق، شام، عرب، فلسطین اور مصر پر مشتمل اس سارے خطے میں توحید کی شمع روشن کرنے اور توحید کا علم بلند کرنے کے لیے سخت جدوجہد کی۔ اس سست رفتار ذرائع آمدورفت کے زمانے میں اتنے وسیع و عریض خطے میں ایک شخص کا توحید کے پرچار کے لیے تن تنہا جدوجہد کرنا بڑی حیرت کی بات ہے۔ یہ کام واقعی ایک امت کے کرنے کا تھا جو اکیلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سرانجام دیا۔ اس کا اعتراف قرآن حکیم میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ○

(القرآن المجید، سورۃ النحل، آیت نمبر:120)

"یقیناً ابراہیم اپنی ذات میں ایک پوری امت تھے، اللہ کے فرمانبردار اور یکسو۔"

اسلام میں خصوصی اہمیت: اسلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خصوصی اور امتیازی اہمیت ان کے موسس کعبہ، معیار ہدایت، اسوۂ حسنہ اور ملت حنیفہ کے داعی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مورث اعلیٰ کے اعتبار سے دی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی۔ یوں تو کعبہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت اس گھر کی صاف بنیادیں باقی تھیں۔ آپ علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مدد سے اس کو ازسرنو تعمیر کیا۔ کعبہ میں ایک پتھر ہے جس پر کھڑے ہوکر آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چنائی کے لیے گارا اور پتھر دیئے تھے۔ اس پتھر کو مقامِ ابراہیم کہتے ہیں۔ خانہ کعبہ کی تعمیر نو کرتے وقت آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ سرزمین عرب میں خاتم الانبیاء کو

Marfat.com

مبعوث فرمائے۔ وہ مکہ کو امن کا شہر بنادے۔ اس کے باشندوں کو پھلوں کا رزق دے' لوگوں کے دلوں کو' اس کی طرف راغب کردے اور مشتاق بنادے' اللہ تعالیٰ نے یہ تمام دعائیں قبول فرمائیں اور مقام ابراہیم کو امتِ مسلمہ کا قیامت تک کے لیے قبلہ بنادیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاق پورے عالم کے لیے راہنمائی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ نوعمری ہی میں آپ نے اپنے ملک کے بادشاہ (نمرود) کے دعوائے خدائی کو للکارا۔ آگ میں ڈالے جانے کا حکم ہوا تو آپ نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا' آپ کی جبینِ استقلال پر بل نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرکے تنہا بیوی اور شیر خوار بچے کو مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ آئے۔ یہی بچہ بلوغ کی حدوں کو چھونے لگا تو اس کی قربانی کا حکم ہوا' آپ فوراً اس کی قربانی پر آمادہ ہوگئے۔ پچھتر برس کی عمر میں ہجرت کے کٹھن سفر پر روانہ ہوئے اور سو برس تک مصائب کو لبیک کہتے اور توحید کا پرچار کرتے رہے۔ اسی لیے اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کے کردار کو اسوۂ حسنہ یعنی بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ○

(القرآن المجید، سورۃ الممتحنہ)

''تم لوگوں کے لیے ابراہیم علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے۔''

اہل یہود کا کہنا تھا کہ وہ ہدایت پر ہیں اور عیسائی کہتے تھے کہ ان کا دین برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہدایت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ○

(القرآن المجید، سورۃ البقرہ، آیت نمبر:135)

''اور یہودی کہتے ہیں کہ یہودی ہوجاؤ تو راہ راست پالوگے' عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائی ہوجاؤ تو ہدایت پالوگے، اے نبی! کہہ دیجئے! نہیں بلکہ ابراہیم علیہ السلام کا دین حنیف (ہی ہدایت کا سرچشمہ ہے)۔''

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری

Marfat.com

تعالیٰ ہے:

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا ○

(القرآن المجید، سورۃ آل عمران، آیت نمبر 95)

''سو تم ابراہیم علیہ السلام کے دینِ حنیف کی اتباع کرو۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ وہی ہے جس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چل رہے تھے۔ آپ کا دین ہی دین ابراہیمی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰنِیْ رَبِّیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنًا قِيَمًا مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ○

(القرآن المجید، سورۃ الانعام، آیت نمبر: 161)

''(اے نبی!) کہہ دیجئے کہ یقیناً مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا راستہ بتلا دیا ہے کہ وہ ایک دین ہے ابراہیم علیہ السلام کا جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے سے کوئی ہوش مند شخص منہ نہیں توڑ سکتا۔ کیونہ سب سے اچھا طریقہ زندگی اسی شخص کا ہے جس نے ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی پیروی کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ اَحْسَنَ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ''وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا ○

(القرآن المجید، سورۃ النساء، آیت نمبر: 125)

''اور اس شخص سے بہتر دین کس کا ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور وہ نیک برتاؤ کرنے والا ہو اور اس نے یکسو ہو کر ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی پیروی کی۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک متعدد انبیاء مبعوث ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا معیار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کو بتایا ہے اور اب طریقہ ابراہیم علیہ السلام کو اپنانے والے صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیروکار ہیں۔

یہ شرف بھی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہی حاصل ہے کہ آپ امام الانبیاء خاتم المرسلین، سرور کونین، محسن انسانیت پیغمبر اعظم و آخر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مورث اعلیٰ ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ہی کے شجرۂ ذریت کی شاخ سدا بہار ہیں۔ رسول اکرم صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم کو عالمگیر اور دائمی نبوت عطا ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک دنیا کے کونے کونے میں لیا جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام قیامت تک لیا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں اپنے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ثمر ہوں۔ یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان الفاظ میں فرمائی تھی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○

(القرآن المجید، سورۃ البقرہ، آیت نمبر:129)

''اے ہمارے پروردگار! اور ان لوگوں میں خود انھیں میں سے ایک رسول بھیجنا جو انھیں تیری آیات سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے یقیناً تو بڑا مقتدر اور حکمت والا ہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت قرآن مجید ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

اِنَّ اِبْرَاهِيمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا ○

(القرآن المجید، سورۃ النحل، آیت نمبر:120)

''حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم اپنی ذات میں ایک پوری امت تھے' اللہ کے مطیع فرمان اور یک سو۔''

مطلب یہ ہے کہ وہ اکیلا انسان بجائے خود ایک امت تھا۔ جب دنیا میں کوئی مسلمان نہ تھا تو ایک طرف وہ اکیلا اسلام کا علمبردار تھا اور دوسری طرف ساری دنیا کفر کی علمبردار تھی۔ اس اکیلے بندۂ خدا نے وہ کام کیا جو ایک امت کے کرنے کا تھا۔ وہ ایک شخص نہ تھا بلکہ ایک پورا ادارہ تھا۔

مقربین بارگاہ الٰہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ وہ نہیں ہوتا جو عام انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان کو امتحان و آزمائش کی سخت سے سخت منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے اور قدم قدم پر جاں نثاری اور تسلیم و رضا کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہم گروہ انبیاء اپنے مراتب کے اعتبار سے امتحان کی صعوبتوں میں ڈالے جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی چونکہ ایک جلیل القدر نبی تھے۔ اس لیے ان کو بھی مختلف آزمائشوں سے

Marfat.com

دوچار ہونا پڑا اور راسخ العقیدہ مومن ہونے کی بناء پر وہ ہر دفعہ امتحان میں پورے اترے۔ قرآن میں مختلف مقامات پر ان تمام سخت آزمائشوں کی تفصیل بیان ہوئی ہے جن سے گزر کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو اس بات کا اہل ثابت کر دیا کہ انھیں بنی نوع انسان کا امام ورہنما بنایا جائے جیسا کہ قرآن پاک گواہ ہے:

وَاِذَابْتَلٰی اِبْرَاهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّی جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَاماً○

(القرآن المجید، سورۃ البقرہ، آیت نمبر:124)

''جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پُورا اتر گیا تو اللہ نے فرمایا میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔''

ہر وہ درود جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا ہے اس میں یہ بات ضرور شامل ہے کہ آپ پر ویسی ہی مہربانی فرمائی جائے جیسی ابراہیم اور آل ابراہیم پر فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایک خاص کرم فرمایا ہے جو آج تک کسی پر نہیں فرمایا وہ یہ کہ تمام وہ انسان جو نبوت' وحی اور کتاب کو ماخذ ہدایت مانتے ہیں وہ حضرت ابراہیم کی پیشوائی پر متفق ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی یا یہودی۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا منشا یہ ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کے پیروؤں کا مقتدا بنایا ہے' اسی طرح مجھے بھی بنادے اور کوئی ایسا شخص جو نبوت کا ماننے والا ہو میری نبوت پر ایمان لانے سے محروم نہ رہ جائے۔

☆☆☆

Marfat.com

یہودیت

وجہ تسمیہ:

عہد نامہ عتیق کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے' اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام۔ آگے اسحاق علیہ السلام کے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام عیسو اور دوسرے چھوٹے کا نام یعقوب تھا۔ یعقوب ہی کا دوسرا نام اسرائیل (عبداللہ) تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل ہی اسرائیل کہلائی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے سب سے بڑے کا نام یہودا تھا اور سب سے چھوٹے کا نام بن یامین تھا۔ ملک فلسطین کے ایک حصے کا نام یہودیہ پڑ گیا۔ یہودا کا خاندان خوب پھلا پھولا۔ یہود اور بنی اسرائیل ایک ہی نسل کے لیے استعمال ہونے لگے۔ بعدازیں تمام اسرائیلی یہودی کہلانے لگے اور ان کا مذہب یہودیت مشہور ہو گیا۔

تعریف:

یہودی مذہب کو عقیدۂ توحید کی ایک خالص صورت کہا جاتا ہے۔ یہودی مذہب عقیدہ ایک ایسی طاقت ہے جو انسان کی فکر اور کردار پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ وہ مذہب ہے جس کی تلقین ابتدا میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی تھی۔ یہ دنیا کے موجودہ مذاہب میں سب سے پرانا (قدیم) مذہب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ''یہودی مذہب ان دو عظیم الشان مذاہب'' اسلام اور عیسائیت کا پیشرو ہے جو کرۂ ارض کے بیشتر حصہ پر پھیلے ہوئے ہیں اور جن پر یہودی مذہب کا بڑی حد تک دارومدار ہے۔

ابراہیم اے نیومن' کتاب بعنوان The Great Religions of the Modern World کے صفحہ نمبر 224 میں یہودیت پر اپنے مضمون میں لکھتا ہے:

''یہودیت ایک لمبا مذہب ہے جس پر ایک چھوٹی قوم یعنی یہودی قوم اعتقاد رکھتی ہے

Marfat.com

جو دوسری جنگ عظیم سے پہلے اپنی عددی ترقی کی انتہا پر تھی ان کی تعداد ایک کروڑ ساٹھ لاکھ سے زیادہ نہ تھی اور اب گھٹ کر ایک کروڑیا ایک کروڑ دس لاکھ ہوگئی ہے یہ ایک مجنون ٹولی کا نتیجہ ہے جو اس مذہب اور یہودی قوم کا کاملاً صفایا کرنا چاہتی تھی۔''

لیکن یہودیت کی رسمی اور معین تعریف کیا ہے؟ اس کے بارے میں انسائیکلوپیڈیا آف ریلجنز اینڈ ایتھکس کا مقالہ نگار اپنے مقالہ کی جلد نمبر 1 اور صفحہ نمبر 581 پر لکھتا ہے:

''یہودیت کی کوئی معین اور معروف تعریف کرنا مشکل ہے کیونکہ اس ضمن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کم سے کم اور قطعی طور پر کس چیز کا اقرار ضروری ہے۔ تاہم یہودیت دو اصولوں پر مبنی ہے خدا کی وحدانیت اور بنی اسرائیل کا پسندیدہ اور محبوب امت ہونا' یہودیت' بت پرستی اور متعدد خداؤں کی پوجا یعنی شرک کو مسترد کرتی ہے۔ وہ ایک رب العالمین پر عقیدہ رکھتی ہے۔''

اسی طرح انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا کے مقالہ نگار کی رائے یہ ہے کہ:

''یہودیت کی یوں تعریف کی جاسکتی ہے کہ وہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو توحید خالص پر اعتقاد رکھتا اور اس عقیدہ کے زندگی پر عملی اثر کو تسلیم کرتا ہے۔ (جلد 13 ص 105) لیکن وہ اس میں تنہا نہیں ہے۔ وہ عالم کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اچھی جگہ ہے۔ انسان تکمیل ذات کا اہل اور اپنے ارادے کا مختار ہے اس لیے وہ اپنے افعال کا جواب دہ ہے وہ کسی درمیانی واسطے نیز بدی کی طاقت کا بھی منکر ہے انسان آزاد ہے' وہ شیطان کا تابع نہیں اور زندگی کی مادی نعمتیں بذات خود بُری نہیں۔ اس لیے دولت ایک نعمت بھی ہوسکتی ہے اور لعنت بھی۔ انسان خدا کی صورت پر بنایا گیا ہے اس لیے وہ دیگر خدائی تخلیقات سے معزز اور محترم ہے نیز اسی وجہ سے تمام انسان مثالی طور پر بھائی بھائی ہیں کیونکہ وہ ابتدا (ازل) میں متحد تھے اور وہ ابد میں بھی باہم متحد ہوجائیں گے اور اسرائیل کی مدد سے آسمانی بادشاہت میں ایک دوسرے کے قریب ہوجائیں گے۔ یہودی مذہب کا منصب یہ ہے کہ وہ سارے عالم میں امن اور مفاہمت پھیلائے۔''

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ:

''اگرچہ یہودی مذہب میں تبلیغِ مذہب کا دروازہ کھلا ہوا ہے تاہم اس میں قربانی ذات کا مطالبہ کیا جاتا ہے اس کے باعث وہ اب غیر تبلیغی مذہب ہوگیا اور دنیا کی اقلیت کا مذہب

Marfat.com

ہے۔"

یہی مصنف آگے لکھتا ہے:

"یہودی مذہب کی تعلیمات اور قانون کے دو حصے ہیں' ایک تحریری قانون' دوسرا زبانی قانون۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وادی سینا میں جس قانون کا الہام ہوا تھا اس کے احکامات پورے طور پر واضح نہیں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کوہ طور پر چالیس دن تک مقیم رہے اور اس حالت میں ان کو ہدایات ملتی رہیں جو تحریری (مکتوبی) قانون کی تشریح ہے۔ یہ زبانی قانون کی تشریح ہیں اور ان کو وادی سینا میں موسیٰ علیہ السلام پر عطا شدہ قانون کہا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ زبانی قانون بعد کے مذہبی رہنماؤں کی من گھڑت باتیں ہیں اور کسی حد تک یہ قول صحیح ہے کیونکہ واقعہ تو یہ ہے کہ زبانی قانون کا بڑا حصہ قدیم یہودی روایات ہیں' جن کا ایک حصہ بلاشبہ سامی یہودیوں نے سامی نسل کی مشترکہ رسوم و قانون سے حاصل کیا تھا۔"

(انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا، جلد نمبر 13، صفحہ نمبر 166)

الغرض یہودیت کی اساس انتہائی قدیم مذہبی عقائد پر ہے۔ موجودہ مذاہب میں سب سے پرانا مذہب یہی ہے۔ اس مذہب پر ایک چھوٹی سی قوم کا اعتقاد ہے جو اسی مناسبت سے یہودی کہلاتی ہے۔ یہودیت کی کوئی معین تعریف مشکل ہے کیونکہ اس مذہب میں ان سے کم عقائد کا تعین نہیں کیا جا سکتا جو یہودی بننے کے لیے ضروری ہیں۔ البتہ یہودیت کی صحیح ترین تعریف یہ ہے "یہودیت وہ مذہب ہے جس میں ایک خدا پر ایمان کے ساتھ ساتھ ایک نسل کی برتری و عظمت کا عقیدہ بھی داخلِ دین ہے۔" اس طرح مذہب کی بنیاد دو اصولوں پر ہے۔

1: خدا کی وحدانیت۔

2: بنی اسرائیل کی فضیلت یعنی بنی اسرائیل یا یہود کا خدا کی محبوب اور پسندیدہ امت ہونا۔

مذاہب کی تاریخ میں یہودیت کو خاص اہمیت اس لیے حاصل ہے کہ یہی وہ قدیم ترین زندہ مذہب ہے جس کے ذریعے دنیا خدائے واحد سے آشنا ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی دین توحید اور دین حنیف کی تبلیغ کی۔ ختنہ کا رواج بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے ہوا جو بعد میں یہودی مذہب کا شعار پایا۔

Marfat.com

یہودی عقائد

اوپر کی سطور میں بتایا جاچکا ہے کہ یہودی عقائد کی بنیاد خدا کی وحدانیت اور بنو اسرائیل کی فضیلت نیز اس نسل کے ساتھ خدا کے مخصوص تعلق پر ہے۔ یہودی عقیدہ کی رو سے یہ دنیا خیر ہے اور انسان کو اس خیر کے حصول کا پورا پورا اختیار دیا گیا ہے۔ یہودیوں کے ہاں عمل کی اہمیت ایمان سے زیادہ ہے۔ موجودہ صورت حال میں ان کا مذہب ایک ایسا نظامِ حیات پیش کرتا ہے جو ہر انسانی عمل کو رضائے الٰہی کا تابع بنانا چاہتا ہے۔ زندگی کے ہر عمل کے لیے ان کے ہاں نہایت تفصیلی احکام موجود ہیں۔ مثلاً روزمرہ کی (گفتگو) میں ایک معمولی سا مبالغہ یا ادنیٰ سی دل آزاری یہودیوں کے نزدیک کسی بڑے گناہ کا موجب بن سکتی ہے۔ یہودیوں کے لیے مذہباً ممنوع ہے کہ وہ فحش کلامی کا ارتکاب کریں یا کسی کو اشتعال دلائیں یا کسی کمزور اور لاچار آدمی کے سامنے غیر معمولی قابلیت کا مظاہرہ کریں۔

مذہبی رسوم وشعائر میں بھی اسی تفصیل کا اظہار یہودیوں کے ہاں ملتا ہے' ہر یہودی پر مذہباً فرض ہے کہ:

1: وہ دن میں تین بار عبادت کرے۔
2: کھانے سے پہلے شکرانہ کی دعا پڑھے۔
3: نیز زندگی کی ہر نعمت کے لیے اظہارِ شکر کرے۔
4: کتاب مقدس کی ہر روز تلاوت کرے۔
5: صبح کی عبادت کے وقت خاص لباس میں ملبوس رہے۔

یہودیوں میں اگرچہ مذہبی رسوم کی پابندی نہایت اہم بنیاد کا درجہ رکھتی ہے لیکن عقیدہ اور عمل کی کوتاہی ایک یہودی کے لیے اس کے مذہب سے اخراج کا باعث نہیں بن سکتی سوائے اس کے کہ کوئی یہودی اپنے مذہب کو اعلانیہ ترک کردے۔ یہودیوں میں تبلیغ کا بھی کوئی دستور نہیں اور کسی دوسرے شخص کو تبلیغ کے ذریعے یہودی بنانا مستحسن خیال نہیں کیا جاتا۔ اس طرح

Marfat.com

یہودی ایک غیر تبلیغی مذہب ہے۔

یہودی مذہب سیاسی اور سماجی امور کے لیے بھی راہنمائی مہیا کرتا ہے۔ یہی وہ مذہب ہے جس نے دنیا کو اجتماعی زندگی بسر کرنے کا طریقہ بتایا۔ انسانی تعلقات کی باہمی عمدگی پر زور دیا۔ معاشرے میں قیام امن کی خاطر جو قوانین نافذ کیے گئے ان میں سب سے اہم قانون ''قصاص'' ہے۔ قتل کی صورت میں قاتل کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ ان کا قانون قصاص بڑی حد تک اسلام کے قانون قصاص سے مماثلت رکھتا ہے۔

یہودی عقائد کو ایک یہودی فلسفی موسیٰ بن میمون نے اس طرح بیان کیا ہے:

1: وجود خداوندی پر ایمان۔

2: خدا کی وحدت پر ایمان۔

3: خدا کے دائم ہونے پر ایمان۔

4: خدا کے غیر مادی ہونے کا تصور۔

5: اس پر ایمان کہ عبادت صرف خدائے واحد کی ہی کی جائے۔

6: رسالت یعنی پیغمبروں پر ایمان۔

7: اس پر ایمان کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سب سے بڑے پیغمبر تھے۔

8: اس پر ایمان کہ تورات (زبانی و تحریری) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ سینا پر عطا کی گئی۔

9: اس پر ایمان کہ تورات ناقابلِ تغیر ہے۔

10: اس پر ایمان کے خدا علیم و خبیر ہے۔

11: یوم آخرت کی جزا و سزا اور حیات بعد موت پر ایمان۔

12: مسیح کے آنے پر ایمان۔

13: مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان۔

یہودیوں کے یہاں سبت کی تعطیل بڑی اہم ہے۔ یہ رخصت جمعہ کے دن غروب آفتاب سے شروع ہو کر ہفتہ کے دن ستاروں کے نمودار ہونے پر ختم ہو جاتی ہے۔ راسخ العقیدہ یہودی اس روز دنیاوی کاموں کے نزدیک نہیں جاتے بلکہ عبادت اور مراقبہ میں مشغول رہتے ہیں۔

Marfat.com

تاریخی اور مذہبی حالات

اصل وطن:

یہودی، عبرانی نسل کے علمبردار ہیں۔ ان کا تعلق عہد قدیم میں سامی اقوام سے تھا۔ تاریخ کے بعض عالم ان کا قدیم وطن عراق کو قرار دیتے ہیں اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہودی قدیم زمانے سے ہی فلسطین میں آباد تھے۔ دو ہزار سال قبل از مسیح وہ شام و فلسطین کے علاوہ مصر میں جا پہنچے۔ ان کی زندگی خانہ بدوشانہ تھی، وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک ملک سے دوسرے ملک گھومتے پھرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل ان کی بیشتر آبادی مصر میں ہی تھی۔ اسرائیلیوں کے مصری آثار اس بات کے بھی شاہد ہیں کہ وہ ابتداً دریائے فرات کے آس پاس آباد تھے۔ اس لحاظ سے مؤرخین کا یہ نظریہ بھی کسی حد تک درست ہے کہ یہودیوں کا اصل وطن دریائے فرات کا قُرب وجوار تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل عبرانی نسل کا مذہب:

اس سوال کا جواب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل عبرانی نسل کا مذہب کیا تھا؟ ذرا مشکل ہے۔ یہودی عبرانی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ یہودیوں کے مذہبی عقائد اکثر و بیشتر عبرانی ہی تھے۔ ابتدا میں ان کا مذہب نہایت سادہ تھا۔ البتہ عرصہ دراز تک مصر میں مقیم رہنے کی وجہ سے انھوں نے مصری عقائد کو اختیار کر لیا تھا۔

ابتدا میں عبرانی نسل مظاہر پرست تھی اور دنیا کے تمام قدیم مذاہب کی طرح یہ لوگ بھی مظاہر فطرت کی پوجا کیا کرتے تھے۔ انھی مظاہر نے رفتہ رفتہ بت پرستی کی صورت اختیار کر لی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل یہودیوں کا مذہب کثرت پرستی پر مبنی تھا۔ وہ لاتعداد معبودوں کے پرستار تھے جنھیں تین گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

Marfat.com

1: خاندانی دیوتا

2: حجر پرستی

3: قومی دیوتا

ہر خاندان اپنا الگ دیوتا رکھتا تھا۔ یہ دیوتا مورتیوں کی صورت میں تھے جن کی جسامت عام طور پر اتنی ہوتی کہ نقل مکانی کی صورت میں انھیں ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جایا جا سکے۔ یہودی قبر پرستی پر یقین رکھتے تھے۔ لیکن جب انھیں اس سلسلے میں مشکلات پیش آئیں تو انھوں نے اپنے آباؤ اجداد کی ان ہی قبروں کو مورتیوں یا بتوں میں بدل لیا۔ اس طرح ہر خاندان کے الگ الگ دیوتا بن گئے۔ پھر خاندان کی خوشحالی کا دارومدار ان ہی دیوتاؤں کی خوشنودی پر سمجھا جانے لگا۔ ان بتوں کو ''تراختم'' کا نام دیا جاتا تھا۔ قومی زندگی میں ان بتوں کا کوئی دخل نہ تھا۔ خاندان کے سربراہ ان بتوں کے پروہت تھے۔ خاندان میں جب بھی کوئی مشکل آ پڑتی ان پروہتوں سے اس مشکل کے حل کے لیے مشورے طلب کیے جاتے اور بتوں کے لیے قربانی کی جاتی۔

سامی اقوام میں حجر پرستی کا دستور شروع سے ہی رہا تھا۔ ان کے ہاں پتھر نہایت مقدس سمجھے جاتے تھے کیونکہ ان ہی پتھروں سے ان کے معبود تراشے جاتے تھے۔ چنانچہ انبیائے بنو اسرائیل کے جدامجد حضرت ابراہیم کے دادا بت تراش تھے۔ بتوں کے لیے جو قربانیاں دی جاتیں' ان میں بھی پتھروں کا کردار بڑا اہم تھا۔ قربان گاہ کے لیے یہ پتھر نشان کا بھی کام دیتے اور قربانی سے پیشتر ایک پتھر ضرور کھڑا کیا جاتا۔ یہ پتھر جس مخصوص جگہ پر رکھے جاتے اسے ''بیت ایل'' کہا جاتا۔ بیت ایل درحقیقت عبادت گاہ تھی جہاں اس قسم کی مذہبی رسوم انجام دی جاتی تھیں۔ ان مقدس پتھروں کا تعلق کچھ مخصوص درختوں سے بھی تھا اور یوں اس دور کا مذہب شجر پرستی سے بھی متعلق تھا۔

قدیم یہودیوں میں ان خاندانی دیوتاؤں' شجر پرستی اور حجر پرستی وغیرہ کے علاوہ کچھ قومی دیوتا بھی تھے۔ ان کی تفصیل کے بارے میں تاریخ خاموش ہے اس لیے کہ جب یہودی توحید کی طرف مائل ہو گئے تو تمام دیوتاؤں کا نام ونشان تک مٹا دیا گیا البتہ جب قدیم قوم یہود نے کنعان پر غلبہ پالیا تو کنعانیوں کے دو دیوتا ان کے مقابلہ میں شامل ہو گئے۔ یہ دیوتا بعل اور مولک نام کے تھے۔ بعل کنعانیوں کے ہاں فینیقیوں کی طرف سے آیا تھا اور یہ ان کا اپنا دیوتا نہ

Marfat.com

تھا۔ ان کے ہاں بعل کی حیثیت زرخیزی کے دیوتا کی تھی ہر شہر کا الگ بعل تھا۔ بعل کے علاوہ کچھ دیویاں بھی تھیں۔

بعل کے ساتھ دوسرا دیوتا مولک تھا جو بادشاہ یا فرماں روا کا مفہوم رکھتا تھا۔ اسرائیلیوں میں یہ دیوتا اکادیول سے آیا تھا' ان کے ہاں یہ آگ کا دیوتا تھا۔ یہ نام بھی بعل کی طرح ایک سے زیادہ معبودوں کے لیے مستعمل تھا۔ یہودی اس کے لیے انسانی قربانی دیتے تھے۔ بعد میں اس دیوتا کو یہوداہ میں مدغم کر دیا گیا۔

بعل اور مولک سے قدیم تر قدیم یہودیوں کا دیوتا ''الشدائی'' تھا جس کے معنی ''خدائے قوی'' کے ہیں۔ یہی دیوتا زمانہ مابعد میں ''یہوداہ'' کے نام سے موسوم ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانے میں ''الشدائی'' ہی خدائے واحد کا مترادف تھا اور وہی ''یہوداہ'' بھی تھا۔

یہوداہ:

لفظ یہوداہ کی لغوی تحقیق میں ماہرین نے مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔ غالباً اس کا مادہ سنسکرت کا لفظ ''اہ'' ہے جس کے معنی ''ہونے'' کے ہیں' اس لحاظ سے یہوداہ اور زرتشتیوں کا اہورا اہم معنی الفاظ ہیں یعنی ''وہ جو ہے۔''

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لفظ یہوداہ عبرانیوں نے اپنے قومی دیوتا کے لیے کب سے استعمال کرنا شروع کیا۔ کیلٹ کا کہنا ہے کہ اس سلسلے میں دو قول ہیں ☆ ایک قدیم روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہوداہ کی پرستش کے لیے ایک عبادت خانہ بنوایا اور مصر میں انھوں نے یہوداہ سے ملاقات بھی کی۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے متعلق بھی ان ہی روایات میں کہا گیا ہے کہ ان کے لیے یہوداہ نے رہوبوتھ (Rohoboth) میں جگہ بنائی۔ یہی نہیں بلکہ ان قدیم روایات میں تو یہاں تک دعویٰ کیا گیا ہے کہ بنی نوع انسان یہوداہ سے بہت قدیم زمانے سے متعارف ہے حتی کہ انسان کی تیسری پشت ہی سے اپنے معبود کو اس نام سے پکارنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے برخلاف دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم' اسحٰق' اور یعقوب اپنے معبود کو ال شدوائی کے نام سے پکارتے تھے اور وہ لوگ یہوداہ کے نام سے بالکل ناآشنا تھے۔ اس دعوے کی دلیل میں کتاب الخروج کی دو آیتیں پیش کی جاتی ہیں جو اوپر نقل

Marfat.com

ہو چکی ہیں یعنی خدا نے موسیٰ سے کہا ''میں یہوداہ ہوں اور میں ابراہیم' اسحاق اور یعقوب کے سامنے ال شدائی کی حیثیت سے نمودار ہوا لیکن یہوداہ کے نام سے وہ نہیں جانتے تھے۔''

سب سے پہلے یہوداہ نے حضرت موسیٰ کو صحرائے عرب میں اپنا جلوہ دکھایا۔ ایک طبقہ کے نزدیک یہوداہ اصل میں مدائن کے اس قبیلے کا دیوتا تھا جس کے سردار حضرت شعیب تھے جن کی صاحبزادی سے شادی حضرت موسیٰ نے قبطی کے قتل کے بعد مدائن پہنچنے پر کی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ یہودیوں نے اس دیوتا کو اپنا لیا ہو یا کم از کم اپنے دیوتا کا نام بدل کر یہ نام رکھ لیا ہو۔

یہوداہ پرستی کو ہم توحید ناقص کا درجہ تو دے سکتے ہیں لیکن اسے توحید خالص نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہودیوں میں اس کی حیثیت صرف ایک قومی دیوتا کی تھی۔ دیگر اقوام کی موجودگی سے یہود کو اس امر کا یقین تھا کہ یہوداہ کے علاوہ اور بھی دیوتا ہیں جو ان اقوام کے معبود ہیں۔ گویا کہ اسرائیلیوں کے نزدیک ان کا واحد معبود تو ضرور تھا لیکن اس کی فرماں روائی ساری دنیا پر مسلم نہ تھی۔ اس کی حیثیت بالکل ویسے ہی تھی جس طرح قوم آپ میں چیموش (Chemosh) کی اور ملکم (Milcom) کی تھی۔ یہ قومی دیوتا آسمان اور زمین کے خالق نہیں سمجھے جاتے تھے کیونکہ ابھی تک یہ قومیں ارتقاء کی اس منزل تک نہیں پہنچ سکی تھیں کہ وہ کائنات اور اس کی تخلیق پر غور وخوض کر سکیں۔ قومی دیوتاؤں کے متعلق ان قوموں کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کا دیوتا اپنے پرستار کو فتوحات سے نوازتا ہے اور دشمنوں کے حملوں سے اسے محفوظ رکھتا ہے۔ یہودی بھی اس بات کے معتقد تھے کہ ان کے قومی دیوتا یہوداہ نے انھیں کنعان کی حکومت عطا کی اور انھیں دشمنوں سے محفوظ رکھا۔ کتاب السلاطین سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ دیگر ممالک میں یہوداہ کی حیثیت وہاں کے مقامی دیوتاؤں سے کم تھی۔ اسرائیل جب کسی اور ملک میں جاتے تو انہیں وہاں کے دیوتاؤں کی عبادت پر مجبور کیا جاتا تھا۔ البتہ اسرائیلیوں کے عقیدہ کے مطابق یہوداہ کو دوسرے معبودوں کے مقابلے میں زیادہ قوت اور طاقت حاصل تھی۔

مختلف زمانے میں یہوداہ کی صفات میں تبدیلی واقعہ ہوتی رہی۔ اس نے ارتقاء کی مختلف منزلیں طے کیں۔ ابتدا میں اس کی حیثیت محض زرخیزی اور بارآوری کے دیوتا کی سی تھی جس کے متعدد ثبوت بائبل سے ملتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کے متعلق کتابِ مقدس میں ہے کہ جب ایک طویل عرصے تک ان کی اولاد پیدا نہ ہوئی تو انھوں نے اس بات کی شکایت یہوداہ

Marfat.com

سے کی۔ ترقیٔ عمر اور زیادتی اولاد کی خاطر اس دیوتا کی طرف اسرائیلی رجوع کرتے تھے۔ والدین اپنا پہلا بچہ یہوداہ کے نام پر قربان کرنے کی بھی منتیں مانتے تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ بچے یہوداہ کے نام پر چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ یہوداہ کی یہ حیثیت اس زمانے میں تھی جبکہ اسرائیلی شام اور اس کے بعد مصر میں دشمنوں سے برسرِ پیکار تھے۔ ان حالات میں ان کی سب سے بڑی خواہش کثرتِ اولاد رہی ہوگی۔

صفات میں ارتقاء:

متواتر جنگوں نے یہوداہ کی اہمیت میں اضافہ کر دیا۔ اب وہ محض زرخیزی کا دیوتا نہیں رہ گیا تھا بلکہ فتح ونصرت کا عطا کرنا بھی اس کے دائرہ اختیار میں داخل ہوگیا۔ دشمنوں سے جنگ کا آغاز کرنے سے پہلے اسرائیلی یہوداہ کے سامنے دست بدعا ہوتے اور فتح یابی کے لیے التجا کرتے تھے۔ اس سے منتیں مانگتے اور مدعا برآنے کی صورت میں قربانی دینے کا وعدہ کرتے تھے۔

جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ ابتدا میں اسرائیلیوں میں یہوداہ کے علاوہ اور بھی دیوتا تھا۔ جن میں خاندانی دیوتا خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کا مختصراً بیان اوپر کیا جاچکا ہے لیکن یہ خاندانی دیوتا کسی صورت میں بھی یہوداہ کے حریف اور مدمقابل نہیں سمجھے جاتے تھے۔ البتہ بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک حریف ''الوہم'' تھا۔ جس کے لغوی معنی ''وہ جس سے ڈرا جائے'' لیکن یہوداہ اپنے حسد کے بل بوتے پر تمام دیوتاؤں سے بالعموم اور الوہم سے بالخصوص سبقت لے گیا ☆ وہ اس بات کو برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ اس کے مقابلے پر کوئی اور دیوتا ہو۔ یہوداہ کی اسی صفت نے وحدت پرستی کی طرف اسرائیلیوں کو مائل کر دیا۔

شروع شروع میں یہوداہ کے پرستاروں اور ''الوہم'' کے پجاریوں کو زبردست کشمکش تھی۔ لیکن یہوداہ کے ماننے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اول اس لیے کہ اسرائیلیوں کے ہاں یہ دستور ہوگیا تھا کہ وہ اپنی پہلونٹی اولاد کو یہوداہ کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اس لیے اس کے پجاریوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔

وہ اس لیے بھی کہ الوہم کو مغلوب کرنے میں یہوداہ کو کامیابی ہوئی کہ یہوداہ کی پرستش کے لیے بڑے بڑے عبادت خانے تعمیر ہوئے جن میں ہیکل سلیمانی خاص طور پر قابلِ ذکر

Marfat.com

ہے۔ اس طرح اسرئیلیوں میں صرف ایک دیوتا کی پرستش ہونے لگی اور یہوداہ ایک زندہ دیوتا بن گیا۔

عبرانیوں کا خدائے واحد بن جانے کے باوجود یہوداہ انسانی صفات کا حامل سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ انسانی صورت ہونے کا بھی عقیدہ تھا۔ ابتدا میں صرف وہ ایک پتھر تھا۔ کچھ عرصے کے بعد وہ ایک چٹان بن گیا جو ایک بڑے صندوق میں حفاظت کے خیال سے رکھا جاتا تھا۔ ابتدا میں یہ صندوق شیلو میں تھا لیکن حضرت داؤد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسے بیت المقدس میں لائے۔ اس وقت تک یہوداہ کی حیثیت جنگ میں کمانڈو کی سی تھی' وہ اپنے پیش رووں سے مکمل وفاداری کا خواہاں تھا۔ اس کے پرستار بھی تمام ضروریات کے لیے اسی کی طرف دست سوال بڑھاتے تھے۔ بایں ہمہ وہ نہ تو قادر مطلق سمجھا جاتا تھا اور نہ ہی اس کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ اسرائیلی اس زمانے میں صرف یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اس کی قوت اور اس کا علم دیگر انسانوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ وہ لوگوں کی دعائیں سنتا ہے اور ضرورت پڑنے پر ان کی مدد کے لیے آتا ہے۔ ہر غیر معمولی اور خلاف توقع شے میں یہوداہ کی موجودگی محسوس کی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی غیر معمولی کام انجام دیتا یا کوئی ایسی خلاف عقل بات کہہ دیتا جو آگے چل کر صحیح ثابت ہوتی تو اس کے متعلق لوگ یقین کر لیتے کہ اس میں یہوداہ کی روح جاگزیں ہوگئی ہے۔ حتیٰ کہ جنون اور پاگل پن کو بھی اسی کا اثر بتلایا جاتا تھا' بعد میں ان ارواح کی تجسیم عمل میں آئی کچھ تو فرشتے قرار پائے اور کچھ کو شیطان کا درجہ دے دیا گیا۔

اس زمانے میں یہوداہ کے اختیارات بہت محدود تھے' صرف زندوں پر ہی اس کی حکمرانی تھی اور ان ہی کو وہ فائدہ یا نقصان پہنچ سکتا تھا۔ مردے اس دائرہ اختیار سے باہر تھے۔ job نے جب خود کو یہوداہ کے تیر سے بچانے کی کوشش کی تو اسے صرف موت ہی میں پناہ مل سکی اور وہ کہنے لگا میں اس مٹی میں مل جاؤں گا اور یہوداہ تو مجھے تلاش کرے گا لیکن میں وہاں نہیں ہوں گا' اس سے زیادہ واضح ہزیقیاہ نبی کا قول ہے جب وہ اپنی دانست میں اس دنیا سے کوچ کرنے لگے۔ رہ رہ کر جو بات انھیں ستاتی تھی میں یہوداہ کو پھر نہ دیکھ سکوں کا وہ زندوں کی سرزمین میں رہتا ہے۔ جو لوگ قبر میں چلے جاتے ہیں وہ یہوداہ کی حقانیت سے واقف نہیں ہوتے۔

Marfat.com

اس کے علاوہ یہوداہ کے متعلق یہ بھی عقیدہ تھا کہ وہ صرف آبادیوں میں رہتا ہے۔ جنگل اور بیابان اس کے وجود سے خالی سمجھے جاتے تھے۔ سال میں ایک بار تہوار کے موقع پر کاہنِ اعلیٰ ایک جانور کے سر پر تھا۔ جس سے عقیدہ یہ تھا کہ تمام بنی اسرائیل کے گناہ اس جانور کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں پھر اس جانور کو جنگل کی طرف ہانک دیا جاتا تا کہ تمام قوم کے گناہ یہوداہ کے رُوبرو نہ رہیں۔

یہوداہ نے آگے چل کر اور ترقی کی اور وہ اپنے پرستاروں کے لیے فتح ونصرت کا دیوتا تو بن ہی چکا تھا' اسے طوفانی دیوتا بھی قرار دیا گیا جس سے وہ اسرائیلیوں کے دشمنوں کو زیر کرتا تھا۔ اپنے عابدوں کے لیے تو وہ انسان کی شکل میں نمودار ہوتا لیکن دشمنوں کے واسطے نہایت خوفناک روپ دھار لیتا۔ اس نظریہ کا اثر یہ ہوا کہ ابھی تک یہوداہ کی موجودگی ایک چٹان میں سمجھی جاتی تھی لیکن اب وہ ہر بادل کے گرج میں بھی اس کا وجود مسلم ہوگیا۔

یہوداہ نے حضرت داؤد کے انتقال کے ایک صدی کے بعد اور بھی ترقی حاصل کی۔ اسے نئی نئی صفات سے متصف کیا جانے لگا۔ اگرچہ اس کی انسانی صفات برقرار رہیں۔ لیکن اب اسے آدم کا خالق کہا جانے لگا۔ خالقِ آدم کے عہدے پر فائز ہوجانے کے باوجود اس کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ یہوداہ شام کے وقت ہواخوری کے لیے نکلتا ہے' یہ عقیدہ اب بھی تھا کہ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو نہ صرف ہم رکابی کا شرف عطا کیا بلکہ حضرت موسیٰ سے ہم کلام بھی ہوا۔ نوح کی قربانی کی خوشبو سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ اس نے ابراہیم کی دعوت میں لذیذ اشیاء سے اپنے کام اور دہن کو محفوظ کیا۔ یہوداہ کی تجسیم اس زمانے میں اس طرح کی جاتی تھی کہ وہ دن میں بادل کے ستون کی شکل میں دورات میں آگ کے ستون کی صورت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ آتا جاتا ہے لیکن کسی کو مجال دید نہیں' اسرائیلیوں کو اس بات کا عام یقین تھا کہ یہوداہ کو دیکھنے سے فوری موت واقع ہوجاتی ہے۔ حضرت موسیٰ نے فقط اس کی پیٹھ دیکھی تھی۔ صدیوں بعد یسعیاہ کی نظر جب یہوداہ پر پڑی تو وہ بے اختیار چیخ اٹھے۔

''اف میں تو مرا میں نے فوجوں کے بادشاہ یہوداہ کو دیکھ لیا۔''

یہوداہ کے ارتقائی منازل طے کرنے ساتھ ساتھ اس کے مسکن میں بھی تبدیلی واقع ہوتی رہی۔ بہت شروع میں اس کا مسکن پہاڑ تھا۔ شاید اس لیے پہاڑوں پر اکثر بادل چھائے

Marfat.com

رہتے تھے۔ جب بنی اسرائیل مصر سے نکل کر صحرائے سنائی میں پہنچے تو یہوداہ کا مسکن اسی صحرا کو قرار دیا گیا۔ اس چہل سالہ صحرا نوردی کے اختتام پر وہ کنعان فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے تو یہوداہ بھی سنائی سے منتقل ہو کر کنعان پہنچ گیا۔ کنعانیوں کے مجاہد جن پر اسرائیلی قابض ہو چکے تھے' یہوداہ کا مسکن قرار دیئے گئے۔ جب ہیکل سلیمانی کی تعمیر مکمل ہوگئی تو ہیکل یہوداہ کا ہیڈکوارٹر بن گیا۔ اس کے بعد ایک صندوق سکینہ جس میں ایک لمبا چٹان نما پتھر تھا اس کا مسکن سمجھا جانے لگا۔ اس صندوق کو بنی اسرائیل جنگوں میں اپنے ساتھ رکھتے تھے اور فتح و نصرت کا ذریعہ قرار دیتے تھے۔

یہودی مجالس عبادت:

سینا گاگ کے اصل معنی یہودی مجالسِ عبادت ہیں' اس سے مراد ان کی سپریم مذہبی کونسل بھی لی جاتی ہے۔ یہودیوں کے ہاں معبد میں جانے کے خاص آداب ہوتے ہیں' سر پر ٹوپی پہن کر جانا ضروری تھا لیکن جدید تحریفات کے نتیجے میں ننگے سر جانے کی اجازت ہے۔ یہودیوں کے ہاں آداب عبادت بہت سخت اور شدید ہوتے تھے انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز اینڈ ایتھکس کا نامہ نگار لکھتا ہے:

سینا گاگ مذہبی ادارے کی حیثیت سے ہیکل کی تباہی اور اس کے نتیجے میں قربانیوں پر مشتمل عبادت سے انقطاع سے بہت پہلے وجود میں آچکا تھا۔ اس ادارہ نے اس اشد مذہبی ضرورت کو پورا کیا۔''

الغرض فلسطین سے باہر جو یہودی آباد تھے۔ انھوں نے اپنے لیے علیحدہ عبادت گاہیں تعمیر کرلیں جنھیں صومعہ کہا جاتا ہے۔ ہر قریہ قصبہ اور شہر میں یہودی وقتاً فوقتاً عبادت کے لیے جمع ہوتے۔ یہاں عبادت کے علاوہ مذہبی قوانین کی درس و تدریس کا انتظام بھی تھا۔ اس طرح صومعہ نے معبد یروشلم کی جگہ لے لی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ صوامع عوامی زندگی سے قریب تر تھے اور ان میں جو خوبیاں تھیں۔ وہ معبد یروشلم میں مفقود تھیں۔ یہاں کا امام عوام سے منتخب ہوتا جو قوانین موسوی پڑھ کر سناتا۔ ان مجالس کی ترتیب اس طرح ہوتی کہ حاضرین کا رخ یروشلم کی طرف ہو۔ اس کے گوشہ میں ایک تابوت رکھا ہوتا اور اس کے قریب ایک چراغ جلتا رہتا۔ حاضرین مجلس مذہب پر آزادانہ تنقید کرسکتے تھے۔ عمارت کے بیچ میں ایک

Marfat.com

چبوترہ پر منبر ہوتا۔ جس کے دونوں جانب لوگ بیٹھتے۔

ایک اور عقیدہ یہ پیدا ہوگیا تھا کہ یہودیت کی بقا کے لیے فلسطین سے وابستگی ضروری نہیں اور دوسرے ممالک میں بھی یہودیت مذہب فروغ پاسکتا ہے۔ چنانچہ جب رومی شہنشاہ ٹائیٹس (Titus) بیت المقدس کو تباہ و برباد کر رہا تھا۔ یہودیوں کا اس زمانے کا مشہور رہنما وہاں سے فرار ہوگیا۔ یروشلم کے معبد کی تباہی کے بعد یہودیوں پر جو افسردگی طارہ ہوگئی تھی۔ اس مدرسے نے اسے اُمید میں بدل دیا۔ یہ مدرسہ جانبیہ کے مقام پر قائم کیا گیا تھا۔ مدرسہ جانبیہ نے یہودی مذہب کی ایک اور خدمت یہودی مذہبی روایات کے یکجا کر دینے کی صورت میں کی جو بالآخر تالمود کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ مدرسہ جانبیہ کی طرز پر کچھ اور مدرسے بھی وجود میں آئے۔ ان میں ایک گلیلی اور دوسرا بابل میں تھا۔

یہاں پر ہی علمائے یہود نے کتب مقدسہ کی تحقیق اور ان کی تفسیر و تشریح کا شاندار کارنامہ انجام دیا۔ مذہبی کتب کی عبارات کو جدید معانی دیئے گئے اور ان کے مسائل و احکام کو جدید تقاضوں کے مطابق ڈھالا گیا۔ ابھی یہ کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچا تھا کہ فلسطین کا خاتمہ ہوگیا۔ جس کے بعد یہودی مذہبی قوانین کے مطالعہ اور تحقیق کا کام مزید جوش و خروش سے شروع ہوا اور عقبہ بن یوسف نے اس سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

الغرض یہودیت میں لادینی دائرہ کار کا یہ ادارہ ہیکل کے ساتھ ساتھ اپنی اہمیت کو تسلیم کرنے میں کامیاب ہوا اور ہیکل کی تباہی کے بعد آج تک ان کی مذہبی ضرورت کو پورا کرتا رہا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام

قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس کثرت اور تکرار سے بیان ہوا ہے کہ کسی اور قصے کو اس قدر بار بار ذکر نہیں کیا گیا۔ اس واقعہ کے بار بار کرنے کا مقصد غالباً یہ ہے کہ ان واقعات کے اندر بصائر و مواعظ کا نادر ذخیرہ جمع ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات بہت زیادہ مشابہ ہیں اور ان واقعات میں غلامی و آزادی، حق و باطل کی معرکہ آرائی، اذیت رسانی اور جور و جفا کے مقابلے میں صبر و استقامت اور انجام کار حق کی فتح کا ذکر ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ضمن میں دو فرعون کا ذکر ہے، ایک وہ جس کے ہاں آپ نے پرورش پائی۔ دوسرا وہ جس کے ہاں آپ تبلیغ حق کے لیے پہنچے، بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کیا اور انجام کار وہ (فرعون) غرق ہوا۔ محققین کا عام رجحان یہ ہے کہ پہلا فرعون رعمسیس ثانی تھا جس کا زمانہ حکومت ۱۳۰۰ قبل مسیح کا ہے۔ دوسرا فرعون منفتاح تھا جو باپ کی زندگی میں انتظام سلطنت میں اس کا شریک کار بن چکا تھا اور باپ کے مرنے کے بعد، اس کا جانشین بنا۔ قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر ۳۵ سے زائد سورتوں اور ۵۰۰ سے زیادہ آیات میں آیا ہے۔ خصوصی طور پر ان کا ذکر سورہ البقرہ، سورہ نساء، سورہ مائدہ، سورہ الانعام، سورہ الاعرف، شعراء اور قصص میں کیا گیا ہے۔ ان سارے بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی مصر میں آمد اور خاندان یعقوب علیہ السلام کی مصر میں آبادکاری کے بعد بنو اسرائیل مصر میں ہی آباد ہو گئے تھے۔

بائبل کا بیان اس ضمن میں یہ ہے۔ کتاب پیدائش ۴۷ آیات ۲۷ اور ۲۸ ''اور اسرائیل نے مصر کی زمین میں جشن کے ملک میں سکونت کی اور وہاں ملکیتیں رکھتے تھے اور بڑھے اور بہت زیادہ ہوئے اور یعقوب مصر کی زمین میں سترہ (۱۷) برس رہا۔

Marfat.com

چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک درمیانی صدیوں میں بنواسرائیل مصر میں آباد رہے۔ قرآن حکیم میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ایک ایسے زمانے میں ہوئی جب فرعون بنو اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کروا دیتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ ان کی پیدائش پر سخت بے چین تھیں۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ مادر موسیٰ علیہ السلام نے انھیں کچھ عرصہ تک چھپائے رکھا بعد میں حکم خداوندی سے انھیں صندوق میں محفوظ کر کے دریائے نیل کے بہاؤ پر چھوڑ دیا اور موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو بھی ساتھ کر دیا تا کہ خداوند کی حفاظت کے وعدے پورے ہونے کے اسباب پر نگاہ رکھے:

اِذَااَوْحَیْنَااِلٰی اُمِّكَ مَایُوْحٰی اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِ(القرآن المجید،سورۃ الطور،آیت نمبر39-38)

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّةَ عَیْنَ لِیْ وَلَكَ لَاتَقْتُلُوْهُ عَسٰی اَنْ یَنْفَعُنَا اَوْنَتَّخِذُهٗ وَلَدًاوَهُمْ لَایَشْعُرُوْنَo (القرآن المجید،سورۃ القصص،آیت نمبر:9)

صندوق تیرتے ہوئے شاہی محل کے کنارے آ لگتا ہے۔ فرعون کے گھر والوں نے جب صندوق کھولا تو ایک حسین وجمیل بچے کو پایا۔ فرعون کی بیوی نے بچے کے متعلق فرعون کے ارداۂ قتل کو بھانپ کر اسے زندہ رکھنے کی سفارش کی اور بیٹا بنا لینے کی درخواست کی۔ بچے کے دودھ نہ پینے پر خواہر موسیٰ علیہ السلام کی نشاندہی پر مادر موسیٰ علیہ السلام کو ہی رضاعت کی خدمت سپرد کی جاتی ہے اور موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں پرورش پا کر جوان ہوئے۔ بائبل کا بیان ہے کہ جب لڑکا بڑھا تو اُسے فرعون کی بیٹی پاس لائی اور وہ اس کا بیٹا ٹھہرا اور اس نے اس کا نام موسیٰ (موشے) رکھا اور کہا اس سبب سے کہ میں نے اسے پانی سے نکالا۔

قرآن حکیم میں سورہ قصص میں اس امر کا اشارہ ملتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے اسرائیلی اور غیر مصری ہونے کا علم ہو چکا تھا۔ چنانچہ ایک روز شہر کا گشت کرتے ہوئے انھوں نے ایک مصری کو دیکھا کہ وہ ایک اسرائیلی پر دست درازی کر رہا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصری کو ایک مُکّا رسید کیا جس سے مصری کا کام تمام ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس پر ندامت ہوئی۔ اگلے روز دیکھا کہ وہی اسرائیلی پھر فریاد

Marfat.com

کرتا اور مدد کے لیے پکار رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصری پر تو غصہ آنا ہی تھا اور وہ ادھر لپکے بھی لیکن ان کی زبان سے اسرائیلی کے لیے بھی ڈانٹ ڈپٹ کے الفاظ نکل گئے۔ ''انك لغوی مبین'' اسرائیلی نے سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام کہیں مجھے بھی نہ سزا دے دیں تو وہ فوری طور پر بول اٹھا کہ تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا۔ اب راز فاش ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے فرار اختیار کر کے مدین پہنچ جاتے ہیں:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ○

(القصص : ۲۱)

وہاں چاہ مدین پر شیخ کبیر کی دو بیٹیاں ملتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام شیخ کبیر کی کئی برس خدمت کرنے کے بعد صفورہ سے شادی کر لیتے ہیں اور اپنی زوجہ کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو جاتے ہیں۔ جب وادی مقدس میں پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نبوت سے سرفراز فرماتے ہیں اور مصر میں فرعون کو ایمان کی دعوت دینے کا حکم ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اگرچہ قتل کی وجہ سے خائف ہیں لیکن ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق حضرت ہارون کو لے کر مصر میں دربار فرعون پہنچے۔ سورۂ اعراف اور شعراء میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جب دعوتِ توحید پیش کی اور بنی اسرائیل کی رہائی کے لیے کہا تو فرعون بڑا برہم ہوا اور خانہ فرعون میں اُن کی پرورش پانے کا احسان جتانے لگا اور مصری کے قتل کا ذکر کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواباً کہا کہ انفرادی احسان اور انفرادی جرم کی بنا پر پوری قوم کو غلام بنا رکھنا کہاں جائز ہے۔ فرعون نے کہا کہ اپنے رب کا ذرا تعارف تو کراؤ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پروردگار عالم کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:

رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی

(القرآن المجید، سورۃ طٰہٰ، آیت نمبر 50)

فرعون نے اپنے شاہی دبدبے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مرعوب کرنے کی کوشش کی اور قید میں ڈالنے کی دھمکی دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا اور ید بیضا کے معجزات دکھائے۔ فرعون نے حیرت زدہ ہو کر اپنے درباریوں سے مشورہ کر کے ایک دن مقرر کیا۔ اس روز فرعونی جادوگروں نے جادو کے ذریعے سے اپنی لاٹھیوں کو سانپ ظاہر کیا۔ لیکن موسوی عصا انھیں اژدھا بن کر نگل گیا۔ جادوگر اس روشن معجزے کو دیکھ کر فرعون کے قہر کے باوجود نعمت

Marfat.com

ایمان سے مشرف ہوئے۔

اب فرعون نے اسرائیلی بچوں کے قتل اور ان کی بچیوں کوزندہ رکھنے کا دوبارہ اعلان کیا۔ اسی اثناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور تبلیغ کے نتیجہ میں نوجوانوں کا ایک گروہ ان پر ایمان لے آیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جملہ اسرائیلیوں کو بالعموم اور اہل ایمان کو بالخصوص صبر واستقامت کے ساتھ فرعون کے ظلم برداشت کرنے کی تلقین کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی اس کشمکش میں عام اسرائیلیوں کا طرز عمل کیا تھا اس کا اندازہ بائبل کی اس عبارت سے ہوسکتا ہے۔

''جب وہ فرعون کے پاس نکلے آرہے تھے تو ان کو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام سے ملاقات کے لیے راستے پر کھڑے ملے تب انھوں نے ان سے کہا کہ خداوند ہی دیکھے اور تمھارا انصاف کرے، تم نے ہم کو فرعون اور اس کے خادموں کی نگاہ میں ایسا گھناؤنا بنا کر کیا ہے کہ ہمارے قتل کے لیے ان کے ہاتھ میں تلوار دے دی ہے۔''

(کتاب خروج، ۶: ۲۰۔۲۱)

تالمود میں لکھا ہے:

''ہماری مثال تو ایسی ہے جیسے ایک بھیڑیئے نے بکری کو پکڑ ااور چرواہے نے آکر اُسے بچانے کی کوشش کی اور دونوں کی کشمکش میں بکری کے ٹکڑے اڑ گئے پس اس طرح تمھاری اور فرعون کی کھینچ تان میں ہمارا کام تمام ہوکر رہے گا۔''

تبلیغی مشن کا آغاز:

قرآن حکیم میں یہ حکم دیا گیا کہ مومنین مصر میں قبلہ رخ مکان تعمیر کریں اور نماز قائم کریں۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تبلیغی مشن تسلسل کے ساتھ فروغ پذیر ہوتا رہا۔ سورۂ مومن میں ہے کہ فرعون نے درباریوں سے مشورے کیے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا عزم کیا۔ ایک مرد مومن نے گذشتہ اقوام وملل کا عبرتناک انجام بتاتے ہوئے ان لوگوں (فرعونیوں) کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اسی دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مختلف معجزات کا ظہور ہوتا رہا اور ید بیضا کے علاوہ حسب ذیل معجزات کا ذکر قرآن حکیم میں ملتا ہے:

Marfat.com

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيَاتٍ بَيِّنٰتٍ

(القرآن المجید، سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر 101)

وہ نشان مختلف آیات میں یہ ہیں:

1: قحط

2: پھلوں کی کمی

3: طوفان

4: ٹڈیاں

5: جوئیں

6: مینڈکیں

7: خون

8: عصا

9: یدِ بیضا

(القرآن المجید، سورۃ الاعراف، آیت نمبر 123 تا 130)

قرآن مجید کی صداقت پر یہ واضح دلیل ہے کہ اس نے اس بات کا پتہ دیا جس کا علم اس زمانے میں کسی کو نہ تھا۔ بائبل میں نہ اور کسی کتاب میں فرعون کی لاش کو دریا سے باہر پھینکنے کا ذکر ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی الٰہی سے خبر دی کہ فرعون کی لاش محفوظ ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں مضمون ''ممی'' کے نیچے لکھا ہے رعمسیس ثانی کی لاش آج تک ان لاشوں میں محفوظ ہے جو مصالحے وغیرہ سے محفوظ کی جاتی ہیں۔

المختصر حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلنے اور وادی سینا میں پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ قرآن حکیم کے یہ سارے واقعات جن کا ذکر ہوا ہے معمولی اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے تورات کے بیانات سے ملتے جلتے ہیں لیکن تورات میں ایک عجیب واقعہ مذکور ہے بحوالہ کتاب الخروج، باب نمبر 12، آیات نمبر 29 تا 36:

''اور آدھی رات کو خداوند نے ملک مصر کے سب پہلوٹوں کو فرعون جو اپنے تخت پر بیٹھا تھا اس کے پہلوٹے سے لے کر وہ قیدی جو قید خانے میں تھا۔ اس کے پہلوٹے تک بلکہ چوپایوں کے پہلوٹوں کو بھی ہلاک کر دیا۔ فرعون اور اس کے سب نوکر اور سب مصری رات ہی

Marfat.com

کو اٹھ بیٹھے اور مصر میں بڑا کہرام مچا کیونکہ ایک بھی گھر ایسا نہ تھا جس میں کوئی نہ مرا ہو۔ تب اس (فرعون) نے رات ہی رات میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون کو بلوا کر کہا کہ تم بنی اسرائیل کو لے کر میری قوم میں سے نکل جاؤ اور جیسا کہتے ہو جا کر خداوند کی عبادت کرو اور اپنے کنبے کے مطابق اپنی بھیڑ بکریاں اور گائے بھینس اور بیل بھی لیتے جاؤ اور میرے لیے بھی دعا کرو اور مصری (اسرائیلی) بجد (بضد) ہونے لگے تا کہ ان کو ملک مصر سے جلد باہر نکالا جائے کیونکہ وہ سمجھے ہم سب مر جائیں گے۔

سو ان لوگوں نے اپنے گوندھے گندھائے آٹے کو بغیر خمیر دیئے مکنوں سمیت کپڑوں میں باندھ کر اپنے کندھوں پر رکھ لیا اور اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر یہ بھی کیا کہ مصریوں سے سونے چاندی کے زیور اور کپڑے بھی مانگ لیے اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ جو کچھ انھوں نے مانگا انھوں نے دے دیا سو انھوں نے مصر کو لوٹ لیا۔

اب بنی اسرائیل کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ فرعون سے آزادی حاصل کرنے کے بعد بنی اسرائیل نے وادی سینا میں پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک عجیب وغریب مطالبہ کر دیا۔ سورۂ اعراف میں ہے کہ سینا کے بت کدوں میں پجاری بتوں کی پوجا کر رہے تھے ان کو دیکھ کر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہمیں بھی ایک ایسا معبود بنا دو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں ڈانٹا اور خدائے واحد کی طرف توجہ دلائی۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّھُمْ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ''

(القرآن المجید، سورۃ الاعراف، آیت نمبر 138)

سورۂ بقرہ میں ہے کہ وہاں بارہ چشموں کا جاری ہونا' من وسلویٰ اور بادلوں کا سایہ اس قسم کے معجزات ظاہر ہوئے۔ بنو اسرائیل سے حضرت موسیٰ سے ایک نیا مطالبہ کیا ان کے مطالبے کو احمقانہ قرار دیا۔ البتہ ان سے کہا کہ اگر انھیں اس مطالبے پر اصرار ہے تو کسی شہر میں سکونت اختیار کر لیں۔

(القرآن المجید، سورۃ البقرہ، آیت نمبر 61)

اب وہ مقام آتا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وحی الٰہی کے اشارہ سے ''طور''

Marfat.com

پر جاتے ہیں اور عبادت الٰہی کے لیے چالیس روز اعتکاف کرتے ہیں۔ اور شرف ہمکلامی سے نوازے جاتے ہیں اور انھیں سورۂ اعراف کے مطابق تورات کی تختیاں عطا کی جاتی ہیں۔ ان میں ہی میثاق خداوندی کا ذکر ہے (احکام' عہد) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں بنواسرائیل بچھڑے کی پوجا کے مرتکب ہوتے ہیں۔

بائبل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ۴۰ دن پہاڑ پر پڑا رہنا مذکور ہے اور موسیٰ علیہ السلام یدلی کے درمیان چلا گیا اور پہاڑ پر چڑھ گیا اور موسیٰ پہاڑ پر چڑھ گیا۔

(بائبل، کتاب الخروج، آیت: ۲۴۔۱۸)

قرآن حکیم میں سورۂ اعراف اور طٰہٰ کے بیان کے مطابق بنی اسرائیل نے حضرت ہارون علیہ السلام کو کمزور پا کر ان کی نصیحت کی پروانہ کی۔

خروج باب نمبر 32 آیات نمبر 1 تا 6 میں لکھا ہے کہ:

''اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی (۱۰ دن زیادہ ہو گئے) تو وہ ہارون کے پاس جمع ہو کر کہنے لگے کہ اٹھ ہمارے لیے دیوتا بنا دے جو ہمارے آگے چلے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ مرد موسیٰ علیہ السلام کو جو ہم کو ملک مصر سے نکال کر لایا کیا ہو گیا؟ ہارون نے ان سے کہا کہ تمھاری بیویوں' لڑکوں اور لڑکوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں ان کو اتار کر میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ سب لوگ ان کے کانوں سے اتارا تار کر ان کو ہارون علیہ السلام کے پاس لے آئے اور اس نے ان کے ہاتھوں سے لے کر ان کو ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنا دیا جس کی صورت چھینی سے ٹھیکی۔ اب وہ کہنے لگے کہ اے اسرائیل یہی تیرا دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا۔ یہ دیکھ کر ہارون علیہ السلام نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور اس نے اعلان کیا کہ کل خداوند کے لیے عید ہو گی۔''

گویا کہ تورات جس نے ہارون کو ایک طرف خدا کا پیغمبر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وزیر ظاہر کیا ہے دوسری طرف نہ صرف اسے مشرک اور بت پرست بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر انھیں شرک کا معلم اور بت پرستی کا مبلغ قرار دیا ہے۔ (لہٰذا ثابت ہوا کہ تورات محرف ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور سے واپسی پر جب انھیں سارے حالات کا علم ہوتا ہے تو بڑے غضبناک ہو جاتے ہیں پوری قوم کے ساتھ ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی ڈانٹ پلاتے ہیں۔

Marfat.com

لیکن قرآن حکیم کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے لیے دعا کرتے ہیں۔ سورۂ بقرہ آیت ۵۵ میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کی قوم ایک عجیب مطالبہ کرتی ہے کہ الواح (تختیاں) یا خدا کی کتاب پہ ہم اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک خدا کو آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمجھایا لیکن وہ نہ مانے' بالآخر ان سے ستر سرداروں کا انتخاب کر کے انھیں ''طور'' پر لے گئے۔ ان کو حجاب نور میں لے لیا گیا اور انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی کو سنا پھر جب نور ہٹ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سرداروں کے روبرو ہوئے تو انھوں نے اپنا پہلا اصرار قائم رکھا کہ جب تک بے حجاب خدا کو نہ دیکھ لیں ہم ایمان نہ لائیں گے۔ اس احمقانہ اصرار پر غیرت الٰہیہ نے انھیں یہ سزا دی کہ ایک ہیبت ناک چمک' کڑک اور زلزلے نے ان کو آلیا اور جلا کر خاک کر دیا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر اللہ نے انھیں دوبارہ زندگی بخشی۔

سورۂ بقرہ اور اعراف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ صمدیت میں قوم کی بے راہ روی کا گلہ کیا چنانچہ حکم خداوندی سے طور سائبان کی طرح بنی اسرائیل کے سروں پر چھا گیا تا کہ وہ اس خداوندی شان سے نصیحت پکڑتے ہوئے تورات کے احکام پر عمل پیرا ہوں۔

لیکن اسرائیل کی یہ کوشش بھی عارضی طور پر کارگر ثابت ہوئی اور بنی اسرائیل نے پھر صحرانوردی شروع کر دی۔ سورۂ مائدہ میں ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو فلسطین کی ایک بستی جو وادی سینا کے قریب تھی داخل ہونے اور اس پر قبضہ کرنے کو کہا لیکن قوم نے جواب دیا کہ پہلے آپ اور آپ کا رب ان سے جا کر لڑیں جب وہ جابر قوم مغلوب ہو جائے تو ہم داخل ہو جائیں گے' اس کی سزا کے طور پر ارشادِ خداوندی کے مطابق بنی اسرائیل کو 40 سال تیہ میں سرگرداں رہنا پڑا اور پھر نئی نسل کے جوان ہونے پر یوشع بن نون کی قیادت میں ارض مقدس فتح ہوگئی۔ اس طرح بنی اسرائیل کا ایک دور ختم ہوا۔ بائبل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بنی اسرائیل کو آخری وصیت یہ ذکر کی گئی ہے:

''سن اے اسرائیلی! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا کے ساتھ محبت رکھ۔ اور یہ باتیں جن کا حکم آج میں تجھے دیتا ہوں تیرے دل پر نقش رہیں اور تو ان کو اپنی اولاد کے ذہن نشین کرنا۔''

(باب نمبر 6، آیت نمبر 74)

Marfat.com

یہود کا تاریخی ارتقاء

بنی اسرائیل سامی الاصل تھے۔ ان کا اصلی وطن کیا تھا اس کے متعلق ماہرین کا شدید اختلاف پایا جاتا ہے' اکثریت کا خیال یہ ہے کہ عراق ہی ان کا قدیم مسکن رہا ہوگا۔ اسرائیلیوں کے جدامجد بابل کے ایک شہر اُر کے رہنے والے تھے۔ مشہور مورخ ای ای کیلٹ کا کہنا ہے کہ اسرائیلیوں کے مصری آثار سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ یہودی فلسطین میں یوشع کی فتح سے پہلے بھی آباد تھے۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہودی دریائے فرات کے ساحلی علاقے کے رہنے والے تھے۔ ان کے آباؤاجداد قدیم زمانے میں فرات کے اس پار رہتے تھے۔

دوسری ہزارویں قبل مسیح میں یہودی عراق سے شام و فلسطین کے علاقوں میں پھیل گئے انھوں نے بددیانہ زندگی کو خیر باد کہہ کر یہاں سکونت اختیار کرلی۔ پھر یہ لوگ مصر بھی جا پہنچے۔ عہد نامہ عتیق سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر تشریف لے گئے۔ جہاں ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زیر اثر مصر میں اسرائیلی باقاعدہ طور پر آباد ہو گئے۔

یہاں انھیں مصری ثقافت سے واسطہ پڑا۔ انھوں نے گلہ بانی جو اُن کا آبائی پیشہ تھا' ترک کردیا اور زراعت کو اپنالیا۔ اٹھارویں صدی عیسوی قبل مسیح میں وہ مصر کے حکمران بن گئے۔ سولہویں صدی کے وسط تک عنانِ حکومت ان کے ہاتھ میں رہی۔ اس کے بعد وہ مصریوں کے غلام ہو گئے۔ اس زمانہ میں انھیں جوروستم کا نشانہ بنایا گیا۔ چودھویں صدی ق م کے اواخر میں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں مصریوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں انھیں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوسکی وہ ایک طویل عرصہ تک بادیہ پیمائی کرتے رہے لیکن ان کے جانشین حضرت یوشع علیہ

Marfat.com

السلام کی قیادت میں فلسطین کو فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے اور ایک زبردست حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس خاندان کے خصوصاً پہلے تین بادشاہوں صالح' داؤد اور سلیمان کے زمانے میں اسرائیلیوں کا ڈنکا بجتا رہا۔ حضرت سلیمان کے عہد میں یروشلم کا مشہور ہیکل تیار ہوا' ان کے انتقال کے بعد بنی اسرائیل کا اتحاد ختم ہوگیا۔ تشتت و انتشار نے راہ پالی۔ ان کی حکومت دو حصوں میں بٹ گئی۔ شمالی حکومت جو اسرائیلی کہلاتی ہے اس کا دار السلطنت سماریہ تھا۔ دوسری حکومت جس کا پایہ تخت یروشلم بنا یہوداہ کے نام سے معرض وجود میں آگئی۔ اول الذکر زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ 722ق م میں آشوریوں نے اس کو اس طرح سے ختم کردیا کہ آج اس کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ یروشلم کی حکومت البتہ ڈیڑھ سو سال سے بھی زیادہ چلی۔ اس کو مشہور بابلی بادشاہ بخت نصر نے تباہ کردیا۔ یہودیوں کی مقدس کتابیں اور ہیکل بھی تباہی سے نہ بچ سکے۔ بخت نصر اپنے ساتھ یہودیوں کو یروشلم سے بابل لے گیا۔ اس زمانے میں اسرائیلی مظالم کا تختہ مشق بنے رہے۔

یروشلم کی تباہی کے سنتالیس سال بعد خود بابل ایرانیوں کے زیر نگیں آگیا۔ جن کا رویہ یہودیوں کے ساتھ قدرے بہتر اور ہمدردانہ تھا۔ ایرانیوں نے انھیں یروشلم جانے کی اجازت دے دی۔ اسکندر اعظم کے زمانے تک ایرانی اقتدار قائم رہا۔ اس کے بعد اسرائیلی متعدد یونانی حکومتوں کے زیر نگین رہے۔ یونانیوں نے یہودی مذہب کو ختم کردینے کی کوشش کی (جس کی تفصیل آگے آئے گی) جس کا ردعمل اسرائیلیوں پر بہت شدید ہوا۔ انھوں نے یونانیوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کردیا اور نتیجتاً وہ ایک یہودی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس حکومت نے مذہب سے کوئی دلچسپی نہ لی جس کی وجہ سے عوام بہت جلد اس نئی حکومت سے بیزار ہو گئے اور انھوں نے اعلانیہ حکومت کی مخالفت کو کچلنے کے لیے یہودی حکومت نے رومیوں سے مدد مانگی' رومی مدد دینے کے بہانے فلسطین پر قابض ہوگئے۔ ان رومیوں کا رویہ نہایت جابرانہ تھا۔ ۷۰ء میں رومی حکمران ٹائٹس (Titus) نے یروشلم کو مسمار کردیا۔ رومیوں کے قبضہ کے ساتھ ہی یہودیوں کی طویل غلامی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

پندرھویں صدی سے یہودیوں پر عیسائیوں کے مظالم نے شدت اختیار کرلی۔ بالخصوص اسپین اور پرتگال میں ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے گئے۔ بے شمار یہودیوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ ۱۴۹۲ء میں اسپین کے فرڈیننڈ اور اسابیلا (Isabella) نے حکم نافذ کیا کہ تمام اسپینی یہود

Marfat.com

عیسائیت قبول کرلیں ورنہ چار ماہ بعد انھیں جلاوطن کردیا جائے گا اور ان کا تمام قیمتی مال ضبط کرلیا جائے گا۔ ان میں سے اکثریت نے عیسائیت قبول کر لینے ہی میں اپنی عافیت سمجھی اور جولوگ جلاوطنی پر آمادہ ہوگئے توان میں سے ایک باری اکثریت راستے کی صعوبتوں کو برداشت نہ کر سکی اورموت کاشکار ہوگئی۔ تین سال بعد پرتگال کے بادشاہ عمانویل (Emanuel) نے بھی یہودیوں کو ملک بدر کیے جانے کا حکم جاری کردیا' چودہ سال تک کے بچوں کے لیے عیسائیت قبول کرنا لازمی قرار دیا۔ یہودیوں نے اس حکم کا زبردست مقابلہ کیا۔ ماؤں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے بچوں کو کنوؤں میں پھینکنا گوارا کرلیا لیکن انھیں عیسائی بننے نہ دیا۔ فرانس میں البتہ یہودیوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک نہیں کیا گیا بلکہ نپولین نے ان کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کیا اور ان یہودیوں کی تنظیم بھی اس نے کی۔ دیگرممالک میں جہاں پرتگال اور اسپین کی طرح بہیمانہ سلوک تو نہیں کیا گیا لیکن سماجی اور معاشی مقاطعہ سے ان یہودیوں کو دوچار ہونا پڑا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کے علمبرداروں اور اسلام کے تلوار سے پھیلنے کا الزام لگانے والوں نے جو سلوک یہودیوں کے ساتھ روا رکھا اس سے یہودیوں کو من حیث القوم بہت فائدہ پہنچا' ان کی ایک جداگانہ حیثیت باقی رہی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہود دیگر اقوام میں خود بخود ضم ہوگئے ہوتے۔ عیسائیوں کے ظلم وستم نے یہود کے دلوں میں حصول آزادی کی لگن ہمیشہ باقی رکھی۔ وہ اپنے اس طویل غلامی کے زمانے میں آزادی حاصل کرنے کے لیے برابر جدوجہد کرتے رہے۔ ان کی زبردست تحریک انیسویں صدی کے آخر میں شروع کی گئی جو زیونزم (Zionism) کہلاتی ہے۔ اس تحریک کے روح رواں ایک وینسی ڈاکٹر تھیوڈور ہرزل (Dr. Theodore Herzal) نامی ایک شخص تھا جس نے اپنی تصنیف ''یہودی ریاست'' (The Jewish State) کے ذریعے پوری دنیا کے یہودیوں میں جوش وخروش پیدا کردیا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد یہودی پھر ظلم وستم کا نشانہ بنائے گئے اور ان کو جلاوطنی کی زندگی بسر کرنا پڑی۔ بالخصوص جرمنی سے ان کو بالکل نکال دیا گیا اور ان کو رہنے کے لیے زمین کا کوئی چپہ دستیاب نہ ہوسکا حتیٰ کہ وہ اپنے بحری جہازوں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہوگئے۔

مشرق وسطیٰ کے عرب ممالک پر اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لیے یورپی طاقتوں نے

Marfat.com

سازش کے ذریعے فلسطین پر اسرائیلی حکومت قائم کردی' یہ واقعہ ۱۹۴۸ء کا ہے۔

پیغمبرانہ اصلاحات:

قرآن حکیم میں بنی اسرائیل کا تذکرہ کافی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ ان کی عظمتِ رفتہ اور بزرگی کے مقام بلند پر فائز ہونے کا بیان بھی ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی کج روی اور ناشکری کے باعث اس فضیلت سے جس طرح وہ محروم کیے گئے اس کی طرف اشارات بھی موجود ہیں۔ ان کی تاریخ کے شواہد یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہمیشہ یہ ایک محسوس معبود کی تلاش میں رہے جس کے نتیجے میں وہ کئی ہمسایہ اقوام کے دیوتاؤں کی پرستش کے مرتکب ہوئے۔ شرک بھی کیا اور بت پرستی بھی کی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزاؤں اور آزمائشی سلسلوں میں سے بھی گزرے۔ انبیاء اور رسولوں کی برگزیدہ ہستیاں ان کی اصلاح کی کوشش میں مصروف عمل رہیں۔ ان کے وعظ و پند بھی ان کے قلوب اذہان کو مخالفت پر کمر بستہ کرتے رہے۔ اس کے نتیجہ میں یہ قتل انبیاء کے بھی مرتکب ہوئے اور دنیاوی ذلت اور ناکامیوں کا سامنا کرتے رہے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ میں جن باعظمت انبیاء اور رسولوں کا تذکرہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ ان میں حضرت یعقوب علیہ السلام' حضرت یوسف علیہ السلام' حضرت ہارون علیہ السلام' وداؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف واقعات کی تفسیر کے ضمن میں بعض انبیاء کے نام روایات میں بیان کیے جاتے ہیں۔ تاریخ بنی اسرائیل کے ضمن میں جو مقام اور مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے یہ لوگ اخلاقی انحطاط' ذہنی پستی اور مذہبی عقائد کے بگاڑ کا شکار تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں دعوت دی۔ شرک اور بت پرستی کے تمام مظاہر سے اجتناب کرنے کی تلقین کی۔ لیکن یہ بین اپنے نبی کی زندگی میں کئی مواقع پر مخالفت کے مرتکب ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو خدا کا پرستار اور مطیع فرمان بنانا چاہتے تھے۔ لیکن یہ اکثر صراطِ مستقیم سے منحرف ہوتے رہے۔

رعمسیس ثانی کے دور ستم سے ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں نجات حاصل ہوئی۔ سورۂ طٰہٰ میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

وَ لَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِىْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰى ○ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ۔

(القرآن المجید، سورۃ طٰہٰ، آیت نمبر 77-78)

''ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی کہ اب میرے بندوں کو لے کر چل پڑ اور ان کے لیے سمندر میں راستہ بنا لے تجھے کسی کے تعاقب کا ذرا خوف اور ڈر نہ لگے۔ پیچھے سے فرعون اپنے لشکر کو لے کر پہنچا۔ پھر سمندر ان پر چھا گیا جیسا کہ چھا جانے کا حق ہے۔''

اس غلامی سے نجات کے باوجود ان کے اذہان کے بت کدے سے فراعنہ مصر کی غلامی کے اثرات نہ مٹ سکے۔ وہ کسی محسوس خدا کے آگے پیشانی جھکانے اور اس کے آستانے پر سجدہ ریز ہونے پر بیتاب نظر آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب کوہ طور پر طلب فرمایا' ۳۰ شب و روز کی مدت کے لیے تاکہ شریعت عطا کی جائے۔ پھر اس میں دس دن کا اضافہ کر دیا گیا تو ان کے پیچھے بنی اسرائیل کی کج روی کا یہ عالم تھا کہ اپنے رسول کی عدم موجودگی میں سامری کی شیطانی حرکت کے بہکاوے میں آ گئے اور بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۴۸ کے مطابق یہ حقیقت ہمیں نظر آتی ہے:

''کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی قوم کے لوگوں نے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑے کا پتلا بنایا۔ جس میں سے آواز نکلتی تھی کیا وہ یہ نہ دیکھتے تھے کہ نہ تو وہ ان سے بولتا ہے اور نہ ان کی کسی معاملے میں راہنمائی کرتا ہے۔ انھوں نے اسے معبود بنا لیا اور وہ ظالم تھے۔''

فتنہ پرداز سامری کے مکر و فریب نے بت پرستی رائج کرنے اور توحید کے نظریئے پر کاری ضرب لگانے کی جو سازش تیار کی تھی اس کے جال میں بنی اسرائیل کے بیشتر لوگ آ گئے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس ہوئے' صورتحال کو دیکھا تو حکم خداوندی کے مطابق شرک کے ان مجرمین کو باہم قتل کی سزا سنائی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت کے زیر اثر انھوں نے خدا کے حضور توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے پیمانِ اطاعت کو از سر نو استوار کیا۔

جزیرہ نمائے سینا کے بیاباں علاقے میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر بادلوں کے سائے کیے رکھے' من و سلویٰ نازل کیا اور بے آب و گیاہ مقامات پر پانی کی فراہمی کا بندوبست کیا۔

Marfat.com

لیکن ان کے کفرانِ نعمت کا یہ حال تھا کہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۶۱ کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گستاخانہ لہجہ میں مخاطب ہوئے:

''کہ اے موسیٰ! ہم ہرگز صبر نہیں کر سکتے ایک قسم کے کھانے پر' پس ہمارے لیے دعا کر کہ وہ زمین سے ہمارے لیے ساگ' گیہوں اور لہسن وغیرہ نکالے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا بہتر چیز کی جگہ ادنیٰ چیز لینا چاہتے ہو تو پھر شہر میں اترو اور جو کچھ مانگتے ہو مل جائے گا۔ پس ان پر ذلت وخواری مسلط ہوگئی اور وہ خدا کے غضب میں گھر گئے۔''

دنیاوی لذتیں اور آسائشیں اتنی مرغوب تھیں کہ نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے ان سے وقتی محرومی کو برداشت نہ کر سکے ان کی توحید پرستی کا امتحان ایک صدقے کے سلسلے میں گائے کو ذبح کرنے سے کہا گیا۔ گاؤ پرستی یا اس کی عظمت وتقدیس کے کسی بھی درجے میں شریک نہ ہونے کے اظہار کے لیے ایک کڑی آزمائش تھی۔ انھوں نے بہت تاویلات کیں' بہانے تراشے' وضاحتیں طلب کیں اور پھر بے دلی کے ساتھ حکمِ خداوندی کی تکمیل ہوئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا تو کہنے لگے کہ وہاں تو بڑی طاقتور قوم آباد ہے کہ اے موسیٰ تو اور تیرا خدا جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

سورۂ المائدہ کی آیت نمبر ۲۰ سے ۲۶ تک اس واقعے کو بیان کیا ہے' اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے چالیس سال تک یہ سرزمین ان پر حرام ٹھہرا دی اور یہ بھٹکتے پھرے۔ اس نافرمانی کی سزا ان کو بھگتنا پڑی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد یوشع بن نون کے زمانے میں انھوں نے فلسطین کے علاقے کو فتح کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات سے پہلے بنی اسرائیل کو نصیحت کی تھی جس کی طرف اشارہ سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر ۷ میں کیا گیا ہے:

''کہ جب تمھارے رب نے بنی اسرائیل کو خبردار کیا تھا کہ اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔''

اس مضمون کے بارے میں اسفار خمسہ میں سے سفر استثناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس تقریر کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جو انھوں نے اپنی وفات سے پہلے کی تھی۔ ان کی یہ تقریر ان کے مشن کا خلاصہ قرار دی جا سکتی ہے۔

باب نمبر ۶ میں لکھا ہے:

Marfat.com

کہ سن اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند کے ساتھ محبت رکھ اور یہ باتیں جن کا حکم میں آج تمھیں دیتا ہوں' تیرے دل پر نقش رہیں اور تو ان کو اپنی اولاد کے ذہن نشین کرنا گھر بیٹھے' راہ چلتے' لیٹتے اور اٹھتے ان کا ذکر کرنا۔"

باب نمبر ۲۸ میں بیان ہے:

کہ اگر تو خدا ہے خدا کی بات کو جانفشانی سے مان کر اس کے ان سب حکموں پر جو آج کے دن میں تجھے دیتا ہوں' احتیاط سے عمل کرے اور خداوند کی بات سنے تو یہ سب برکتیں تجھ پر نازل ہوں گی اور تجھ کو ملیں گی۔ شہر میں بھی تو مبارک ہوگا اور کھیت میں بھی مبارک۔ خداوند تیرے دشمنوں کو جو تجھ پر حملہ کریں گے تیرے روبرو شکست دلائے گا۔ خداوند تیرے سب کاموں میں جنھیں تو ہاتھ ڈالے برکت کا حکم دے گا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سادہ الفاظ میں جن اخلاقی ضوابط اور عقائد کی تلقین کی اس کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۸۳۔۸۴ میں ان احکام کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

"کہ جب ہم نے بنی اسرائیل سے یہ پختہ عہد لیا کہ کسی کی عبادت نہ کروگے۔ مگر اللہ کی' والدین کے ساتھ احسان کروگے۔ رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور مساکین کے ساتھ اور لوگوں سے اچھی بات کہو گے اور نماز کو قائم کروگے اور زکوٰۃ کو ادا کروگے۔ پھر تم میں سے سوائے چند کے اکثریت نے روگردانی کی اور تم اعراض کرنے والے ہی تھے اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا کہ باہم خون ریزی نہ کروگے اور اپنے لوگوں کو اپنے گھروں سے نہ نکالوگے۔ پھر ہم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کے گواہ ہو۔"

لیکن ان تعلیمات کے باوجود یہ اکثر و بیشتر راہ حق سے بھٹکتے رہے۔ شریعت کو چونکہ صدق دل سے قبول نہ کر پائے تھے اس لیے رفتہ رفتہ اخلاقی فساد اور بگاڑ رونما ہوا۔ ان کے احبار اور رہبان لوگوں کے مال کھا جاتے۔ باطل طریقوں سے اور حق انھیں کی راہ سے روکتے تھے۔ کثرت سوال کا رجحان انھیں عام تھا۔ عام اور مطلق احکامات کو حد بندیوں سے مقید کر لیتے تھے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ روشن تعلیمات کو چھپاتے۔ کلام اللہ کو سننے اور سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے بعد دانستہ اس میں تحریف کرتے اور اپنی خواہش کے مطابق تبدیلی کر کے یہ کہتے کہ یہ تو خدا

Marfat.com

تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔تحریف کے اس سلسلے میں الفاظ کوان کے صحیح موقع محل سے بدل ڈالتے۔ کتاب اللہ کو پڑھتے وقت زبان کے الٹ پھیر سے کام لیتے۔غلط عبارت کو کتاب ہی کی عبارت ظاہر کرتے تھے۔

اعتقادی خرابی کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات آخرت کے منکر ہو جاتے اور اگر اقرار کرتے بھی تو دعویٰ یہ تھا کہ آگ ہمیں چند گنتی کے دن ہی چھوئے گی۔خود اپنے آپ کو ابناء اللہ اور اس کے محبوب خاندان تصور کرتے تھے۔ انبیاء کی عزت واحترام میں گستاخی کے بار بار مرتکب ہوتے تھے۔حتی کہ سموئیل نامی بزرگ نبی ان کے تنازعات کا تصفیہ کراتے رہے۔لیکن ان کی خدمات کا یہ صلہ دیا کہ ان سے بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی۔ انھوں نے حکم الٰہی کے مطابق شاؤدل یا طالوت کوان کا بادشاہ مقرر کر دیا۔لیکن اس پر بھی معترض ہوئے اور کٹ حجتی کے انداز میں یہ کہنے لگے جس کی طرف سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۷ میں اشارہ ہے:

''کہ یہ ہم پر بادشاہ بننے کا کیسے حقدار ہو گیا' اس کے مقابلے میں بادشاہی کے تو ہم زیادہ مستحق ہیں۔ وہ تو مالدار آدمی بھی نہیں ہے تو ان کے نبی نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے اسی کو منتخب کیا ہے۔اس کو دماغی اور جسمانی قسم کی صلاحیتیں زائد عطا کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنے ملک سے نوازے۔اللہ تو بڑی وسعت والا اور علم رکھنے والا ہے۔''

وقال لهم نبيهم ان اللهقدبعث لكم طالوت ملكا قالواانى يكون له الملك علينا و نحن احق بالملك منه ولم يوت سعة من المال قال ان اللهاصطفه عليكم وزاده بسطة فى العلم والجسم واللهيوتى ملكه من يشاء واللهواسع عليمo

حضرت طالوت کی سرکردگی میں ان کو اپنے گمشدہ تبرکات اور الواح تورات پر مشتمل تابوت سکینہ مل گیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت اللہ نے ان کو جو تلقین کی تھی کہ فلسطین کی سرزمین لے لو۔لیکن جب یہ وہاں پہنچے تو ہدایت ربانی کو عین داخلے کے وقت فراموش کر دیا' عاجزی وانکساری کے بجائے اکڑتے ہوئے اور تسبیح وتحمید کرنے کی بجائے لفظی تحریف کرتے ہوئے داخل ہوئے۔

ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ مفتوحہ علاقہ لے کر خود مختار ہو جائے۔ چنانچہ نہ صرف وہاں کے لوگوں کے شرک اور بت پرستی کے اثرات کو جذب کیا بلکہ قومی سطح پر تفرقہ اور انتشار میں بھی

Marfat.com

مبتلا ہوئے۔ بعد میں جب حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام برسر اقتدار ہوئے تو ان کی سلطنت تھوڑی مدت کے لیے متحد رہی۔ اس کے بعد دوبارہ دنیا پرستی کا شدید غلبہ ہوگیا اور باہمی نفاق کی بدولت سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ رقابت اور کشمکش کی اسی فضا میں حضرت الیاس اور الیسع نبی علیہما السلام نے ان کو تنبیہ کی اور ان کی بداخلاقیوں کا مداوا کرنے کی کوشش کی۔ سورۂ الصافات کی آیات 123 سے 131 میں حضرت الیاس علیہ السلام کی اصلاحی کوششوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''بیشک الیاس مرسلین میں سے تھے جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم تقویٰ کیوں نہیں اختیار کرتے۔ کیا تم بے عمل کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑ دیتے ہو۔ اللہ تمھارا رب ہے اور تمھارے پہلے آباؤ اجداد کا بھی رب تھا۔ پس انھوں نے اس کو جھٹلایا۔ سو وہ پیش کیے جانے والے ہیں سزا کے لیے سوائے بندگان خدا کے جو مخلص ہیں۔ اور ہم نے ان کا ذکر بعد کی نسلوں میں بھی جاری رکھا۔ سلام ہے الیاس پر ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔''

انھوں نے قوم کو سمجھانے کی کوشش کی، جس تنزل اور بربادی کی طرف یہ تیزی سے جارہے تھے اس کا علاج کرنا چاہا۔ لیکن ہر اصلاحی کوشش بیکار ثابت ہوئی۔ بالآخر آشوریوں کے ہاتھوں ان کی شمالی ریاست کا خاتمہ ہوگیا۔ اس بات کے خاتمے سے پہلے عاموس (Amos) نبی اور یوشع نبی (Hashea) نے اسرائیلیوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنا چاہا مگر ان کی ضد اور سرکشی میں مزید اضافہ ہوا یہاں تک کہ عاموس نبی کو اصلاحی سرگرمیوں سے رک جانے اور ریاست بدر ہونے پر مجبور کیا۔ چنانچہ نتیجہ آشوریوں کے ہاتھوں ذلت اور خواری کی صورت میں نکلا۔ سارگون نے نہ صرف ان کی سلطنت کا خاتمہ کیا بلکہ ہزاروں کو ہلاک اور باقیوں کو سلطنت کے مختلف حصوں میں منتشر کردیا۔ جنوبی ریاست جوڈیا شرک و بت پرستی اور بداخلاقیوں کی طرف مائل تھی۔ لیکن ان کی رفتار سست تھی۔ یسعیاہ اور یرمیاہ نبی نے ان کو بتدریج مذہب سے دور ہونے پر متنبہ کیا لیکن ان پر انبیاء کی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ یرمیاہ نبی قوم کے اس زوال اور دگرگوں حالت کا ماتم کرتے رہے۔ کوچے کوچے ان کو ہدایت کے لیے پکارتے پھرتے کہ سنبھل جاؤ ورنہ تمھارا انجام شمالی ریاست سے بھی بدتر ہوگا۔ لیکن قوم کی طرف سے ان کو ذہنی اذیت کی صورت میں جواب ملا۔ قید کیے گئے اور الزام لگایا کہ وہ قوم کے

Marfat.com

غدار ہیں اور بیرونی دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں۔ ان کے لیے تباہی اپنی بدترین صورت میں بخت نصر کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوئی۔ عظمت و شوکت چھنی اور اسیری کا زمانہ شروع ہوا۔ زبردستی اور محرومی کا دور کہ اس کے بعد ایسی اخلاقی اور اعتقادی پستیوں میں گرے کہ دوبارہ نہ اٹھ سکے۔ اکثریت میں اولوالعزمی اور بلند حوصلگی کی صفات عنقا ہو چکی تھیں۔ جہالت ان پر غالب ہو چکی تھی اور وہ طلسم اور عملیات کی تدابیر میں مادی شان و شوکت کے ساز و سامان ڈھونڈتے تھے لیکن ایک قلیل گروہ ایسا بھی تھا جس نے توبہ کی طرف خود بھی توجہ مبذول کی اور دوسروں کو بھی ترغیب دی۔

اسیریٔ بابل کے زمانے کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام نے تجدیدِ دین کا کام شروع کیا۔ برائیوں سے دور رہنے کی تلقین کی اور قوانین شریعت کو پھر سے نافذ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ان کی مصلحانہ سرگرمیوں سے کوئی خاص فائدہ نہ اٹھایا جاسکا۔ جب ایرانیوں کا دور ختم ہوا تو یونانی چھا گئے اور یونانی تہذیب کے فروغ کے لیے سیاسی اور معاشی دباؤ سے کام لیا گیا۔ اس مداخلت نے ان کے اندر انتشار کو ایک مرتبہ پھر ہوا دی۔ اینٹی کوس چہارم نے جب ۱۷۵ق م میں زبردستی یہودی مذہب و معاشرت کی بیخ کنی کرنا چاہی تو ان پر کاری وار کیے گئے کہ یہ قومی لحاظ سے ختم ہو جائیں۔

ہیکل میں زبردستی بت رکھوائے گئے۔ ان کو مشرکانہ قربانیوں کے شعار اپنانے پر مجبور کیا گیا۔ تورات کا نسخہ رکھنے والوں کے لیے سزائے موت تجویز کی گئی۔ بچوں کے ختنے اور سبت کے احکامات پر عمل کرنے والوں کے لیے بھی ایسی ہی سزا مقرر کی گئی لیکن اس دور میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دینی روح اور مذہب کے زیر اثر انھوں نے جوڈس مکابی کی سربراہی میں ایک آزاد دینی ریاست قائم کی۔ لیکن جلد ہی جوش و جذبے کی جگہ دنیا پرستی اور ظاہرداری نے لے لی۔ باہمی انتشار کا یہ عالم تھا کہ خود ان کے اپنے لوگوں میں سے رومی حکمرانوں کو فلسطین پر حملہ کرنے کی دعوت دینے والے موجود تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یونانیوں کی بجائے رومی اقتدار کے ماتحت ہو گئے۔ لیکن اس مفتوحہ علاقے میں یہودیوں کی ریاست نما اکائی موجود رہی۔ لیکن یہاں بھی رومی تہذیب کو فروغ اور رومی قیصر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کے ہاں مسابقت کی دوڑ شروع ہو گئی اور نتیجہ دینی و اخلاقی تنزل ہی کی صورت میں نکلا۔

اس دور میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا تذکرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ وہ گناہوں

Marfat.com

سے توبہ کی طرف مائل کرتے تھے انھوں نے بپتسمہ کی رسم اصطباغ میں غسل دے کر جسم اور روح کی پاکیزگی کی علامت انھوں نے مقرر کی تھی۔ یہودی روایات میں ان کا نام جون بپٹسٹ کے طور پر مشہور ہے۔ وہ بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے کوشش کرتے رہے۔ ان کو عبادت کی ادائیگی کی تلقین کرتے۔ ان کے بارے میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوندی کی راہ کو سیدھا کرو۔ لیکن ان کے عہد کے فرماں نروا ہیرڈ پاس نے جو رومی تہذیب کے رنگ میں رنگا ہوا تھا' ان کو قید کروا دیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مقدس اور راست باز شخصیت کا سر تن سے اس لیے جدا کر دیا گیا کہ وہ ایک رقاصہ کو منہ مانگے انعام کا عوض دینا چاہتا تھا۔

فریسی اور صدوقی فرقے:

حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے زمانۂ نبوت میں کچھ وقت مشترک بھی ہے چونکہ روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ نے حضرت یحییٰ علیہما السلام سے بپتسمہ بھی لیا تھا۔ اس زمانہ میں یہودیوں کی حالت ہر طرح سے خراب تھی اور دو فرقے نمایاں طور پر فریسی اور صدوقی' اپنی بگڑی ہوئی تعلیمات سمیت موجود تھے۔

فریسی قانون موسوی کی طرف مراجعت کے حامی تھے۔ معاشرتی لحاظ سے یونانیت نے عریانی وفحاشی اور ذہنی پراگندگی کے جو اثرات چھوڑے تھے یہ ان کے بہت خلاف تھے۔ یونانیوں کے فلسفیانہ افکار کے علاوہ تالمود' اور ہر قسم کے تشریحی لٹریچر کو سینے سے لگائے بیٹھے تھے۔ یونانی اور رومی انداز معاشرت کی مخالفت کرتے تھے۔ مذہب کے بارے میں یہ تنگ نظری ان میں موجود تھی۔ مذاہب کے تمام تر دعویٰ کے باوجود مذہب کی حقیقی روح اور سچے جذبات سے عاری تھے اور ظاہر داری انتہا پر تھی۔ رسوم پرستی کی وجہ سے دین کی آسائشوں کو تنگیوں سے بدل دیا تھا۔ مذہب کو ایک گورکھ دھندا بنایا ہوا تھا۔ افراط اور غلو کا شکار تھے' پیر اور عالم بھی بنتے تھے لیکن مادی فوائد سے دست کش ہونا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ دوسرا دور صدوقیوں کا تھا جو امراء اور نوابوں کے طبقے سے تعلق رکھنے کے ساتھ ساتھ دینی پیشوائی کے بھی دعویدار تھے۔ ان پر نہ صرف یونانیت اپنے گہرے اثرات چھوڑ چکی تھی بلکہ رومیوں کے عقائد اور اثرات بھی غالب تھے' اپنی مذہبی تعلیمات کی تاویل کرنے میں بہت ماہر تھے۔ اغیار سے

Marfat.com

متاثر ہوکر اپنی اقتداء اور روایات سے قطع تعلقی کر لینا یا ان کی ہیت بدل ڈالنا ان کا طرۂ امتیاز تھا۔

ابن الوقتی کی کامیاب پالیسی کی وجہ سے بلند مناصب اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو جاتے تھے۔ مذہبی ادب میں سے تورات کو تسلیم کرتے تھے اور اکثر دینی ادب کو متروک سمجھتے تھے۔ وہ دین کی صحیح تعلیمات سے دور ہو چکے تھے لیکن سیاست دنیوی کو کامیابی سے چلانا ان کا بنیادی مقصد بن چکا تھا اور مادیت پرستی کا یہ حال تھا کہ معجزات کو ناممکن تصور کرتے تھے۔ روحانیت ان کے نزدیک کوئی معنی اور مفہوم نہیں رکھتی تھی جو کچھ تھا وہ ان کی نگاہوں کے سامنے محسوس پیکروں کی صورت میں تھا اور محسوسات کی رغبت کی شاید وجہ یہ تھی جس کو دور کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزاتی پیدائش ہوئی اور ان کو جو معجزات عطا کیے گئے وہ بھی شاید اس لیے تھے کہ ان کی مذہبی حس کو بیدار کیا جا سکے۔ اس ذریعے سے ان کو ایسا جھٹکا دینا مقصود الٰہی نظر آتا تھا کہ مادیت کا طلسم ٹوٹے۔ ان کی نگاہیں اصل حقیقت کو دیکھ سکیں۔ صحیح اور غلط، حق اور باطل میں تمیز کر سکیں۔ قدامت پرستی اور دوسری طرف تجدد پسندی نے ان کی عادات واطوار کو مسخ کر رکھا تھا۔ افراط وتفریط کے مابین شریعت موسوی یا بعد میں آنے والے انبیاء کی مصلحانہ سرگرمیوں کے کوئی آثار باقی نظر نہ آتے تھے۔ کسی ہادی کا اتباع کرنا ان کو ناپسند تھا۔ چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی آواز خاموش کر دی گئی۔ ان کی اصلاحی سرگرمیوں سے فائدہ اٹھانے کی بجائے ان کی بابرکت وجود سے چھٹکارا حاصل کیا گیا جو ان کی بدبختی اور بے نصیبی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ انحطاط کے اسی دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے جو ایک آخری حجت کی حیثیت رکھتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام:

مادیت پرستی اور اخلاقی انحطاط کی شکار اس قوم کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خاص معجزات عطا کیے۔ سورۂ آل عمران میں ان کی بعثت سے متعلق یہ اشارہ دیا گیا ہے:

"وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول تھے۔ بے شک میں تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔"

Marfat.com

(القرآن المجید، سورۃ آل عمران، آیت نمبر:49)

سورۂ الزخرف میں ارشاد باری تعالیٰ یہ وضاحت کرتا ہے:

''وہ ایک بندے تھے جس پر ہم نے انعامات کیے اور انھیں بنی اسرائیل کے لیے ایک نشان بنایا۔''

(القرآن المجید، سورۃ الزخرف، آیت نمبر 59)

حضرت عیسیٰ لوگوں کو اسی امر کی تلقین کرتے رہے۔

''بیشک اللہ میرا اور تمھارا رب ہے۔ پس اس کی عبادت کرو۔ یہی صراط مستقیم ہے۔''

(القرآن الکریم، آیت نمبر 61، سورۃ آل عمران)

اس کے علاوہ وہ حلت و حرمت کے' جواز اور عدم جواز کے ضوابط کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کو قرار دیتے تھے۔ لیکن یہود نے ان کی مصلحانہ سرگرمیوں کو درخورِ اعتناء خیال نہ کیا۔ اخلاقی بے راہ روی بھی ویسی ہی رہی اور دین و شریعت سے انحراف کا بھی وہی عالم تھا۔ حضرت عیسیٰ ان کو گناہ اور معصیت کے کاموں اور ریاکاری پر ٹوکتے رہے۔ راست بازی کی تلقین کرتے رہے۔ لیکن انھوں نے منفی رویہ ہی اختیار کیے رکھا۔ پیغام اور دعوت توحید کی مخالفت اس حد تک بڑھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن حکیم کی وضاحت کے مطابق آسمان پر اُٹھالیا گیا۔ سرکشی کا وہ انتہائی مقام تھا جس کے بعد یہود کی آخری تباہی کے لمحات قریب سے قریب تر ہوتے گئے۔

حضرت عیسیٰ نے اس ہلاکت و بربادی کے متعلق کئی مرتبہ تنبیہ کی۔ انجیل متی کے باب نمبر 23 میں ان کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

''کہ اے یروشلم تو جو نبیوں کو قتل کرتا اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ان کو سنگسار کرتا ہے۔ کتنی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کر لیتی ہے۔ اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کر لوں مگر تم نے نہ چاہا۔ دیکھو تمھارا گھر تمھارے لیے ویران چھوڑے جاتا ہوں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گرایا نہ جائے گا۔''

اور ان کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ۷۰ء میں طیطس کے ہاتھوں آخری تباہی و بربادی ظہور پذیر ہوئی' ان کی بغاوتوں کے ردعمل میں فوجی کارروائی کے ذریعے یروشلم پر قبضہ کرلیا

Marfat.com

گیا۔ لاکھوں تہ تیغ ہوئے شہر یروشلم اور ہیکل مسمار کردیا گیا جو پھر کبھی تعمیر نہ ہوسکا اور شہر اگر دوبارہ آباد بھی ہوا تو ایلیا کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس تمام تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی تاریخ کے مختلف ادوار میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی اصلاح کے لیے انبیاء اور رسول مبعوث کیے۔ لیکن یہ پیغمبرانہ اصلاحات سے صحیح معنوں میں استفادہ نہ کرسکے۔ نتیجہ ذلت ورسوائی اور خدا کے غضب کا شکار ہونے کی صورت میں نکلا۔ سورۂ البقرہ کی آیت نمبر ۶۱ کا مضمون اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے:

وضربت عليهم الذلة والمسكنة وباء وبغضب من الله.....

(القرآن المجید، سورۃ البقرہ، آیت نمبر 61)

''ان پر ذلت اور مسکنت تھوپ دی گئی اور وہ خدا کے غضب کے ساتھ لوٹے اس کا سبب یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے۔ انبیاء کا بلاوجہ ناحق قتل کرتے تھے نیز نافرمان اور ظالم تھے۔

☆☆☆

Marfat.com

یہود کا مقدس دینی ادب

دو بنیادی کتب:

یہود کا مقدس دینی ادب بنیادی طور پر دو کتابوں پر مشتمل ہے:

1: عہدنامہ قدیم (The old Testament)

2: تالمود (Talmud)

اس کے یہودی حکماء صہیون کے پروٹوکال (Protocols) یعنی اکابر کی دستاویزات جنھیں یہود اپنی فکری اور ملی تعمیر کے لیے اہم ماخذ خیال کرتے ہیں۔

بائبل:

موجودہ بائبل جو آج ہمیں دستیاب ہے وہ عیسائیوں کی کتاب ہے جو دو عہد ناموں پر مشتمل ہے۔

1: عہدنامہ قدیم (The old Testament)

2: عہدنامہ جدید (The New. Testament)

لیکن اپنے نجات دہندے حضرت مسیح کی بشارتوں کو پیش کرنے کے لیے وہ عہد نامہ قدیم کو جو دراصل یہود کی کتاب ہے۔ بائبل میں شامل کر لیتے ہیں۔ یہاں یہ ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ پوری بائبل میں لفظ ''بائبل'' کا کہیں ذکر نہیں ہوا۔ ایک مغربی محقق کے بقول یہ لفظ کوئی ۱۹۰۰ء میں پہلی بار انگریزی بائبل میں ظاہر ہوا۔ بائبل سے مراد مقدس کتب یا روحانی کتابیں لیا جاتا ہے جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہے:

"The word "Bible" is never used in the volume itself, in english its first appearance was in the 9th

Marfat.com

century"

بہرحال موجودہ بائبل میں عہدنامہ قدیم یا عہدنامہ عتیق یہود کی کتاب ہے۔ بعض حضرات غلطی سے عہدنامہ قدیم کو تورات کہہ دیتے ہیں حالانکہ یہ بات صریحاً غلط ہے کیونکہ تورات عہدنامہ قدیم کا ایک جزو ہے جو عہد قدیم کی پہلی پانچ کتابوں پر مشتمل ہے۔ جسے خمسہ موسوی کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ قدیم عہد میں مزید ۳۴ کتابیں ہیں۔ یہاں اس امر کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عہد نامہ قدیم اگرچہ یہود اور عیسائی دونوں کے ہاں مقدس سمجھی جاتی ہے لیکن اس کی کتابوں کی تعداد میں بڑا واضح اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہود کے ایک گروہ کے نزدیک خمسہ موسوی کے علاوہ اس میں صرف ۳۴ کتابیں شامل ہیں جو کل ۳۹ کتب ہیں ان کتابوں کو اپوکریفہ (Apocorypha) یعنی خفیہ تحریریں کہتے ہیں۔ اسی طرح رومن کیتھولک کے ہاں جو نسخہ مقبول ہے۔ وہ پروٹسٹنٹ (Protestent) مکتب فکر کے عیسائیوں کے مقبول نسخے سے ساٹھ زائد کتابوں پر مشتمل ہے۔

عہدنامہ قدیم:

اس مختصر سی تمہید کے بعد اب عہدنامہ قدیم میں شامل کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ عہدنامہ قدیم کو آسانی کے ساتھ تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1: تورات

2: انبیاء کی کتابیں (The Prophts nebak)

3: متفرق کتابیں

تورات:

اس کو The Law' شریعت اور قانون بھی کہتے ہیں تورات میں مندرجہ ذیل پانچ کتابیں شامل ہیں:

1: پیدائش (Genesis)

2: خروج (Exodus)

3: احبار (Leviticos)

4: گنتی (Numbers)

Marfat.com

5: استثناء (Deuteronomy)

بعض لوگوں نے یشوع کی کتابوں کو بھی تورات میں شامل کیا ہے۔ لیکن معروف ومقبول تقسیم کے دور سے پانچ کتابیں ہی تورات کہلاتی ہیں جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

تورات یا خمسہ موسوی۔ تورات پانچ کتب پر مشتمل ہے۔

کتاب پیدائش جسے انگلش میں (Genesis) کہتے ہیں قدیم ترین مسودات کی ورق گردانی کے بعد علماء نے یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ کتاب آٹھویں صدی قبل مسیح میں تحریری شکل میں آئی۔ اس میں ابتدائی تاریخ اسرائیلیوں کی روایات اور کہانیاں مذکور ہیں۔ تخلیق کائنات، تخلیق آدم اور انبیاء کے حالات کے ضمن میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام اور ان کے بھائیوں کا قصہ اور ان کی مصر میں وفات تک کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔

دوسری کتاب کا نام کتاب خروج یا سفر الخروج ہے جسے انگریزی میں (Exodus) کہتے ہیں۔ یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی باہر نکلنے کے ہیں اس سے مراد اجتماعی خروج ہے اور اس کتاب کا نام اس میں شامل مضامین کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ اس میں درج ہے کہ عبرانی لوگ کس طرح مصر سے روانہ ہوئے۔ اس کے بعد صحرائے سینا میں دشت نوردی کرتے رہے، اس کتاب میں صحرائے سینا میں شریعت کے عطا کیے جانے کے واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام عشرہ کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ پہلے اٹھارہ ابواب میں صحرائے سینا میں قانون موسوی کے عطا کیے جانے اس میں یہود کے خدا، یہوداہ کا ارتقائی ذکر بھی موجود ہے۔

تیسری کتاب کا نام کتاب الاحبار ہے۔ حضرت یعقوب کے ایک بیٹے کا نام لادی تھا اور حضرت موسیٰ کا تعلق بھی بنولادی سے تھا۔ دینی کتب کا پڑھنا پڑھانا اور مذہبی فرائض کی ادائیگی انھی کے ذمہ تھا۔ یہ کتاب ان کے فقہی احکامات کا مجموعہ ہے۔ اس میں تاریخ کا بیان نہیں بلکہ قانونی احکامات کی تشریح ہے۔ معاشرتی مسائل کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ گناہوں کے کفارے، کھانے پینے صفائی اور طہارت اور روزمرہ زندگی میں مختلف مواقع پر جن احکامات کو ملحوظ رکھنا چاہیے ان کو بیان کیا گیا ہے۔ قربانی سے متعلق قوانین اور ضوابط کا تذکرہ بھی اس میں موجود ہے۔ چونکہ پوری کتاب میں مذہبی قوانین کو بیان کیا گیا ہے اس لیے اس

Marfat.com

مناسبت سے اس کا نام سفر لادیون رکھا گیا۔

چوتھی کتاب گنتی یا سفر العدد یا (Numbers) کہتے ہیں۔ اس میں بنی اسرائیل کے خاندان کے شجرہ ہائے نسب بیان کیے گئے ہیں۔ تاریخ اور حالات کا تذکرہ بھی ہے لیکن بنی اسرائیل کے اعداد وشمار اور شجرے اس کتاب کا موضوع ہے۔ اس لیے اس کو سفر العدد کا نام دیا گیا ہے۔ تاریخی حالات کے ضمن میں اس موضوع پر تبصرے موجود ہیں کہ کس طرح بنی اسرائیل نے صحرائے سینا سے نکل کر اردن اور ماورائے اردن کا علاقہ فتح کیا۔

پانچویں کتاب استثناء ہے۔ اس کا مفہوم ہے کہ کسی چیز کو دہرانا یا اس کا اعادہ کرنا' اس کتاب میں دوسری اور تیسری کتاب کے قوانین کی دہرائی یا وضاحت موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام عشرہ بھی دوبارہ بیان کیے گئے ہیں۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خطبات بھی شامل ہیں۔ کتاب کے آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر ہے۔ ان پانچوں کتب کو (Pentateuch) اسفار موسیٰ یا کتب خمسہ کہا جاتا ہے۔

انبیاء کی کتابیں:

یہ انبیاء کی تاریخ اور ابتدائی تاریخی کتابوں پر مشتمل ہیں۔ انھیں دو طرح تقسیم کیا گیا ہے۔

(Former Prophets) ان میں یہ کتابیں شامل ہیں۔

1: انبیاء متقدمین یشوع' قضاۃ' سموئیل ثانی' سلاطین اول اور سلاطین ثانی شامل ہیں۔

2: انبیاء متاخرین جن میں یسعیہ (یسعیاہ) جرمیاہ' حزقیال' ہوشیعہ' یوایل' عموس' عبدیہ' میکاہ نحوم' جبقوق اور حجی' ہیہ کون' زکریا اور ملائی شامل ہیں۔

متفرق کتابیں:

ان کی دو اقسام ہیں:

کتبیم (Kcatbim)

1: عظیم کتب (مقدس صحائف)

2: پانچ مجلات

Marfat.com

اس میں تین عظیم کتب شامل ہیں:

زیور، امثال اور ایوب مزامیر (Proverbs Psalms)

پانچ مجلّات اس میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں:

غزل الغزلات (Song of Songs)، روت، ہرمیہ کونوحہ، الجماعہ، آستر (Esther)

کتب:

1: دانیال

2: لحمیاہ

3: تواریخ الاول

4: تواریخ الثانی

39 کتابوں پر مشتمل یہ کتاب مقبول و معروف مجموعہ عہد نامہ قدیم کہلاتا ہے۔ اور یہ تقسیم پروٹسٹنٹ چرچ (Protestant Church) میں مروج ہے جبکہ رومن کیتھولک چرچ والے اس میں سات کتابیں اور شامل کرتے ہیں اس طرح رومن کیتھولک کے نزدیک کل کتب کی تعداد ۳۹ کی بجائے ۴۲ ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

مقدس کتب کا تنقیدی جائزہ

مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت ہم عہد نامہ قدیم کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں:

1: عہد نامہ قدیم کی تاریخی حیثیت

2: داخلی اور خارجی شہادت

3: عہد نامہ قدیم قرآن کی روشنی میں

عہد نامہ قدیم:

سب سے پہلے عہد نامہ قدیم کی تاریخی حیثیت کا جائزہ لیتے ہیں۔

تاریخ کے اوراق اس بات پر گواہ ہیں کہ بنو اسرائیل پر سات مرتبہ قیامت خیز تباہیاں آئیں۔ اس طرح کئی بار یہ کتاب تورات گم ہوئی اور کئی بار لکھی گئی۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

آٹھویں صدی قبل مسیح میں جب سامریہ کی شمالی سلطنت کو تباہ کیا گیا اور بنو اسرائیل گرفتار کر کے نینوا لائے گئے۔ یہ تباہی اس قدر ہولناک تھی کہ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ محققین کی دُور رَس عینکوں اور خوردبینوں سے بھی دریافت نہ ہو سکی کہ بنی اسرائیل کے دس قبائل کہاں گم ہو گئے؟

یروشلم پر ۹۷۱ء ق م میں شاہ مصر نے حملہ کر کے اسے تباہ کیا۔

۶۰۰ ق م میں بابل کے تاجدار بخت نصر نے اسے تباہ کیا اور بیت المقدس میں محفوظ تبرکات اور عہد قدیم کی اس وقت تک موجود کتابوں کو جلا کر راکھ کر ڈالا اور یہودیوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ بابل لے گیا۔

۱۶۸ء ق م میں انطاکیہ کے یونانی بادشاہ اینٹونیس نے پھر یروشلم پر حملہ کیا اور اس

Marfat.com

دوران جمع کیے ہوئے مقدس صحیفوں کو جلا ڈالا اور تورات کی تلاوت کو حکماً بند کر دیا۔

۷۰ عیسوی میں رومیوں نے یلغار کی اور طیطس (Titus) نے بیت المقدس کو اس طرح برباد کیا کہ یہودی پھر آ کر اس میں دوبارہ آباد نہ ہو سکے اور مقدس صحیفوں کو ہیکل سے نکال کر فتح کی یادگار کے طور پر روم کے محلات میں لے گیا۔

اس کے بعد قیصر روم نے یلغار کی اور پانچ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا۔

۶۱۳ء میں شاہ ایران خسرو پرویز نے یروشلم کو تباہ کیا اور ۹۰ ہزار یہودی قتل کیے۔

یہود کے قتل، ان کی عبادت گاہوں کی تباہی اور مقدس صحیفوں کے جلائے جانے کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ عہد نامہ قدیم محفوظ نہ رہ سکا۔ اس کے علاوہ عہد نامہ قدیم کی تدوین کی تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی تدوین بہت بعد میں عمل میں آئی۔ ایک مغربی محقق کے بقول:

''موجودہ عہد نامہ قدیم کے متن کو آخری مرتبہ ساتویں صدی مسیح میں مرتب کیا گیا اور جن لوگوں نے اسے مرتب کیا ان کو مسورائی کہا جاتا ہے اور باقی کی جو کاپیاں تھیں یا وہ نسخے جو ناقص یا بوسیدہ پائے گئے ان کو اچھی طرح جانچنے کے بعد ضائع کر دیا گیا۔ چنانچہ عبرانی مخطوطے کوئی بھی نویں صدی عیسوی سے پہلے کا نہیں اور یہ سب کے سب مسورائی متن کے حامل ہیں۔''

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عہد قدیم کی آخری شامل شدہ کتاب (Dancial) سے لے کر مسورائی متن کے اولین مخطوطے تک ہزاروں برس کا وقفہ ہے۔ اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ فلسطین کے نزدیک ''Dead Sea'' کے قریب ایک غار سے سیعاہ اور دوسری کتابوں کے اجزاء برآمد ہوئے۔ ان کے متعلق محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ دوسری صدی قبل مسیح میں لکھے گئے۔ اس سے قبل کے زمانے میں عہد نامہ قدیم تورات والے حصے پر مشتمل ہے اور مسورائی متن سے ملتا ہے۔ دوسرے یونانی نسخے سے متعلق سیعینہ (سطروں والا) کے متعلق ایک عجیب و غریب واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔

مصر کے بادشاہ بطلیموس نے اپنے کتب خانے اسکندریہ کے لیے چاہا کہ یہودیوں کی مقدس کتابوں کی ایک ایک نقل وہاں رکھے، چنانچہ اس نے بہت سارے یہودی غلاموں کو آزاد کر کے یروشلم بھیجا۔ وہاں سے ستر علماء کا انتخاب کر کے انھیں ایک جزیرے میں رکھا گیا اور ان

Marfat.com

میں سے ہر ایک نے الگ الگ کتابوں کا ترجمہ کیا جو لفظ بلفظ یکساں تھا اس لیے اسے الہامی قرار دے دیا گیا۔

انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا کے آرٹیکل میں یہ بات موجود ہے:

"The law veing burnt, ezru at his own request was insipred two rewrite it in 40 days he dictated 94 books to five scribes"

الغرض ان مسلسل اور پے در پے تباہیوں سے نسخوں کا تواتر ختم ہوگیا اور ہر فرقے نے اپنے مفاد اور نظریات کے مطابق توریت میں کمی بیشی کی نیز اس کی زبان بدلتی رہی۔ کبھی عبرانی، کبھی رومی اور کبھی یونانی۔

عہد قدیم میں تحریف کی داخلی اور خارجی شہادت: تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر اس طرح ہے:

''میں خداوند کے بندے موسیٰ نے خداوند کے کہنے کے مطابق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت مخفور کے مقابل دفن کیا' آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں اور اس وقت سے لے کر آج تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی جس نے موسیٰ کی مانند خدا کے روبرو باتیں کیں نہیں اٹھا۔''

(کتاب استثناء، باب نمبر 34، آیات 5 و مابعد)

عہد قدیم کی کتاب سلاطین اول میں باب نمبر 8 کی آیات نمبر 6 سے 9 میں یہ مذکور ہے:

''اور اس صندوق میں کچھ نہیں تھا۔ سوا پتھر کے ان دو الواح احکام عشرہ کے جن کو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو رب میں رکھ دیا جس وقت کہ خداوند نے بنی اسرائیل سے جب وہ ملک مصر سے نکل آئے عہد باندھا تھا''۔

یہود کی تباہی بائبل کے حوالے سے: سلاطین دوم باب نمبر 20، 16 اور 17 میں مذکور ہے:

''تب یسعیاہ نے حذقیاہ سے یہ کہا۔ خداوند کا کلام سن لے۔ دیکھ وہ دن آتے ہیں کہ سب کچھ جو تیرے گھر میں ہے اور جو کچھ تیرے باپ دادا نے آج کے دن تک جمع کر رکھا ہے

Marfat.com

وہ بائبل کو لے کر جائیں گے اور خداوند فرماتا ہے کہ باقی کچھ نہیں رہے گا۔"

عذرا فقیہ نے جسے تدوین بائبل کا سب سے بڑا محسن قرار دیا جاتا ہے۔ اپنے متعلق دو کتابوں (عذرا اول' عذرا دوم) میں یہ لکھا ہے:

عذرا دوم، باب نمبر 14، آیات نمبر 12 تا 20 کے مطابق:

"اے خداوند دنیا میں اندھیرا چھا رہا ہے اور جو لوگ اس میں بستے ہیں سب بغیر روشنی کے ہیں۔ کیونکہ تیری ہدایت اور قانون جل چکا ہے۔ اس لیے کوئی شخص نہ ان معاملات کا علم رکھتا ہے جو گزر چکے ہیں اور نہ ان کا جو شروع ہو رہے ہیں۔ لیکن میں نے تیرے حضور عزت پائی ہے۔ اس لیے روح القدس کو مجھ میں داخل کر دے اور میں پھر وہ سب کچھ لکھوں جو دنیا میں ہو چکا ہے۔"

عذرا دوم، باب نمبر 14، آیت نمبر 38 تا 40 میں لکھا ہے:

"اور میری روح نے میرے حافظے کو قوی بنا دیا ہے اور پھر جو میری زبان کھلی ہے تو بند نہیں ہوتی اور لکھنے والے چالیس دن تک بیٹھے لکھتے رہے اور صرف رات کے وقت کچھ کھاتے تھے اور میں دن بھر لکھاتا رہتا تھا اور رات کو بھی میری زبان بند نہ ہوتی تھی۔ ۴۰ دنوں میں انھوں نے ۲۰۴ کتابیں لکھ ڈالیں۔"

"یہود غلامی کے دور میں اپنی زبان بھی بھول گئے تھے' یہود کی زبان پہلے عبرانی تھی' لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ تورات کا نسخہ جو بطلیموس شاہ یونان نے تیار کرایا تھا وہ یونانی زبان میں نہیں تھا۔"

(لحمیاہ باب ۱۳۔ آیت ۲۳ سے ۲۵)

زمانہ اسیری میں سبت کے دن علماء یہود دعا کرتے ہیں۔ پہلے تورات کی عبرانی زبان میں تلاوت کرتے تھے' پھر اس کی تفسیر بیان کرتے تھے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ غالباً یہی مواد تھا جس نے عذرا نبی نے بعد کی کتابوں کو مدون کیا۔

انسائیکلوپیڈیا آف بیبلکل (Bibilacal) لٹریچر میں یہ مذکور ہے کہ:

"عذرا نے تمام عتیق کو محض حافظے کی مدد سے تحریر کیا کیونکہ ان تمام کتابوں کے نسخے غفلت کی وجہ سے معدوم ہو چکے تھے۔"

عہد نامہ قدیم قرآن کی روشنی میں: قرآن کریم عہد نامہ قدیم کا سرے سے ذکر نہیں

Marfat.com

کرتا بلکہ صرف تورات کے نزول کا حوالہ دیتا ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران میں ہے:

''نزل علیك الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیه وانزل التورات والانجیل من قبل هدی للناس''

اوراس کے بعد سورۂ ہود میں اس کو کتاب موسیٰ کہا گیا ہے۔

''ومن قبله کتاب موسیٰ''

کسی جگہ صحف کا نام نہیں دیا گیا ہے۔ صحف ابراهیم وموسیٰ گویا قرآن حکیم صرف تورات کے نازل ہونے کا تذکرہ کرتا ہے۔

سورۂ مائدہ آیت نمبر۱۳

''یُحَرِّفُونَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِهٖ''

سورۂ مائدہ

''قل یاهل الکتاب لستم علی شی ء حتی تقیموا التوراة والانجیل''

یہاں بھی اہل کتاب کو یہ بات بتائی گئی ہے کہ وہ اصل تورات اور انجیل پر عمل کریں اوراپنی خواہشات کو بروئے کار لانے کی کوشش نہ کریں۔

سورہ جمعہ میں یہود کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ انھوں نے تورات کو اپنانے میں حق ادانہیں کیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

''مثل الذین حمل التورات ثم لم یحملوها کمثل الحمار یحمل اسفار''

تو گویا اس آیت کریمہ میں قرآن کریم یہ گواہی دے رہا ہے کہ یہود کو جو اصل تورات دی گئی تھی، یہ لوگ اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے اور انھوں نے اصل تعلیمات کو بھلا دیا ہے۔''

تالمود، مثناء، گمارا:

تالمود کو بھی یہود کے ہاں بہت اہمیت دی جاتی ہے بلکہ اس کو وحی غیر مقطوع کی حیثیت حاصل ہے۔ تالمود ان روایات کا مجموعہ ہے جو یہود کے ہاں انبیاء اور اکابر سے سینہ بہ سینہ علماء کاتبوں، احبار اور پھر ربیوں تک پہنچا۔ عہد نامہ قدیم کے تشریحی لٹریچر کی حیثیت حاصل ہے۔

پس منظر: تالمود کا پس منظر یہ ہے کہ ہیکل کی تباہی کے بعد صدوقی مکتب فکر کے لوگ تدریجاً کم

Marfat.com

ہوتے چلے گئے اور فریسی رہ گئے۔ جن کے ذمے یہود کی روحانی زندگی کا مقدس فریضہ تھا۔ ایک سو عیسوی کے قریب یہود کی ایک مجلس نے مذہبی قوانین کی شیرازہ بندی کا اہتمام کیا تا کہ ہیکل کی عبادت اور نذر وقربانی کا سلسلہ جاری رہے۔ کئی صدیوں کے طویل عرصے میں یہود کے دینی قوانین کا ارتقاء ہوتا رہا تھا جس کے نتیجہ میں روایات کا ایک مجموعہ تیار ہوگیا جس کو سائمن اور اس کے بیٹے یہودا (Rabbi) ربی اور اس کے شاگردوں نے تیار کیا تھا۔

تالمود دو حصوں میں منقسم ہے' اس کی بنیاد جس کو متن کہنا چاہیے مشناہ (Mishnah) کہلاتی ہے۔ جس کے معانی تکرار اور اعادے کے ہیں۔ یہ علماء یہود کے ان اجتہادی مسائل کا مجموعہ ہے جو انھوں نے عہد قدیم کی روشنی میں منضبط کیے۔ زراعت' تہوار' عائلی قوانین' سول اور تعزیری قوانین نذر وقربانی پادریوں سے متعلق احکام اور نظامت قوانین جاری کیے گئے۔ اس میں ۶۳ صحیفے ہیں اور یہ ۵۲۴ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کے چھ حصے کیے گئے ہیں جن میں ہر حصہ ایک خاص عنوان اور بحث پر مشتمل ہے۔

مشنا (Mishnah) بائبل کی نفسِ مضمون کے لحاظ سے شرح ہے اس کتاب کو چھ حصوں (Sidarim) میں تقسیم کیا گیا ہے۔

ا۔ زراعیم (Zeraim)' اس کے معنی بیج کے ہیں۔ پیداوار اور زراعت کے متعلق شرعی حدود وقیود اور احکامات کا تذکرہ اس میں کیا گیا ہے۔

۲۔ موعد (Moed)' اس میں ان کے مذہبی تہواروں اور مذہبی رسومات کا ذکر ہے۔

۳۔ ناشیم (Nishim)' اس کے معنی عورتیں ہیں اور اس حصے میں عورتوں سے متعلق مسائل نکاح اور عدت کے احکامات بیان کیے گئے ہیں۔

۴۔ نزیقین (Nezkin)' اس کا مطلب نقصانات ہیں۔ اس حصے میں کفارات تاوان اور قصاص سے متعلقہ احکامات بیان کیے گئے ہیں۔

۵۔ کوداشیم (Kodoshim)' اس کے معنی مقدس چیزیں ہیں اور پاکیزہ اشیاء کے متعلق اس حصے میں اسی طرح وضاحتیں موجود ہیں جس طرح ہمارے ہاں تکریم کعبہ اور فضیلت قرآن کے بارے میں احکام ہیں۔

۶۔ توھوروتھ (Tohoroth)' اس میں صفائی اور طہارت کے شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں۔

Marfat.com

مِشناء کے اس متن کی بنیاد پر اس کی مزید تشریح وتعبیر کی گئی ہے۔ اس کے معنی تکمیل (Completion) کے ہیں جسے گمارا کہا جاتا ہے اور ان دونوں کے مجموعے کو تالمود کہتے ہیں۔ جن کے معانی ہیں مطالعہ ہدایت (Study of Instruction) یہ ایک وسیع مجموعہ ہے جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے اور اس میں طب' نباتات' فلکیات' جیومیٹری اور دوسرے مضامین کے بارے میں بھی تاثرات پیش کیے گئے ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ تالمود دو ہیں۔ ایک فلسطینی تالمود اور دوسرا بابلی تالمود دونوں کی زبان رومی ہے۔ فلسطینی تالمود' بابلی تالمود سے حجم میں تین گنا بڑی ہے اور اس میں دین' قانون اور اخلاق پر مواد نسبتاً بہت مفصل ہے۔ یہ دراصل فلسطینی تالمود سے مستنبط ہے اور چھٹی صدی عیسوی میں اس کی تکمیل ہوئی۔ تالمود نے یہود کی زندگی پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جس نے تالمود کی تعلیم سے بے اعتنائی برتی اور صرف تورات میں مشغول رہا تو وہ نجات نہیں پا سکتا۔ انھوں نے تورات کو خمیز اور تالمود کو ادیم (سالن) سے تشبیہ دی ہے' یہود کا یہ بھی قول ہے کہ جس نے تالمود کے بغیر تورات پڑھی اس کا کوئی خدا نہیں ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

بائبل اور انبیاء کرام پر اخلاقی الزامات

ہر دین کے پیروکار اپنے بانیان مذاہب کے احترام اور اعزاز کے قائل ہیں کیونکہ کسی رہنما سے اس وقت تک قلبی عقیدت اور ذہنی وابستگی نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس شخصیت کی اخلاقی پاکیزگی اور بلند کرداری کا پختہ یقین نہ ہو لیکن یہودی قوم کا معاملہ اس ضمن میں بالکل جداگانہ ہے' وہ ایک طرف جن انبیاء ورسولوں کو خدا کا فرستادہ مانتے ہیں دوسری طرف ان کی سیرت وکردار پر ایسے اخلاق سوز الزامات لگاتے ہیں' جن کا تصور رسول تو کجا' ایک عام شریف انسان کے متعلق بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا سبب بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ جب بنی اسرائیل قوم کے عوام وخواص' علماء واحبار اور حکام اخلاقی انحطاط کی پستی میں گر گئے تو اپنی اصلاح کی بجائے اولیاء عظام اور انبیاء کرام کی پاک سیرتوں کو داغدار کرنا شروع کردیا تاکہ ان کی اپنی سیہ کاریوں پر پردہ پڑا رہے اور جواز پیدا کیا جاسکے۔ اس تاریک پہلو میں ہندو قوم بھی یہودیوں کی ہم نوا رہی ہے جس نے اپنے قومی ہیروز اور دینی راہنماؤں بلکہ دیوی دیوتاؤں کو اخلاقی بداعمالیوں کا مرتکب ٹھہرایا ہے۔ ذیل میں ہم عہدنامہ عتیق سے کچھ مثالیں دیتے ہیں جن میں انبیاء کرام پر گھٹیا' فحش اور ناقابل یقین الزامات لگائے گئے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ باتیں اللہ کا کلام نہیں بلکہ ایجاد بندہ ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے:

''اور نوح کاشت کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا' اس نے اس کی شراب پی اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے پر برہنہ ہوگیا''۔ (پیدائش باب ۹: ۲۰۔۲۱)

اس طرح کتاب پیدائش باب ۱۹ میں حضرت لوط علیہ السلام پر شراب خوری اور اور خود اپنی بیٹیوں سے بدکاری کا ناقابلِ یقین غلیظ الزام ہے۔

بائبل کی کتاب پیدائش اور تالمود میں حضرت یعقوب علیہ السلام پر بے صبری' ناشکری

Marfat.com

کا بہتان ہے نیز خدا سے تمام رات کشتی لڑنے کا ذکر ہے۔

سلاطین اول: باب ۱۱ آیت ۱ تا ۶ میں درج ہے کہ:

''سلیمان نے خداوند کے آگے بدی کی اور اس نے خدا کی پوری پیروی نہ کی۔''

نیز ان پر بت پرستی' مشرک عورتوں سے نکاح کرنے اور ان کے عشق میں مبتلا ہو جانے کا ذکر ہے۔

نیز کتاب سموئیل باب ۱۱ اور باب ۱۲ میں حضرت داؤد علیہ السلام پر اپنے ایک ملازم اور یاحتی کی خوبصورت جوان بیوی کی تاک جھانک' اس کے عشق میں مبتلا ہونے اور اس سے بدکاری کا الزام ہے۔

اس طرح بائبل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خفیہ عشق بازی' حضرت ہارون علیہ السلام پر شرک وکفر اور گائے پرستی اور حضرت ایوب علیہ السلام پر بے صبری اور بزدلی کا الزام درج ہے۔

بائبل کے برعکس قرآن حکیم نے تمام انبیاء اور رسل کی عصمت اور پاکیزگی کا اعلان کیا ہے اور ان تمام الزامات سے انبیاء کو بری الذمہ ٹھہرایا ہے جن کا تذکرہ ہمیں بائبل میں ملتا ہے کیونکہ اسلامی عقیدے کے مطابق تمام انبیاء معصوم ہوتے ہیں وہ ہر قسم کے صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

احکامِ عشرہ یا معاشرتی تعلیمات

یہودیت کی معاشرتی تعلیمات ہمیں ان موسوی احکام عشرہ میں ملتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے پتھر کی لوحوں پر کندہ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے تھے جن کی تفصیل درج ذیل ہے چنانچہ تورات میں لکھا ہے:

ا۔ تو اپنے ماں باپ کو عزت دے تا کہ تیری عمر اس زمین پر جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو۔

۲۔ تو خون مت کر۔

۳۔ تو زنا مت کر

۴۔ تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر (۷۔۱۰)

تو اپنے پڑوسی کی جورو' اس کے غلام' اس کی لونڈی' اس کے بیل' اس کے گدھے اور اس کی کسی چیز کا "جو تیرے پڑوسی کی ہے لالچ مت کر" (استثناء ۵:۲۲ خروج ۲۰:۱ تا ۱۷)

انھی احکامِ عشرہ یا معاشرتی تعلیمات کی تفصیل ہم تورات کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

حقوق العباد: موسوی احکامِ عشرہ

ا۔ عمدہ تعلیم:

ماں باپ کی عزت و تکریم' زنا' خون' چوری' جھوٹی گواہی' پڑوسی کے گھر کا لالچ وغیرہ سے ممانعت۔۔۔ (استثناء باب خروج ۲۰:۱۲ تا ۱۷)

۲۔ بائبل اور عورت:

(The man is the owner the women is the cattle)

موسوی شریعت نے عورتوں کو مردوں کا ہمیشہ محکوم اور غلام بنایا ہے جبکہ اسلام نے ان

Marfat.com

کے حقوق مقرر کیے ہیں۔

(بحوالہ سورۂ بقرہ)

هن لباس لکم وانتم لباس لهن.

''خدا تیرے درد حمل کو بڑھائے گا تو شوہر کی طرف رغبت کرے گی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔'' (پیدائش باب ۳)

شادی سے پہلے عورت باپ یا ولی کی ملکیت۔۔۔لہٰذا لڑکی کو اغوا کرنے والا قانوناً لڑکی کے والد کو جرمانہ ادا کرتا تھا۔۔۔چنانچہ لکھا ہے:

''اگر کوئی چھوکری کو فریب دے کر مباشرت کرے اور اس کی قیمت دے کر نکاح کرے تو اگر اس کا باپ راضی نہیں تو وہ کنواریوں کے اجراء کے مطابق نقدی دے۔''

(بحوالی خروج آیات ۱۶۔۲۲)

وضاحت:

اگر کوئی کنواری لڑکی کو پاوے جو کسی کی منگیتر تھی۔اس کو پکڑ کر ہم بستر ہو تو وہ لڑکی کے باپ کو ۵۰ مثقال چاندی دے (اگر پکڑے جائیں) اور زندگی بھر اسے طلاق نہ دے۔

(بحوالہ استثناء ۲۲۔۲۸)

یہ احکامات اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں کیونکہ اسلام میں بدکاری کی سزا ۱۰۰ کوڑے یا شادی شدہ کے لیے رجم ہے۔

۳۔مہر: موسوی شریعت میں مہر دینا فرض ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ پیدائش باب ۳۷ خروج باب ۲۲' ۲۔استثناء باب ۲۲ آیت ۲۹'

۳۔سموئیل اول ۱۸/۲۵۔

۴۔تعداد ازواج:

عہد نامہ عتیق کے مطابق ایک سے زائد بیویاں کرنا جائز ہے۔اسرائیلی انبیاء نے ایک سے زائد شادیاں کیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین نکاح کیے۔بی بی سارہ' بی بی حاجرہ' بی بی قطورہ۔حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں۔حضرت سموئیل نبی کے والد کی دو بیویاں تھیں۔موسیٰ علیہ السلام کی دو' داؤد علیہ السلام کی ایک سو اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی

Marfat.com

سات بیویاں تھیں۔

(بحوالہ پیدائش باب ۱۶' استثناء باب ۲۱)

احبار باب ۱۸ سموئیل باب نمبر ا سلاطین اول باب اول تاریخ باب ۳ وغیرہ حوالہ جات سے تعدد ازدواج کا ہونا ثابت ہے۔

پادری فاکس ''غلطیوں کی اصلاح'' میں رقم طراز ہیں:

''تعدد ازدواج کے بارے میں بے تردد تسلیم کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں بھی اس دستور نے رواج پایا تھا اور خداوند نے اس کو منع نہیں فرمایا کہ بلکہ اس رسم پر چلنے والوں سے برکت کا وعدہ فرمایا۔''

۵۔ طلاق ..... بائبل

عورت خاوند کی مملوکہ ہے جب اس میں کوئی پلید بات دیکھے تو اس کو طلاق نامہ لکھ کر اس کے ہاتھ میں دے اور اسے گھر سے باہر کر دے۔۔۔۔ (بحوالہ استثناء ۲۴:۱)

اگر کوئی غلام نکاح کرے اس کی بیوی سے اولاد ہو تو جب ساتویں برس آزاد ہو تو اکیلا جائے اس کی اولاد آقا کی ملکیت ہو جائے گی۔ (بحوالہ خروج باب ۲۱)

''جب کسی کو اسیرانِ جنگ میں سے کوئی عورت پسند آئے تو وہ اس کو بیوی بنائے اس کے بعد اگر اچھی نہ لگے تو اسے گھر سے نکال دے''۔ (استثناء ۲۱:۴)

نحمیا ۱۳۰:۲۰ میں غیر اقوام کی عورتوں کو طلاق دینے کا تاکیدی حکم پایا جاتا ہے۔ یہ تعلیمات بھی اسلام کے خلاف ہیں' اسلام نے طلاق کو حلال امور میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

۶۔ ورثہ:

یہودیت میں عورت ورثہ کی حقدار نہیں ہوتی بلکہ اس کی اپنی کمائی بھی شادی سے پہلے اس کے والدین کی اور شادی کے بعد اس کے شوہر کی ہوتی ہے۔ باپ کی بیویاں بیٹے کی وراثت میں آجاتی تھیں جبکہ اسلام میں عورت کو معاشی آزادی ہے' اس کا کمایا ہوا مال اس کا اپنا ہوتا ہے اور وہ اپنی آزاد مرضی سے اپنے مال میں تصرف کر سکتی ہے۔

بائبل میں لکھا ہے کہ:

Marfat.com

''روبن نے جیتے جی اپنے باپ (یعقوب) کی منکوحہ پر قبضہ کرلیا''۔۔۔''سموئیل دوم آیات ۱۶تا۲۰' پیدائش آیات ۲۲تا۲۸۔

حقوق اولاد:

بائبل میں تعلیم وتربیت میں سختی کرنے کے احکام موجود ہیں۔ والدین کی جائیداد میں صرف پہلوٹا لڑکا ہی وارث ہوتا ہے جبکہ اسلام میں تمام اولاد وراثت میں برابر کی شریک ہے۔

بائبل کے ظالمانہ احکام:

۱۔ غلام اور لونڈیوں کے بارے میں:

غلاموں کو لاٹھیوں سے مار دینے تک کی سزا دی جاسکتی ہے۔ (خروج باب ۲۱)

مرد یا عورت جس کا یار دیو ہو یا جادوگر ہو' دونوں قتل کیے جائیں۔ چاہیے کہ تم ان پر پتھراؤ کرو اور ان کا خون انھی پر ہوگا۔۔۔(احبار باب ۲۰ آیات ۲۷)

''تم جادوگروں کو جینے مت دو'' (خروج باب ۲۲ آیت ۱۸)

۲۔ جنگ اور قیدیوں کے متعلق احکام:

جب خداوند تیرا اسے تیرے قبضہ میں کردے تو تلوار کی دھار سے قتل کر۔۔۔کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑ۔۔۔(استثناء ۲۰ آیات ۱۳تا۱۸)

سو ان بچوں کو جو لڑکے ہیں سب کو قتل کر اور ہر ایک عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف ہو چکی ہے جان سے مارو جو ابھی واقف نہیں ہوئیں ان کو اپنے لیے رکھ لے۔

(بحوالہ گنتی باب ۳۱' آیات ۹'۱۶'۱۷)

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ:

''اور داؤد نے اس سرزمین کو حرام کہا اور عورت مرد کسی کو جیتا نہ چھوڑا اور ان کی بھیڑ بکریاں ہوں یا اس کے گدھے سب کو تہہ تیغ کیا''۔(یشوع ۶:۲۱)

خداوند کا حکم موسیٰ علیہ السلام کے نام:

''جب خدا تیرا خدا ان کو تیرے حوالے کرے تو تو انھیں مار پھر اور حرم کیجیو' نہ تو ان سے کوئی عہد کریو اور نہ ان پر رحم کریو۔ نہ اس سے بیاہ کرنا اس کی بیٹی کو اپنی بیٹی نہ بنانا اور نہ اپنے بیٹے کے لیے اس کی بیٹی لینا''۔ (استثناء ۷:۳۲)

Marfat.com

اسی طرح کے واقعات ''گنتی دوئم'' اور ''استثناء'' وغیرہ میں تفصیلاً ملتے ہیں۔

طہارت:

احبار باب نمبر۱۵میں استثناء باب نمبر۲۳اور سموئیل دوم باب ۱۱میں طہارت پر بڑازور دیا گیا ہے۔

مے نوشی کی ممانعت:

احبار باب نمبر۱۰اور آیت میں شراب کو قطعاً حرام قرار دیا گیا ہے۔

سود:

خروج باب نمبر۲۲نمبر۱احبار باب نمبر۲۵استثناء باب نمبر۲۳زبور باب نمبر۱۵' آیت نمبر۱ مثال ۲۸ آیت ۸خرقی ایل باب نمبر۱۸نمبر۱۶' پرمیاہ باب نمبر۱۵آیت نمبر۱۰میں سود کو منع کیا گیا ہے۔

لحم الخنزیر:

احبار باب ۱۱آیت نمبر۷ استثناء باب نمبر۱۴آیت ۸۰ یسعیاہ باب ۶۵ آیات ۳۔۴ میں سور کے گوشت کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

تحریک صیہونیت

(Zionistic Movement)

تقریباً ۱۳۰۰ سال قبل مسیح میں بنی اسرائیل اس علاقہ میں داخل ہوئے اور دوصدیوں کی مسلسل کشمکش کے بعد بالآخر اس پر قابض ہوئے۔ بنی اسرائیل نے اس علاقے کی رہنے والی اقوام کا قتل عام کرکے اس سرزمین پر اسی طرح قبضہ کیا تھا جس طرح فرنگیوں نے ریڈانڈینز (RedIndians) کو ختم کرکے امریکہ پر قبضہ کیا۔ ان کا دعوی تھا کہ خدا نے یہ ملک میراث میں ان کو دے دیا ہے۔ اس لیے ان کو حق پہنچتا ہے کہ اس کے اصل باشندوں کو بے دخل کرکے بلکہ ان کی نسل کو مٹا کر اس پر قابض ہو جائیں۔

آٹھویں صدی قبل مسیح میں آشوریوں نے شمالی فلسطین پر قبضہ کیا اور ان کی جگہ دوسری اقوام کو لا بسایا۔ چھٹی صدی ق م میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے جنوبی ریاست پر قبضہ کرکے تمام یہودیوں کو ہلاک کر دیا۔ بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ہیکل سلیمانی کو اس طرح پیوند خاک کر دیا کہ اس کی ایک دیوار بھی اپنی جگہ پر قائم نہ رہی۔ ایک طویل مدت کی جلاوطنی کے بعد ایرانیوں کے دور حکومت میں یہودیوں کو پھر سے جنوبی فلسطین میں آکر آباد ہونے کا موقع ملا۔ اور انھوں نے بیت المقدس میں ہیکل کی دوبارہ تعمیر کی لیکن یہ دوسرا وقفہ بھی تین چار سو برس سے دراز نہ ہوا۔ ۷۰ ق م میں یہودیوں نے رومی سلطنت کے خلاف بغاوت کر دی جس کی پاداش میں شہر اور ہیکل دوبارہ مسمار کر دیا گیا۔ اس کے بعد ایک دوسری بغاوت کی اور علاقوں میں منتشر ہو گئے۔ ۲۰۰۰ سال سے یہودی یہ دعائیں مانگتے رہتے ہیں کہ بیت المقدس پھر ہمارے ہاتھ آئے اور ہم ہیکل سلیمانی دوبارہ تعمیر کریں۔

مذہبی تقریبات کے موقع پر یہ گھر میں اپنی تاریخ کا پورا ڈرامہ دہراتے گویا بیس

Marfat.com

صدیوں سے یہودی کے بچے بچے کے دل میں یہ بات بٹھائی جارہی ہے کہ ''فلسطین تمھارا ہے تمھیں واپس لینا ہے اور تمھارا مقصدِ زندگی یہ ہے کہ تم بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کو پھر سے تعمیر کرو۔ گویا بیس صدیوں سے یہودی قوم کی زندگی کا نصب العین یہی رہا ہے کہ وہ ہیکل کی تعمیر کریں۔''

سازشی لوگ:

یہ وہ پس منظر ہے جس سے تحریک صیہونیت کو سمجھنے میں بہت آسانی رہتی ہے۔ آخری جلاوطنی کے بعد یورپ' ایشیا اور افریقہ کے جن ممالک میں بھی یہ رہے یہ سیاسی سازشوں میں ملوث رہے کسی بھی حکومت کے وفادار نہیں ہوتے تھے۔

باغی ذہن:

دوسری بات یہ ہے کہ تمام حکومتیں اکثر وبیشتر ان کے ساتھ ناروا سلوک اور ظالمانہ سلوک روا رکھتی ہیں اور یہ ہمیشہ باغیوں کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔

دوطبقات:

تیسری بات یہ ہے کہ یہودی جہاں بھی رہے ہمیشہ ان کے دوطبقات ہوتے تھے۔ ایک عام مزدور طبقہ اور دوسرا وہ جو اپنی صلاحیتوں اور ذہانت کی وجہ سے مارکیٹ پر غلبہ واقتدار حاصل کرلیتے تھے۔ خصوصاً اقتصادی امور میں ان کی گرفت بڑی مضبوط ہوتی تھی۔ ہٹلر کے زمانے میں جرمنی کی دولت کے تمام ذرائع تجارت' بنکوں' اخبارات اور ریڈیو پر یہودیوں کا ہی تسلط تھا۔ ہٹلر نے ان کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا۔ روس کے خلاف بغاوتوں کے مرتکب ہوتے تھے جس کی وجہ سے ان کے خلاف تادیبی کارروائیاں ہوتی تھیں۔

۱۸۸۲ء میں ان کا قتل عام ہوا جس کے نتیجہ میں لاتعداد یہودی مارے گئے۔ اس قتلِ عام سے ان کی اس تحریک کا آغاز ہوا جو بعد میں تحریک صیہونیت کہلائی۔

احمد شلبی نے مقارنۃ الادیان میں لکھا ہے کہ:

''اس شدید قتل کے بعد یہودیوں نے یہ اندازہ لگالیا کہ ان کے لیے ان کے آباء کی سرزمین ارض موعود کے علاوہ اور کہیں امن وچین نہیں۔ اس تحریک کا بانی لیوپنسکر تھا اس نے ایک جماعت تشکیل دی جس کا نام جمعیت عشاقِ صہیون تھا۔''

Marfat.com

(مقارنتہ الادیان جلد اول ص ۹۷)

وجہ تسمیہ:

جبل صہیون یروشلم کے قریب واقع تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس پر ایک قلعہ اور چھاؤنی تعمیر کی تھی۔ چونکہ یہ یہودیوں کے عروج کا زمانہ تھا اس لیے انھوں نے اپنی جماعت کے لیے یہی نام استعمال کیا تا کہ یہودی کے ذہن میں عظمت رفتہ کے حصول کا جذبہ پیدا ہو' ایک دفعہ بن گوریاں نے کہا تھا:

''کہ ہم یہودیوں میں اتحاد کی وجہ یہ ہے کہ یہودی کے ذہن میں ارض موعود کا ایک واضح تصور موجود ہے اور ارض موعود میں قیام حکومت کا عقیدہ ہی یہودیوں کے درمیان باعثِ اتحاد ہے۔''

بن گوریاں کی اس تقریر کے اس حصہ کا تجزیہ کیا جائے تو احساس ہوتا ہے کہ اپنی تحریک کا نام انھوں نے اس علامت اور نشان سے منسوب کیا جو ماضی میں عظمت و شوکت کی دلیل تھا۔

انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھک کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

تحریک کا مقصد:

صیہونیت (Zionism) ایک جدید قومی یہودی تحریک کا نام ہے جس کا پروگرام باقاعدہ طور پر سوئٹزرلینڈ کے شہر بال (Ball) میں ۲۹ سے ۳۱ اگست ۱۸۹۷ء میں ایک بین الاقوامی کانفرنس میں طے کیا گیا۔ تحریک صیہونیت کا مقصد یہ تھا کہ یہودی لوگوں کے لیے ایک عام تسلیم شدہ قانونی طور پر تحفظ والا وطن فلسطین میں مہیا کیا جائے۔ اس بال کانفرنس میں ہی جمعیت عشاق صہیونیت کا نام دیا گیا تھا۔ کانفرنس میں جو قرارداد پاس ہوئی اس کی شقیں درج ذیل تھیں:

۱۔ یہودی زراعت پیشہ افراد' صنعت کاروں اور تاجروں کو فلسطین میں آباد کیا جائے جس حد تک مطلوبہ مقاصد کے لیے ضروری ہو۔

۲۔ تمام یہودی لوگوں کو ان ممالک کے قوانین کی مطابقت، سے مقامی اور عام جماعتوں کی صورت میں بین الاقوامی پیمانہ پر منتخب اور منظم کیا جائے۔

Marfat.com

۳۔ یہودیوں کے قومی احساسات اور خودی کے جذبات کو تقویت دی جائے۔

۴۔ تحریک صہیونیت کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے متعلقہ حکومتوں کی اجازت کے سلسلے میں اقدامات کیے جائیں۔ یعنی اسرائیل کے قیام کی حمایت کی یقین دہانی کی جائے۔

فلسطین کی طرف ہجرت:

تحریک صہیونیت کی منظم شکل تو ۱۸۹۷ء میں سامنے آئی تاہم فلسطین کی طرف ہجرت کا سلسلہ ۱۸۸۲ء میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ زار روس نے ہجرت کرنے اور ترک عثمانیوں نے ان کے فلسطین میں داخلے پر کڑی پابندیاں لگا دیں۔ لیکن ان احتیاطی اقدامات کے باوجود ان کے کچھ گروہ فلسطین میں آنے میں کامیاب ہو گئے۔

بن گوریاں کے نزدیک ''یہ پہلی ہجرت تھی اس تحریک ہجرت کو بین الاقوامی حیثیت دی گئی اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے تنظیمیں قائم کی گئیں۔''

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے مضمون نگار کے مطابق:

۱۸۹۶ء میں یہودی دنیا۔ وی آنا (Viena) کے ایک شخص تھیوڈر ہرزل (Theodore Herzal) کے منظر عام آنے پر بیدار ہوئی۔ اس نے ان خیالات کا اظہار کیا کہ یہودیوں کو وہ تمام غیر موافق ممالک چھوڑ دینے چاہئیں جہاں وہ آباد ہیں ایسی سکیم تفصیل سے طے کرنی چاہیے جس کے ذریعے یہودی دولت مشترکہ کا قیام عمل میں آسکے۔''

تھیوڈر ہرزل کی پرکشش شخصیت کا ہی اثر تھا جس میں اس کے خیالی منصوبے کو لوگوں کی اکثریت کے سامنے ایک عملی حقیقت کی صورت میں پیش کیا' بعد میں آنے والے ادوار میں اس کی شخصیت کے ساتھ مسیح موعود کے دعوے کو بھی منسلک کیا گیا۔ بلاشبہ وہ ایک بے مثال شخصیت ثابت ہوا اور موجودہ یہودی آبادی میں اس کی حیثیت ایک مصلح کی حیثیت سے تسلیم کی جاتی رہتی ہے۔

(بحوالہ جلد ۱۲ ص ۸۵۶)

چنانچہ ۱۸۹۷ء میں جو بال (Ball) کانفرنس منعقد ہوئی اور اس میں جس پروگرام کو متعین کیا گیا اس کو پورا کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے۔ ان میں سے ایک تو یہ

Marfat.com

تھا کہ عبرانی زبان کو اس کا جائز مقام دیا گیا۔ اس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا اور تمام یہودیوں کے لیے یہ لازمی ٹھہرا کہ وہ عبرانی سیکھیں اور اپنے روزمرہ معمولات عبرانی میں لکھیں اور پڑھیں۔ اسی کانفرنس میں جو ۱۸۹۷ء میں ہوئی تھی عبرانی کو یہودیوں کی کاروباری اور رسمی زبان کا درجہ دیا گیا تھا گویا یہودی قوم کے سامنے ان کی آئیڈیالوجی رکھ دی گئی۔

۱۹۲۵ء میں لارڈ بل فور (Bil Four) کی مدد سے ایلن بائی نے جو یونیورسٹی قائم کی تھی وہ اسی تحریک کا نتیجہ تھی۔ بال کانفرنس میں ایک اور اہم فیصلہ جو ہوا وہ یہ تھا کہ فلسطین کے نام کو استعمال کرنے کی بجائے مجوزہ علاقے کا کوئی مخصوص نام رکھا جائے اس سلسلے میں دو تجاویز سامنے آئیں۔

ارضِ صہیون اور اسرائیل

لیکن غور و فکر کے بعد انھوں نے اسرائیل کا نام منتخب کیا۔ انھوں نے ایک عالمی جیوری (World Jury) قائم کرنے کی تجویز بھی پیش کی اور اس کے علاوہ بین الاقوامی تنظیمیں قائم کرنے کی حمایت کی۔

ایک تجویز یہ پیش ہوئی کہ:

''یہودی یہ سمجھیں کہ جلاوطنی کا دور ختم ہو گیا ہے اور اپنے وطن کی طرف ہجرت کا زمانہ شروع ہو چکا ہے۔ یہودیوں کو فلسطین کی طرف ہجرت کرنی چاہیے اور وہاں اپنی نو آبادیاں قائم کرنی چاہئیں۔''

چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے مختلف قسم کا لٹریچر پمفلٹوں اور رسالوں کی صورت میں شائع ہونا شروع ہو گیا تا کہ قومی احساسات کو اجاگر کیا جا سکے۔ یہودیوں کی مالی حیثیت چونکہ بہت مضبوط ہوتی تھی اس لیے اپنے میں سے غریب یہودیوں کو وظیفے دیتے تا کہ ان کی مالی مشکلات ختم ہوں۔

ہجرت ثانیہ:

۱۹۰۵ء میں اس کانفرنس کے بعد دوسری ہجرت ہوئی جسے ہجرت ثانیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ہجرت اس بغاوت نما سازش کا نتیجہ تھی جو زار روس کے خلاف کی گئی لیکن جسے دبا دیا گیا تھا اس ہجرت میں ان کا لیڈر بن گوریاں بھی آیا جو روسی یہودی تھا۔ انھوں نے

Marfat.com

خلیل اور سامریہ کے علاقوں میں بہت کالونیاں یا بستیاں قائم کرلیں ان آبادیوں میں یورپ کے متمول یہودیوں کی زبردست اعانت موجود تھی۔

فلسطین کا علاقہ اس وقت عثمانی ترکوں کی سلطنت میں تھا۔ ۱۹۰۱ء میں تھیوڈور ہرزل نے سلطان ترکی عبدالحمید خان کو یہ پیغام بھیجا کہ ''یہودی لوگ ترکی کے تمام قرضے ادا کرنے کے لیے تیار ہیں اگر فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کی اجازت دے دی جائے۔''

لیکن سلطان نے اس پیغام کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور صاف جواب دیا کہ:

''جب تک میں زندہ ہوں اور جب تک سلطنت ترکیہ موجود ہے۔ اس وقت تک اس کا کوئی امکان نہیں کہ فلسطین یہودیوں کے حوالے کیا جائے اگر یہودیوں کی ساری دولت بھی مجھے دے دی جائے تو بھی ارض مقدس کی ایک انچ جگہ بھی ان کو دینے کو تیار نہیں تمھاری ساری دولت کو میں حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔''

۱۸۹۷ء سے لے کر ۱۹۱۶ء تک اس تحریک نے آباد کاری کے سلسلے میں اہم رول ادا کیا۔ پہلی جنگ عظیم کی ابتدا کے ساتھ ہی یہودیوں کے لیے ہجرت کے مواقع بڑے آسان ہوگئے اور انھوں نے وسیع پیمانے پر ہجرت شروع کردی۔ یہ جذبہ اور شوق اسی بال کانفرنس کا پیدا کردہ تھا۔

پہلی جنگ عظیم میں شروع میں یہودیوں نے حکومت جرمنی سے معاملہ کرنا چاہا کیونکہ جرمنی میں ان کا بہت زور تھا انھوں نے قیصر ولیم سے یہ وعدہ لینے کی کوشش کی کہ وہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے میں مدد کرے لیکن اس کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ یہ ثابت ہوئی کہ ترکی اس کا حلیف ملک تھا اور وہ اس کی ہمدردی اور حمایت کھونا نہیں چاہتا تھا۔

اس موقع پر ڈاکٹر وائزمان (Weiz Maun) کی شخصیت منظر عام پر آئی' اس نے حکومتِ انگلستان کو یہ یقین دلایا کہ تمام دنیا کے یہودیوں کا سرمایہ اور اعلیٰ دفاعی صلاحیتیں' انگلستان اور فرانس کے کام آسکتی ہیں۔ اس یقین دہانی کی صورت میں کہ فتحیاب ہونے کے بعد فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنادیں گے' اس نے حکومت سے یہ وعدہ حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی جو بالفور اعلان کہلاتا ہے۔ یہ اعلان عربوں کے لیے بڑا نقصان دہ تھا۔ ۱۹۱۷ء میں انگریزی جنوبی فلسطین میں داخل ہوئے اور انھوں نے یروشلم پر قبضہ کرلیا۔ جرمن اور ترکی فوجیں بتدریج شمالی فلسطین اور شام کی طرف ہٹ گئیں۔ فلسطین برطانیہ کے قبضہ میں

Marfat.com

آ گیا اور اس اعلان کے ساتھ وہ پہلا مرحلہ کامیابی کے ساتھ طے ہو گیا جس کے لیے ۱۸۸۰ء سے ۱۹۱۴ء تک تقریباً ۳۷ سال کا عرصہ لگا۔

مسلسل ہجرت کی وجہ سے ۱۹۳۹ء میں ان کی تعداد ۴ لاکھ کے قریب ہو چکی تھی عام عرب آبادی ان کی دن بدن بڑھتی ہوئی آبادی سے خائف رہنے لگی۔ اس عرصہ کے دوران ۱۹۶۸ء اور ۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۹ء میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان خون ریز فسادات بھی ہوئے۔ ۱۹۳۳ء میں عراق، شام اور لبنان کی آزادی کے بعد فلسطینی عربوں نے آزاد ریاست کا مطالبہ کیا لیکن انگریز حکومت کے وزیر اعظم ان کو تسلی دلاسہ دیتے رہے۔

دوسری طرف یہودی عالمگیر جنگ کے زمانے میں فلسطین میں داخل ہونے لگے۔ ان کی مسلح تنظیمیں قائم ہوئیں جنھوں نے اردگرد کے علاقوں میں مار دھاڑ کر کے عربوں کو ہراساں کرنا اور بھگانا شروع کر دیا جن کے مظاہرے سرِ عام ہوئے تھے۔ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کا دور تحریک صہیونیت کا دوسرا مرحلہ تھا۔ یہودیوں نے جو مجلسِ دفاعِ ذات قائم کی تھی وہ عربوں پر حملے کر کے ان کا صفایا کر رہی تھی۔ حتیٰ کہ انھوں نے انگریز سپاہیوں کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہ کیا۔ فوج میں یہودی بریگیڈ قائم کیا گیا۔ مختلف علاقوں میں ہونے والے فسادات اتنے نازک صورت اختیار کر گئے کہ نومبر ۱۹۴۷ء میں برطانیہ نے فلسطین کا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کیا۔ جنرل اسمبلی میں فلسطین کو عربوں اور یہودیوں کے درمیان تقسیم کرنے کا فیصلہ ہوا۔

فلسطین کا ۵۵ فیصد رقبہ ۳۳ فیصد یہودی آبادی کو اور ۴۵ فیصد رقبہ ۶۷ فیصد مسلم آبادی کو دیا گیا، تقسیم کے اس فیصلے کے بعد یہودیوں کی دہشت پسند سرگرمیاں مزید تیز ہو گئیں انھوں نے قتل و غارت اور سفاکی کے ذریعے ملک کے زیادہ علاقے پر اپنا قبضہ کرنا شروع کر دیا۔

۱۹۴۸ء میں برطانوی انتداب فلسطین سے ختم کر دیا گیا۔ ساتھ ہی ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو اسرائیل کی ریاست کے قیام کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا جسے روس اور امریکہ نے فوراً تسلیم کر لیا۔

اسرائیلی حکومت کے قیام کے بعد عربوں اور یہودیوں میں کئی جنگیں ہوئیں جس میں یہودیوں کا پلہ بھاری رہا اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ استعمار پسند طاقتیں مسلسل یہودیوں کی پشت پناہی کر رہی ہیں نیز دامے، درمے اور سخنے اس کی مدد کرتی رہی ہیں۔ یہودی

Marfat.com

متحد ہیں اور وہ جہاں کہیں بھی ہیں یہودی ریاست کی عملی مدد اور تعاون کرتے ہیں' اس کے برعکس عرب ممالک نفاق کا شکار ہیں اور باہم ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہیں عربوں کے ان اختلافات کی وجہ سے اسرائیل اپنے توسیع پسندانہ عزائم میں کامیاب ہو رہا ہے۔ جون ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے ہمسایہ عرب ممالک پر حملہ کر کے ان کے کئی علاقے ہتھیا لیے جنگ اکتوبر ۱۹۷۳ء میں مصر نے اپنے بعض علاقے واپس لے لیے لیکن گذشتہ سال اسرائیل نے لبنان کے اکثر علاقے پر جارحانہ قبضہ جما لیا ہے اس طرح اسرائیل اپنے توسیع پسند عزائم میں کامیاب ہے۔ ۱۹۹۰ء میں خلیجی جنگ میں عراق کی شکست اور روس کا بطور عالمی طاقت کے خاتمہ نے حالات یکسر بدل دیئے ہیں' امریکہ اب واحد سپر طاقت ہے اس کے نیو ورلڈ آرڈر کے تحت اسرائیل مشرق وسطیٰ کی مضبوط ترین قوت ہے جس کا امریکہ سرپرست ہے مصر اور تنظیم فلسطین نے اسے تسلیم کر لیا ہے باقی عرب ممالک اسے تسلیم کرنے پر تیار بیٹھے ہیں اس طرح فلسطین کے المیے کی علامہ اقبال کا یہ شعر خوب ترجمانی کرتا ہے:

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

☆☆☆

Marfat.com

یہودیت اور اسلام کا موازنہ

یہودیت یا اسرائیلی مذہب کے صاحب شریعت نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ حضرت یعقوب کا نام چونکہ اسرائیل تھا اس لیے یہ نسل بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔ ان کی تبلیغ سے جن دوسری اقوام نے ان کا دین قبول کیا وہ نسلاً تو ان سے الگ رہی مگر مذہباً ان کے متبع رہی اس طرح یہودیت' نسلی دین ہے۔ پھر بنی اسرائیل پر جب تنزل کا دور آیا تو اس سے یہودیت پیدا ہوئی' جو حضرت یعقوب کے چوتھے بیٹے یہودا کی طرف منسوب ہے۔ قرآن مجید میں انھیں بنی اسرائیل اور الذین ھادوا کے الفاظ سے مخاطب کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے انبیاء کا طویل سلسلہ مبعوث کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان میں صاحب شریعت رسول تھے ان تمام انبیاء کی تعلیم خالص توحید' رسالت اور آخرت پر مبنی تھی ان کا اصل دین' دین اسلام ہی تھا لیکن مرور زمانہ سے' بنی اسرائیل کے کاہنوں' ربیوں اور احبار نے اپنے اپنے خیالات اور رجحانات کے مطابق شرکیہ عقائد' باطل رسوم اور خود ساختہ مذہبی ضوابط کا جو ڈھانچہ صدہا برس میں تیار کیا' اس کا نام یہودیت ہے۔ لہٰذا ہم اسلام کا موازنہ اسی یہودیت سے ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

ا۔ عقیدۂ توحید:

توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور باقی تمام عقائد وایمانیات عقیدۂ توحید کے تحت ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

والھکم الہ واحد لاالہ الاھوالرحمن الرحیم ○

یعنی تمھارا معبود حقیقی صرف ایک اللہ ہے اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں وہ رحمٰن اور رحیم ہے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم کی سورۂ اخلاص اللہ تعالیٰ کی یکتائی کا اتنا خالص بیان پیش

Marfat.com

کرتی ہے کہ جس کے بعد ہر قسم کے شک کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔

قل ھو اللہ احد۔ اللہ الصمد۔ لم یلد ولم یولد۔ ولم یکن لہ کفوًا احد۔

اے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کو بتا دیجئے کہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ کوئی دوسرا کسی بھی طرح اس کے برابر ہے۔

نیز فرمایا گیا۔

یاایھاالناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم ○

اے لوگو! اس رب کی اطاعت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا۔

آگے چل کر اسلام خدا کی اہم صفت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

ان اللہ علی کل شیء قدیر ○

بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس کے مقابلے میں یہودیوں کی مذہبی کتاب موجودہ تورات میں خدا کا تصور ملاحظہ ہو:

''خداوند انسان کو اس سرزمین پر پیدا کر کے پچھتایا اور کہا میں نے جس انسان کو پیدا کیا نہ صرف اسے بلکہ حیوان اور پرندوں تک کو ہلاک کر دوں گا کیونکہ ان کے بنانے سے میں ملول ہوا ہوں۔''

تورات کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا بھی گویا انسانوں کی طرح ہے کہ ایک کام کرتا ہے اور پھر کسی وجہ سے اپنے کیے پر پچھتاتا ہے۔ جہاں تک یہودیوں کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ عقیدہ توحید یہودی عقائد کا ایک اہم جزو ہے۔ اس کی نفی قرآن کریم نے کر دی ہے چنانچہ فرمایا:

وقالت الیھود عزیر ابن اللہ ○

اور یہود کہتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں

گویا خدا کو انسانوں کی طرح نسلی بقا کی ضرورت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے عقیدہ توحید کو خالص طور پر بیان کرنے کے ساتھ ساتھ شرک کو بہت بڑا ظلم قرار دیا۔

ان الشرک لظلم عظیم ○

Marfat.com

بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے

لہٰذا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ عقیدہ توحید اپنے خالص رنگ میں صرف اور صرف اسلام ہی میں موجود ہے اور یہودی اس عقیدہ کو خالص نہ رکھ سکے۔

مقدس مذہبی کتب:

یہودیوں کے مذہبی ادب کی بنیاد تورات پر استوار ہوئی ہے اور مسلمانوں کی الہامی کتاب قرآن پاک ہے۔ قرآن پاک اپنی اصلی صورت میں آج تک موجود ہے اور تا قیامت موجود رہے گا کیونکہ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں محفوظ کرایا اور صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کے سینوں میں بھی یہ محفوظ تھا۔ نیز خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہوئے اسے ہر طرح کی تحریف سے پاک رکھنے کی ضمانت بھی دے دی۔"

انانحن نزلناالذکروانالہ لحافظون ○

ہم نے اسے نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

اور نہ صرف اس کی حفاظت کی گئی بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا گیا کہ اس جیسا کلام کوئی نہیں پیش کرسکتا اور کھلا چیلنج دیتے ہوئے فرمایا گیا:

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعواشھداء کم من دون اللہ ○

اگر تمھیں ہمارے کلام کے بارے میں کوئی شک وشبہ ہوتو اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ اور نہ صرف تم بلکہ اللہ کے علاوہ اپنے تمام حمایتیوں کو بھی لے لو۔

اور پھر خود ہی اس چیلنج کے متعلق فرمایا کہ یہ تمھارے بس کی بات نہیں۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقواالنارالتی وقودھاالناس والحجارۃ اعدت للکفرین ○

پس اگر تم ایسا نہ کرسکو اور ہرگز نہ کرسکو گے تو پھر اس آگ کے عذاب کے لیے تیار ہوجاؤ جو انسانوں اور پتھروں کے ایندھن کی ہے اور کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

یہی نہیں بلکہ اس بات کی وضاحت بھی کردی گئی کہ اس کتاب کا ذکر پہلی امتوں کی

Marfat.com

کتب میں بھی کیا گیا ہے۔

وانه لفی زبر الاولین

اوراس کا ذکر پہلے کی کتابوں میں موجود ہے۔

جہاں تک قرآن کریم کے فوائد کا تعلق ہے تو اس ضمن میں بھی یہ بتادیا گیا کہ یہ کسی ایک فرد یا قوم کی اصلاح کے لیے نہیں' بلکہ تمام جہانوں کی نصیحت کے لیے نازل کی گئی۔

ان هو الا ذکر للعالمین

اس کے مقابلہ میں یہودیوں کے مذہبی ادب کا جائزہ لیا جائے تو سب سے پہلے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ موجودہ مذہبی ادب وہ نہیں جو یہودیوں کے انبیاء پرنازل ہواتھا کیونکہ خود ان لوگوں نے اس میں ترمیم و تنسیخ کی' خود اس میں اپنی مرضی سے باتیں شامل کرتے اور کہتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے جس کی گواہی قرآن نے ان الفاظ میں دی ہے۔

فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیهم ثم یقولون هذا من عنداللہ لیشتروابه ثمناقلیلا فویل لهم مما کتبت ایدیهم وویل لهم مما یکسبون

تباہ وبرباد ہوں وہ لوگ جو اپنے ہاتھ سے لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس سے تھوڑی سی کمائی کریں۔ تباہی ہے ان کے اس لکھنے پر اوران کی اس کمائی پر (البقرہ)

قرآن کریم کے ساتھ ساتھ تاریخ بھی اس بات کی شاہد ہے کہ یہودیوں کی مذہبی کتاب تورات مختلف ادوار میں عرصہ دراز تک صفحہ ہستی سے ناپید رہی۔ اور پھر جونہی یہودی سنبھلے تورات کومرتب کردیا اور ظاہر ہے کہ اس عمل میں جوان کے جی میں آیا انھوں نے کیا اور انبیاء علیہم السلام تک کونہیں بخشا۔ لہٰذا مذہبی کتب کے سلسلے میں بھی اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس کی تعلیمات بلاترمیم وتنسیخ آج بھی موجود ہیں۔ جبکہ یہودی مذہب کی بنیادی کتاب تورات ہی اپنی اصل صورت میں موجودنہیں تو انبیاء کی تعلیمات کے درست ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲۔ رسالت:

کسی بھی مذہب یا نظریۂ حیات کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پیچھے ایک ایسی ہستی کارفرماہو جو اپنی عملی زندگی سے ان نظریات کوپیش کرسکے۔ جب اس معیار پر ہم یہود کا جائزہ

Marfat.com

لیتے ہیں تو ہمیں مایوسی ہوتی ہے۔

یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا سب سے بڑا پیغمبر مانتے تھے جن کے متعلق ہمیں عہد نامہ عتیق کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی لیکن یہودیوں کی شرارتوں نے ان کو موقع ہی نہیں دیا کہ اس کی ترتیب اور اس کے قوانین کو عملی جامہ پہنانے کی طرف توجہ کریں۔ تورات کی مختلف کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو حیرت کی انتہا ہو جاتی ہے جب ان میں پیغمبروں کی عصمت کے بارے میں نعوذ باللہ یہاں تک کہا جاتا ہے۔

''حضرت لوط علیہ السلام نے (نعوذ باللہ) اپنے بیٹیوں سے زنا کیا۔''

اسی طرح یہودا پر الزام لگایا گیا کہ اس نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل کو بڑھانے کے لیے اپنے لڑکے کو بھاوج سے زنا کی ترغیب دی۔

خود موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کا رویہ یہ تھا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جہاد کی دعوت دی تو بڑی بے شرمی سے کہنے لگے۔

فاذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون ○

پس موسیٰ تم اور تمھارا خدا جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

غرضیکہ یہودیوں نے ہر طرح سے اپنی نفسانی خواہشات کو اولیت دی اور اپنے انبیاء کی تعلیمات کے خلاف ہی چلتے رہے جس کی وجہ سے انبیائے یہود کی پوری زندگی کا عملی رخ تاریخ محفوظ نہ رکھ سکی۔

اس کے مقابلہ میں اسلام کے بانی کو لیجئے کہ اس عالمگیر مذہب کی بنیاد ہی میں رسول کی اہمیت کو واضح کر دیا گیا ہے اور اسلام میں داخل ہونے کے لیے جس کلمہ کا پڑھنا ضروری ہے اس کا ایک جزو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ایمان ہے۔

اسلام نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مضبوط بنیادوں پر تعلق قائم رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کر دی کہ اگر تم اللہ سے مضبوط رشتہ جوڑنا چاہتے ہو اس سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور چاہتے ہو کہ تمھارے اعمال پر نظر کرم کی جائے تو محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنیاد بناؤ۔

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعونى يحببكم الله يغفرلكم ذنوبكم ○

Marfat.com

اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تم سے محبت کرے تو میری اتباع کرو جس کے صلہ میں اللہ نہ صرف تم سے محبت کرے گا بلکہ تمھارے گناہوں کو بھی بخش دے گا۔

اس کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو افراط وتفریط سے بچانے کے لیے اللہ کی طرف سے اس بات کا اعلان بھی کر دیا کہ

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ بے شک میں تمھاری طرح انسان ہوں اور تمھاری ہدایت کے لیے اس لیے مقرر کیا گیا ہوں کہ میری طرف اللہ کی وحی آتی ہے جو عام انسانوں اور مجھ میں فرق واضح کرتی ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیت کے مقابلہ میں اسلام کا عقیدۂ رسالت واضح اور افراط وتفریط سے پاک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی مکمل طور پر ہمارے سامنے موجود ہے جس پر ہم عمل کر کے دین و دنیا میں سرخرو ہو سکتے ہیں کیونکہ بقول اقبالؒ

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

۳۔ عقیدۂ آخرت:

اسلام کی طرح عقیدۂ آخرت کا تصور اگرچہ یہودیت میں بھی ہے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر وہ بھی یقین رکھتے ہیں لیکن وہ چونکہ اللہ کی پسندیدہ قوم ہیں اس لیے عذاب سے محفوظ رہیں گے چاہے نیک اعمال کریں یا نہ کریں۔ قیامت کا تصور ان کے یہاں اس طرح پایا جاتا ہے:

''جس دن گھر کے مالک تھرتھرانے لگیں گے' طاقتور لوگ کمزوری کے باعث جھک جائیں گے' جب چکی کی آواز دھیمی ہو جائے گی' انسان چڑیا کی آواز سے چونک جائے گا وہ قبل اس کے کہ خاک میں مل جائے تو سمجھنا قیامت ہے۔''

''اللہ نے انصاف کے لیے اپنا تخت تیار کر رکھا ہے اور وہ سچا ہے جو پورے جہان کی عدالت کرے گا۔''

انسان کے دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق یہودیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ

''میں جانتا ہوں کہ مجھے زندہ کرنے والا موجود ہے میں بالکل نیست و نابود ہونے کے

Marfat.com

بعد بھی اپنے جسم سے خدا کو دیکھ سکوں گا۔''

انسانی اعمال کے بارے میں جوابدہی کا تصور کچھ اس طرح ہے کہ:

''اے جوانو! اپنی جوانی کے ایام میں خوش رہو اپنے دل اور آنکھوں کو صحیح راستے پر چلاؤ۔ یادرکھو سب باتوں کے لیے تم کو خدا کے یہاں اس کی عدالت میں پیش ہونا پڑے گا۔''

اسلام میں عقیدۂ آخرت ایک اہم اور بنیادی عقیدہ ہے جس پر تمام اعمال کی عمارت قائم ہے۔ قرآن کریم میں جن لوگوں کو متقی بتایا گیا ہے ان کی اہم خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ:

وبالاخرة هم يوقنون ○

اوروہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔

اسلام اس دنیا کی زندگی کو عارضی زندگی قرار دیتے ہوئے انسانوں کو اللہ کی طرف رجوع کرنے کی تعلیم دیتا ہے:

واتقوا يوما ترجعون فيه الى الله ثم توفى كل نفس ما كسبت وهم لايظلمون ○

اوراس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹو گے اور ہر شخص کو جو اس نے کیا ہے اس کا بدلہ دیا جائے گا اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہوگی۔

اس کے ساتھ ساتھ انسانی نجات کا واحد ذریعہ اس کے اعمال کو قرار دیا گیا ہے کہ تم خواہ معمولی سی اچھائی یا برائی کرو گے اس کا پورا صلہ تمھیں مل کر رہے گا۔

فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرايره

پس جس نے ذرہ بھر بھلائی کی ہے وہ دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ دیکھ لے گا۔

قیامت کا منظر بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

يوم يكون الناس كالفراش المبثوث وتكون الجبال كالعهن المنفوش۔ فاما من ثقلت موازينه فهو فى عيشة راضية واما من خفت موازينه فامه هاويه ○

جس دن لوگ بکھرے پتنگوں کی مانند کھو جائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین روئی کی

Marfat.com

طرح' پس جس کا پلڑہ بھاری ہوگا تو اسے آرام واطمینان نصیب ہوگا اور جس کا پلڑہ ہلکا ہو جائے گا تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔

اس کے بعد قرآن کریم نے ہاویہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ہاویہ کیا ہے دہکتی ہوئی آگ ہے اور برے اعمال کی سزا کے طور پر انسانوں کو اس میں ڈالا جائے گا۔

اعمال کی اس بازپرس میں اللہ کے نزدیک بڑائی کا صرف ایک معیار ہوگا اور وہ یہ کہ کون سا انسان اس دنیا میں اس سے ڈر کر نیک اعمال کرتا ہے اور برے اعمال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ بحیثیت انسان تمام اولاد آدم ایک ہیں اور اللہ سب کا رب ہے۔ قرآن کریم نے اس کو بالکل واضح طور پر بیان کر دیا کہ:

یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم ○

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پہچان کے لیے مختلف ذاتیں اور قبائل بنائے' بیشک اللہ کے نزدیک عزت اسی کو حاصل ہے جو اس سے ڈرتا ہے۔

اور پھر یہ معیار مقرر کر کے انسانوں پر نہیں چھوڑ دیا کہ وہ فتویٰ لگاتے پھریں کہ کون متقی ہے اور کون نہیں بلکہ فرمایا کہ ممکن ہے تم جسے بظاہر کچھ نہیں سمجھتے وہی اللہ کے نزدیک قابل قدر ہو اس لیے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کے برعکس اہل یہود کا عقیدہ آخرت بگڑ گیا تھا اور ان کا تصور نجات غلط اور خود ساختہ ہے' ان کے ہاں نجات اعمالِ صالحہ کی بجائے' بنی اسرائیل میں مختص اور محدود کر دی گئی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ صرف یہودی جنت میں جائیں گے خواہ ان کے اعمال کیسے ہی ہوں کیونکہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں۔ اللہ کی لاڈلی قوم ہیں وہ جہنم میں نہیں ڈالے جائیں گے۔ بالفرض اگر سزا ملی تو وہ چند روز ہوگی۔ ارشاد الٰہی ہے:

''وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز نہ چھوئے گی الا یہ کہ چند روز۔ ان سے پوچھو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے جس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔''

(البقرہ ۸۰)

نیز فرمایا:

''ان کا خیال ہے کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو۔ یہ ان کی تمنائیں ہیں ان سے کہو (اس کی) دلیل لاؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو'' (البقرہ ۱۱۱)

Marfat.com

دوسرے عقائد:

اسی طرح ایمان بالملائکہ اور ایمان بالکتب میں بھی خرابی پیدا ہوگئی تھی' فرشتوں خصوصاً حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اپنا دشمن خیال کرتے تھے۔ اسی طرح آسمانی کتابوں میں سے تورات کے علاوہ دیگر کتب انجیل اور قرآن کا انکار کرتے تھے اس کے برعکس اسلام تمام انبیاء پر ایمان کو لازمی قرار دیتا ہے اور سلسلہ نبوت کی آخری کڑی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتا ہے۔ نیز تورات اور انجیل اور دوسرے آسمانی صحائف کو برحق تسلیم کرتا ہے جو اپنے اپنے وقت پر کتاب ہدایت تھیں اور اب صرف قرآن مجید آخری کتاب ہدایت ہے۔

نسلی مذہب:

یہودیت ایک نسلی مذہب ہے جس کی بنیاد نسل اور قوم پر ہے' ہر یہودی کے لیے یہودی باپ اور یہودی ماں کی اولاد ہونا ضروری ہے کوئی دوسری قوم یا نسل کا شخص ان کے عقائد کو قبول کر کے' یہودی نہیں بن سکتا۔ یہودی صرف وہی ہے جو پیدائشی اور نسلی یہودی ہو' ان کا دعویٰ ہے کہ ان میں دوسری نسل انسانی کا خون شامل نہیں' یہ لوگ غیر یہودیوں سے رشتہ ازدواج بھی نہیں کرتے۔ اس کے برعکس اسلام ایک بین الاقوامی اور عالمگیر دین ہے جس کا خدا رب العالمین' رسول رحمۃ للعالمین اور کتاب ذکر للعالمین ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری خطبہ میں فرمایا:

''کسی عربی کو عجمی پر' کسی عجمی کو عربی پر' کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں' سب اولاد آدم ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے تھے کسی کو کسی پر رنگ و نسل یا کسی اور وجہ سے فضیلت حاصل نہیں۔ فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔''

حقوق نسواں:

اسلام حقوق نسواں کا محافظ ہے۔ قرآن کا فرمان ہے:

هن لباس لكم وانتم لباس لهن ○

عورتیں تمھارے لیے مثل لباس ہیں اور تم ان کے لیے مثل لباس ہو یعنی عورت اور مرد ایک دوسرے کے رفیق حیات اور عزت و حقوق کے محافظ ہیں۔ گناہ' نیکی' سزا اور جزا میں وہ دونوں برابر ہیں۔ عورت کو شادی کا اختیار ہے' مہر عورت کا قانونی حق ہے اور وراثت میں

Marfat.com

عورت حصہ دار ہے۔ اس کے برعکس یہودیت میں عورتوں کو مردوں کا ہمیشہ غلام اور محکوم بنایا گیا ہے۔ بائبل میں ہے۔

''خدا تیرے دردِ حمل کو بڑھائے گا تو شوہر کی طرف رغبت کرے گی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا'' (پیدائش باب ۳)

پھر یہودیت میں عورت ورثہ کی حقدار نہیں ہوتی بلکہ اس کی اپنی کمائی بھی شادی سے پہلے اس کے والدین اور شادی کے بعد اس کے شوہر کی ہوتی ہے' باپ کی بیویاں بیٹے کی وراثت میں آجاتی ہیں جبکہ اسلام میں عورت کو معاشی آزادی ہے۔ اس کا کمایا ہوا مال اس کا اپنا ہے اور وہ اپنی آزاد مرضی سے اپنے مال میں تصرف کر سکتی ہے۔

عدل ومساوات:

اسلام عدل ومساوات کا دین ہے' اسلام نہ صرف باہم مسلمانوں میں' بلکہ غیر مسلموں سے بھی مساوی اور عادلانہ سلوک کی تلقین کرتا ہے۔ عدل و مساوات میں وہ مذہب و ملت' حسب ونسب رنگ اور نسل کی تفریق نہیں کرتا جبکہ یہودی مذہب اپنے اور بیگانوں میں قدم قدم پر بے انصافی اور عدم مساوات کا مظاہرہ کرتا ہے۔ تالمود کا بیان ہے کہ اگر اسرائیل کا بیل کسی غیر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ مگر غیر اسرائیلی کا بیل اگر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر تاوان ہے۔ اگر کسی شخص کو کوئی چیز گری پڑی ملے تو وہ دیکھے کہ اس کے اردگرد کی آبادی کن لوگوں کی ہے اگر اسرائیلی کی ہو تو اسے اعلان کرنا چاہیے اگر غیر اسرائیلیوں کی ہے تو بلا اعلان اپنے پاس رکھ لے۔ اسماعیل ربی کا کہنا ہے ''اگر قاضی کے پاس امی یعنی غیر اسرائیلی اور اسرائیلی کا مقدمہ آئے تو قاضی کو ہر صورت اپنے مذہبی بھائی اسرائیلی کو جتانا چاہیے۔ نیز ربی شموایل کہتا ہے کہ غیر اسرائیلی کی ہر غلطی سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ غرض ایک یہودی کے لیے مذہبی طور پر جائز ہے کہ وہ غیر یہودیوں سے جو سلوک چاہے' کرے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ○

یعنی وہ کہتے ہیں امیوں یعنی غیر یہودیوں کے بارے میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں۔

(آل عمران ۷۵)

Marfat.com

باب نمبر 10

عیسائیت

اس باب میں ہے .....عیسائیت کا تعارف، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات وتعلیمات، جدید عیسائیت کی تعلیمات، عقیدہ تثلیث، عقیدہ ابن اللہ، عقیدہ کفارہ، حواریوں کے حالات، مقدس دینی کتب، بائبل کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، قرون وسطیٰ کی عیسائیت، عیسائیت اور اسلام کا موازنہ۔

Marfat.com

اب ہم ایک اہم اور بین الاقوامی مذہب کا ذکر کرتے ہیں جو موجودہ دور میں سیاسی تفوق اور معاشی قوت کا حامل ہے۔ اس کے پیروکار تعداد' سیاسی قوت' معاشی اثر ونفوذ کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں' اس مذہب نے تاریخ پر دوررس اثرات ڈالے ہیں اور آج بھی ہر لحاظ سے قابلِ توجہ ہے۔

عیسائیت بلحاظ آبادی دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ اس کے پیرو دنیا کے تقریباً تمام ممالک میں پائے جاتے ہیں اور کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں عیسائیت کے قدم نہ پہنچے ہوں۔

یہودیت کی طرح عیسائیت بھی دراصل ابراہیمی مذہب کی ایک شاخ ہے۔ یہودیت سے اس کا تعلق نہایت گہرا ہے یہاں تک کہ ابتدا میں عیسائیت یہودیت کا ایک حصہ تھی اس لیے عیسائیت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم یہودیت کی تاریخ سے پوری طرح باخبر ہوں۔

یہود کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کو کچھ عرصے کے لیے فلسطین کی حکومت نصیب ہوئی۔ لیکن ان کی گمراہیوں نے انھیں اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ حکومت کا کاروبار چلا سکیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت کے لیے یکے بعد دیگرے انبیاء بھیجتا رہا۔ لیکن یہودیوں نے ان کے نصائح کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ ان انبیاء کے ساتھ ان کا رویہ شرمناک تھا۔ کچھ کو قتل کر ڈالا' بعض کو یہودیوں کے ہاتھوں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ کچھ سنگسار کر دیئے گئے اور بعض کو آروں سے چیر ڈالا گیا۔ گویا یہودیوں کی گمراہی ان میں اس حد تک پیوست ہو چکی تھی کہ وہ جہالت وتوہمات کا مرقع بن گئے۔ ان کے علماء وفقیہ غیر ضروری مسائل کی توجیہات میں مصروف ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کا دین اصل حالت میں موجود نہ رہا تھا اور یہودی علماء نے ان میں اپنی مرضی سے ترمیم وتحریف کر لی تھی۔

عیسائیت کا ظہور اس وقت ہوا جب یہودی قوم منتشر ہو چکی تھی۔ ان کی آبادیاں اب بحیرہ روم کے آس پاس کے علاقوں میں قائم ہو چکی تھیں اور مشرق وسطیٰ کے دیگر علاقوں میں

Marfat.com

بھی ان کی آبادی بڑھ چکی تھی۔ فلسطین پر آریوں کی حکومت تھی' جو رومیوں کے تابع تھے۔ یروشلم رومیوں کا ایک ماتحت صوبہ تھا اور رومی حکومت کا یہ حصہ یہودایا جوڈیا کہلاتا تھا۔ یہاں کا حاکم بھی رومی حکومت کی طرف سے مقرر تھا۔

اس وقت فلسطین پر رومی حاکم ہیروڈ تھا جو شہنشاہِ روم آگٹس کا وفادار تھا۔ طاقت واقتدار کے لحاظ سے یہ بھی اپنے ملک میں آگٹس سے کم نہ تھا۔ ظلم وستم میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا ذرا ذرا سے شبہ پر بستیوں کی بستیاں اجاڑ دیتا۔ اس کا ظلم وتشدد اور دراز دستیاں اپنے عروج کو پہنچ چکی تھیں۔ غلامی کا دور دورہ تھا' حالات اس قدر بگڑ چکے تھے کہ ان کے سدھرنے کی کوئی توقع نہ تھی۔ انسانوں کے ایک محدود طبقے نے طاقت وقوت کے تمام سرچشموں پر قبضہ کر کے خدا کی مخلوق کو مفلوج اور اپاہج بنا دیا تھا۔ انسانیت ظلم واستبداد کی چکی میں پس رہی تھی اور انھیں ان مصائب سے نجات دلانے والا کوئی نہ تھا۔ بدھ' جین اور کنفیوشس نے زخمی انسانیت کو مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر ان کے پیغام میں مصائب کا مقابلہ کرنے کی بجائے مصائب سے کنارہ کش ہونے کا درس دیا گیا تھا۔ یونان وروما میں زینو' دیوجانس کلبی اور اپی کیورس میں بھی مصائب سے چور انسانیت کو اپنا کوئی مستقبل نظر نہ آتا تھا۔ گوتم بدھ کی نجات ابدی ایک منفی سی چیز تھی۔ جس کا کوئی مثبت پہلو نہ تھا۔ اس کے نزدیک انسان کی آخری معراج یہ تھی کہ نروان کے نام پر ''کچھ نہیں'' ہو کر رہ جائے۔ یہی حال زینو کے فلسفہ کٹوئس ازم' دیوجانس کلبی کے فلسفہ کلبیت اور اپی کیورس کے فلسفہ مسرت کا تھا۔ یہ سب لوگ اجتماعی زندگی میں انسان کی کوئی مدد نہ کرتے تھے بلکہ جو اندھیر نگری مچی ہوئی تھی اس سے دامن بچا کر گزر جانا سکھاتے تھے۔

مادی اسباب وحالات کی بنا پر اس بات کا کوئی امکان نہ تھا کہ یہودی پھر بھی آزادی کا منہ دیکھ سکیں گے اور نہ ہی انھیں یہ امید تھی کہ وہ رومی حکمرانوں کے ظلم وستم سے نجات حاصل کرلیں گے۔ اس لیے قدرتی بات یہ تھی کہ یہودیوں نے مستقبل سے اپنی امیدیں وابستہ کر لی تھیں اور ہر وقت اس انتظار میں رہتے کہ خدا ان کے معاملات کو سدھارنے کے لیے ضرور مداخلت کرے گا وہ اپنی سیاسی محرومی کو ایک عارضی حادثہ قرار دیتے۔ ان کے خیال میں وہ وقت قریب تھا جب ظالم وجابر حکمران رخصت ہو جائیں گے اور خداوند بنی اسرائیل کو ایک بار پھر آزادی کی نعمت سے سرفراز کر کے انھیں ایک ایسی عالمگیر قوت وحکومت عطا کرے گا جو ابدی

Marfat.com

ہوگی۔

یہ خیالات اس دور کے یہودیوں میں عام تھے اور ان کتابوں کا مشترکہ موضوع تھے جنھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، دانیال اور عذرا کی جانب منسوب کیا جاتا تھا۔ ان کتابوں نے یہودیوں کو آسمانی بادشاہت اور مسیح نجات دہندہ کے تخیل سے آشنا کر دیا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حیات اور تعلیمات قرآن اور بائبل کی روشنی میں

نام کی وجہ تسمیہ:

آپ کا نام یشوع عبرانی میں یسوع' عربی میں عیسیٰ تھا جو انگریزی میں (CHRIST) بن گیا۔ یسوع کے معنی سید اور مبارک کے ہیں۔ نیز نجات دلانے والا کے ہیں۔ دوسرا نام مسیح ہے جو مسح سے مشتق ہے مسح کے معنی کسی چیز پر ہاتھ پھیرنا اور اس سے برااثر دور کرنا ہے یعنی بیماری دور کرنا۔ (مفردات القرآن از امام راغب رحمۃ اللہ علیہ)

سیر اور چلنے کو بھی مسح کہتے ہیں۔ **قیل مسمی عیسا مسیحا فی الارض ای ذاھبافیھا**۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام مسیح اس لیے رکھا گیا کہ وہ زمین پر چلنے والے یا سیاحت کرانے والے تھے انھیں یسوع' ناصری' ناصرہ قصبہ کی نسبت سے کہا جاتا ہے۔

الغرض آپ کا ذاتی نام یشوع یا یسوع عیسیٰ تھا۔ مسیح آپ کا وصفی نام تھا اور ناصری آپ کا لقب تھا نیز ابنِ مریم آپ کی کنیت تھی۔

حضرت عیسیٰ کی زندگی کے بارے میں مستند تاریخی شواہد صرف قرآن حکیم میں موجود ہیں لیکن قرآن حکیم کا مقصود ان کی زندگی کا بیان اور تذکرہ نہیں تھا اس لیے تفصیلات یہاں بھی موجود نہیں بلکہ صرف ان بنیادی مباحث کو بیان کیا گیا ہے جو ضروری تھے۔ تفصیلات کے لیے لامحالہ عیسائیت کے ماخذوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جن میں اناجیل اربعہ اور اپوکریفہ (Apocrypha) لٹریچر شامل ہے۔

اناجیل اربعہ میں سے انجیل مرقس۔ انجیل متی اور انجیل لوقا بیانیہ اور تفصیلی ہیں۔ ان تینوں کو (Synoptic Gospels) بھی کہا جاتا ہے' ان میں رنگ آمیزی شامل یا موجود

Marfat.com

نہیں ہے۔ لیکن انجیل یوحنا میں رنگ آمیزی موجود ہے اور خدا کا بیٹا بنانے کی تاویل سب سے پہلے اسی انجیل میں ظاہر ہوئی' ان اناجیل میں جتنی معلومات ہیں وہ بہت مختصر ہیں جبکہ ان سے کئی گنا تفصیلی لٹریچر اپوکریفہ (Apocrypha) میں شامل ہے۔

یہودیوں کی طرح عیسائیوں میں بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایسا لٹریچر تیار ہوتا رہا' اگرچہ اس عقیدے کو اہمیت حاصل نہ ہوسکی تاہم مذہبی لٹریچر میں اسے شامل سمجھا گیا۔

حیاتِ عیسیٰ قرآن کی روشنی میں:

حضرت عیسیٰ کی ولادت کے بارے میں جہاں تک قرآن حکیم کا تعلق ہے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت مریم کو ان کی والدہ نے خدا کی نذر کیا ہوا تھا۔ پیدائش کے بعد حضرت زکریا نے ان کی کفالت کی ذمہ داریوں کو اٹھایا ہوا تھا۔ حضرت مریم ہیکل کی محرابوں میں سے ایک میں رہتی تھیں۔

سورہ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و کفلھا زکریا... ان اللہ یوزق من یشاء بغیر حساب (آیت ۳۷)

''کہ ان کی کفالت زکریا نے کی جب کبھی زکریا محراب میں ان کے پاس آتے تو وہ ان کے رزق پاتے تو وہ کہنے لگے کہ اے مریم یہ تیرے پاس کہاں سے آئے تو انھوں نے جواب دیا من عند اللہ کہ اللہ کی طرف سے بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب عطا کرتا ہے۔''

بے شک یہ آیت اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ وہ باعظمت مقام کی حامل اور برگزیدہ خاتون تھیں' اس مقامِ فضیلت کے بارے میں انھیں غیب سے اطلاع حاصل ہوچکی تھی۔ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۴۲ اور ۴۳ اسی مضمون کو ظاہر کرتی ہے:

اذقالت الملئکۃ یامریم ان اللہ اصطفک وطھرک واصطفک علی نساء العالمین۔ یامریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین۔

اسی دوران حضرت مریم علیہا السلام کو ولادت مسیح کی بشارت دی گئی۔

سورہ مریم کے حوالے کے مطابق وہ لوگوں سے الگ ہوکر مشرقی جانب گوشہ نشین ہو گئیں اور پردہ ڈال کر ان سے پوشیدہ ہوگئیں۔ (آیت ۱۷)

Marfat.com

اس کے بعد وہ دور کے مقام پر چلی گئیں۔ (آیت ۲۲)

فانتبذت به مکانا قصیا قالت یالیتنی مت قبل هذا و کنت نسیا منسیا۔

پریشانی کے عالم میں وہ پکار اٹھیں کاش میں اس سے پہلے مرجاتی اور میرا نام ونشان باقی نہ رہتا۔ (آیت ۲۳)

اللہ تعالیٰ کی یہ بشارت ان کو موصول ہوئی کہ تو غم نہ کر تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے تو اس درخت کے تنے کو ہلا' تیرے اوپر تر وتازہ کھجوریں ٹپک پڑیں گی۔ بس کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر پھر اگر کوئی فرد تجھے نظر آئے تو اس سے کہہ دے کہ میں نے رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے اس لیے آج میں کسی سے نہ بولوں گی۔''

(آیات ۲۲ سے ۲۶ تک کا ترجمہ سورۂ مریم)

قال انی عبداللہ اتنی الکتب۔۔۔ولم یجعلنی جبارا ○

ترجمہ: پس مریم نے اس بچے کی طرف اشارہ کیا تو لوگ کہنے لگے کہ وہ بچہ جو جھوٹا ہو وہ کیسے کلام کرسکتا ہے تو انھوں نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے کتاب دی گئی ہے اور مجھے نبی بنایا گیا ہے اور مجھے باعث برکت بنایا گیا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جہاں کہیں میں رہوں اور مجھے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی نصیحت کی گئی ہے جب تک زندہ رہوں اور والدہ کے ساتھ نیک سلوک کر اور مجھے شقی اور جبار نہیں بنایا گیا ہے۔ (آیت ۳۰ سے ۳۲)

درحقیقت یہ وہ مقدس نشانی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد جب وہ لوگوں کے سامنے آئیں گے کہ یہی لوگ ان کی گواہی دیں گے کہ یہ بچہ گہوارے میں کلام کی وجہ سے ابتداء میں غیر معمولی حیثیت کا مالک تھا۔ تاکہ لوگوں کے لیے ان کے پیغام کی قبولیت سے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

حضرت عیسیٰ کی معجزانہ ولادت:

''بے شک عیسیٰ کی مثال آدم کی مانند ہے اللہ کے نزدیک جس کو اس نے مٹی سے بنایا پھر کہا ہو جا اور پس وہ ہوگیا۔ **ان مثل عیسیٰ عنداللہ کمثل ادم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون۔** (آل عمران آیت ۵۹)

سورۂ مریم کی آیت ۳۴ میں اسی مضمون کو بیان کیا ہے۔

Marfat.com

ذلك عیسی ابن مریم۔۔۔ کن فیکون۔

ترجمہ: کہ یہ عیسیٰ ابن مریم ہیں ان کے بارے میں سچی بات جس میں شک وشبہ کر رہے ہیں اللہ کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے اس کی ذات پاک ہے جب وہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔" (۳۴۔۳۵)

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهُ اٰيَةً وَّآوَيْنَاهُمَا اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ۔

(سورہ مومنون:۵۰)

"حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نشانی قرار دیا اور ان کو ایک ٹیلے پر رکھا یہ اطمینان والی جگہ تھی اور چشمے جاری تھے۔"

حضرت مریم کی پاکیزگی ان کے زہد وتقویٰ اور پرہیز گاری کی گواہی قرآنِ حکیم میں موجود ہے۔ حالات کی نوعیت کا یہ تقاضا تھا کہ یہ واقعہ اس انداز سے وقوع پذیر ہو۔ قرآن حکیم میں جہاں حضرت عیسیٰ کا تذکرہ ہے وہاں حضرت یحییٰ کا بھی تفصیلی ذکر موجود ہے جو حضرت زکریا کے بیٹے تھے' ان کے ہاں حضرت یحییٰ کی ولادت ایک نشانی اور غیر معمولی کیفیت کا نشان تھی۔ یہ یروشلم کے قریب ناصرہ (Nazareth) نامی جگہ پر رہتے تھے۔ انھوں نے بڑے ہو کر اصلاح قوم کا کام کیا' اخلاقی بے راہ روی اور رزائل سے بچنے کی تلقین کی۔ توبہ واستغفار کو اہمیت دی اور اس وقت کی رائج شدہ فحاشی اور بدعنوانیوں سے بچنے کی ہدایت کرتے رہے۔

حضرت یحییٰ قوم کو یہ تنبیہہ بھی کرتے تھے کہ اگر تم نے ان باتوں کو نہ چھوڑا تو پھر وہ آنے والا آئے گا۔ توبہ استغفار کی نشانی کے طور پر وہ بپتسمہ بھی دیتے تھے انھوں نے اصلاحی سرگرمیوں میں جامعیت پیدا کرنے اور ان کو منظم کرنے کے لیے بیت ابارہ یا عبارہ کے مقام کو منتخب کیا جو دریائے اردن کے کنارے واقع تھا۔ ہر زمانے میں بدی کے مقابلہ میں نیکی بھی موجود ہوتی ہے اگرچہ وہ دبی ہوئی کیوں نہ ہو۔ اس لیے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توبہ کی ترغیب دی تو نیک فطرت اور دین پسند لوگوں نے ان کی طرف رجوع کرنا شروع کیا۔ فحاشی کے اس زمانے میں ان کی سادہ اور بڑی حد تک متصوفانہ زندگی میں لوگوں کے لیے ایک خاص کشش تھی۔ ان کی اصلاحی کوششوں میں وسعت کے ساتھ ساتھ دشمن قومیں بھی مقابلہ پر آئیں۔ انھوں نے حضرت عیسیٰ کو بھی بپتسمہ دیا تھا اور فرمایا تھا کہ میں نے تو تمھیں پانی سے

Marfat.com

بپتسمہ دیا تھا تم لوگوں کو روح مقدس سے بپتسمہ دیا کرو اور بعد میں حضرت یحییٰ کو دشمن قوموں سے قتل کروادیا گیا۔

بائبل اور عیسائی روایت:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن اور جوانی کے حالات پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے تاہم جو کچھ حالات ہمیں اناجیل اور عیسائی روایات سے دستیاب ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے: عیسائی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں یہ بتایا جاتا ہے کہ حضرت مریم کی منگنی یوسف نامی ایک شخص سے ہوچکی تھی۔ جس فرشتے نے حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ کی خوشخبری دی تھی اسی فرشتے نے حضرت مریم کو نوید ولادت سنائی تھی۔ جب یوسف نے یہ بات سنی تو منگنی توڑنے کا ارادہ کیا لیکن ان کو بھی فرشتہ دکھائی دیا اور وہ اپنے ارادے سے باز رہے۔

۱۔ یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب آپ کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے قبل وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ ہوئی۔''۔۔(متی ۱:۱۸)

جدید تحقیق کے مطابق حضرت عیسیٰ کا سن ولادت ۳ء یا ۴ء ق م ہے نہ کہ ایک ق م' نیز آپ کی ولادت دسمبر کے مہینے میں نہیں ہوئی جیسا کہ عیسائیوں میں معروف ہے۔

۲۔ کتاب مقدس میں لکھا ہے ''جب آٹھ دن کے ہوئے تو ان کا ختنہ ہوا اور نام یسوع رکھا گیا۔

۳۔ عیسائی روایات کے مطابق جہاں تک کنوارپن میں مسیح کی پیدائش کا تعلق ہے تو اس چیز پر وہ متفق ہیں لیکن انھوں نے اس پر رخصتی کا اضافہ کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ان کی روایات کے مطابق مریم کی رخصتی یوسف کے ساتھ ہوچکی تھی حضرت مسیح کی پیدائش سے پہلے رومی حاکم نے تمام یہودیوں کو یروشلم لے جاکر اپنے نام درج کرانے کی ہدایت کی تاکہ مردم شماری ہوسکے۔

حضرت مریم اور یوسف کو بھی وہاں جانا پڑا۔ راستے میں جب وہ بیت اللحم (Batlahem) کے قریب پہنچے جو یروشلم اور ناصرہ سے ۸۰ میل کے فاصلے پر ہے تو مریم پر آثارِ ولادت نمایاں ہوئے۔ چنانچہ وہ ایک علیحدہ اور بے آباد جگہ پر چلی گئیں جو اصطبل نما تھی

Marfat.com

اور یہیں حضرت عیسیٰ کی ولادت ہوئی اس سلسلے میں ان کے ہاں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ کچھ مجوسی جو فارسی کے علاقے کے رہنے والے تھے وہ اس جگہ پہنچے اور کہا کہ ہم نے ایک ستارہ آسمان پر طلوع ہوتے دیکھا ہے جو لامحالہ اس بچے کا ہے جو یہودیوں کا بادشاہ ہوگا جب انھوں نے مسیح کو دیکھا تو اس کی تصدیق کی۔ حکمرانوں نے جب مسیح کی ولادت اور معجزاتی کیفیات کے بارے میں سنا تو ہیراڈ (Harod) نے یہودی بچوں کے قتل کا حکم دیا۔ اس حکم کو سننے کے بعد یوسف مریم اور بچے کو لے کر مصر کے علاقے کی طرف چلے گئے' انھوں نے پانچ چھ ماہ کا عرصہ وہیں گزارا یہاں تک کہ موجودہ حاکم مر گیا اس کی وفات کے بعد ناصرہ آکر مقیم ہو گئے۔

تعلیم و تربیت:

مسیح چونکہ یہودی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس لیے ان کی تعلیم و تربیت ایک اچھے یہودی کی طرح کی گئی کیونکہ ان کا گھرانہ مذہبی تعلیمات پر کاربند تھا۔ اس لیے باقاعدہ حصول تعلیم کا بندوبست کیا گیا انھیں نیک شعار بنانے کی تلقین کی گئی۔ ان کی زندگی کے اس دور کے واقعات کا بہت کم علم ہے۔

یسوع کے گاؤں کا نام ناصرہ تھا جو صوبہ گلیلی میں تھا' یسوع کی پیدائش بیت اللحم میں ہوئی تھی کیونکہ یوسف اور مریم شاہی فرمان کے بموجب اپنا نام درج کرانے کے لیے ناصرہ سے بیت اللحم گئے ہوئے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معمولی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی تھی یوسف نے انھیں متبرک اصول سکھائے اور صبح و شام کی عبادت کے طریقے انھوں نے اپنی والدہ سے سیکھے۔ البتہ وہ بیت اللحم کی مجالس میں نہایت پابندی کے ساتھ شریک ہوتے رہے مسیح کے بچپن کے بے شمار معجزات انجیلوں میں بیان ہوئے ہیں جیسا کہ احمد شلبی لکھتے ہیں۔

''کہ امکان غالب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پرورش اور تعلیم و تربیت اسی طرح ہوئی کہ جس طرح اس زمانے کے بچوں کی ہوئی تھی وہ اپنی والدہ کے ساتھ ناصرہ اور بیت المقدس کے درمیان آتے جاتے تھے وہ ذکاوت اور عمیق نگاہ کی وجہ سے ممتاز تھے۔ اشیاء کے ظاہر کی بجائے ان کی حقیقت اور گہرائی کا مطالعہ کرتے۔ وہ استادوں اور حکماء سے جو کچھ سنتے محض اس کو ہی تسلیم نہ کر لیتے بلکہ بحث و تمحیص سے ان کے کلام کا مکمل مفہوم سمجھتے تھے۔'' (مقارنۃ الادیان۔ جلد۲)

Marfat.com

مسیحی روایات کے مطابق بارہ سال کی عمر میں پاسور(Passover) یا عید فصح کے مذہبی تہوار کا ایک واقعہ کا تذکرہ موجود ہے کہ انھوں نے اپنی والدہ مریم اور ان کے شوہر یوسف کے ساتھ یروشلم کا سفر کیا۔

عید فصح وہ موقع ہوتا تھا جب تمام یہود یروشلم کے مرکزی عبادت خانے میں جمع ہوتے تھے' مذہبی رسوم اور قربانیاں ادا کی جاتی تھیں یہاں انھوں نے علماء سے ایسی باتیں کیں جن سے ان کی ذہانت کا اندازہ ہوتا ہے۔

سینٹ لوقا (Luke) اپنی انجیل میں یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جب مسیح یروشلم گئے تو تقریبات کے ختم ہونے کے بعد یروشلم میں ہی ٹھہرے رہے والدہ اور ان کا شوہر لاعلمی میں جب ایک دن کا سفر کر چکے تو تلاش کرنے لگے اور مسیح قافلہ والوں میں نہ ملے' اس پر وہ واپس یروشلم آئے اور تین دنوں کی تلاش کے بعد انھوں نے مسیح کو ہیکل میں ڈھونڈ لیا جہاں وہ یہودی عالموں کی باتیں سن رہے تھے اور ان کو سوال کر رہے تھے وجہ دریافت کرنے پر انھوں نے بڑا معنی خیز جواب دیا کہ:

''آپ مجھے کیوں ڈھونڈ رہے تھے کیونکہ میرے لیے اپنے باپ کے گھر رہنا لازمی ہے۔''

اس کے بعد لوقا تحریر کرتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد مسیح علم اور جہالت نیز خدا اور بندے کے درمیان تعلق کے بارے میں ارتقائی منازل طے کرتے رہے۔

اگلے باب میں ۱۸ سال بعد یعنی ۳۰ سال کی عمر میں بپتسمہ لینے کا تذکرہ موجودہ ہے۔

موشیم ''تاریخ کلیسا'' میں لکھتا ہے:

''آپ کی بقایا زندگی بالکل نجی حیثیت سے گوشہ ظلمت میں گزری حتیٰ کہ آپ کی عمر ۳۰ سال کی ہوگئی۔''

E-R-E کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

''کہ اوائل جوانی میں وہ کس قسم کے تجربات اور سلسلہ خیالات سے گزرے ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔''

Gospels میں وہ ہمارے روبرو اس حیثیت سے آتے ہیں کہ وہ بالغ نظر ہیں اور ان کی خود آگہی مکمل طور پر ارتقاء یافتہ ہے۔ (جلد ۷۔ صفحہ ۵۰۸)

Marfat.com

۱۳ سال کی عمر میں اس واقعہ کے تذکرے کے بعد ۱۸ سال کا دور حیات (Years Hidden) کہلاتا ہے۔ ۳۰ سال کی عمر میں ان کی نبوت شروع ہوجاتی ہے۔ غالب خیال یہی ہے کہ اس عرصے میں وہ اہلِ خاندان کے ہمراہ اپنے علاقے ہی میں رہے۔ یہودیوں کی بے عملی اور فحاشی کے خلاف ان کے دل میں مذہبی جوش اور ولولہ تازہ کرتا رہا۔ اور روایات کے مطابق وہ دوبارہ صاحب نبوت کی حیثیت سے منظرعام پر آئے۔ چند روایات یہ ہیں:

۱۔ ان ۱۸ سالوں کے متعلق کسی مستند روایت کی خاموشی کے باوجود اپوکریفہ (Apocrypha) لٹریچر میں مختلف اور متضاد روایات موجود ہیں۔ ایک روایت تو یہ بیان کی جاتی ہے کہ کوہستان ہمالیہ میں تبت میں Convent of Himis کے مقام پر جہاں لاماؤں کی خانقاہ ہے' پالی زبان میں ایک الگ نوشتہ ملا کہ جب عیسیٰ ۱۳ برس کے ہوئے تو ان کے گھر بہت سے لوگ آئے جو اپنی بیٹیوں کی شادی ان سے کرنا چاہتے تھے لیکن مسیح گھر سے بھاگ کر سندھ کے علاقے کی طرف نکل پڑے اور ہندوستان آئے تاکہ روحانی علم کو مکمل کریں اور بدھوں کے مذہب کا مطالعہ کریں۔

۲۔ دوسری روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک فرانسیسی شخص Banan von Rabenan کو مصر سے ایک تحریر پیپری (Papyri) پر لکھی ہوئی ملی اس نوشتے کو عام طور پر Letter of Benan کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس تحریر کے مطابق مسیح نے یہ عرصہ مصر میں گزارا تھا وہاں طبابت اور علاج معالجے کا فن اپنے عروج پر تھا انھوں نے ایک طبیہ کالج میں داخلہ لیا تو ربی میمفس کا بیٹا Benan جو وہاں میڈیکل کالج کا طالب علم تھا اس کے گہرے دوست بن گئے اور اس فن میں اتنے ماہر ہوئے کہ اپنے استادوں کو بھی حیرت میں ڈال دیا۔

۳۔ تیسری روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس زمانے میں مصر میں جادو اور طلسم کا بہت چرچا تھا' شعبدہ بازی عام تھی اور انھوں نے یہ علم اسی علاقے سے سیکھا احیائے موتی اور دیگر معجزات اسی علم کا نتیجہ تھے۔

۴۔ چوتھی روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ Dead Sea Scrolls جو ۱۹۴۹ء یا ۱۹۵۰ء میں دریافت ہوئے ان سے ایک فرقے Essenses کا پتہ چلا جو اپنے زہد وقناعت اور صوفیانہ حیثیت کے مالک تھے' ایک روایت کے مطابق آپ نے کچھ عرصہ اس

Marfat.com

علاقے کے درمیان گزارا۔ بعض کا خیال ہے کہ مسیح نے یہاں تبلیغ کی اور ان کے عقائد کی اصلاح کی تھی جبکہ بعض کا کہنا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ نے ان کے درمیان رہ کر ان کے عقائد اور خیالات کا گہرا اثر قبول کیا کیونکہ اس فرقے کی تعلیمات کے ساتھ آپ کی تعلیمات کی بہت مشابہت پائی جاتی ہے۔

پیشہ:

کتابِ مقدس سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ نے والدین اور بہن بھائیوں کا پیٹ پالنے کے لیے بڑھئی کا کام شروع کر دیا تھا۔ انجیل مرقس میں لکھا ہے:

''جب سبت کا دن آیا تو یسوع عبادت خانہ میں تعلیم دینے لگا اور بہت لوگ حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ باتیں اس میں کہاں سے آگئیں اور یہ کیا حکمت ہے جو اسے بخشی گئی اور کیسے معجزے اس کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں کیا یہ وہی بڑھئی نہیں جو مریم کا بیٹا اور یعقوب اور شمعون کا بھائی ہے۔۔۔پس انھوں نے اس کے سبب سے ٹھوکر کھائی۔ یسوع نے ان سے کہا نبی اپنے وطن اور رشتہ داروں اور اپنے گھر کے سوا کہیں بے عزت نہیں ہوتا۔''
(مرقس ۶، ۲ تا ۳)

دورِ نبوت:

۳۰ سال کی عمر میں روایات کے مطابق آپ ناصرہ سے بیت عبارہ کے علاقے کی طرف گئے جو یروشلم سے ۸۰ میل کے فاصلے پر تھا۔ حضرت یحییٰ اس دوران ایک نیک انسان کی حیثیت سے بہت شہرت حاصل کر چکے تھے جب یہ یحییٰ کے پاس پہنچے تو انھوں نے حضرت عیسیٰ کو بپتسمہ دیا اور فرمایا کہ:

''میں تو پانی سے جسمانی تزکیہ کرتا ہوں جو ان کی ارواح کا تزکیہ کرے گا۔''

یہ بیعت یا خلافت حاصل کرنے کے بعد مسیح جنگل کی طرف چلے گئے اور بحیرہ مردار کے نزدیک جو بنجر اور سنسان علاقہ ہے، وہاں گھومتے رہے۔ چلہ کشی اور ریاضت کی، رہبانیت کی جھلک ہمیں مسیح کی زندگی کے اسی دور سے ملتی ہے جو بعد میں عیسائیت کا شعار بن گئی۔

عیسائی روایت کے مطابق انھوں نے ۴۰ دن خواہشات نفس کے خلاف مجاہدہ کیا جبکہ ان کی روایات میں یہ الفاظ بھی استعمال کیے جاتے ہیں کہ وہ بدی کے ساتھ چالیس دن تک

Marfat.com

زور آزمائی کرتے رہے۔

حضرت عیسیٰ اس ۴۰ روز چلہ کشی کے بعد بیت عبارہ واپس آئے اور تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ سب سے پہلے دو آدمی جو ان کے ساتھ ہوگئے۔ وہ سائمن پیٹر (Simon Peter) اور اینڈریو (Andrew) نامی دو بھائی تھے جو پرہیز گار یہودیوں کی طرح زندگی گزار رہے تھے۔

ابتدائی پیروکار اور معجزہ:

مسیح کے زمانے میں لوگ انھیں ایک پرہیز گار اور بزرگ مقام کا حامل یہودی قرار دیتے تھے۔ یہ دونوں پہلے حضرت یحییٰ کے پیروکار بھی بن چکے تھے۔ ان کے ساتھ آپ اپنے علاقہ ناصرہ کی طرف چلے گئے' اس کے قریب کنا (Kana) نامی گاؤں تھا وہاں ان کے ساتھیوں کی تعداد ۵ ہو چکی تھی یہاں انھوں نے پہلا معجزہ دکھایا۔ گاؤں میں بارات اتری ہوئی تھی لوگ زیادہ تھے اور شراب کم تھی' ان کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے آپ نے برتن پر ہاتھ مارا اور وہ تمام مہمانوں کے لیے کافی نکلی اس واقعے کے بعد لوگوں نے اس کو بابرکت انسان کی حیثیت سے تسلیم کرلیا۔ اس دعوت میں ان کی والدہ مریم بھی شامل تھیں' یہاں سے آگے روانہ ہوئے اور بحیرہ طبریاس یا (Sea of Galili) کے شمالی علاقے کفرنحوم (Capernaum) یا کفرہنوم پہنچے' یہ شہر ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنا۔

یروشلم میں دوبارہ آمد:

کچھ دن قیام کر کے آپ دوبارہ یروشلم کی طرف روانہ ہوئے' اپنے پیروکاروں کے ساتھ جب وہاں پہنچے تو ان کی تبلیغی زندگی کا ایک اہم واقعہ ظہور پذیر ہوا' مذہبی عبادات کے لیے ہیکل خانے اور ہیکل سلیمانی میں جب عید فصح کا سالانہ میلہ لگتا تھا تو قربانیاں بھی دی جاتی تھیں۔ جن جانوروں کی قربانیاں ہوتی تھیں ان کو فروخت بھی اسی جگہ کیا جاتا تھا گویا ہیکل کے بیرون اور کمروں میں ایک مارکیٹ کا گمان گزرتا تھا۔

ہیکل کے پادری اعظم اور دوسرے پادریوں کو جو نذرانہ دیا جاتا تھا وہ ایک خاص کرنسی شکل (Shekle) کی صورت میں دیا جاتا تھا اور رومی حکومت کے سکے کو ہیکل کے اندر تسلیم نہیں کیا جاتا تھا مگر انھوں نے ایک خاص مذہبی کرنسی بنائی ہوئی تھی۔ سکوں کا تبادلہ ہوتا تھا اور

Marfat.com

تبادلے کا کاروبار یہودی پادری بھی کرتے تھے۔ اس تبادلہ میں بدعنوانی اور زیادتی کا پہلو بھی موجود تھا۔

ہیکل کی بے حرمتی اور مسیح کا ردعمل:

مذہبی عبادت خانے میں مارکیٹ کے شور' جانوروں کی دھکم پیل اور سکوں کے تبادلے کے کاروبار کو جب مسیح نے دیکھا تو وہ یہودی پادریوں کی اس دنیاداری پر بہت برہم ہوئے' اس طرز عمل کو برا خیال کیا۔ ایک ڈنڈا لے کر تمام جانوروں کو مار بھگایا۔ مذہبی بے حسی اور اخلاقی انحطاط پر ان علماء کو سخت برا کہا۔ اس واقعے سے اس امر کی صراحت ہوتی ہے کہ دینی شعار کی تذلیل کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ مسیح جنھوں نے صرف اخلاقی تعلیمات پر ہی زیادہ زور دیا وہ بھی دین کی اور مرکزی عبادت خانے کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تذلیل کو برداشت نہ کر سکے اور عملی طور پر اس کی اصلاح کی کوشش کی' ابھی وہ یروشلم میں ہی تھے کہ حضرت یحییٰ کی شہادت کی انھیں اطلاع ملی۔ مشن چونکہ ایک ہی تھا اس لیے آپ نے یروشلم میں اپنی موجودگی کو محفوظ خیال نہ کیا اور دوبارہ کفرنحوم کے علاقے میں پہنچے اس جگہ تک پہنچنے کے دوران انھوں نے کئی ایک معجزات دکھائے۔

تبلیغ:

آپ بحیرہ طبریاس کے اردگرد کے علاقے میں گھوم پھر کر تبلیغ کرتے رہے۔ غریب لوگوں کے گھروں میں قیام کرتے' اس زمانے میں یہودی علماء اپنے وقار کو بڑھانے کے لیے جن چیزوں کو ہاتھ لگانا بھی ناپسند کرتے تھے' آپ نے ان کو استعمال کرنے میں کوئی جھجھک محسوس نہ کی۔ دوران سفر آپ کیمپ لگاتے اور رات کو اشاعت دین میں مصروف رہتے' ان کے زُہد' تقویٰ' قناعت پسندی' سادگی' نیکی اور اخلاقی برتری سے متاثر ہو کر لوگ ان کے حلقے میں داخل ہونے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔

معجزات اور اصلاح کی کوشش:

تبلیغ کے ان سالوں میں آپ نے زیادہ سفر اختیار کیا ہے جن کی تفصیلات اناجیلِ اربعہ میں مذکور ہے۔ لیکن ہر سال عید فصح کے موقع پر یروشلم ضرور جاتے تھے سفر کے دوران معجزات دکھانے سے ان کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ عامتہ الناس میں ان کے ساتھ ہمدردی

Marfat.com

اور نیکی کا جو جذبہ پیدا ہو چکا تھا۔ اس نے بھی لوگوں کے قلوب واذہان پر اثرات چھوڑے۔ یہ جہاں کہیں جاتے لوگ پہلے ہی سے وہاں اکٹھے ہوجاتے تاکہ آپ کی باتوں سے مستفید ہوسکیں اعلیٰ وروحانی عظمت اور شہرت دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ کہیں وہ مسیح موعود تو نہیں ہیں۔

انھوں نے یہ امیدیں وابستہ کرنی شروع کردیں کہ اب یہ ہتھیار اٹھائیں گے اور رومیوں سے لڑائی کے بعد یہودیوں کی عظمتِ رفتہ اور دینی ودنیاوی سیاست واپس لائیں گے۔

مسیح چونکہ اخلاقی برائیوں کی مذمت کرتے تھے اس لیے یروشلم کے تمام یہودی علماء آپ کے خلاف تھے ان کو یہ خوف بھی لاحق تھا کہ کہیں لوگ خود یہودی علماء پر تنقید شروع نہ کردیں۔ مسیحی روایات کے مطابق نبوت کا قطعی دور تو معین نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اندازاً یہ تین سال سے زائد نہیں تھا اس عرصے میں وہ بیماروں کو تندرست کرتے رہے اور لوگوں کے ساتھ مختلف جگہوں پر پھرتے رہے۔ اس دور میں اگرچہ بہت سے واعظ اور مبلغین موجود تھے۔ لیکن جو کچھ مسیح کرتے تھے وہ ان سے کہیں بالاتر تھا وہ غریب اور حقیر لوگوں کے پاس جاتے۔ غمزدوں کو تسلی دیتے' بوجھ تلے دبے ہوئے انسانوں کا بوجھ ہلکا کرتے۔ مایوس دلوں میں امید کی شمع جلانے کی کوشش کرتے اور یہ کہتے کہ تندرست لوگوں کو معالج کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ یہ ضرورت بیمار لوگوں کو ہوا کرتی ہے نیز:

''میں صالح لوگوں کو بلانے نہیں بلکہ گنہگاروں کو توبہ کی طرف مائل کرنے آیا ہوں۔''

مخالفانہ مہم:

عید فصح کی تقریبات ایک ہفتے تک جاری رہتیں اور اس دوران مختلف علماء دور دراز سے آتے اور اپنے اپنے کیمپ لگا کر عبادت کی رسومات ادا کرتے تھے۔ مسیح بھی اپنا کیمپ لگاتے چونکہ عوام میں ان کی شہرت زیادہ تھی۔ اس لیے لوگ ان کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے تھے۔ چنانچہ یہودیت کے پرانے گدی نشینوں کو اپنے مقام کا خطرہ لاحق ہو چکا تھا' انھیں اپنی عزت کی مسند ڈوبتی ہوئی نظر آتی تھی۔ چنانچہ انھوں نے حضرت عیسیٰ کے خلاف ایک مہم شروع کی اور اس مقصد کے لیے انھوں نے مسیح کے روزمرہ معمولات کے کچھ واقعات کو مخالفت کی وجہ

Marfat.com

بنالیا۔

دوواقعات:

ایک دفعہ سائمن فریسی کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے' وہاں ایک بدکار عورت میری میکڈالا (Mary Macdalla) آئی اس نے مسیح کی خدمت کی۔ آپ کے پاؤں دھوئے اور اپنے بالوں سے خشک کیے لیکن سائمن نے اس کو بہت براخیال کیا جبکہ مسیح نے فرمایا کہ یہ عورت چونکہ نیک بندوں سے محبت رکھتی ہے اس لیے بخشی گئی۔

ایک دوسرا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مسیح جب سفر کرتے تھے تو مردوں کے علاوہ عورتوں کی ایک تعداد بھی ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ دورانِ سفر مسیح نے کئی عورتوں کے ہاتھوں پانی پی لیا تو یہ لوگ ان کے خلاف ہوگئے کہ یہ تو ان سے پانی پیتا ہے جن سے تعلق بھی نہیں رکھنا چاہیے۔

پہاڑی وعظ:

نبوت کے اس عرصے میں عیسیٰ بحیثیت ایک رسول اور مصلح کے متعارف ہو چکے تھے اور ایک ایسی شخصیت کے طور پر کہ جس کے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ نے شفا رکھی تھی اور دکھی انسانیت کو سکون ملتا تھا۔ دوسری طرف یہودی علماء کے ساتھ عید فصح کی تقریبات کے دوران ان کے مباحث اور جھگڑے بھی ہوتے رہتے تھے' دین کو رسومات کا گورکھ دھندا بنانے پر بحثیں ہوتی تھیں جس نے عوام کو مذہب سے ہی دور کر دیا تھا اس وجہ سے آپ کی مخالفت بڑھتی جارہی تھی اور مسیح کو یہ اندازہ تھا کہ ان کے حالات شاید حضرت یحییٰ سے بھی زیادہ دشوار ہوں گے' آپ اپنے شاگردوں کو لے کر کفرنحوم کے مغربی حصے میں کانا (Kana) مقام کے قریب ٹھہرے اور وہاں ایک پہاڑی پر وعظ دیا' یہ وعظ مسیح کی طویل ترین تقاریر میں سے ہے' اسے ''Sermon of the Mount'' کہتے ہیں۔ اس میں گذشتہ شریعتوں کی تعلیمات کا تذکرہ کرکے پھر اپنے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ جہاں ظاہر داری غالب آچکی تھی وہاں اصل حقیقت کو آپ نے روشناس کرادیا۔ یہ واقعہ آپ کے رفع آسمان سے کچھ ماہ پہلے کا ہے۔

اس کی اہمیت کے پیش نظر ہم اس کے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

Marfat.com

''یہ نہ سمجھو کہ میں اگلے پیغمبروں یا ان کے بنائے ہوئے قوانین کو توڑنے آیا ہوں۔ میں تو اس کے حقیقی مقصد ومنشا کو پورا کرنے آیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان قوانین کے ایک ایک حرف اور ایک ایک شوشے پر عمل ہو۔ خدا کی رحمت ہو ان پر جو تحمل و بردباری سے کام لیتے ہیں۔ وہی خدا کے رحم کے مستحق ہیں۔ خدا کی رحمت ہو ان پر جو امن وصلح کو قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہی خدا کے محبوب بندے ہیں۔

خدا کی رحمت ہو ان پر جو ظلم وستم سہتے ہیں۔ وہی خدائی حکومت کے اصلی حق دار ہیں۔ خدا کی رحمت ہو تجھ پر جب لوگ تجھے گالیاں دیں' تجھ پر ظلم ڈھائیں اور ہزاروں قسم کے بہتان تجھ پر تراشیں۔ تم اگلے لوگوں سے سن چکے ہو کہ قتل بہت بڑا گناہ ہے۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں اگر تم اپنے بھائی کو گالی دیتے ہو' اسے دھتکارتے ہو یا بلاوجہ اس سے ناراض ہوتے ہو تب بھی تم خدا کے غضب سے نہیں بچ سکتے۔

تم اگلے لوگوں سے سن چکے ہو کہ زنا بہت بڑا پاپ ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ جو شخص پرائی عورت کی طرف بری نظر سے دیکھتا ہے وہ دل میں زنا کا مرتکب ہو چکا اس لیے اگر تمھاری آنکھ یا ہاتھ ایسی حرکت کرے تو اسے کاٹ کر پھینک دو۔

تم یہ سن چکے ہو کہ آنکھ کا بدلہ آنکھ اور دانت کا بدلہ دانت لیکن میں کہتا ہوں تم بدی کا مقابلہ نہ کرو۔ بلکہ اگر تمھارے دائیں گال پر کوئی تھپڑ مارے تو تم اپنا بایاں گال بھی اس کے سامنے کر دو۔

تمھیں یہ بتایا جا چکا ہے کہ اپنے پڑوسیوں سے محبت کرو لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرو جو تمھیں گالیاں دیں۔ انھیں بھی دعائیں دو جو تم سے نفرت کریں' ان کے ساتھ بھی نیکی کرو جو تمھیں ستائیں اور تم پر بہتان باندھیں ان کے لیے بھی دعا مانگو۔''

عیسائیوں نے اس خطبے کی اتنی حفاظت کی ہے کہ عین ممکن ہے کہ اس کا زیادہ تر حصہ ٹھیک ہی ہو۔

نبوت کے تیسرے سال بھی عید فصح کے موقع پر آپ یروشلم آئے اور یہاں سے ۲'۳ میل کے فاصلے پر باتھانائی (Bathany) نامی گاؤں میں اپنے ایک دوست نزاعرس (Nazaurs) کے ہاں قیام کیا۔ اس ہفتے کے دوران جو کچھ آپ نے کہا اور جہاں جہاں گئے عیسائیوں نے اس کی جزوی تفصیلات کو محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے۔ عیسائی اس ہفتے کو

Marfat.com

ہولی ویک (Holy Week) یا (Passion Week) کانام دیتے ہیں۔ عیسائی روایات کے مطابق اسی دوران ان کی گرفتاری اور صلیب دیئے جانے کا واقعہ رونما ہوا۔

تکفیر اور صلیب دینا:

اس ہفتے کے دوران ایک روز بہت سے یہودی عالم ان کے پاس جمع ہوئے آپ سے مختلف نوعیت کے سوالات کیے جن کا مقصد یہ تھا کہ وہ مسیح کو اپنے اس منصوبے کے جال میں پھنسا سکیں جس کا مقصد ان پر تکفیر کا الزام لگانا تھا یا رومی حکومت کے خلاف کوئی بات کہلوا کر انہیں ذلیل کیا جائے کیونکہ اس صورت میں یہودی علماء کو یہ اختیار دے رکھا تھا کہ شریعت موسوی کے مطابق فیصلے کرسکیں لیکن فیصلوں کا عملی نفاذ رومی عہدے دار کرتے تھے' یہودیوں کی ایک جیوری ہوتی تھی جو ۳۰ کے قریب علماء پر مشتمل تھی۔ یہودی جب ان کے پاس آئے تو رومی حکومت کو ادا کیے جانے والے ٹیکس کے بارے میں دریافت کیا' اس کے علاوہ مختلف پہلوؤں سے ان پر تنقید کر کے ایک چارج شیٹ بنائی اور فتویٰ کفر صادر کر دیا۔

انھوں نے یہ تمام کارروائی بہت عجلت میں کی۔ روایات کے مطابق اس دوران مسیح علیہ السلام زیتون کے باغ میں چلے گئے اور یہیں سے رومی حکومت کے کارندے ان کو پکڑ کر لے گئے اگلے روز جیوری کے سامنے پیش کر دیا اور جب سزائے موت کا فیصلہ ہوا تو اس فیصلہ کی اطلاع رومی حکام کو دے دی۔ فیصلہ کرنے میں یہودیوں نے خود بھی جلد بازی کی اور حاکم کو بھی فیصلہ کے نفاذ میں جلدی کرنے پر مجبور کر دیا کیونکہ یہ جمعہ کا دن تھا۔ اناجیل کے مطابق مسیح کو صلیب دے دی گئی' عیسائی اس دن کو (Good Friday) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اس طرح عیسائیوں کے خیال کے مطابق مسیح ساری انسانیت کے لیے کفارہ ادا کر گئے' ان کی روایات کے مطابق آپ تیسرے دن زندہ ہوئے اور اس دن کو ایسٹر (Easter) کہا جاتا ہے۔ تیسرے دن سے لے کر چالیس دنوں تک وہ اپنے خاص شاگردوں سے ملتے رہے اور چالیسویں دن بہت سے لوگوں کے ایک گروہ نے دیکھا کہ وہ ان کے سامنے آسمانوں کے طرف چلے گئے اور دوبارہ آنے کا وعدہ کر گئے۔

گویا عیسائی ماخذوں کے مطابق روایت یہی بنتی ہے کہ آپ یروشلم میں گرفتار ہوئے۔ مقدمہ یہودیوں کی مجلس اعلیٰ میں چلایا گیا' سزائے موت کا فیصلہ جاری کیا گیا' جس کی تنفیذ کی

Marfat.com

ذمہ داری رومی حکام کے سپرد کی گئی اگرچہ وہ متذبذب تھا لیکن یہودیوں نے اسے مجبور کیا کہ وہ انتہائی عجلت میں اس فیصلہ کو عملی شکل عطا کردے کیونکہ جمعہ کی شام سے یوم السبت کا آغاز ہوجاتا ہے اور اس کے بعد عید فصح کی تقریبات کا آغاز بھی ہوتا تھا جس کے نتیجے میں یہ تمام کارروائی تقریبات کے اختتام تک ملتوی کرنا پڑی' یہ تاخیر جلد باز یہودیوں کو قطعاً منظور نہ تھی۔

چنانچہ ان کی کوششوں کے نتیجے میں عیسائی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب دیئے گئے۔ یہودیوں کے نزدیک صلیب پانا اچھی موت کی نشانی نہ تھی بلکہ ملعون موت کی علامت تھی اس لیے وہ مسیح کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے۔ جبکہ ان کے برعکس عیسائیوں نے یہ کہا کہ ان کا صلیب پانا بے مقصد نہ تھا وہ بنی نوع انسان کے گناہوں کا کفارہ ادا کر گئے اور انسانیت کو سزا کے عذاب سے بچانے کے لیے خود قربان ہو گئے' عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح موعود بھی خیال کرتے ہیں کفارے کے اس عقیدے کو ڈاکٹرین آف اٹونمنٹ (Doctrine of Atonment) کہتے ہیں۔ جو یہودیوں کے اس اعتراض کے جواب میں وضع کیا گیا ہے کہ مسیح علیہ السلام کا صلیب پانا' ملعون کی موت تھی جیسا کہ مسلمان صلیب کے واقعے کو سرے سے مانتے ہی نہیں کیونکہ قرآن مجید نے اس کی سختی سے تردید کی ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

تعلیمات مسیح

ذیل میں ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل اور حقیقی تعلیمات پیش کرتے ہیں جو عیسائیت کی موجودہ تعلیمات کے خلاف ہیں۔

ا۔توحید کی تعلیم:

قرآن مجید میں ہے: اللّٰہ ربی وربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم۔۔۔

(سورہ مریم ۳۶)

حضرت مسیح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نسبت بیان کیا ہے کہ وہ واحد ویگانہ ہستی ہے جس کی عبادت کرنا فرض ہے۔ مذکورہ بالا قرآنی آیت کی تائید میں کتابِ مقدس میں درج ہے:

''پھر ابلیس یسوع کو اونچے پہاڑ پر لے گیا۔ دنیا کی سب سلطنتوں کی شان وشوکت اسے دکھائی اور کہا اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کردے تو میں یہ سب کچھ دے دوں گا۔ یسوع نے کہا۔ اے شیطان دور ہوجا کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر''۔

(متی باب ۴: ۱۰'۱۱)

یسوع نے ایک فقیہ کے جواب میں فرمایا:

''اے اسرائیل سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی ہے اور تو خداوند سے اپنے سارے دل اپنی ساری جان' اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔''

(مرقس باب ۱۲۔ ۲۸ تا ۳۲)

انجیل کی یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں اور وہ معبود حقیقی ہے اسی کے سامنے سر جھکانا چاہیے۔

Marfat.com

۲۔ خدا کی صفات:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک ازلی بادشاہ یعنی غیر مرئی واحد خدا کی تعلیم دی ہے جو اول وآخر ہے۔

''جس کی ان دیکھی صفتیں یعنی اس کی ازلی قدرت اور الوہیت دنیا کی چیزوں کے ذریعہ سے صاف نظر آتی ہے۔'' (رومیوں ۱:۲۰)

''اس سے مخلوقات کی کوئی بھی چیز چھپی نہیں۔ وہ قادر مطلق ہے' اس کے کام بڑے اور عجیب ہیں''۔۔۔ (مکاشفہ ۲:۱۵)

''وہی تمجید اور عزت اور قدرت کے لائق ہے کیونکہ اسی نے ساری چیزیں پیدا کیں۔ وہ انسانوں کا روز قیامت میں حساب لے گا۔'' (مکاشفہ ۱۱:۴)

لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ۔۔۔ (النساء)

خدا رحم دل ہے خدا کی حمد ہو جو رحمتوں کا باپ ہے۔۔۔ (کرنتھیوں ۳:۱)

اور قرآن مجید میں ہے: الحمد للہ رب العالمین ○

۳۔ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے رسول:

قرآن بلکہ اناجیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے رسول تھے نہ کہ بیٹا یا خود خدا۔

۱۔ یسوع نے پکار کر کہا ''جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ مجھ پر نہیں بلکہ میرے بھیجنے والے پر ایمان لاتا ہے''۔۔۔ (یوحنا باب ۱۲:۲۲)

۲۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ''جو میرے بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے اور جو مجھے قبول کرتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے۔''۔۔۔ (یوحنا باب ۱۳:۲۰)

۳۔ ''میں نے کہا تا کہ وہ ایمان لائیں کہ تو نے ہی مجھے بھیجا ہے۔''۔۔۔ (یوحنا باب ۱۱)

قرآن مجید میں ہے۔ انی رسول اللہ الیکم۔۔۔ (الصف)

ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ ''وہ تجھے خدائے واحد اور برحق اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں''۔۔۔ (یوحنا ۱۷۔۱۳)

Marfat.com

''میں احکام موسوی کی تعمیل کے لیے آیا ہوں نہ کہ ان کی منسوخی کے لیے''۔(متی)

۴۔توبہ کی تلقین:

حضرت مسیح علیہ السلام نے یہود کو توبہ اور استغفار کرنے کی بہت تلقین فرمائی اور کہا کہ انسان توبہ کے ذریعے ہی اپنے گناہوں کے دھبوں کو دھو سکتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر نبی نے انسان کو روحانی اور اخلاقی اصلاح کا نسخہ کیمیا توبہ ہی بتایا ہے' توبہ سے خدا تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔توبہ سے جنت حاصل ہوتی ہے۔

یسوع نے کہنا شروع کیا کہ:

''توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے۔''۔۔۔(متی ۴۔۱۷)

''جس طرح گڈریا گمشدہ بھیڑ کو پا کر خوش ہوتا ہے اسی طرح ننانوے راست بازوں کی نسبت جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے ایک توبہ کرنے والے گناہگار کے باعث خداوند خدا آسمان پر زیادہ خوش ہوگا۔'' (لوقا ۱۵۔۱۷)

حدیث نبویؐ میں ہے:

التائب من ذنب کمن لا ذنب له

''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔''

۵۔نجات اعمال پر ہے:

ہر نبی نے نجات حاصل کرنے کے لیے ایمان اور خدا کے احکام کی پابندی پر زور دیا ہے۔اسی اصول کی تبلیغ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کی۔آپ نے اعمالِ صالح پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

''جب تم میرے کہنے پر عمل نہیں کرتے تو کیوں مجھے خداوند خدا کہتے ہو' جو کوئی میرے پاس آتا ہے اور میری باتیں سن کر ان پر عمل کرتا ہے۔ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ وہ کس مانند ہے۔وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے گھر بناتے وقت زمین گہری کھود کر چٹان پر بنیاد ڈالی۔ جب روآئی تو دھار اس گھر پر زور سے گری' مگر اسے ہلا نہ سکی۔لیکن جو سن کر عمل نہیں کرتا وہ اس آدِمی کی مانند ہے جس نے گھر کو بے بنیاد بنایا۔ جب دھار اس پر زور سے گری تو وہ فی الفور گر پڑا اور گھر بالکل برباد ہوا۔'' (لوقا ۶:۴۶۔۴۹)

Marfat.com

نیز فرمایا:

''راست باز ہمیشہ کی زندگی پائیں گے'' (متی ۲۵'۴۶)

۶۔ گناہ جہنم کا موجب:

آپ علیہ السلام نے گناہ کو جہنم کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں: ''اے ریاکار و فریسیو! تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہوں اے افعی بچو! تم جہنم کی آگ سے کیونکر بچو گے۔''

(متی ۲۲:۲۹۔۳۳)

''فرشتے بدکاروں کو اس کی بادشاہی میں سے جمع کریں گے اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے۔ وہاں رونا اور دانت پیسنا ہو گا' اس وقت راست باز لوگ اپنے باپ کی بادشاہی میں آفتاب کی مانند چمکیں گے۔'' (متی ۴۱ تا ۴۳)

حضرت مسیح علیہ السلام کے مطابق نجات کا دارومدار صرف ایمان اور احکامِ الٰہی کی پیروی اور گناہوں سے اجتناب پر ہے۔

اخلاقی تعلیم:

حضرت مسیح علیہ السلام نے خدا کی محبت پر بڑا زور دیا۔ اسے بنی آدم کا مجازی باپ کہا۔ خدا کی محبت کو بعض اچھوتی تمثیلوں کے ذریعے بیان کیا اور یہود کو عفو و درگزر کرنے کی تعلیم دی' فرماتے ہیں:

''مبارک ہیں وہ دل کے غریب ہیں جو حلیم ہیں' جو راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں' جو رحمدل ہیں جو پاک دل ہیں جو صلح کراتے ہیں جو راست بازی کے سبب ستائے گئے''

(متی ۵:۱۔۱۰)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی خلق حسنہ کو اللہ کے ہاں مقبول قرار دیتے ہیں جو ریاکاری اور دکھاوے سے پاک ہو' فرماتے ہیں:

''خبردار اپنے راست بازی کے کام آدمی کے سامنے دکھانے کے لیے نہ کریں۔ نہیں تو تمھارے باپ کے پاس جو آسمان میں ہے۔ تمھارے لیے کچھ اجر نہیں۔ پس جب تو خیرات کرے تو اپنے آگے نرسنگانہ بجوا۔ جیسا کہ ریاکار عبادت خانوں اور کوچوں میں کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کی بڑائی کریں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے ہیں بلکہ جب تو

Marfat.com

خیرات کرے تو جو تیرا داہنا ہاتھ کرتا ہے۔ اسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے۔ تا کہ تیری خیرات پوشیدہ رہے۔ اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔''

(متی ب۶۔۱'۳)

مسیح علیہ السلام کی تعلیم برحق تھی انھوں نے مادہ پرستی اور شکم پروری کا رد کر کے' خدا پرستی کا تصور لوگوں کے ذہن ودماغ میں راسخ کرنے کی کوشش کی۔ اس مضمون کو تمثیلات اور محاورات کی زبان میں پیش کیا تا کہ دنیا پرستانہ ذہن کا رخ موڑا جا سکے۔ لیکن غلو پسند طبائع نے اس سے رہبانیت مراد لے لی ہے جو غیر فطری عمل تھا۔ حالانکہ انبیاء کی تعلیم غیر فطری نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح توکل کی تعلیم دی ہے۔

معاشرتی تعلیم:

حضرت مسیح علیہ السلام سے قبل محبت کا پودا مرجھا چکا تھا۔ آپ نے اسے از سرِ نو شاداب کیا اور آپ نے معاشرے کی بنیاد محبت پر رکھی۔ آپ نے فرمایا:

''اور تم سن چکے ہو کہ اگلوں نے کہا تھا کہ خون نہ کرنا اور جو کوئی خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور میں تم سے کہتا ہوں جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا وہ صدر عدالت کی اور اور جو کوئی اسے احمق کہے گا وہ آتش جہنم کا سزاوار ہوگا۔ تم سن چکے ہو کہ تم سے کہا گیا ہے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اگر کوئی نالش کر کے تیرا کرتہ لینا چاہے تو تو چوغہ بھی اسے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے تو تو اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔ جو کوئی تجھ سے مانگے' اسے دے اور جو کوئی تجھ سے قرض چاہے اسے دے۔ اس سے منہ نہ موڑ''۔ (متی ب ۵۔۲۱'۲۲)

پڑوسی کی عزت کرنے کی تعلیم:

''تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھ اور اپنے دشمنوں سے عداوت' لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور ستانے والوں کے لیے دعا کرو۔ تا کہ تم اپنے باپ کے جو آسمان میں ہے بیٹے ٹھہرو۔''

(متی ب ۵'۴۳'۴۴)

Marfat.com

غیر محرم عورت کے متعلق تعلیم:

''آپ اگلے لوگوں سے سن چکے ہو کہ زنا بہت پاپ ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ جو شخص پرائی عورت کی طرف بری نظر سے دیکھتا ہے وہ دل میں زنا کا مرتکب ہو چکا۔ اس لیے تمھاری آنکھ یا ہاتھ ایسی حرکت کرے تو اسے کاٹ کر پھینک دے۔''

(متی ب ۵)

بری خواہش نہ کرنا:

''جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی۔ وہ دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ پس اگر تیری داہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لیے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے۔''

(متی ب ۵: ۲۷ تا ۲۹)

والدین کا احترام:

''تم لوگ خدا کے حکم کو باطل کرتے ہو اپنے گھڑے ہوئے قوانین برقرار رکھتے ہو۔ خدا نے تو تورات میں حکم دیا تھا کہ ماں باپ کی عزت کرو اور جو کوئی ماں باپ کو برا کہے وہ جان سے مارا جائے۔ مگر تم کہتے ہو کہ جو شخص اپنے ماں باپ کو یہ کہہ دے کہ میری جو خدمات تمھارے کام آسکتی تھیں۔ انھیں میں خدا کی نذر کر چکا ہوں۔ اس کے لیے بالکل جائز ہے کہ ماں باپ کی کوئی خدمت نہ کرے۔''

(متی ۱۵: ۳_۹)

خیرات وصدقہ کی تعلیم:

ایک دولت مند شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس آیا اور پوچھا کہ اے نیک استاد میں کون سا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ آپ علیہ السلام نے جواب دیا ''اگر تو کامل ہونا چاہے تو جا کر سب کچھ جو تیرا ہے بیچ ڈال اور محتاجوں کو دے۔ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا تب آ کر میرے پیچھے ہو لے''۔ (متی ۱۸: ۲)

Marfat.com

''مال اپنے واسطے زمین پر جمع نہ کرو۔ جہاں کیڑا خراب کرتا ہے اور جہاں چور لے جاتے ہیں بلکہ اپنا مال آسمان پر جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے اور نہ چور چراتا ہے۔''

(متی باب ۶: ۲۰،۱۹)

سور کھانے کی ممانعت:

'سور تمھارے لیے ناپاک ہے' تم اس کے گوشت میں سے کچھ نہ کھاؤ یہ تمھارے لیے ناپاک ہے۔''

(تورات کتاب الاحبار باب: ۸۔۷)

الغرض حضرت عیسیٰ کی تعلیمات توحید' رسالت اور درست عقائد نیز اعمال صالحہ پر مبنی تھیں۔ انھوں نے کوئی نیا دین یا نئی شریعت پیش نہیں کی تھی۔ ان کی دعوت موسیٰ علیہ السلام کے دین کا تکملہ وتتمہ تھا۔

جیسا کہ آپ علیہ السلام کا قول ہے: ''میں احکامِ موسوی کی تعمیل کرانے کے لیے آیا ہوں نہ کہ ان کی منسوخی کے لیے۔''

(متی لوقا' یوحنا)

مزید فرمایا:

''میں اسرائیل (بنی اسرائیل) کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دیں۔''

(متی باب ۱۵، درس ۲۱)

مگر ان کے بعد اسے ایک مستقل دین بنا دیا گیا اور پولوس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انھی اخلاقی تعلیمات میں چند باطل عقائد شامل کر کے علیحدہ مسیحیت کی بنیاد رکھی۔ اس طرح موجودہ عیسائیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے بالکل برعکس ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

جدید عیسائیت کی تعلیمات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات اور موجودہ عیسائیت کی تعلیمات دو متضاد چیزیں ہیں۔ ہم نے مسیح علیہ السلام کی اصل تعلیمات کا ذکر کیا ہے اب ہم موجودہ عیسائیت کی تعلیمات پر گفتگو کرتے ہیں۔

موجودہ عیسائیت کا بانی سینٹ پال یا پولوس رسول تھا جو مسیح علیہ السلام کا حواری نہیں تھا بلکہ آپ کا شدید دشمن یہودی تھا' وہ اچانک نمودار ہوا' کشف والہام کا دعویٰ کیا اور مسیح علیہ السلام کا فرستادہ بن بیٹھا۔ بعد ازیں اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے پیغام کو مشرک اقوام یونانیوں' رومیوں اور دیگر بنی اسرائیلی عوام میں مقبول بنانے کی خاطر اس کا حلیہ بگاڑ دیا۔ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات میں مندرجہ ذیل اہم تبدیلیاں کیں۔

۱۔ شریعت کو لعنت ٹھہرایا۔ عیسائیوں کے لیے تورات اور موسوی قانون کی تمام پابندیاں ختم کر دیں۔

۲۔ ختنے کا حکم منسوخ کر دیا جو غیر یہودی لوگوں کو ناپسند تھا۔

۳۔ کئی باطل عقائد مثلاً الوہیت مسیح' ابنیت مسیح' عقیدہ کفارہ اختراع کیے اور جدید عیسائیت کی بنیاد ان عقائد پر رکھی۔

۴۔ رومی اور یونانی تہواروں کی مشرکانہ رسوم وعبادات کو مسیحیت کا جزو بنا دیا گیا جس کے نتیجے میں عیسائیت ایک مشرکانہ مذہب بن گیا۔

سینٹ پال نے جدید عیسائیت کی بنیاد جن عقائد پر رکھی وہ مندرجہ ذیل ہیں:

عقیدۂ تثلیث:

عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم (Persons) سے مرکب ہے۔ باپ' بیٹا اور

Marfat.com

روح القدس۔ اس عقیدے کو عقیدۂ تثلیث کہا جاتا ہے۔ اس عقیدہ کی تشریح میں عیسائی علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں باپ' بیٹے اور روح القدس کے مجموعے کا نام خدا ہے اور عام عیسائیوں کا یہی مقبول عقیدہ ہے جبکہ بعض عیسائی علماء باپ' بیٹے اور کنواری مریم کو تین اقنوم قرار دیتے ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم ان اقانیمِ ثلاثہ کی قدرے توضیح پیش کرتے ہیں۔

ا۔ باپ(Father):

عیسائیوں کے نزدیک باپ سے مراد خدا کی تنہا ذات ہے' یہ ذات بیٹے کے وجود کے لیے اصل ہے۔ مشہور عیسائی فلاسفر سینٹ تھامس نے اس کی اس طرح تشریح کی ہے:

''باپ کا مطلب یہ نہیں کہ اس نے کسی کو جنا ہے اور کوئی ایسا وقت گزرا ہے جس میں باپ تھا اور بیٹا نہیں تھا بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ باپ بیٹے کی اصل ہے جس طرح ذات صفت کے لیے اصل ہوتی ہے ورنہ جب سے باپ موجود ہے اس وقت سے بیٹا موجود ہے اور ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی اولیت حاصل نہیں ہے۔''

(تھامس کی بنیادی تحریریں صفحہ نمبر ۳۲۴ جلد ۱)

پھر خدا کو باپ کیوں کہا جاتا ہے اس کا جواب ایک عیسائی عالم الفریڈ ای گارو ے اس طرح دیتا ہے:

''اس سے کئی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے' ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہوتا ہے۔ دوسری طرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیق اور مہربان ہے جس طرح باپ اپنے بیٹوں پر مہربان ہوتا ہے'' (انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ص ۵۸۵ جلد ۲)

۲۔ بیٹا(The Son):

بیٹے سے مراد عیسائیوں کے نزدیک خدا کی صفت کلام ہے' لوگوس (Logos) کا کلمہ ابتدا میں خدا کی ایک صفت تھی لیکن یونانی فلاسفر فائلو نے اس کو ایک مستقل بالذات ہستی اور خدا کا نقشِ اول قرار دیا۔ اس کے خیال میں خدا نے براہ راست تخلیق عالم کا کام انجام نہیں دیا بلکہ پہلے کلمے کو تخلیق کیا اور پھر اس کی وساطت سے دنیا پیدا کی اس طرح گویا کلمہ (Logos)

Marfat.com

ایک خدائے ثانی تھا۔ گویا کہ اول درجے کا خدا بیٹا تھا یعنی خدا اور خدا کا مولود ایک ہی ذات میں شریک تھے اور اس شرکت کی وجہ سے خدا کا بیٹا اس بات کا اہل تھا کہ خطا کار انسان اور خدائے قادر میں جس تک انسان کی رسائی ممکن نہیں ایک واسطہ بن جائے۔ اس سوال کا جواب کہ انسانوں کی صفت کلام اور خدا کی صفت کلام کے درمیان کیا فرق ہے؟ عیسائی عالم سینٹ تھامس نے یہ دیا ہے:

انسانی فطرت میں صفت کلام کوئی جوابی وجود نہیں رکھتی۔ اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مولد نہیں کہہ سکتے لیکن خدا کی صفت کلام ایک جوہر ہے جو خدا کی بابت اپنا ایک وجود رکھتا ہے اس لیے اس کو حقیقتاً نہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہے بلکہ اس کی اصل کا نام بیٹا ہے الغرض عیسائیوں کے نزدیک صفت کلام باپ کی طرح قدیم ہے خدا کی یہی صفت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انسانی شکل میں حلول کر گئی تھی جس کی وجہ سے یسوع بن مریم کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے اور یہ عقیدہ مسیح پر ایمان کی بنیاد ہے۔ جیسا کہ ۳۲۵ میں نیقیہ کی کونسل نے فیصلہ صادر کیا کہ ''بیٹا'' بھی باپ کی طرح ابدی اور غیر فانی ہے اور اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کو قابل گردن زدنی قرار دیا گیا۔ بعد ازیں ڈنٹ کی کونسل نے اس کی تاکید کی اور عیسائیت کے یہ اصول مذہب طے کر دیئے کہ۔

ہم ایمان لائے:

۱۔ خدا کی قدرت والے باپ پر جو ظاہر اور پوشیدہ چیزوں کا خالق ہے۔

۲۔ رب یسوع مسیح ابن اللہ پر جو باپ کا اکلوتا بیٹا ہے جو باپ کے یہاں جملہ کائنات سے پہلے پیدا ہوا۔ عین ذات ہے۔ الہ الہ اور نور نور ہے۔ عین خدا ہے۔ مولود ہے' مخلوق نہیں' باپ اور اس کا جوہر ہے ایک ہے' اس کی وساطت سے تخلیق اشیاء ظہور میں آئیں۔

یعنی جو کچھ زمین و آسمان میں ہے ہم انسانوں کی نجات کے واسطے اس کا نزول وحلول ہوا اور وہ انسان بن کر آیا' مبتلائے بلا ہوا اور تیسرے دن اٹھ کھڑا ہوا اور آسمان پر چڑھ گیا اور اب زندوں اور مردوں کا انصاف کرنے پھر آئے گا۔''

(کونسل آف ٹرنٹ بحوالہ معارف القرآن جلد ۳' ص ۱۶۱)

۳۔ روح القدس (The Holy Spirit)

''اس سے مراد باپ بیٹے کی صفت حیات اور صفت محبت ہے یعنی اس صفت کے

Marfat.com

ذریعے خدا کی ذات (باپ) اپنی صفت علم (بیٹے) سے محبت کرتی ہے اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے۔ یہ صفت بھی جوہری وجود رکھتی ہے اور باپ بیٹے کی طرح قدیم ہے اس وجہ سے اسے مستقل اقنوم کی حیثیت حاصل ہے۔'' (اگسٹائن۔سٹی آف گاڈ)

اناجیل میں ہے اور عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو بپتسمہ دیا جارہا تھا تو آسمان کھل گیا اور یہی روح القدس ایک کبوتر کے جسم میں حلول کر کے حضرت مسیح پر نازل ہوئی اور آسمان سے آواز آئی۔

''یہ میرا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں'' (متی ۳۔۱۶)

الغرض خدا تین اقانیم پر مشتمل ہے خدا کی ذات جسے باپ کہتے ہیں' خدا کی صفت کلام جسے بیٹا کہا جاتا ہے اور خدا کی صفت حیات ومحبت جسے روح القدس کہا جاتا ہے۔ ان تین میں سے ہر ایک خدا اور تینوں مل کر تین خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے یعنی تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث (تین میں ایک اور ایک میں تین)

عقیدۂ تثلیث کا رد:

ا۔قرآن مجید نے عقیدہ الوہیتِ کو باطل' غلط اور خود ساختہ قرار دیا ہے اور متعدد آیات میں اس کی شدت سے تردید کی ہے۔پہلی بات تو یہ فرمائی:

ان مثل عیسی عنداللہ کمثل ادم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون○

یعنی پیدائش کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی مثل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا پھر کہا انسانی شکل اختیار کرو تو ایسا ہو گیا۔

ا۔اگر عیسائی عقیدہ کے مطابق بن باپ پیدا ہونا الوہیت یا ابن اللہ ہونے کی دلیل ہے تو آدم علیہ السلام اس کے زیادہ حقدار تھے جو بن باپ پیدا ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''حضرت مسیح ابن مریم صرف اللہ کا رسول ہے جس طرح قبل ازیں رسول گزر چکے ہیں اور اس کی والدہ صدیقہ تھیں اور یہ دونوں ماں' بیٹا عام انسانوں کی طرح کھانا کھاتے تھے جبکہ الہ کھانے سے مستغنی ہوتا ہے'' (پ۶۔ع۱۲)

۲۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات عقیدہ الوہیت کے خلاف ہیں جیسا قبل ازیں

Marfat.com

گزر چکا ہے اور جس کی شہادت آج بھی انجیل دے رہی ہے۔ علاوہ ازیں ابتدائی حواری اس عقیدہ کے خلاف تھے جیسا کہ انھوں نے پولوس کی مخالفت کی۔ نیز یوحنا انجیل کے علاوہ باقی تینوں اناجیل اس عقیدہ کی تائید نہیں کرتیں۔

۳۔ پھر یہ عقیدہ انبیاء کی مشترکہ تعلیمات کے بھی خلاف ہے نیز عقل اور فطرت بھی اس کی تائید نہیں کرتی کیونکہ یہ عقیدہ خود ساختہ اور ایجاد ہے۔ لہٰذا اس میں اختلاف لازمی ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ دس عیسائی اس مسئلے کے تصفیے کے لیے جمع ہوں تو ان میں گیارہ فرقے بن جاتے ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

کفارہ کا عقیدہ

کفارہ موجودہ عیسائیت کی عمارت کا بنیادی پتھر ہے۔ اس کے لفظی معنی ڈھانکنے اور چھپانے کے ہیں۔ اصطلاح میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ یسوع مسیح نے صلیب پر جان دے کر تمام بنی آدم کے گناہوں کو چھپالیا ہے اور ان کے لیے نجات کا موجب بن گئے ہیں۔ یہ عقیدہ موجودہ عیسائیت کی جان ہے' اس عقیدے کی تشریح انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں ''عقیدۂ کفارہ'' کے ضمن میں یوں آئی ہے:

''عیسائی عقائد میں کفارہ سے مراد یسوع مسیح کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعے سے ایک گناہگار انسان یک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہوجاتا ہے۔ اس عقیدہ کی پشت پر دو مفروضے کارفرما ہیں۔ ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہوگیا تھا۔ دوسرے یہ کہ انسان کی صفت کلام (بیٹا) اس لیے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کردے۔''

اس مقالہ کے کاتب نے جن دو مفروضوں پر اس عقیدۂ کفارہ کی بنیاد رکھی ہے وہ دونوں سرے سے غلط اور ناپید ہیں۔ اول تو آدم سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ گناہ نام ہے احکام شرع کی خلاف ورزی کا' آدم اس وقت دنیا میں نہیں بلکہ عالم بالا میں تھے جہاں شریعت کا کوئی سوال نہ تھا' دوسرے اس لغزش کی انھوں نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لی تھی جو مل بھی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ رحیم ہے۔ یہ تصور ہی غلط ہے کہ اس نے معافی دینے کے بعد اس گناہ کو برقرار رکھا اور نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اس کی سزا اپنے اکلوتے بیٹے کو پھانسی کی شکل میں دی۔

(تقابل ادیان ومذاہب' میاں منظور احمد)

عقیدۂ کفارہ کا آغاز:

ادیان عالم میں مسیحیت اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس کے پیروکار انسان کی نجات کے

Marfat.com

لیے باطل اور غیر فطری نظریہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ عقیدہ پولوس کی اس تعلیم کا شاخسانہ ہے جس کی رُو سے مسیحیت کے پیروکار یسوع کو خدا کا بیٹا ٹھہرا کر ان کی مصلوبیت کو گناہ کا کفارہ قرار دیتے ہیں کہ:

''مسیح کتاب مقدس کے مطابق ہمارے گناہوں کے لیے مرا اور دفن ہوا اور تیسرے دن کتابِ مقدس کے مطابق جی اٹھا۔'' (کرنتھیون ۱۵۔۳۔۴)

''اور یہ کہ مردوں میں سے جی اٹھنے کے سبب سے قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا ٹھہرا'' (رومیوں)

مصلوبیت کو یہ کہہ کر پولوس نے کفارہ ٹھہرایا ہے تا کہ:

''ہم یسوع کے ایک بار قربان ہونے کے وسیلے سے پاک کیے گئے ہیں۔''

عقیدہ کفارہ کا آغاز دراصل سینٹ پال کے زمانے سے شروع ہوا۔ سینٹ پال جس نے ایک نئے دین کی بنیاد ڈالی جو کہ عقائد' اصول اور احکام میں اس دین سے بالکل مختلف تھا جو حضرت مسیح نے پیش کیا۔ اس شخص نے حضرت عیسیٰ کی کوئی صحبت نہ پائی تھی بلکہ ان کے مخالفوں میں سے تھا' جب اس نے بنیادین بنانا شروع کیا اس وقت بھی اس کے پیروؤں نے ان بدعت کی مخالفت کی مگر چوتھی صدی کے آغاز ۳۳۵ء میں نیقیہ (Nicaea) کی کونسل نے پولوس کے عقائد کو قطعی طور پر مسیحیت کا حتمی مذہب قرار دے دیا۔

عیسائیوں کے عقیدۂ کفارہ کے بارے میں معروضات:

کفارہ کا عقیدہ موجودہ عیسائیت کا بنیادی عقیدہ ہے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ بائبل میں براہ راست کفارہ کے معروضات کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ تاہم اس غیر فطری عقیدہ کی بنیاد ان معروضات پر رکھی گئی ہے۔

۱۔ سانپ کے بہکانے پر باغ عدن میں شجر ممنوعہ کھالینے سے حضرت آدم نے خدا کا گناہ کر کے اسے غضب ناک کیا اور ان کا یہ گناہ معاف نہیں کیا گیا تھا۔

۲۔ حضرت آدم کا باغ عدن میں گناہ ہر انسان کو ورثہ میں ملتا ہے جس سے ہر بچہ پیدائشی طور پر گناہگار ہوتا ہے۔

۳۔ پیدائشی طور پر گناہگار ہونے سے جہنم ہر انسان کا مقدر ہے۔

Marfat.com

۴۔آخر کار لاکھوں برس بعد خداتعالیٰ نے ایک راہ نکال کر اپنے اکلوتے بیٹے کو نجات دہندہ کے طور پر بھیجا اور اس نے صلیب پر جان دے کر انسان کو کفارہ سے پاک کرنے کا مداوا کیا۔

۵۔مسیحیت کے پیروکار سمجھتے ہیں کہ یسوع پر ایمان لانے سے ان کی صلیبی موت کفارہ بن کر اس کے پیدائشی گناہ سے پاک کر دیتی ہے اور غضبناک خدا کا گناہگار ہونے کے ساتھ ساتھ ملاپ اور قرب کا باعث بنتی ہے۔

۶۔عیسائیوں کے نزدیک نیک اعمال نجات کا موجب نہیں ہو سکتے کیونکہ انسان پیدائشی گناہگار ہے۔اگر اللہ بندے کے گناہ کو توبہ سے معاف کر دے تو اس کا یہ رحم عدل کے خلاف ہے۔خدا رحیم ہے جس کا تقاضا انسان کو معاف کر دینے کا ہے اور خدا عادل بھی ہے جس کا مطالبہ سزا دینے کا ہے چنانچہ رحم وعدل یکجا نہیں ہو سکتے۔بندے کی نجات کا ہونا ضروری ہے اور اس کی یہ صورت نکالی کہ یسوع مسیح جو تمام گناہوں سے پاک اور معصوم ہے لوگوں کے تمام گناہوں کو اپنے اوپر لے کر جان کی قربانی دے۔

عقیدۂ کفارہ کا رد از روئے قرآن وانجیل:

ا۔قرآن مجید کی تردید:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیب پر موت کی سختی سے تردید فرماتا ہے' چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے کہ:

''انھوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا اوز جو لوگ اس کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ درحقیقت شک میں مبتلا ہیں۔ان کے پاس اس معاملہ میں کوئی سند نہیں اور صرف ظن کے سوا ان کو اس کے متعلق علم نہیں اور انھوں نے مسیح کو یقیناً قتل نہیں کیا۔'' (القرآن ۴:۱۵۷)

اناجیل اربعہ سے بھی مصلوبیت مسیح' ان کے دفن کیے جانے اور مرکر جی اٹھنے کا افسانہ محض خواب وسراب اور رویا پر استوار کیا جانا عیاں ہے۔خود انجیل برناباس کے مطابق عقیدہ کفارہ سینٹ پال کا ایجاد کردہ ہے۔

Marfat.com

۲۔ کیا آدم علیہ السلام کا گناہ معاف نہیں ہوا؟

بائبل کی رو سے باغ عدن میں خدا کا گناہ حوا نے سانپ کے بہکانے پر کیا تھا لیکن حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی پیروی میں درخت کا پھل کھا لینے سے قصوروار نہ تھا' پولوس کہتا ہے کہ:

''پہلے آدم بنایا گیا تھا' اس کے بعد حوا اور آدم نے فریب نہیں کھایا بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی'' (تمطاؤس ۲۔۱۲ تا ۱۴)

سانپ کے بہکانے' حوا کے گناہ کرنے اور حضرت آدم کی حوا کی پیروی کرنے پر بائبل کی رو سے خدا نے اس وقت انھیں یہ سزائیں دے دیں تھیں۔

''خداوند نے سانپ سے کہا اس لیے کہ تو نے یہ کیا تو سب چوپایوں اور جانوروں میں مطعون ٹھہرایا تو اپنے پیٹ کے بل چلے گا اور عمر بھر خاک چھانے گا۔''

عورت سے کہا:

''تو درد سے بچہ جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا اور آدم سے کہا چونکہ تو نے اپنی بیوی کی بات مانی اور اس درخت کا پھل کھایا' جس کی بابت میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا' اس لیے زمین تیرے سبب کے لعنتی ہوئی۔ مشقت کے ساتھ' تو اپنی عمر بھر اس کی پیداوار کھائے گا۔''

(پیدائش ۳:۱۴ تا ۱۷)

حضرت آدم کے اس گناہ کی سزا بائبل کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے خود تجویز کر دی ہے۔ اب اصولاً انسان کو گناہگار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس نے اپنی سزا پوری کر لی ہے۔

اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یسوع مسیح پر ایمان لانے سے پیدائشی گناہ دھل جاتے ہیں تو پھر دیگر مذاہب کی طرح مسیحیت کی پیروکار عورتوں اور مردوں کو اپنی سزا کیوں پوری کرنا پڑ رہی ہے۔

ایک طرف تو پولوس حضرت حوا کو گناہگار قرار دیتا ہے تو دوسری طرف وہ آدم علیہ السلام کو گناہگار ٹھہرا کر انسان کو پیدائشی طور پر جہنمی قرار دیتا ہے۔ ایک عیسائی فاضل جان کالون کہتا ہے کہ:

Marfat.com

''درحقیقت ہم نے آدم سے صرف وراثت میں سزا نہیں پائی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم میں گناہ کا ایک وبائی مرض جاگزیں ہے جو آدم سے ہم کو لگا ہے اور اس گناہ کی وجہ سے ہم پورے انصاف کے ساتھ سزا کے مستحق ہیں۔ اس طرح شیر خوار بچے بھی اپنی ماں کے پیٹ سے سزا کا استحقاق لے کر آتے ہیں اور یہ سزا خود ان کے نقص اور قصور کی ہوتی ہے کسی اور کے قصور کی نہیں۔''

جب بائبل کی رُو سے گناہ کے ارتکاب کا اول منبع عورت کی ذات ہے۔ جبکہ حضرت مسیح کو بھی پیدا کرنے والی عورت ہے جو گناہ کا اصل منبع ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدم کا گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر کے انھیں پاک صاف کر دیا تھا اور اس کی تصدیق قرآن مجید سے ہوتی ہے:

''آدم نے اپنے پرودگار سے (معافی کے) کچھ کلمات سیکھے اور معافی مانگی تو اس نے اس کا قصور معاف کر دیا' بے شک وہ معاف کرنے والا اور صاحبِ رحم ہے۔''

(القرآن)

۳۔ کیا ہر بچہ پیدائشی گناہگار ہے؟

نہ ہی انصاف اس بات کو گوارا کرتا ہے اور نہ عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ غلطی باپ کرے اور سزا بیٹا پائے بلکہ خود بائبل اس باطل خیال کی تردید کرتی ہے۔

''بیٹوں کے بدلے باپ مارے نہ جائیں' نہ باپ کے بدلے بیٹے مارے جائیں ہر ایک اپنے گناہ کے سبب مارا جائے۔''

(استثناء ۲۴:۱۶)

اولاد آدم کا پیدائشی طور پر گناہگار نہ ہونے کا ثبوت (یوحنا) کی پیدائش کی بشارت کا یہ بیان ہے کہ:

''بہت سے لوگ اس کی پیدائش سے خوش ہوں گے کیونکہ وہ خدا کے حضور بزرگ ہوگا اور ہرگز نہ کوئی شراب پیے گا اور اپنی ماں ہی کے بطن سے روح القدس سے بھر جائے گا۔''

(لوقا ۱:۱۴:۱۵)

ایک عیسائی بزرگ ایکوفیاس کا ارشاد ہے کہ:

Marfat.com

''جو بچے بپتسمہ لینے سے پہلے مرجاتے ہیں ان میں چونکہ اصلی گناہ برقرار ہوتا ہے اس لیے وہ کبھی خداوند کی بادشاہت نہیں دیکھیں گے۔''

یعنی کہ عیسائیوں کی جو اولاد بپتسمہ سے پہلے مرجائے تو وہ جہنمی ہے اور ہمیشہ کے لیے سزا کی مستحق ہے۔

۴۔ کیا صرف یسوع پر ایمان سے آدمی نجات پاتا ہے؟

اگر اس نظریہ کو درست مان لیا جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے جتنے بھی انسان ہوئے وہ گنہگار تھے۔ ان میں عہد عتیق کے بزرگ و برگزیدہ لوگ بھی شامل تھے جبکہ مسیحی لوگ ان لوگوں کی لکھی گئی عہد نامہ عتیق کو مقدس مانتے ہیں۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ مسیح سے پہلے کے تمام انسان گنہگار تھے۔ خود بائبل کی رو سے غلط ہے۔ بائبل میں بے شمار ایسے آدمیوں کا ذکر موجود ہے جو راست باز مقدس اور نیک تھے جن میں حضرت یحییٰ، حضرت دانیال، یوشع، زکریا اور ان کی بیوی فرنیاں بادشاہ سمشون بن منوحہ، عموئیل النبی اور شمعون، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان تمام برگزیدہ شخصیات کے بارے میں لوقا، مرقس متی، یوحنا، سموئیل، دانیال وغیرہ میں آیات موجود ہیں۔ جس سے عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ کے علاوہ اور کوئی نیک نہیں، اور ہر شخص فطری طور پر گنہگار ہے، غلط ہے۔

۵۔ کیا خدا نے اپنے ہمسر کے ذریعے اپنے غضب کو ختم کیا؟

اول تو یسوع خدا کا ہمسر نہیں اور اگر خدا کے ہمسر ہوتے یا ان کے ذریعے خدا نے اپنے غضب کو ختم کرنے کی ترکیب نکالی ہوتی تو یسوع اس بات سے ضرور آگاہ ہوتے اور یہودیوں کی طرف سے قتل کیے جانے کے منصوبے سے خوفزدہ ہوکر ان کی نہ تو یہ حالت ہوتی اور نہ ہی وہ یہ دعا مانگتے:

''اے باپ اگر تو چاہے تو یہ پیالہ مجھ سے ہٹالے، تو بھی میری مرضی نہیں بلکہ تیری ہی مرضی پوری ہو اور آسمان سے ایک فرشتہ اسے دکھائی دیا وہ اس کو تقویت دیتا تھا، پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہوکر اور بھی دل سوزی سے دعا کرنے لگا اور اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بوندیں ہوکر زمین پر ٹپکتا تھا۔''

انجیل لوقا کے اس بیان سے واضح ہے کہ یسوع کی مرضی یہ تھی کہ وہ قتل نہ کیے جائیں

Marfat.com

لیکن خدا کی مرضی اور تھی۔ متی باب ۲۶ آیت ۲۶ میں آتا ہے کہ:

''شاگردو جاگو اور دعا کرو روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے۔''

کفارہ سے پہلے سب شاگرد پیدائشی گنہگار تھے اور مسیح خود خدا تھا تو خدا اپنے مصائب کو دور کرنے کے لیے گنہگاروں سے دعا کی التجا کرتا ہے۔

۶۔ کیا یسوع کی مصلوبیت دنیا کے گناہوں کا کفارہ ٹھہری تھی؟

سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ آیا بائبل کی رو سے ایک کے گناہوں کا بوجھ دوسرا اٹھا سکتا ہے۔ بائبل کی تعلیم اس کے سراسر منافی ہے۔ بائبل میں صاف لکھا ہے کہ:

''نہ اولاد کے بدلے باپ دادا مارے جائیں' نہ باپ داداؤں کے بدلے اولاد قتل کی جائے۔ ہر ایک اپنے گناہ کے سبب مارا جائے۔'' (استثناء ۲۴:۱۶)

اس حوالے کے علاوہ اور بھی اس قسم کے حوالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کوئی بھی دوسروں کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

ایک اور اہم بات جس سے اس عقیدہ کا رد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب نہیں کیے گئے تھے جیسا کہ انجیل برناباس میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھا لیے گئے تھے اور ان کی جگہ ان کا شاگرد یہودا پھانسی دیا گیا تھا۔ اس طرح اس لیے نہ تو حضرت عیسیٰ مصلوب ہوئے اور نہ گناہوں کا کفارہ ادا ہوا۔''

۷۔ کیا اللہ تعالیٰ کی صفت رحم بلا بدل نہیں؟

عیسائیوں کا یہ استدلال ہے کہ انسان نے گناہ کیا۔ خدا کا عدل گناہ کی سزا کا متقاضی ہے اور خدا کا رحم نجات کا متقاضی' ہر دو تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے اکلوتے بیٹے یسوع کو دنیا میں بھیج کر خدا کے رحم سے مستفید کیا اور خود اپنی جان صلیب پر دے کر عدل کے تقاضے کو پورا کیا اور لوگوں کے لیے بخشش کا موجب ٹھہرا۔

لیکن عیسائیوں کا یہ استدلال کہ اللہ تعالیٰ کا رحم بلا بدل نہیں ہوسکتا' اللہ تعالیٰ کی صفات کی ناسمجھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان ہے جس کا ظہور انسانوں کے اعمال اور محنت کے نتیجہ میں نہیں ہوتا جیسا کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ انسان کی پیدائش سے قبل ہی اس کی زندگی کے تمام سامان دنیا میں موجود تھے' کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ یہ سامان اس کے اعمال کے نتیجے

Marfat.com

میں پیدا ہوئے' جب خدا کی ذات پیدائش سے قبل رحم بلا بدل کرسکتی ہے تو وہ موت کے بعد انسانوں پر رحم بلابدل کیوں نہیں کرسکتی۔ اللہ تعالیٰ کا رحم عدل کے تقاضوں میں جکڑا ہوا نہیں ہے۔

کفارہ کے بارے میں عہد نامہ عتیق کی شہادت:

عہد عتیق میں کفارہ کی سختی کے ساتھ تردید کی گئی ہے۔ چنانچہ حزقی ایل نبی کی معرفت خدا نے اپنے بندوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ:

''جو جان گناہ کرتی ہے وہ دے گی' بیٹا باپ کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ' صادق کی صداقت اس کے لیے اور شریر کی شرارت اس کے لیے' لیکن شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کیے ہیں' باز آئے اور میرے سب آئین پر چلے جو جائز اور روا ہے تو یقیناً زندہ رہے گا۔ وہ نہ مرے گا وہ سب گناہ جو اس نے کیے ہیں اس کے خلاف محسوس نہ ہوں گے وہ اپنی راست' بازی جو اس نے کی زندہ رہے گا'' (حزقی ایل ۱۸:۱۴'۲۰)

پولوس نے خود تسلیم کیا ہے کہ شفاعت کنندہ بے گناہ ہونا چاہیے مگر یسوع تو کروڑوں انسانوں کے گناہوں کا مجموعہ تھا۔

''جونہی اس نے گناہوں کا گٹھڑ اٹھایا وہ باقی قربانی کے لائق بھی نہ رہا۔ کیونکہ قربانی بے عیب کی ہونی چاہیے''

پھر یسوع کو خود اقرار ہے کہ:

''میں نیک نہیں تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے کوئی نیک نہیں مگر ایک خدا' نیز فرمایا ''اور جو عورت سے پیدا ہوا ہے کیونکر نیک ٹھہرے۔''

انسان کے پیدائشی گناہگار ہونے کا عقیدہ کسی آسمانی کتاب میں نہیں پایا جاتا اب تو خود کیتھولک علماء بھی تسلیم کرنے لگے ہیں کہ بائبل میں اس عقیدے کی کوئی بنیاد نہیں۔

ایک جرمن عیسائی ہربرٹ باگ نے ''پیدائشی گناہ مذہبی کتابوں میں موجود ہے'' کے نام سے ایک کتاب لکھی' اس میں لکھتا ہے کہ یہ عقیدہ تیسری صدی کے بعد شروع ہوا ہے۔

Marfat.com

غیر متعصب مسیحیوں کا تجزیہ:

قرآن مجید میں آتا ہے:

''اے پیغمبر تم دیکھو گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی ومشرک ہیں اور دوستی کے لحاظ سے مومنوں سے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔'' (القرآن)

مسیحیوں میں ہر زمانہ میں حق پسند علماء' مشائخ اور دانشور موجود رہے ہیں۔

ا۔ سلیپسن: مصلوبیت مسیح اور اس سے پہلے کی کیفیت کو ان الفاظ میں ادا کرتا ہے:

''مسیح کو اپنے باپ سے کچھ مدد نہ ملی اور وہ خود اپنی امداد نہ کرسکتا تھا۔ دکھ اور تکلیف کے وقت اس میں برداشت کی طاقت نہ تھی۔۔۔جب دکھ کو رفع کرنے کے لیے اسے شراب دی گئی تو اس نے منہ کھول کر اسے پینے کو کہا اور پیاس کو برداشت نہ کرسکا جسے معمولی آدمی بھی اکثر اوقات کیا کرتے ہیں۔''

(بارہ ضروری سوالات ص ۱۸۰)

۲۔ پین کفارہ کی تشریح اس طرح کرتا ہے کہ:

''دیوتاؤں کے حالات قلم بند کرنے والے مسیحی بیان کرتے ہیں کہ مسیح جہان کے گناہوں کے لیے مرگیا اور وہ اسی مقصد کے لیے آیا تھا' یہ تو ظاہر ہے کہ مسیح کی موت ہم کو مرنے سے نہیں روک سکتی۔ اس لیے کہ ہم صرف مرجاتے ہیں۔۔۔مغالطوں کے گھڑنے والے مقدس پولس نے ایک اور ذو معنی لفظ آدم کا مغالطہ دے کر مغالطہ موت کو تقویت دی۔ وہ کہتا ہے کہ دو آدم تھے ایک وہ جو فی الحقیقت گناہ کرتے ہیں اور اس کی جگہ سزا اٹھاتا ہے اور دوسرا وہ جو قائم مقام ہوکر گناہ کرتے ہیں اور فی الحقیقت سزا پاتا ہے۔''

۳۔ ایک باپٹیسٹ مائیتھالوجی کے پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ:

''شریعت سزا اور کفارہ کے بارے میں پولوس کا نظریہ دور جدید کے انصاف کے احساس کو ناگوار گزرتا ہے اور ہر پہلو سے ہمارے اخلاقی تصورات کے متناقض ہے۔''

(بارہ ضروری سوالات ص ۱۶۸)

۷۔ کفارہ پولوس کا وضع کردہ من گھڑت نظریہ ہے۔

Marfat.com

اس کے بارے میں یہ بیان آتا ہے کہ پولوس کی تصانیف خطرے کا باعث اور چھٹی چٹان ہیں اور مسیحی مائیتھالوجی کے بڑے بڑے نقص انھی سے واقع ہوئے ہیں۔ پولوس تیز فہم ہے اور کفارے کی مائیتھالوجی کا مخترع ہے جو لعنت کا فتویٰ دیتی اور جہنم کی سزا مقرر ٹھہرا دیتی ہے۔

(بارہ ضروری سوالات ص ۱۳۹).

۸۔ کیا یہ بات عقل کی کسوٹی پر پوری اترتی ہے؟

اس سوال کا جواب سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب ''الجہاد فی الاسلام'' میں دیا ہے۔ عقیدہ کفارہ کو تسلیم کرنے کے بعد تو مسیحیت کے قانون اخلاق کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اگر یہ کفارہ کا عقیدہ صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی قتل کر کے' چوری کر کے' زنا کر کے' ہمسائے کو ستا کے اور حرام کی کمائی کے ذخیرے سے بھی آسمانی بادشاہت میں داخل ہوسکتا ہے۔ بشرطیکہ مسیح پر ایمان لے آئے۔ اس صورت میں وہ ساری تعلیمات مہمل ہو جاتی ہیں جو مسیح نے اپنے مواعظ میں دیں بلکہ خود مسیح کا قول بھی غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ:

''ان اعمال کے ساتھ کوئی بادشاہت میں داخل نہیں ہوسکتا اگر مسیح کی بات سچی ہے تو یقیناً کفارے کا عقیدہ باطل ہے۔ بہرحال یہ دونوں باتیں ایک ساتھ نہیں چل سکتیں اور نہ ہی عقل و منطق کی رُو سے ممکن ایسا ہے۔''

☆☆☆

Marfat.com

حواری

حواری کا لفظ حوار ہے جس کے معنی سفیدی کے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اولین پیروکاروں کو حواری اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دھوبی تھے جو کپڑوں کو صاف اور سفید کرتے تھے۔ نیز حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کے بعد لوگوں سے پاک صاف گفتگو کرتے تھے۔ حواری کے معنی مددگار کے بھی ہیں چونکہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دعوت دینے میں مددگار تھے' اس لیے حواری کہلائے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوا تو اس وقت ان کی شریعت صحیح معنوں میں نہیں آئی تھی' اور نہ ہی عیسائیوں میں کسی قسم کی تنظیم ہی موجود تھی حتیٰ کہ یہودیوں سے ممتاز کرنے کے لیے ان کا کوئی جداگانہ نام بھی نہیں تھا۔ ان تمام کاموں کی انجام دہی کا باران لوگوں کے کاندھوں پر پڑا جنھوں نے حضرت عیسیٰ کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا اور براہ راست ان سے تعلیم حاصل کی تھی' ابتدا میں یہ لوگ حضرت عیسیٰ کو دشمن کے حوالے کر کے بھاگ نکلے تھے لیکن بعد میں اپنے کیے پر نادم ہوئے اور اس کی تلافی کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ انھوں نے شریعتِ عیسوی کی تنظیم اور اشاعت کی طرف توجہ دینی شروع کر دی' ان کی اس تبدیلی کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ کو بچشم خود زندہ ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور ان لوگوں کو ان کی جسمانی موجودگی اور ان کی اعانت کا شدید احساس ہو گیا تھا۔ ان لوگوں نے غیر معمولی ہمت اور جرأت سے کام لیا اور نہایت ہی ناسازگار حالات میں عیسوی تعلیمات کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور تھوڑے ہی عرصے میں شدید مخالفت اور قتل و ایذا کے باوجود ہزاروں معتقد اُن کے گرد جمع ہو گئے۔ اناجیل کی رُو سے ان کی تعداد بارہ تھی۔ یہ لوگ ''رسول'' کہلاتے ہیں۔ ان میں سے چند اہم لوگوں کا ذکر بیان کیا جاتا ہے۔

پطرس یا پیٹر:

حضرت عیسیٰ کے شاگردوں میں سینٹ پیٹر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ وہ ایک فلسطینی

Marfat.com

یہودی تھا۔ پیشہ کے لحاظ سے وہ ایک مچھیرا تھا' اس کا اصلی نام سیمن (Simon) تھا لیکن حضرت عیسیٰ نے اس کا نام سیپاس (Cepas) رکھا۔ اس کے معنی چٹان کے ہیں۔ پیٹر یونانی زبان میں سیپاس ہی کا ترجمہ ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ حضرت عیسیٰ کے وہ مشہور الفاظ ہیں جنھیں متی (میتھو Mathew) نے نقل کیا ہے کہ تو ''پطرس ہے اور اس چٹان پر میں اپنی شریعت کی تعمیر کروں گا۔'' آسمانی بادشاہت کی چابیاں تیرے حوالے کروں گا اور جس کو زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بھی بندھ جائے گا۔

حضرت عیسیٰ کا یہ جملہ رومن کیتھولک فرقے کے لوگوں کی قوت کا منبع ہے۔ تصلیب کے بعد حضرت عیسیٰ نے پطرس پر خصوصی ظہور فرمایا اور بنی اسرائیل کی بھیڑ بکریوں کو اس کی نگرانی میں دے دیا۔ صلیب کے بعد پطرس نے تین مرتبہ حضرت عیسیٰ کی تکذیب کی۔ متی میں ہے اور پطرس باہر صحن میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک لونڈی اس کے پاس آکر بولی تو بھی یسوع گلیلی کے ساتھ تھا تو اس نے سب کے سامنے یہ کہہ کر انکار کیا کہ میں نہیں جانتا کہ تو کیا کہتی ہے اور جب ڈیوڑھی میں چلا گیا تو دوسروں نے اسے دیکھا جو وہاں موجود تھے۔ ان سے کہا یہ بھی یسوع ناصری کے ساتھ تھا' اس نے قسم کھا کر انکار کیا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا' تھوڑی دیر کے بعد جو وہاں کھڑے تھے انھوں نے پطرس کے پاس آکر کہا بے شک تو بھی ان میں سے ہے کیونکہ تیری بولی سے بھی ظاہر ہوتا ہے اس پر وہ لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا۔''

(متی ۲۶:۶۹'۷۴)

لیکن کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی احیاء ثانیہ کے بعد پطرس کی سرگرمی کا آغاز ہوتا ہے۔ رسولوں کے اعمال میں پطرس کے متعدد معجزات مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک معجزہ یہ بتایا گیا ہے کہ لدہ کے مقام پر انیاس نامی مفلوج شخص کو جو آٹھ سال سے چارپائی پر پڑا تھا' اٹھا کر کھڑا کر دیا اور یافا میں نیتا نامی ایک نیک سرشت عورت تھی وہ مرگئی تو پطرس نے اسے دوبارہ زندہ کر دیا۔

☆ پطرس کے ان ہی معجزات کی وجہ سے بے شمار لوگ عیسائی بن گئے۔

پطرس رومی چرچ کا پادری تھا اور پاپائیت کا آغاز اسی کی ذات سے ہوتا ہے' وہ مکتوبات کا مصنف ہے جو عہد نامہ جدید (New Testament) میں شامل ہیں۔

Marfat.com

پولوس:

پال یا شاؤل عیسائیت کی تاریخ میں پطرس سے بھی زیادہ اہم شخصیت کا مالک ہے۔ وہ ایشیائے کوچک کے مقام طرطوس کا ایک یہودی تھا۔ اس کا اصلی نام سال (Saul) ہے' اس نے توریت اور دیگر مذاہب کی کتابوں کا عمیق مطالعہ کیا تھا۔ پولوس نے حضرت عیسیٰ سے کبھی ملاقات نہیں کی۔ اگرچہ تصلیب کے وقت وہ یروشلم ہی میں مقیم تھا۔

پولوس نے حضرت عیسیٰ کے پیروؤں اور معتقدوں کی تعذیب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

حضرت عیسیٰ کے بعد پہلا شخص جو قتل ہوا وہ سینٹ اسٹیشن تھا' اس کے قتل میں پال کا ہاتھ تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے عیسائیت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے دمشق کا سفر کیا لیکن راستے میں حضرت عیسیٰ نے اس پر ظہور فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں کا یہ قاتل ان کا معتقد بن گیا' رسولوں کے اعمال میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہے: ''جب وہ سفر کرتے کرتے دمشق کے نزدیک پہنچا تو ایسا ہوا کہ یکا یک آسمان ایک توارس کے گرد آچمکا' اور وہ زمین پر گر پڑا اور یہ آواز سنی کہ ''اے شاؤل تو مجھے کیوں ستاتا ہے'' اس نے پوچھا اے خداوند تو کون ہے؟ اس نے کہا میں یسوع ہوں جسے تو ستاتا ہے۔ مگر اٹھ شہر میں جا اور جو تجھے کرنا چاہیے وہ تجھ سے کہا جائے گا۔۔۔ شاول زمین پر سے اٹھا لیکن جب آنکھیں کھولیں تو اس کو کچھ نہ دکھائی دیا اور لوگ اس کو ہاتھ سے پکڑ کر دمشق میں لے گئے۔ وہ تین دن تک نہ دیکھ سکا اور نہ کھایا' اور نہ پیا (رسولوں کے اعمال ۹:۳۔۹) پھر حنیاہ شاگرد کے ذریعے خداوند نے اسے بینائی عطا کی' یہ واقعہ ۳۳ء کا ہے۔

پولوس نے عیسائیوں کے قتل میں جتنا بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا' اس سے کہیں زیادہ اس نے عیسائیت کے پرچار میں جوش و خروش کا اظہار کیا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ اس نے تعلیم براہِ راست حضرت عیسیٰ سے حاصل کی ہے اور لوگوں کو تعلیم دینے کا حکم بھی انھوں نے ہی اسے دیا ہے۔ ابتدا میں لوگوں نے اسے شبہ کی نظر سے دیکھا اور لوگوں نے غیر اسرائیلیوں کو عیسائیت میں داخل کر لینے کی پالیسی پر شدید نکتہ چینی کی۔ پولوس نے تبلیغ کی خاطر کئی دورے کیے جن میں قبرص' ایشیائے کوچک اور یورپ کے ملکوں میں لوگوں میں عیسوی تعلیمات سے اسی نے روشناس کرایا اور جابجا گرجے تعمیر کرائے' اسے رومی حکومت نے کافی عرصے تک نظر بند رکھا۔

Marfat.com

رہائی کے بعد اس نے اپنی سرگرمی جاری رکھی اسے دوبارہ گرفتار کر کے بھیج دیا گیا جہاں ۶۷ء عیسوی میں اسے قتل کر دیا گیا۔

پولوس ہی کی کوششوں کا یہ ثمرہ ہے کہ آج عیسائیت بین الاقوامی مذہب کے درجے پر فائز ہے اور تعداد کے لحاظ سے یہ دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ یہ عیسائیت کی خوش قسمتی تھی کہ اسے پال جیسا سرگرم مبلغ مل گیا جس نے اس کی تبلیغ اجنبی اقوام میں نہایت کامیابی کے ساتھ کی۔ اس سلسلے میں اس نے ناگفتہ بہ مصیبتیں جھیلیں' پولوس نے خود مکتوبات میں لکھا ہے کہ اس نے یہودیوں کے ہاتھوں کوڑے کھائے' رومی افسروں کے تیروں کی چوٹیں برداشت کیں' کئی بار اس پر پتھراؤ کیا گیا وہ تین بار جہاز کی تباہی کا شکار ہوا۔

عہد نامہ جدید کے چودہ مکتوب پال کی طرف منسوب ہیں۔ جن میں چار کی تصنیف متفقہ طور پر اس کی کہی جاسکتی ہے البتہ دس کے متعلق زبردست اختلاف پایا جاتا ہے۔ پال عیسائی دینیات کے موسس کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے وہ عیسائیت کا بانی بھی کہا گیا ہے۔ اس کی تصانیف کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کا بلاواسطہ شاگرد نہ ہونے کی وجہ سے وہ بہت ہی کم ان کے اقوال نقل کرتا ہے بلکہ وہ اپنی نفسی کیفیات جسے الہام کہتا ہے اسے وہ بیان کرتا ہے۔

پولوس کی تعلیمات میں اہم ترین اس کا نظریہ گناہ ہے' وہ تمام انسانوں کو پُر از معاصی کہتا ہے۔ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ سب ہی لوگ موت کا شکار ہوں گے اس لیے سب گناہگار ہیں۔ وہ حضرت آدم کے گناہ کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ انسان چونکہ ان کی اولاد ہیں اس لیے لازمی طور پر گناہوں سے ملوث ہے اور جب تک کہ خدا کسی کو گناہوں سے بچانہ لے گناہوں کے چنگل سے بچنا ممکن نہیں۔ خدا نے انسان کو اپنے بیٹے یسوع کے ذریعہ نجات عطا فرمائی اور وہ انسانی نجات ہی کی خاطر صلیب پر چڑھ گئے۔ یہ کفارے کا نظریہ آگے چل کر مختلف اور متضاد نظریات کا باعث بنا اور عام طور پر یہ سمجھا جانے لگا کہ جو شخص عیسائیت قبول کر لے اور اپنے پچھلے گناہوں پر نادم ہو تو اس کے لیے حضرت عیسیٰ کفارہ بن جاتے ہیں۔

یہاں پولوس کی تعلیمات کا احصاء مقصود نہیں ہے۔ البتہ عورتوں کی بابت اس کے خیالات ایک طالب علم کے لیے دلچسپی سے خالی نہیں۔ وہ عورتوں کو مردوں کا محکوم دیکھنے کا

Marfat.com

خواہاں ہے۔ میاں بیوی کے باہمی تعلقات کی نوعیت بھی اس نے عجیب بتائی ہے' اس کا کہنا ہے کہ جس طرح کلیسیا حضرت عیسیٰ کے زیر فرمان تھے' اسی طرح بیویاں بھی اپنے خاوندوں کے زیر نگیں ہیں۔

یوحنا:

حضرت عیسیٰ کے شاگردوں میں یوحنا (جان John) بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہ بھی گلیلی کا مچھیرا تھا۔ حضرت عیسیٰ کی بعثت ہی سے وہ ان کے قریبی حلقے میں داخل ہوگیا۔ اس کی قربت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنی والدہ کی دیکھ بھال کا فرض بھی یوحنا کے سپرد کیا۔ یوحنا ہی تھا جس نے سب سے پہلے اس بات کا پتہ لگایا کہ حضرت عیسیٰ کا مدفن خالی ہے اور ان کی نعش لاپتہ ہوگئی۔ یوحنا نے اپنی زندگی کا آخری حصہ ایفی سس (Ephesus) میں گزارا اور پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں انتقال کیا۔

یوحنا کے اپنے شاگردوں کا حلقہ خاصا وسیع ہے۔ اس کے شاگردوں میں پولی کارپ (Poly Carp)' پاپٹس (Paptas) اور اگناٹیئس (Ignatius) جیسے لوگ شامل ہیں۔

یوحنا چوتھی انجیل کا مصنف بتلایا جاتا ہے۔ اٹھارویں صدی کے خاتمہ تک بلا کسی اختلاف کے اس کو یہ حیثیت حاصل تھی۔ لیکن اس کے بعد لوگوں نے اس انجیل کو دوسروں کی طرف منسوب کرنا شروع کردیا۔ اس انجیل اور دیگر تینوں اناجیل میں جو سیناپٹکس (Synoptics) کہلاتی ہے۔ اسلوب بیان' زبان اور موضوع میں خاصا فرق محسوس ہوتا ہے۔ سیناپٹکس کے جملے نہایت چھوٹے چھوٹے ہیں جن کا موضوع اخلاقیات ہے۔ برخلاف اس کے چوتھی انجیل (یوحنا کی انجیل) میں لمبی چوڑی تقریریں ہیں۔ جن میں بجائے آسمانی حکومت کے ذکر کے حضرت عیسیٰ کی ذات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس میں بہت حد تک تو افلاطونی افکار و نظریات کا غلبہ نظر آتا ہے۔

اس انجیل کے علاوہ تین مکتوبات بھی یوحنا کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ ان تینوں میں پہلا مکتوب عہد نامہ جدید کا اہم ترین حصہ ہے جس میں خدائی صفات کا خاص طور پر ذکر کیا

Marfat.com

گیا ہے۔ اس میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ عیسائیوں نے اعترافِ گناہ کرلیا ہے اور ان کے تمام گناہوں کو دھو ڈالا گیا ہے۔ عیسائی خدا کے بیٹے ہیں۔ اس رشتے کا تقاضا ہے کہ وہ خود کو گناہوں سے پاک رکھیں' محبت ہی عمدہ زندگی کا لازمہ ہے۔ یسوع نے عیسائیوں کی خاطر جان دے دی ہے۔ اس لیے عیسائیوں کو چاہیے کہ اپنی جان قربان کرنے کے لیے آمادہ رہیں۔ حقیقی زندگی کا انحصار باہمی محبت پر ہی ہے۔

ان مکتوبات کے علاوہ مکاشفات (Revelation) بھی سینٹ جان سے منسوب کیے جاتے ہیں لیکن ماہرین کا خیال ہے انجیل اور مکتوب کا مصنف اور مکاشفات کو قلم بند کرنے والا ایک ہی شخص نہیں ہوسکتا کیونکہ ان کے طرز بیان میں زبردست فرق ہے۔ مذکورہ تین حواریوں کے علاوہ باقی کے نام یہ ہیں:

۴۔ پطرس کا بھائی اندریاس.

۵۔ زیدی کا بیٹا یعقوب

۶۔ فلپس

۷۔ متی

۸۔ شمعون اور اس کے یہودا اسکریوتی

۹۔ برتلمائی

۱۰۔ توما اور حلقی کا بیٹا یعقوب

یہودا اسکریوتی نے حضرت عیسیٰ سے غداری کی اور تین روپے کے عوض اپنے نبی کو گرفتار کروادیا' اس طرح دوسرے حواریوں نے بے وفائی کی۔

برناباس:

برناباس کے ذکر کے بغیر حواریوں کی فہرست نامکمل رہے گی۔ برنباس مسیح علیہ السلام کے حواریوں میں سے ممتاز حواری تھا۔ جس نے پولوس کے ساتھ مل کر مختلف ممالک میں تبلیغی دورے کیے۔ مرقس بھی ان کے ہمراہ بطور ترجمان پایا جاتا تھا۔ مسیح کی تعلیم کے بارے میں برناباس نے اختلاف کیا۔ بعد ازیں علیحدگی اختیار کرلی اور اپنے وطن سائپرس واپس آگیا اور وہیں وفات پائی۔

Marfat.com

برناباس نے ایک انجیل لکھی تھی جسے وہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس کی قبر کی کھدائی کی گئی تو یہ انجیل اس کی چھاتی پر رکھی تھی۔ یہ انجیل اٹھارہ سال تک گرجاؤں میں پڑھائی جاتی رہی۔ یہ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان تعلیمات کی عکاسی کرتی ہے جن کی قرآن مجید بھی تصدیق اور تائید کرتا ہے اور عیسائیت کے موجودہ عقائد کی یہ انجیل نفی کرتی ہے اس لیے ۴۹۶ء میں پادریوں کی کونسل نے اس کا پڑھنا ممنوع قرار دے دیا۔ تقریباً ایک ہزار سال تک یہ انجیل یورپ کے کتب خانہ میں پڑی رہی۔ پھر اچانک یہ انجیل ایک عیسائی راہب فریمیرینو (Fermarino) کو مل گئی چونکہ یہ پردۂ اخفا میں چلی گئی تھی لیکن ۱۲۰۹ء میں دوبارہ ایمسٹرڈیم سے یہ انجیل دریافت ہوئی جو آسٹریا کے شاہی کتب خانے میں موجود ہے۔ اٹھارویں صدی میں ہسپانوی زبان میں انجیل برناباس کا نسخہ ملا جس کا ترجمہ اب اردو میں بھی دستیاب ہے۔

انجیل برناباس متداول اور معروف اناجیل اربعہ سے کئی باتوں میں مختلف ہے۔

خصائص:

۱۔ اس انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے خدا اور بیٹا ہونے سے انکار کیا ہے۔

۲۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے واضح الفاظ میں بشارتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس انجیل میں دی ہے۔

۳۔ ذبیح عظیم حضرت اسمائیل علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام جیسا کہ جدید بائبل میں دعویٰ کیا گیا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

مسیحیت کا مقدس دینی ادب

Joseph Gayer اپنی کتاب "Wisdoms of Living Religion" میں لکھتے ہیں کہ:

"مسیحیت کی ابتدائی دوصدیوں میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں جن میں چرچ کے اختلافات کے باوجود حیات مسیح علیہ السلام کو محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی۔ حیات مسیح علیہ السلام کے بارے میں لکھی گئی ان کتابوں کو گوسپلز (Gospèls) کہتے ہیں۔ ایسے شواہد موجود ہیں جن سے بلاواسطہ یہ پتہ چلتا ہے کہ بالکل ابتدائی دور مسیحیت میں اناجیل کی ایک کافی تعداد موجود تھی جن کے اب صرف اجزاء باقی رہ گئے ہیں۔"

بائبل یا کتاب مقدس کے دونوں حصوں کو مسیحی پیروکار اگرچہ تسلیم کرتے ہیں لیکن New Testament یا عہدنامہ جدید ان کے نزدیک زیادہ قابل احترام ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور طریق استدلال میں اختلاف کی وجہ سے مسیحیوں میں کئی فرقہ ورانہ اختلافات پیدا ہوئے اور آج بھی تقریباً ۲۵۰ فرقے موجود ہین جن کے عقائد یا تو بالکل جدا ہیں یا اس کی توجیہات مختلف انداز میں کرتے ہیں۔ لیکن ایک بات قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے کہ عہد نامہ جدید کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔

مسیحیت کی عقل ودانش کا جوہر اور تعلیمات پہلی تین اناجیل کی تمثیلات میں بڑی کثرت سے موجود ہیں۔ فراسٹ (Frost) نے اپنی کتاب "Sacred Books of the Religion" میں لکھا ہے کہ:

"اگرچہ عہد نامہ جدید کو ایک کتاب کہا جاتا ہے تاہم اس میں ۲۷ تحریریں موجود ہیں' یہ ستائیس تحریریں ان بے شمار مسودات میں سے منتخب کی گئیں جو ابتدائی دور کے مسیحی چرچ میں موجود تھے۔ سب سے پہلے ان کا یونانی زبان سے ترجمہ کیا گیا۔ انگریزی زبان میں جو متن مستور ہے وہ سترویں ہمدی عیسوی کے شاہ حسین کے حکم سے ترجمہ شدہ ہے۔ اس کو King

Marfat.com

G. Janels Bible بھی کہتے ہیں۔۔۔عہد نامہ جدید کے تین حصے ہیں:

۱۔تاریخی کتابیں (Historical Books)

۲۔تعلیمی کتابیں (Didactic Books)

۳۔کتاب کشف یا مکاشفہ (Revelation Books)

اب مذکورہ بالا کتابوں کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔

تاریخی کتابیں (Historical Books):

ان تاریخی کتابوں کے متعلق احمد شلبی لکھتے ہیں:

''اس میں پانچ حصے ہیں۔ چار اناجیل' انجیل متی' انجیل مرقس' انجیل لوقا' انجیل یوحنا اور رسالہ اعمال الرسل (Apostles) ہے جس کا مولف لوقا بیان کیا جاتا ہے' ان اسفارِ خمسہ کو تاریخی قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں تفصیلات اور معجزات وغیرہ کا بیان ہے جبکہ اعمال الرسل میں مسیحیت کی دعوت دینے والوں خصوصاً پال کے واقعات مذکور ہیں۔

(مقارنتہ الادیان صفحہ ۱۳۶۔عیسائیت)

پہلی تینوں اناجیل بیانیہ انداز کی حامل ہیں۔تفصیلات پر مشتمل ہیں۔ جبکہ انجیل یوحنا میں عقیدۂ الوہیتِ مسیح اور کفارہ انسانیت جو بعد میں منظرعام پر آئے ان کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۔انجیل متی:

عہد نامہ جدید کی یہی کتاب ہے جو ۶۰ء سے ۷۰ء کے درمیان لکھی گئی تھی۔ اس کا مولف لیوی (Levi) تھا جس کو میتھیو (Methew) بھی کہتے تھے۔ یہ دراصل ان Leviry مسیحیوں کے لیے لکھی گئی تھی جو مسیح علیہ السلام کی زندگی کے حالات تفصیل سے جاننا چاہتے تھے۔متی میں ترتیب زمانہ کو ملحوظ نہیں رکھا گیا بلکہ واقعات کو ان کی یکساں نوعیت کی وجہ سے اکٹھے بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے اس انجیل میں ۲۸ باب اور ۱۰۶۸ آیات ہیں' مولف متی کے حالات زندگی پر گہرا پردہ پڑا ہوا ہے۔عیسائی عقیدہ کے مطابق یہ قدیم ترین انجیل ہے۔

۲۔مرقس:

عہد نامہ جدید کی دوسری کتاب مرقس ہے جس کو سینٹ مارک (Sent Mark) نے

Marfat.com

۶۷ء اور ۷۰ء عیسوی کے درمیان تالیف کیا۔ یہ سینٹ پیٹر (Sent Peter) کے قریبی دوست تھے۔ یہ پطرس کا ترجمان کہلاتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے اس کتاب کا زیادہ تر مواد اپنے دوست سے اخذ کیا ہے۔ یہ بھی روایت موجود ہے کہ سینٹ پیٹر کی وجہ سے مرقس دائرہ مسیحیت مین داخل ہوئے تھے۔ اور وہ ان کے اس قدر قریب تھے کہ وہ اس کو اپنا بیٹا کہا کرتے تھے۔ اگرچہ یہ کتاب کافی پہلے لکھی گئی مگر روم میں پیٹر کی وفات کے بعد منظر عام پر آئی اور یہ باور کیا جاتا ہے کہ یہ انجیل روم میں لکھی گئی اور اس کا مقصد خاص طور پر غیر یہودیوں کو مسیح علیہ السلام کے حالات سے روشناس کرانا تھا۔

''مرقس نے مسیح کے تمام اقوال و افعال قلمبند کر لیے'' یہ انجیل ۱۶ ابواب پر مشتمل ہے۔

۳۔ لوقا:

عہد نامہ جدید کی تیسری کتاب ''انجیل لوقا'' ہے۔ مؤلف کا پورا نام لوقینس (Lucaniss) ہے لیکن تخفیف کے ساتھ یہ لوقا (Luke) استعمال ہوا ہے۔ وہ ایک غیر یہودی ماہر طبیب تھا اور پال کی رومی قید کے دوران ان کے بہت قریب رہا۔ اس بات پر بھی اتفاق کیا جاتا ہے کہ ان کی کتاب کا زمانہ تحریر ۶۰ء اور ۷۰ء کے درمیان ہے۔ یہ انجیل یہودی اور غیر یہودی سب کے لیے لکھی گئی اور ساری کتاب کے دوران یہ کوشش کی گئی ہے کہ مسیح علیہ السلام کی زندگی کو انسانیت کے لیے نجات دہندہ اور رومی سلطنت کی تاریخ کے ایک حصہ کے طور پر بیان کیا جائے۔ یہ انجیل دوسری کتابوں کی نسبت زیادہ مکمل اور ضخیم ہے اس کے ۲۴ ابواب ہیں۔

۴۔ یوحنا:

عہد نامہ جدید کی چوتھی کتاب یوحنا ہے اور تمام لٹریچر میں سے موثر ترین ہے مفکرین کا اس بات پر چوتھی صدی تک اتفاق تھا کہ یہ کتاب مسیح علیہ السلام کے حواری یوحنا (Saint Johan) کی تالیف ہے۔ لیکن جدید تحقیق کے مطابق مولف یوحنا ایک اور شخص ہے جو ایشیائے کوچک کا باشندہ تھا جو پہلی صدی کے اواخر میں گزرا ہے اور زمانہ تالیف کے بارے میں ۸۰ء سے ۹۵ء کا درمیانی عرصہ قرار دیا جاتا ہے۔ یوحنا اس امر میں دلچسپی لیتے تھے کہ وہ ایسی تحریریں لکھیں جن سے مسیح علیہ السلام کے خدا کا بیٹا ہونے کا عقیدہ راسخ ہو جائے اور اس مقصد

Marfat.com

کے لیے یونانی فلسفے کی توجیہات کے حوالہ سے بات کرنے والوں کے وہ اولین پیشرو تھے۔ انھوں نے دوسری اناجیل کی کئی عبارتوں کو حذف کرکے ان کی جگہ مسیح علیہ السلام کے فلسفیانہ نکات پر مباحث بیان کیے۔ پہلی ۳ اناجیل میں عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات مختصر اور جامع جملوں میں ناصحانہ انداز میں ہیں جبکہ یوحنا کی انجیل میں نہایت مدلل اور طولانی تقاریر ہیں۔

اس انجیل کے مطابق مسیح علیہ السلام ایک انتہائی پراسرار شخصیت تھے جن کو گہری روحانی استعداد حاصل تھی۔ اس انجیل میں یوحنا نے اُن چیزوں کو بیان کیا جن کو وہ جانتے تھے اور جن کا علم رکھتے تھے ایسے واقعات کا اضافہ بھی کیا جن سے دوسرے مؤلفین واقف نہیں تھے۔

''اس میں فلسفہ یونانی کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں جس کی مثال اس کا پہلا فقرہ ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا'' ہے۔

۵۔ اعمال الرسل:

عہد نامہ جدید کی پانچویں کتاب کا نام ''اعمال الرسل'' ہے اور تاریخ مسیحیت کے ابتدائی ۷۰ برس کی کوششوں کو اس میں بیان کیا گیا ہے۔ اور زمانہ تالیف ۶۲ء سے ۷۰ء کا درمیانی عرصہ قرار دیا جاتا ہے۔

اعمال الرسل کے پہلے حصہ کا مواد اس تحقیق پر مبنی ہے جو لوقا نے لوگوں کے ساتھ گفتگو کے دوران کی اور کتاب کے بقایا حصہ کا مواد ان تجربات سے ماخوذ ہے جب وہ سچے پیرو کے قریبی دوست بن چکے تھے کیونکہ لوقا اس کتاب کو اپنی انجیل کا جاری حصہ سمجھتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اسے کوئی نام نہ دیا' اعمال الرسل کا جو نام اسے دیا جاتا ہے وہ بہت بعد کا ہے اور اس نام کی توجیہہ یہ ہے کہ اس میں مسیح علیہ السلام کے حواریوں کی سرگرمیوں کا تذکرہ ہے۔

تعلیمی کتابیں (Didactic Books):

عہد نامہ جدید کا دوسرا حصہ ان خطوط پر مشتمل ہے جو مسیحی مبلغین نے مختلف علاقوں کے سرکردہ لوگوں یا عمومی طور پر اس علاقہ کے رہنے والوں کے نام لکھے۔ ان کو (Piostles) یا الرسل بھی کہا جاتا ہے ان کی تعداد ۲۱ ہے۔ چودہ خطوط پال (Saint Paul) سے تعلق رکھتے ہیں۔ تین خطوط سینٹ یوحنا (Johan) سے متعلق ہیں۔ دو خطوط پیٹر (Saint Peter) اور ایک خط یعقوب (Jacob) اور ایک خط یہوداہ (Saint Jude) سے منسوب ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

جمع وتدوین بائبل کا تنقیدی جائزہ

جہاں تک بائبل کے حصہ عہد نامہ جدید کا تعلق ہے تو عہد نامہ قدیم کی طرح اس کی افادیت کو جانچنے کے لیے اولین کسوٹی اور معیار بھی یہی ہے کہ آیا وہ تحریف وترمیم اور تغیر سے محفوظ رہا ہے؟

الہامی کتب کو انسانی اذہان کی تخلیق کردہ کتابوں پر اس لیے فوقیت حاصل ہوتی ہے کہ الہامی کتب ہر قسم کی بشری لغزشوں اور غلطیوں سے پاک ہوتی ہیں' اللہ تعالیٰ کی ذات راہنمائے حقیقی ہے اس لیے جو کلام اور قوانین اس کی طرف سے نازل ہوں' ان میں نوع انسانی کے لیے صداقت اور نور ہدایت مضمر ہوتا ہے۔ نہ تو جہالت کی تاریکی ہوتی ہے اور نہ ہی لاعلمی کا جواز باقی رہتا ہے۔

اگر انسان ایمان کی استعداد سے محروم اور یقین کی دولت سے تہی دامن ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کا کلام جو ہر خطا اور ہر لغزش سے مبرا ہے اس انسان کے لیے اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح خدا کے نازل کردہ کلام میں انسانی مداخلت سے تبدیلی کردی جائے تو حذف اور اضافے کا عمل اپنا رنگ دکھا جائے تو اس کلام کی حیثیت بھی مشتبہ ہو جاتی ہے۔ عہد نامہ جدید میں شامل اناجیل اربعہ اور دیگر صحف کے معاملے میں غیر عیسائیوں' کے برعکس خود مسیحی پیروکار اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتے کہ انجیل کی سند کے بارے میں کافی اختلاف موجود رہا ہے اور کوئی عیسائی بھی یہ شہادت نہیں پیش کرسکتا کہ عہد نامہ جدید کے تمام صحف مسیح علیہ السلام کی موجودگی میں ضبط تحریر میں لائے گئے۔ یا یہ کہ موجود حصہ وہی صحیفہ ہے جو مسیح علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی راہنمائی کے لیے نازل فرمایا گیا۔

جبکہ اس کے برعکس ایسی متعدد شہادتیں موجود ہیں کہ اصل الہامی کلام ضائع ہوگیا اور بعد میں لوگوں نے جو کچھ بھی مرتب کیا وہ محض اپنی یادداشت کے بل بوتے پر کیا۔ اس امر کی

Marfat.com

بھی کوئی دلیل موجود نہیں کہ کلام الٰہی کو اسی کی صحت کے مطابق حفظ کرنے کا کوئی باقاعدہ اہتمام موجود تھا جس کی وجہ سے کسی ترتیب پر اعتماد اور بھروسہ کیا جاسکے۔

تنقیدی تجزیئے کے بعد اس امر پر یقین کرنے کی کافی گنجائش موجود ہے کہ ہمارے سامنے جو عہد نامہ جدید موجود ہے اس کا مسیح علیہ السلام پر نازل شدہ انجیل سے کوئی تعلق نہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مسیحیت کی عمارت جن عقائد اور مذہبی نظریات پر قائم ہے وہ قرآن حکیم کی الہامی شہادت کے مطابق ان کی حقیقی تعلیمات نہیں ہیں جن کی تلقین انھوں نے اپنے دور نبوت میں کی تھی۔ ابنیت، تجسیم، مصلوبیت، حیات ثانیہ اور کفارہ یہ تمام عقائد سینٹ پال کی ذہنی اختراعات تھیں۔ اناجیل اربعہ میں سے انجیل متی، انجیل مرقس اور انجیل لوقا کی ترتیب یکساں ہے اور ان میں بیشتر باتیں مشترک ہیں۔ البتہ یوحنا انجیل میں ان سے کچھ باتیں یکساں ہیں اور مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا عقیدہ سب سے پہلے اسی کتاب میں بیان کیا گیا۔

اسی انجیل یوحنا کے زمانہ تالیف کے بارے میں اختلاف رائے موجود ہے۔ بعض کے مطابق یہ ۸۰ء اور ۹۵ء کے دوران تالیف کی گئی اور کچھ کا یہ کہنا ہے کہ اس کا زمانہ تالیف مسیح علیہ السلام کے ۱۱۰ء یا ۱۱۵ء کے بعد کا ہے اور اسے یونانی زبان میں تحریر کیا گیا تھا۔

مختلف روایات کی وجہ سے خود عیسائی علماء کو بائبل کے درست ہونے پر شبہ ہے کیونکہ اسی انجیل میں یسوع مسیح علیہ السلام سے منسوب تقریریں باقی تین اناجیل سے مختلف ہیں لیکن سینٹ جان (یوحنا) کے اپنے دعوے سے ہم آہنگ ہیں اور انجیل یوحنا اور باقی تینوں اناجیل میں منقول مسیح کے اقوال کو یکساں طور پر معتبر اور مستند تسلیم کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ قدیم زمانے میں ادبی خیال آرائی اس طرح ممنوع اور ناقابلِ تصور نہ تھی جس طرح آج تاریخی کرداروں سے فرضی باتیں منسوب کر دینا معیوب اور مکروہ سمجھا جاتا ہے۔

عبدالوحید خاں اپنی کتاب ''عیسائیت'' میں عہد نامہ جدید کے تنقیدی جائزے اور اس کی صحت کو پرکھنے کے لیے مندرجہ ذیل امور کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

۱۔ قرآن حکیم کی شہادت کے مطابق تورات اور زبور کے ناموں سے اکہتر حصے ان میں شامل کیے گئے ہیں اس طرح انجیل کی جگہ چار صحف اس نام سے شامل کیے گئے اور ان کی نسبت بھی حضرت مسیح کی طرف نہیں بلکہ ان کے مولفین کی طرف ہے۔

۲۔ تاریخی شواہد اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ مسیح کے اقوال یا الہامی کلام کو ان کی

Marfat.com

زندگی میں مرتب کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔

۳۔ مسیح کے اقوال کو ان کے رفع آسمانی کے بعد مرتب کیا گیا۔ ان کے اولین نسخے بھی ضائع ہو گئے جن کا اب تک کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ۷۰ء سے ۱۱۵ء کے درمیانی عرصہ میں مرتب کیے جانے والے صحائف کی بنیاد ان ہی نسخوں کو بنایا گیا ہے۔ لیکن مرتبین نے جہاں مسیح علیہ السلام کی عظمت اور شان کو بڑھانا چاہا وہاں اپنے مخصوص فرقوں کے نظریات کے مطابق ان میں ترمیم اور اضافہ بھی کر دیا۔

۴۔ بائبل کے جدید ناقدین کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ متی اور یوحنا کے مطابق جو انجیلیں موجود ہیں انھوں نے سرے سے ان کو مرتب ہی نہ کیا تھا۔ ان مرتبین میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں جس نے مسیح علیہ السلام کو خود دیکھا ہے یا ان کے ارشادات اپنے کانوں سے سنے ہوں' لکھنے والی شخصیات کوئی اور تھیں اور جن سے منسوب کر دی گئیں وہ کوئی اور تھیں۔

۵۔ ان صحائف کی ترتیب کا سبب ہی کچھ اور تھا کہ اپنے مخصوص نقطہ ہائے نظر اور اپنے موقف کی ترجمانی کی جائے اور پھر لکھی جانے والی کتابوں میں سے چند ایک کے انتخاب کا عمل بھی اسی بنیاد پر مبنی تھا۔

۶۔ ان صحائف کو یونانی زبان میں مرتب کیا گیا تھا جبکہ مسیح علیہ السلام کی زبان آرامی تھی۔

۷۔ جب یہ صحائف مرتب ہو گئے تو اس کے ایک صدی بعد تک ان میں سے کسی ایک کو بھی سند اور اعتبار کا حتمی مقام حاصل نہ ہوا۔ ان کو نقل کرنے والے پوری آزادی کے ساتھ اپنے فرقوں کے عقائد سے مطابقت قائم کرنے کے لیے ان اقوال میں ترمیم کرتے رہے۔

۸۔ انجیل کے قدیم ترین نسخے جن میں ویٹی کن (Vetican) کا قدیم نسخہ اور اسکندریہ کا قلمی نسخہ شامل ہیں جو چوتھی پانچویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں یعنی ان کی تحریر و ترتیب انجیل کی اولین ترتیب کے تقریباً تین سو سال بعد عمل میں آئی۔

۹۔ ان نادر قلمی نسخوں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

۱۰۔ اناجیل اربعہ اور دیگر صحیفوں میں بیشمار تضادات و اختلافات نظر آتے ہیں۔

(''عیسائیت'' از عبدالوحید ص ۱۱۹ تا ۱۲۴)

خود عیسائی علماء اس بات کا برملا اعتراف کرتے ہیں کہ دوسری صدی سے پہلے ان

Marfat.com

انجیلوں کا وجود نہیں ملتا۔

C-D-Codays نے اپنی کتاب ''Life of Jesus'' میں یہ اعتراف کیا کہ

''اناجیلِ اربعہ جن کی مدد سے عیسائی عقائد اور تعلیمات کے اس خاکہ میں رنگ بھرا جاتا ہے جو دوسروں سے ہمیں حاصل ہوتا ہے ان کا مواد سند اور اعتبار کے لحاظ سے مختلف اور مشتبہ ہے۔ ان میں بے یقینی کی کیفیت اس طرح رچی بسی ہے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تجسس ترک کر کے یہ اعتراف کرلیا جائے کہ انجیل کو کلام الٰہی ثابت کرنے کا یہ کام ناممکن ہے۔''

اناجیل اربعہ میں موجود مختلف تضادات' فروگزاشتیں اور بے دلیل قیاس آرائیاں اپنی جگہ نہایت سنگین ہیں اور اسی بنیاد پر متعدد روشن خیال علماء جو مسیح علیہ السلام کی بعثت پر قطعاً شبہ نہیں رکھتے وہ عہد نامہ جدید کے بارے میں ایسی کوشش کو لاحاصل قرار دینے پر مجبور ہوگئے ہیں جو اس میں سے حق و باطل کو الگ الگ چھانٹے اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کے حقیقی ارشادات اور تاریخی حقائق کو مبالغہ آرائی' تحریف اور افسانہ طرازیوں سے الگ کرنے کے لیے کی جائے اور جس کا مقصد یہ ہے کہ اس تاریخی منصوبے میں سے حقائق کو تلاش کر کے جناب یسوع کی اصل تعلیمات کو یقین کے ساتھ پیش کیا جائے۔

چونکہ عیسائی علماء انجیل میں جب چاہیں ترمیم و تحریف کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اس لیے حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

بعض تاریخی روایات میں یہ شواہد موجود ہیں کہ متی کی انجیل پہلے آرامی زبان میں غیر مربوط انداز میں لکھی گئی تھی۔ بعد میں عبرانی زبان میں منتقل ہوئی۔ لوگوں نے اپنی صلاحیت کے مطابق اس کی تشریح و توضیح کی اور جب ان کو منضبط کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کے نتیجہ میں انجیل کا مستند یونانی نسخہ تیار ہوا' کچھ ایسا طرز عمل دوسری اناجیل کے متعلق بھی اختیار کیا گیا اور حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

کیا یہ کتب الہامی ہیں؟

عہد نامہ جدید کی ان کتب کے متعلق بے شمار اندرونی' بیرونی اور تاریخی شہادتیں موجود ہیں جن کی بنا پر با آسانی کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتب الہامی نہیں بلکہ مصنفین کی خود ساختہ ہیں ان کے مصنفین کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ مصنفین کو اقرار ہے کہ:

Marfat.com

۱۔ وہ الہام کے تحت نہیں لکھ رہے۔

۲۔ خود اناجیل میں باہمی اختلاف اور تضاد ہے حالانکہ کلام ربانی میں اختلاف ممکن نہیں۔

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (نساء:۸۲)

''یہ اناجیل کھلے طور پر ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں۔''

(The Fall of the idols by W. R. Inge, Page 29)

''اناجیل کے باہمی تضاد نے مجھے پریشان کردیا ہے۔''

(God and Evil by Joad P-318)

محاسبہ اور تنقید:

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو انجیل حواریوں کو دے کر گئے تھے اس کا تاریخی طور پر کوئی سراغ نہیں ملتا' مصنفین مجہول الحال لوگ تھے۔

۲۔ دوسری صدی میں ۳۴ اناجیل اور ۱۱۳ خطوط رائج تھے۔ یہ سب یونانی زبان میں تھے حالانکہ عیسیٰ کی زبان آرامی تھی۔ موجودہ اناجیل ایجاد بندہ ہیں نہ کہ الہامی۔

۳۔ انتخاب کا نرالہ اور غیر سائنٹیفک طریقہ خود چاروں اناجیل میں باہمی تضاد کا باعث ہے۔ (نسب نامہ' پہاڑی کے وعظ' صلیب کے واقعات)۔

۴۔ یہ اناجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح حیات ہیں جن میں پیدائش سے قبل اور موت کے بعد تک حالات درج ہیں جو قرین عقل نہیں۔

۵۔ یہ ترجمہ در ترجمہ ہیں اور تحریف' کتمان' اور دروغ گوئی کا غالب امکان ہے کیونکہ جھوٹ بولنا عیسائی مذہب میں جائز ہے۔

۶۔ یہ کتب کھلے شرک' تثلیث' الوہیت' کفارہ کی تبلیغ کرتی ہیں جن کی کوئی نبی تبلیغ نہیں کرسکتا۔

الغرض موجودہ اناجیل کے مولفین مجہول الحال لوگ ہیں' زمانہ تصنیف غیر متعین ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصلی زبان سریانی یا آرامی تھی جبکہ اناجیل اول یونانی میں لکھی گئی پھر ترجمہ در ترجمہ کی بنا پر ان اناجیل میں بے شمار اختلافات اور تضادات ہیں۔ ان اناجیل میں ہمیشہ

Marfat.com

تحریف وترمیم ہوتی رہی یہ سب امور انھیں غیر مستند، غیر ثقہ اور غیر الہامی ٹھہراتے ہیں۔

ٹرنٹ کی کونسل:

ٹرنٹ کی کونسل عیسائیت کی تاریخ میں بڑی اہم ہے۔ یہ عقائد کے اختلافات کو ختم کرنے کے لیے ۱۵۴۶ء سے ۱۵۶۲ء تک ٹرنٹ (Trent) کے مقام پر منعقد ہوئی۔ جس میں اناجیل کے اختلافات کو زیر بحث لایا گیا۔ علاوہ ازیں ان روایات پر بھی بحث کی گئی جنھیں چوتھی صدی عیسوی میں نیقیہ کی کونسل نے وضعی قرار دے کر رد کردیا تھا۔ ان روایات کے بارے میں ریلیجن ٹیکسٹ سوسائٹی لندن کی شائع کردہ رُوداد میں یہ عبارت مذکور ہے:

''اگر چہ اپوکریفہ (وضعی) کتابوں کو جیروم نے بائبل کے ولگیٹ ایڈیشن میں کردیا تھا۔ لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ وہ انھیں مستند نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن کونسل میں بحث وتمحیص کے بعد سانٹا کروس کی رائے سب پر غالب آگئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ ولگیٹ ایڈیشن میں جس قدر کتابیں بھی شامل ہیں انھیں آسمانی کتابیں تصور کیا جائے۔''

گویا اس طرح وہ تمام روایات جو قبل ازیں وضعی سمجھ کر رد کردی گئی تھیں آسمانی قرار پا گئیں۔ روایات کو وحی کا ہم پلہ قرار دیا گیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ اناجیل کے مختلف نسخوں کا وجود چونکہ ان کے معانی کو غیر یقینی بنادیتا ہے اس لیے اس کا علاج یہ ہے کہ ایک متفق علیہ نسخہ شائع کیا جائے جسے مستند سمجھا جائے۔ چنانچہ اس کام کے لیے ایک کمیٹی مقرر ہوئی جس نے بڑی محنت اور جانفشانی کے بعد ایک نسخہ مرتب کیا جو پوپ کو پسند نہ آیا۔ پوپ نے یہ کام علماء کی ایک مجلس کے سپرد کردیا۔ پوپ (Piousl) نے اس کام کو جاری رکھا اور ۱۵۹۰ء میں ایک نسخہ شائع کیا گیا۔ ۱۵۹۲ء اور ۱۵۹۳ء میں اسی نسخے کے تصحیح شدہ ایڈیشن شائع ہوئے لیکن اختلافات پھر بھی رفع نہ ہوسکے۔ عہد نامہ کا جدید ترین نسخہ غالباً ۱۹۶۱ء میں شائع کیا گیا ہے۔ جس کی خوبی یہ ہے کہ وہ جدید انگریزی میں ہے۔ سابقہ انگریزی ایڈیشنوں کی زبان ایک خاص قسم کی انگریزی تھی جسے ''بائبل انگریزی'' کہا جاتا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

عیسائیت قرون وسطیٰ میں

پاپائیت:

عیسائیت کو سرکاری مذہب کا مقام قسطنطین شہنشاہ روما نے عطا کیا' اس لحاظ سے مذہبی اور دنیاوی امور یکجا ہو گئے اور حکومت روما مقدس بن گئی اس دور میں کلیسا کا انتظام پانچ بڑے پادریوں کے ذمے تھا جنھیں بطریق (Patriachs) کہا جاتا تھا۔ جو انگریزی میں فادر کے ہم معنی ہے۔ کلیسا دو تھے مغرب میں روم کا اور مشرق میں قسطنطینہ کا۔ رومی کلیسا کو اس بات پر ناز تھا کہ پطرس اور پولوس نے روم میں ہی وفات پائی تھی اور وہی عیسائیت کی اصل روایات کا علمبردار تھا۔ دوسری طرف قسطنطنیہ کا کلیسا بھی اپنے آپ کو کم اہم نہ سمجھتا تھا۔ اس لیے کہ اس دور میں قسطنطنیہ ہی سلطنت رُوما کا دارالحکومت یا مرکزی مقام تھا۔ اس لیے وہ رومی کلیسا پر برتری رکھتا تھا۔ دونوں کلیساؤں میں اختلافات کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ دونوں کی زبانیں مختلف تھیں۔ رومی کلیسا میں لاطینی اور قسطنطنیہ میں یونانی۔ دونوں کی تعلیمات کا ترجمہ جب ایک زبان سے دوسری زبان میں ہوتا تو مطالب ومفہوم میں اختلاف پیدا ہو جاتا۔ اور دونوں میں بحث چھڑ جاتی۔ ان ہی وجوہات کی وجہ سے دونوں میں اختلافات کی خلیج اس حد تک وسیع ہوئی کہ دونوں کبھی متحد نہ ہو سکے اور مذہب کے ایک منظم ادارے کی حیثیت سے کلیسا کا نظام پارہ پارہ ہو گیا۔ اس پر مزید ستم یہ کہ صلیبی جنگوں کے دوران عیسائی افواج نے کلیسائے قسطنطنیہ کے علاقوں کو تاخت وتاراج کیا جس سے اختلافات اور بڑھ گئے۔

وہ شخص جس نے سب سے پہلے پاپائی نظام کو مستحکم بنیادوں پر استوار کیا گریگوری اول (۵۴۰ء تا ۶۰۹ء) تھا۔ اس دور میں بہت سی وحشی اقوام عیسائیت میں داخل ہوئیں جس سے پوپ کی قوت میں اضافہ ہوا۔ وہ دنیوی اور دنیاوی دونوں طاقتوں کا منبع وسرچشمہ قرار دیا گیا اور

Marfat.com

اس سلسلے میں اسے غیر محدود اختیارات حاصل ہو گئے' حتیٰ کہ بڑے بڑے عیسائی بادشاہوں کو پوپ کی حمایت کیے بغیر چارہ نہ رہا۔

پوپ کی زبردست طاقت کا یہ دور ۸۰۰ء سے شروع ہوا۔ جب رومتہ الکبریٰ کی مقدس سلطنت کے پہلے شہنشاہ شارلی مان کو روما میں پوپ نے مذہبی رسوم کے ساتھ اپنے ہاتھ سے تاج پہنایا۔ اسی تاج پوشی کے بعد سے ہی سلطنتِ روما کا نام ''مقدس سلطنتِ روما'' رکھ دیا گیا۔ جب پوپ نے شارلی مان کو اس سلطنت کا فرمانروا بنایا تھا اس وقت اس کی حدود میں وہ تمام ممالک شامل تھے جو آج کل فرانس' جرمنی' اٹلی اور وسط یورپ کی ریاستوں یوگوسلاویہ اور رومانیہ کے نام سے موسوم ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بحر روم سے لے کر بحر ہند تک دولتِ عباسیہ کے سلاطین کا آفتابِ اقبال جگمگا رہا تھا اور اسپین میں عرب سلاطین کے ہاتھوں قرطبہ و غرناطہ کی بنیادیں رکھی جا رہی تھیں۔

۸۰۰ء کے بعد سے پوپ ہی روما کا معنوی فرمانروا تھا۔ اس تاریخ کے بعد سے سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی تک یورپ کے بادشاہوں کا تخت و تاج عملاً پوپ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ جسے چاہتا تخت پر بٹھا سکتا اور جسے چاہتا تخت سے محروم کر سکتا تھا چنانچہ شارلی مان کی وفات کے بعد جب اس مقدس سلطنت روما میں انتشار پیدا ہو گیا اور ہر چھوٹا حکمران اپنی جگہ خود مختار بن بیٹھا تو یہ پوپ ہی تھا جس کی مداخلت سے آٹو اعظم کو باقاعدہ تاجدار تسلیم کیا گیا۔ اس تاج پوشی کے بعد یورپ کے تمام سرداروں جاگیرداروں' اور چھوٹے بڑے سب فرمانرواؤں نے یہ طے کیا کہ آئندہ سے ہر بادشاہ کی تاجپوشی پوپ یا اس کے مقرر کیے ہوئے نائب ہی کیا کریں گے اور جس بادشاہ کے سر پر پوپ تاج نہ رکھے گا وہ بادشاہ تسلیم نہ کیا جائے گا۔ اسی زمانے میں یہ بھی طے ہوا کہ مقدس سلطنت روما کے بادشاہ کا انتخاب یورپ کے رؤسا اور پوپ مل کر کیا کریں گے۔ یہ تعداد بعد میں محدود ہو کر سات تک رہ گئی۔ ان میں تین پاپائیت کے نمائندے ہوتے تھے اور چار رؤسا کے۔ ان رؤسا پر بھی پوپ کا اثر و رسوخ ہوتا۔ گویا بادشاہت کا پورا اختیار پوپ کے ہاتھوں میں تھا۔ تیرہویں اور چودھویں صدی میں پورے یورپ میں صرف پوپ ہی کا ڈنکا بج رہا تھا۔ یورپ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام چھوٹے بڑے فرمانروا اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی تھے۔ پوپ کا قانون ہی سب کچھ تھا۔

Marfat.com

پوپ کا محل:

پوپ کے اثر واقتدار کا اندازہ اس بات سے لگالیجئے کہ پوپ صرف شہنشاہ ہی نہیں تھا بلکہ ظاہری شان وشوکت کے لحاظ سے بھی اس کا دربار بڑے بڑے حکمرانوں کے دربار کو شرماتا تھا۔ پوپ کا بھی باقاعدہ تاج ہوتا جس میں لاکھوں کے جواہرات ٹنکے ہوتے اور جب بھی نیا پوپ مقرر ہوتا تو اسے وہ تاج ویسی ہی مذہبی رسوم کے ساتھ پہنایا جاتا جو بادشاہوں کی تاجپوشی کے وقت ادا کی جاتی تھیں۔ پوپ کے صرفِ خاص کے لیے جو جاگیر تھی اس کا رقبہ تیرہویں صدی عیسوی میں سترہ ہزار مربع میل تھا۔

پاپائیت کا مرکز روم تھا۔ جہاں ''وے ٹی کن'' کے مقام پر پوپ کا محل تھا۔ اسے ۱۳۷۷ء میں پوپ گریگوری یازدہم نے اپنا مستقر بنایا تھا اور جو اس وقت سے آج تک پاپائیت کا مستقر ہے۔ یہ اپنی وسعت کے لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی عمارت ہے۔ یہ محل گیارہ سو اکیاون فٹ لمبا اور سات سو چھہتر فٹ چوڑا ہے۔ اس کے کمروں کی تعداد چار ہزار ہے جبکہ اس کی عمارت کی کئی منزلیں ہیں جن پر جانے کے لیے بے شمار زینے ہیں۔ بیسیوں ایوان ہیں متعدد پائیں باغ ہیں اور چند درچند بڑے ہال ہیں۔

جس طرح ہر بادشاہ اپنے پیش رو کے بنائے ہوئے محلات کو آراستہ وپیراستہ کرنے اور اس کی رونق وشان بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح ہر پوپ نے یکے بعد دیگرے اس محل کے حسن وآرائش اور عظمت وشان کو بڑھانے میں اپنے پیشرو سے سبقت لے جانے کی کوشش کی ہے۔ اس کی چھتوں اور دیواروں کو سولہویں صدی عیسوی کے مشہور مصور ونقاش مائیکل اینجلو کے نقش ونگار سے آراستہ کرایا گیا تھا۔

کلیسا کے مظالم اور عدالت تفتیش:

پوپ کے ایک ہاتھ میں یورپ کے بادشاہوں کے تاج تھے تو دوسرے ہاتھ میں عوام کے دل ودماغ کی باگ ڈور' سیاسی قوت اور مذہبی اثر پھر دولت نے کلیسا کو وقت کا اہم ترین ادارہ بنا دیا تھا۔ لیکن کلیسا نے ان اختیارات کا صحیح استعمال نہ کیا' اگر بادشاہ کلیسا کے احکام سے سرتابی کی جرأت کرتے تو وہ تخت وتاج سے محروم کردیئے جاتے اور عوام میں سے کسی کے سر میں سرکشی کا سودا سماتا تو اسے الحاد و بے دینی کی سزا دی جاتی تھی۔ جب اس قسم کے سرکش

Marfat.com

افراد کی تعداد کچھ بڑھنے لگی تو ۱۲۴۸ء میں پوپ انوسینٹ چہارم (Innocent IV) نے عدالت تفتیش (Inquisition) کے نام سے استیصال الحاد کے لیے ایک عدالت قائم کی جس کی شاخیں پورے یورپ میں تھیں۔ پندرھویں صدی عیسوی میں یہ عدالت اپنے شباب پر تھی ہر وہ شخص جس کے خلاف پوپ کی بے چون و چرا' اطاعت سے سرتابی کرنے کا شبہ ہوتا اسے گرفتار کر کے اس عدالت کے ججوں کے سامنے لایا جاتا۔ مگر ملزم کو نہ تو الزام لگانے والوں کا پتہ ہوتا اور نہ ہی اسے صفائی کا موقع دیا جاتا۔ مقدمے کی کارروائی بند کمرے میں ہوتی دو ٹوک فیصلہ ہوتا۔ ملزم اقرار کرے یا انکار دونوں صورتوں میں موت اس کی منتظر تھی۔ ملزم اگر اقرار جرم نہ کرتا تو سمجھ لیا جاتا کہ جھوٹ بول رہا ہے۔ سچ بلوانے کے لیے اس پر ہولناک سختیاں کی جاتیں۔ بالآخر وہ اقرار جرم کر لیتا۔ بجز اس کے کہ پادری ججوں کو اس پر رحم آجائے اور وہ اسے معاف کر دیں۔ ایک اندازے کے مطابق ۱۴۸۱ء سے ۱۸۰۸ء تک ان احتسابی عدالتوں نے تقریباً تین لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کو مختلف سزائیں دیں۔ ان میں سے صرف ۳۲ ہزار وہ تھے جن کو دہکتی ہوئی آگ کی نذر کیا گیا۔ جن لوگوں کو سزائیں دی گئیں ان میں گلیلیو جیسے ماہرین سائنس شامل تھے۔ اٹلی کے مشہور سائنس دان برونو کو بھی اشاعتِ علم کے جرم میں آگ کی نذر کر دیا گیا۔

کلیسا کے ان ہی مظالم کی بناء پر بہت سے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مذہب اور سائنس ایک دوسرے کے مخالف و متصادم ہیں اور اسی پس منظر کی بناء پر آج بھی بعض لوگ مذہب اور سائنس کو متضاد تصور کرتے ہیں۔

دستاویز مغفرت:

عیسائیت میں کفارے کے عقیدہ کا بانی پولوس یا سینٹ پال قرار دیا جاتا ہے۔ عہد نامہ جدید میں پولوس کے خطوط میں یہ عبارت نہایت واضح ہے کہ:

''تمھیں ایمان کے وسیلہ سے ہی نجات ملی ہے اور یہ تمھاری طرف سے نہیں خدا کی بخشش ہے اور نہ اعمال کے سبب سے ہے۔۔۔(افسیول ۲:۹۔۸)

''چنانچہ ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسان شریعت کے اعمال کے بغیر ایمان کے سبب سے راست باز ٹھہرتا ہے۔'' (رومیوں کے نام ۲۸۔۳)

Marfat.com

پھر پوپ کے متعلق بھی یہ طے ہوا تھا کہ اس کا فیصلہ غلط نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اس کے کسی حکم پر بحث و تمحیص کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ وہ خدا کا نائب تھا اور عیسیٰ مسیح کا قائم مقام' وہ گناہگاروں کے گناہ معاف کراسکتا تھا اور خدا کی رحمت و بخشش کے دروازے لوگوں پر کھول سکتا تھا۔ اسی عقیدے نے رفتہ رفتہ معافی ناموں کی صورت اختیار کرلی اور ان کی ابتدا یوں ہوئی کہ صلیبی جنگوں کے دوران میں پوپ اربن دوم نے حکم جاری کیا کہ جولوگ بذات خود جنگ میں شریک نہیں ہوسکتے وہ اپنی طرف سے کسی اور کو بھیج دیں اور اس کے بدلے انھیں معافی نامہ دے دیا جائے گا جو ان کی نجات کا کفیل ہوگا۔

پھر سولہویں صدی عیسوی میں جب پوپ کو سینٹ پیٹر کے نام کا گرجا بنوانے اور اپنے محل کی رونق بڑھانے کے لیے روپے کی ضرورت پیش آئی تو اس نے دستاویز مغفرت (معافی نامے) فروخت کرنا شروع کردیئے۔ صلائے عام تھی ان گنہگاروں کے لیے جو اپنے گناہ معاف کرانا چاہیں۔ اپنے گناہوں کی مقدار کے مطابق ان دستاویزوں میں سے ایک دستاویز خرید لے۔ ہر گناہ کی بخشش کی قیمت مقرر تھی اور ہر قیمت کی دستاویز تیار۔ کہا جاتا ہے کہ خدا کی رحمت کا خزانہ کبھی خالی نہیں ہوسکتا اور پوپ کے ہاتھ میں اس خزانے کی کنجی تھی۔ اس لیے وہ جسے چاہے رحمت و بخشش سے مالا مال کرسکتا ہے۔ معافی نامے یا دستاویز مغفرت کی عبارت یہ تھی:

''تم پر خدا یسوع مسیح کی رحمت ہو اور وہ تمھیں اپنے مقدس' ترحم سے (گناہوں کی سزا سے) آزاد کرے۔ میں اس کی اور اس کے بابرکت شاگرد پولوس اور مقدس پوپ کی اس سند کی رو سے جو مجھے انھوں نے عطا فرمائی ہے تمھیں آزاد کرتا ہوں سب سے پہلے کلیسا کی تمام علامتوں سے خواہ وہ کسی مشکل میں ہوں۔ پھر تمھارے ہر ایک گناہ' حدود شکنی اور زیادتی سے' خواہ وہ کیسے ہی مہیب اور شدید کیوں نہ ہوں اور میں وہ سزا تم سے اٹھالیتا ہوں جو تمھیں تمھارے گناہوں کی پاداش میں جہنم میں ملنے والی تھی۔ تاکہ تم جب مرو تو جہنم کے دروازے تم پر بند ہوں اور جنت کی راہیں کشادہ' باپ' بیٹے اور روح القدس کے نام پر۔''

اس معافی نامے میں مختلف گناہوں کی قیمتیں مختلف تھیں۔ معافی نامے کے ہر ایجنٹ کے پاس ان کی فہرست موجود تھی جس کی اصل دستاویز (Text of the Sacred Roman Chanery) کی کتاب میں محفوظ رکھی جاتی تھی۔ چند ایک گناہوں کی معافی کی

Marfat.com

قیمتیں بھی ملاحظہ فرمالیجئے:

۱۔ اسقاط حمل	۳ شلنگ ۶ پنس
۲۔ چوری	۹ شلنگ
۳۔ عفیفہ کی عصمت دری	۹ شلنگ
۴۔ زنا کی بھیانک صورتوں میں	۷ شلنگ ۶ پنس
۵۔ قتل	۷ شلنگ ۶ پنس

یہ معافی نامے صرف اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے ہی نہ تھے بلکہ مردوں کے گناہوں کے لیے بطور کفارہ بھی خریدے جاسکتے تھے۔ چنانچہ ان معافی ناموں کے ایجنٹ کچھ اس قسم کی آوازیں لگایا کرتے تھے۔

''آؤ بڑھو! جنت کے دروازے کھل رہے ہیں' اگر تم اب داخل نہ ہوگے تو کب داخل ہوگے' تم بارہ پنس کے عوض اپنے باپ کی روح کو جہنم سے نکلوا سکتے ہو۔ کیا تم ایسے ناخلف ہو کہ اپنے باپ کے لیے اس قدر سستی نجات بھی نہیں خرید سکتے۔ اگر تمھارے پاس اور کچھ نہیں ایک کوٹ ہے تو وہی اتار دو تا کہ اس متاع گراں بہا کو خرید سکو۔''

(See Buck,s Theologieal Dictionary of Indulgences)

تحریک اصلاح مذہب:

پاپائے اعظم کے تحت مقدس سلطنت روما کا قیام دراصل مذہب وسیاست کو یکجا کرنے کی کوشش تھی لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ پوپ نے جو اقتدار قائم کیا اس سے بادشاہت کا خاتمہ نہ ہوسکا۔ بلکہ اس نے بادشاہت کے ساتھ سمجھوتہ کر لینے کو ہی کافی سمجھا اور اس پر اپنا تسلط رکھنا ضروری خیال نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طاقت کے لحاظ سے دو برابر سیاسی ادارے قائم ہوگئے جو حصولِ اقتدار کے لیے باہم متصادم رہنے لگے۔ جس کا پلہ بھاری ہوجاتا وہ دوسرے پر چھا جاتا۔ آٹھویں صدی عیسوی سے لے کر سولہویں سترہویں صدی عیسوی تک یورپ کی تاریخ پاپائیت و بادشاہت کے تصادم کی ایک مسلسل داستان ہے۔ اس تصادم میں پاپائیت نے اپنی طاقت کو مضبوط بنانے کے لیے ''برہمنیت'' کے تصور سے فائدہ اٹھایا۔ مذہبی تعلیم اور مقدس کتابوں کی تشریح کا حق عوام کی بجائے ایک مخصوص ومحدود طبقے کے سپرد کر دیا گیا اور ''کلرجی''

Marfat.com

یاپادری کے نام سے پاپائیت ایک نئے روپ میں جلوہ گر ہوگئی اور ہر وہ شخص ''کلرجی'' بن جانے کا حقدار گردانا گیا جو پوپ کی منظور شدہ مذہبی تعلیم کی تکمیل کرے۔ باقی لوگوں کو دینی معاملات میں دخل انداز ہونے کا کوئی حق نہ تھا۔ پوپ نے عوام پر اقتدار حاصل کرنے کے لیے ''کلرجی'' کے نام سے ایک مستقل فوج تیار کرلی اور عوام کو یہ سمجھایا گیا کہ خدا تک بندے کی رسائی صرف اسی فوج سے ہوسکتی ہے۔

ابتدا میں ''کلرجی'' کا یہ طبقہ اپنی اہمیت کو قائم رکھنے کے لیے اپنے اعمال و کردار میں بہت محتاط تھا لیکن جب اس کی عظمت کا سکہ عوام کے دلوں پر بیٹھ گیا تو رفتہ رفتہ عیش پسندی کی طرف میلان بڑھنے لگا آخر وہ وقت آیا کہ پوپ اور بادشاہ میں کوئی فرق باقی نہ رہا۔

کلیسا کے بڑھتے ہوئے مظالم اور مذہبی طبقہ کی اس عیش پسندی نے عوام میں کچھ ایسے لوگ پیدا کردیئے جو کلیسا کے اقتدار کو ختم کردینے کے درپے تھے۔ اصلاح مذہب میں ان لوگوں کے ناموں میں سرفہرست مارٹن لوتھر ہے۔

مارٹن لوتھر:

مارٹن لوتھر جرمنی کے ایک گاؤں ''آئل بین'' میں ۱۴۸۲ء میں پیدا ہوا۔ اس کے والدین نہایت غریب تھے۔ اس نے عسرت اور تنگدستی میں ایک معمولی سے جھونپڑے میں آنکھ کھولی۔ لیکن اس کے والدین نے اس کی تعلیم وتربیت کی طرف بڑی توجہ کی' چند سال میں لوتھر نے مذہبی تعلیم کو مکمل کرلیا۔ اسے بالآخر پادری بنادیا گیا۔ اس کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ ۲۵ سال کی عمر میں اسے وٹن برگ یونیورسٹی میں مذہبی معلم کے عہدے پر فائز کردیا گیا۔ اس نے اپنی علمیت' قابلیت اور خطابت سے لوگوں پر اپنی دھاک بٹھادی۔ اسی زمانے میں لوتھر کے دماغ میں پاپائیت کے خلاف خیالات جنم لینے لگے اور بالآخر چند سال میں اس نے نجات اخروی کے ان اصولوں کے خلاف جو پوپ نے بنا رکھے تھے اعلانِ بغاوت کردیا۔ ہوا یہ کہ پوپ نے دستاویز مغفرت جاری کی اور یہ دستاویز یورپ کے ہر شہر قصبے اور گاؤں میں پادریوں کے ذریعے فروخت کی جانے لگیں۔ مارٹن لوتھر جس شہر میں قیام رکھتا تھا وہاں پر بھی ایک پادری جان ٹیٹ زیل (Tet Zel) کے پاس ان دستاویزوں کی ایجنسی تھی۔ اس صورت حال سے لوتھر کا پیمانہ صبر چھلک پڑا اور اس نے پادری مذکور سے کہا کہ اس کا یہ فعل عیسائیت کے خلاف

Marfat.com

ہے اور وہ اس سے اس بات پر مناظرہ کرنے کو تیار ہے۔ اس دعوت مناظرہ کے بعد لوتھر نے ۹۵ نظریات تیار کیے اور انھیں خوش خط لکھوا کر ۱۲۱ اکتوبر ۱۵۱۷ء کو مقامی گرجا گھر کے صدر دروازے پر لٹکا دیا۔ یہ گویا پاپائیت کے خلاف باقاعدہ اعلانِ جنگ تھا۔ جب جرمنی کے عوام کو اس بات کا علم ہوا تو ہر شخص دستاویز مغفرت کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ لوتھر نے ان میں جرأتِ اظہار پیدا کی اور اب جگہ جگہ سے لوتھر کی حمایت میں آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اس پر پوپ نے لوتھر کے اعلان کے تین سال بعد ۱۵۲۰ء میں ایک فرمان جاری کیا جس میں مارٹن لوتھر کے نظریے پر لعنت ونفرین کی گئی تھی اور اس کے ماننے والوں کو مردود قرار دیا گیا۔ جب یہ فرمان لوتھر کی قیام گاہ وٹن برگ میں پہنچا تو اس نے سب کے سامنے اعلانیہ طور پر اسے نذرِ آتش کر دیا۔ اس واقعہ کے چند ماہ بعد پوپ نے پادریوں کا ایک جلسہ طلب کیا اور اس میں لوتھر کو بھی بلایا۔ لوتھر اپنی جان کے خطرے کے باوجود وہاں پہنچا اور سب کے سامنے علی الاعلان اپنے نظریوں کے صحیح ہونے کا اعلان کیا۔

اس قسم کے کفر والحاد کے لیے پاپائیت نے ''عدالت تفتیش'' قائم کر رکھی تھی۔ اس لیے بظاہر سب کو یقین تھا کہ لوتھر کی قسمت میں آگ کے شعلوں کی موت لکھی ہے لیکن اب حالات مختلف تھے۔ عوام کی ایک بڑی تعداد لوتھر کے ساتھ تھی۔ چنانچہ لوتھر کو پاپائیت کے جوش انتقام سے بچانے کے لیے ایک نہایت مستحکم قلعے میں پہنچا دیا گیا جہاں وہ ایک سال کے قریب پناہ گزین رہا۔

پروٹسٹنٹ:

اب عوام میں ایک لوتھر ہی نہیں بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں لوتھر تھے۔ لوتھر کی تعلیمات کا ایک ایک لفظ عوام کے دل کا ترجمان تھا' پاپائیت کا زوال اب مقدر ہو چکا تھا۔ لوتھر کی اصلاح مذہب کی تحریک روز بروز طاقت ور ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اس وقت یہ تحریک پاپائیت کے خلاف ایک احتجاج تھا جسے انگریزی میں پروٹسٹ (Protest) کہتے ہیں۔ اس لیے جو لوگ اس تحریک کے حامی تھے انھیں پروٹسٹنٹ (Protestant) یعنی احتجاجی کہا جانے لگا۔ رفتہ رفتہ وہ تمام عیسائی فرقے جو پاپائے روم یعنی رومن کیتھولک گرجے سے الگ ہو گئے پروٹسٹنٹ کہلانے لگے۔

Marfat.com

مارٹن لوتھر کے جانشین:

مارٹن لوتھر نے جس کام کا آغاز کیا تھا وہ اس کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد اس تحریک کو چند ایسے سرگرم راہنما مل گئے جنھوں نے لوتھر کے کام کو تکمیل تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔

۱۵۳۶ء میں جان کیلون (Calvin) نے اپنی کتاب ''عیسائی مذہب کے ادارے'' میں لوتھر کے عقائد کی حمایت اور اپنے پیروؤں کا الگ فرقہ قائم کیا۔ جو ''کیلونی فرقہ'' کہلایا۔ اس فرقے کے عقائد کا مرکزی نظریہ یہ تھا کہ خدا ایک مشیت مطلقہ ہے اور انسان مجبور محض جو اس کی مشیت کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

کیلون کے ہم عصر زونگل نے بھی اصلاح مذہب پر اپنی پوری توجہ صرف کردی وہ اصلاح کے معاملے میں لوتھر سے کہیں زیادہ متشدد تھا۔ عشائے ربانی کے بارے میں اس کا عقیدہ تھا کہ اس کے ذریعے اس قربانی کا اعادہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔ اس نے بائبل پر عمل کرنے اور اسے اپنا مذہبی راہنما قرار دینے پر بہت زور دیا۔ اس نے کلیسا کے نظام کو جمہوری بنیادوں پر قائم کیا۔ زونگل اور کیلون کے پیروؤں کے اتحاد سے ''اصلاح یافتہ کلیسا'' وجود میں آیا۔ راسخ العقیدہ پروٹسٹنٹ اس معاملے میں کیلون کی پیروی کرتے ہیں۔

لوتھر، کیلون اور زونگل کے بعد ایک اور مصلح جان ناکس کی خدمات بھی فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ یہ سکاٹ لینڈ کا رہنے والا اور رومن کیتھولک مذہب کا پادری تھا۔ رومن کلیسا کی بے راہ روی نے اسے بھی اصلاح مذہب پر ابھارا۔ اس کی خاطر اسے کئی بار قید و بند کی صعوبتوں میں سے گزرنا پڑا۔ اپنی جان بچانے کے لیے وہ انگلینڈ سے بھاگ کھڑا ہوا اور جنیوا میں پناہ لی۔ جہاں اسے کیلون کی تعلیمات کے مطالعہ کا موقع ملا۔ وطن واپس آکر اس نے کیلون کی طرز پر ہی معمولی سے ردو بدل کے ساتھ ایک نئے کلیسا کی بنیاد رکھی۔ یہ کلیسا ''پریسی بی ٹیرین'' کہلایا جس کا انتظام وانصرام بڑے بوڑھوں کے ہاتھوں میں ہے اور جن میں پادری اور عوام مساوی حیثیت سے شامل ہوتے ہیں۔

یہ جان ناکس ہی تھا جس نے سکاٹ لینڈ سے رومن کیتھولک کلیسا کو ختم کر کے حکومت اور کلیسا کو متحد کر دیا۔

Marfat.com

کلیسائے انگلستان (Church of England):

چھٹی صدی عیسوی میں عیسائیت انگلستان پہنچی جو ظاہر ہے رومن کیتھولک کلیسا کی کوششوں کی مرہون منت تھی۔ سولہویں صدی عیسوی تک انگلستان کا کلیسا رومی کلیسا کے زیر اثر ہی تھا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب پوپ اور شاہ انگلستان کے درمیان اقتدار کی کشمکش کا آغاز ہوا۔ اس وقت ہنری ہشتم انگلستان کا بادشاہ تھا۔ ہنری یہ چاہتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کیتھرائن کو طلاق دے دے لیکن پوپ کی اجازت کے بغیر یہ ممکن نہ تھا۔ پوپ اس کے لیے رضا مند نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہنری نے انگریزی کلیسا کو رومی سے الگ کرلیا اور کلیسائے انگلستان کے نام سے ایک آزاد کلیسا کی بنیاد رکھی۔ اس کلیسا کا سربراہ خود شاہ انگلستان تھا۔ انگریزی کلیسا اور رومی کلیسنا میں سوائے اس کے اور کوئی فرق نہ تھا کہ یہاں دعائیں لاطینی کی بجائے انگریزی زبان میں پڑھی جاتی تھیں۔ باقی مذہبی رسومات وہی تھیں جنھیں پاپائے روم کی سند حاصل تھی۔

الزبتھ اول کے عہد میں کلیسائے انگلستان نے معتدل رویہ اختیار کرلیا اور رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عقائد و رسوم کے لحاظ سے اس نے درمیانی راہ اختیار کیے رکھی۔ لیکن یہ رواداری عارضی تھی، اصل صورت یہ تھی کہ جب بھی کوئی رومن کیتھولک حکمران برسر اقتدار آجاتا تو وہ پروٹسٹنٹوں پر عرصہ حیات کردیتا اور انھیں مختلف قسم کی بدنی سزاؤں کا تختہ مشق بننا پڑتا اور جب کوئی پروٹسٹنٹ حکومت وکلیسا کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیتا تو رومن کیتھولک اس کے جذبہ انتقام سے نہ بچ سکتے تعذیب کا یہ سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا۔

سترہویں صدی عیسوی میں پیورٹین تحریک وجود میں آئی۔ جس کی تمام تر کوشش یہ تھی کہ انگلستانی کلیسا رومن کیتھولک عقائد کو ترک کردے پھر (Anabatists) وجود میں آئے جو دوبار بپتسمہ لینے پر یقین رکھتے تھے۔ پیدائش کے بعد اور بلوغت کے وقت ۱۶۱۱ء میں تھامس ہلولیس نے بپٹسٹ (Baptist) کلیسا کی بنیاد ڈالی جس کی پاداش میں اسے مختلف صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔

سترہویں صدی عیسوی کا کچھ حصہ اس عقیدہ کے لوگوں پر بڑا بھاری گزرا، بعد میں یہ فرقہ بھی چند ذیلی فرقوں میں تقسیم ہوگیا۔

ایک اور فرقہ جس نے انگریزی کلیسا کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کویکر

Marfat.com

(Quacker) کے نام سے مشہور تھا۔اس کا بانی فاکس نامی ایک شخص تھا۔ کویکر کے معنی ڈرنے والے کے ہیں۔اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ فاکس جب عدالت میں پیش ہوا تو اس نے جج سے کہا کہ ''خدا سے ڈرو''، اس وقت سے اس کے ہمنوا ''ڈرنے والے'' کے نام سے موسوم ہوگئے۔اس فرقے کے لوگ اپنے آپ کو ''احباب صداقت'' کہا کرتے تھے۔ان کے ہاں نہ تو کسی پادری کی گنجائش تھی اور نہ کسی کلیسا کی۔ ہر وہ شخص جسے وعظ ونصیحت کا ملکہ ہو وعظ کہہ سکتا تھا۔ اس فرقے کے نزدیک مذہبی رسوم کی کوئی حقیقت نہ تھی اور مرد وعورت کو مساویانہ حقوق حاصل تھے۔اپنے ان عقائد کے باعث یہ فرقہ بھی مخالفین کے غیظ وغضب سے نہ بچ سکا۔

☆☆☆

Marfat.com

عیسائیوں کی فرقہ بندی

عیسائیت ابتدا ہی سے تشتت اور تفرقے کا شکار ہوگئی تھی۔ دین مسیح اعمال صالحہ سے زیادہ عقیدہ کی صحت کو ضروری قرار دیتا ہے اس لیے عیسائیت کی تاریخ میں عقائد اور نظریات کا اختلاف اور اس کی بنیاد پر فرقہ بندی ایک قدرتی امر تھا۔

حضرت مسیح کی ذات کے متعلق بہت سے نظریات پیش کیے گئے ہیں اس اختلاف نظریات کے باعث عیسائیوں میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے' ان میں اختلاف زیادہ تر حضرت عیسیٰ کی حیثیت کا تعین کرنے میں تھا۔

نصرانی یا ایبونی فرقہ (Eboionites):

اس فرقے میں ایسے افراد تھے جو ابتدا میں سب کے سب یہودی تھے۔ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنھوں نے حضرت مسیح کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ایبونی کے لفظی معنی ''مسکین اور غریب'' کے ہیں۔ یہ لوگ خود کو ایبونی اس لیے کہتے تھے کہ خطبہ جبل (Sermon of Mount) میں حضرت عیسیٰ کے مخاطب یہی لوگ تھے۔ ان کا تعلق فلسطین اور شام سے تھا۔

یہ لوگ حضرت عیسیٰ کی الوہیت کے منکر تھے ان کے دیگر پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہونے پر عقیدہ رکھتے تھے۔ البتہ ان کو مسیح موعود اور نجات دہندہ کہتے تھے۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کی بصیرت کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی پیدائش کے معجز ہونے کے معتقد تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ یوسف حضرت عیسیٰ کے باپ ضرور تھے لیکن حضرت مریم کا حمل روح القدس کے ذریعے قرار پایا۔ ایبونی فرقے والے اس بات کے بھی دعویدار تھے کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر چڑھ جانے کی وجہ سے تمام انسانوں کے لیے کفارہ بن گئے ہیں۔

اس فرقے کے افراد پولوس کو ملحد بتلاتے تھے اور یہ لوگ سبت اور اتوار دونوں دن اپنے

Marfat.com

تمام کاروبار کو معطل رکھتے تھے۔ یہ فرقہ آگے چل کر جمہور عیسائیوں میں مدغم ہو گیا۔

دوسیٹس:

نصرانیوں کے مقابلے میں عیسائیوں کا ایک اور فرقہ دوسیٹس (Docetes) تھا۔ اس فرقے میں اکثریت غیر یہودیوں کی تھی پھر یہ لوگ ایسے علاقے سے تعلق رکھتے تھے جو فلسطین سے خاصے فاصلے پر واقع ہے' ان لوگوں نے نہ تو حضرت مسیح کو دیکھا تھا اور نہ ہی وہ پیغمبروں کے صحیح تصور سے آشنا تھے' اس فرقے کا عقیدہ تھا کہ مادہ لازمی طور پر ایک ناپاک اور ادنیٰ شے ہے۔ اس لیے حضرت مسیح کی بشریت کے وہ لوگ شدید مخالف تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ مسیح خدا کے کلام (Logos) کی حیثیت سے انسان کی نجات کے لیے دنیا میں آئے۔ وہ خود خدا سے مختلف نہ تھے' انھوں نے اس سلسلے میں اس قدر مبالغہ کیا کہ اس امر سے انکار کر بیٹھے کہ مسیح انسانی شکل میں نمودار ہوئے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ تصلیب' احیاء ثانیہ اور صعود' یہ سب فریبِ نظر سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ ان لوگوں نے اناجیل کے ان حصوں کے ماننے سے بھی انکار کر دیا جن میں حضرت مسیح کی ولادت اور ابتدائی تیس سال کی زندگی کے واقعات مذکور ہیں۔

ایبونی فرقہ یہودیت اور عیسائیت میں ہم آہنگی پیدا کرنے لیے کوشاں تھا دوسیٹس نے یہودی قبائل پر شدید حملے کیے حتیٰ کہ یہودیوں کے خدا یہوداہ کو عالمِ اسفل کا خالق اور باغی روح قرار دیا یہی نہیں بلکہ بعثت مسیح کی غرض قانون موسوی کا استیصال قرار دیا، ایبونی اور دوسیٹس فرقے کے عقائد میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی' ان کے باہمی اختلافات کو ختم کر دینے کا واحد طریقہ یہ تجویز ہوا کہ حضرت مسیح کی بشریت اور الوہیت بیک وقت تسلیم کر لی جائے۔ لیکن اس کی وجہ سے اختلافات نے اور بھی شدت اختیار کر لی۔ اب موضوع بحث یہ امر ہو گیا کہ الوہیت اور بشریت میں غالب عنصر کون سا ہے۔ پھر الوہیت کی کیفیت پر بھی بحث چل نکلی اور متعدد فرقے نتیجتاً وجود میں آ گئے۔ ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

آریوسی:

آریوسی (Arian) فرقے کے بانی آریوس (Arius) ۲۵۶ء تا ۳۳۶ء تھا وہ لیبیا کا رہنے والا تھا اور اسکندریہ میں پادری کے عہدے پر فائز تھا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ اقانیم ثلاثہ

Marfat.com

''بیٹا'' دوسرے اقنوم کی حیثیت سے کچھ معنوں میں خدا ضرور ہے لیکن درحقیقت وہ الوہیت کے اس درجے پر فائز نہیں ہے جو عیسائیوں کے مروجہ عقیدہ کی رو سے ہے۔ اس کو اقنوم اول یعنی خدا نے پیدا کیا وہ پیدائش سے پہلے معدوم تھا۔ اس لیے وہ اپنے خالق کی طرح غیر فانی اور ابدی نہیں ہے۔ باپ کی ذات ابدی ہے جس کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ لیکن بیٹے کی ابتدا ہے باپ بیٹے سے پہلے موجود تھا۔ کلیسا کے پیرو اس بات پر عقیدہ رکھتے تھے کہ باپ اور بیٹا دونوں ابدی ہیں اور دونوں کا جوہر ایک ہی ہے۔

آریوسی عقائد کی تردید کے لیے کئی کونسلیں بلائی گئیں۔ جن میں پہلی کونسل نیقیہ میں ۳۲۵ء میں منعقد ہوئی اس کونسل نے اس عقیدے کو کفر قرار دیا اور یہ فیصلہ صادر کیا:

''جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ کسی وقت بھی خدا کے فرزند کا وجود نہ تھا یا پیدا ہونے سے قبل وہ موجود نہ تھا یا نیست سے ہست کیا گیا کسی ایسے مادہ یا جوہر سے اس کی تخلیق ہوئی ہے جو ربانی نہیں ہے یا وہ مخلوق متغیر ہے۔ ایسے شخص کو کلیسائے مقدس ملعون قرار دیتا ہے۔''

دوسری کونسل قسطنطنیہ میں منعقد ہوئی۔ اس کونسل میں بھی آریوسی فرقے کو کافر قرار دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود یہ فرقہ قائم رہا۔ بہت سی وحشی قومیں اس فرقے کے ذریعے عیسائیت کی حلقہ بگوش بنیں کیونکہ اس کا فلسفہ کلیسائی عقائد کے مقابلے میں آسان اور زود فہم تھا۔

اپولی نیرین:

دوسرا فرقہ آریوسی فرقے کا شدید مخالف ہے وہ اپولی نیرین (Apolli Narian) کہلاتا ہے اس کا بانی اپولی نیریس (Apolli Narius) تھا اس کی تاریخ ولادت تو معلوم نہیں البتہ اس نے ۳۹۲ء میں انتقال کیا۔ اس فرقے کا عقیدہ تھا کہ یسوع انسانی جسم میں ضرور نمودار ہوئے لیکن وہ خدا کی روح اور خدا تھیں اس لیے بجائے عقل انسانی کے' کلامِ ربانی (Divinelogos) ان میں کارفرما ہے' اس فرقے نے حضرت عیسیٰ کی الوہیت پر بہت زور دیا۔ جس کے باعث ان کی بشریت کالعدم ہو کر رہ گئی۔ پانچویں صدی عیسوی میں یہ فرقہ بالکل ختم ہو گیا۔

نسطوری:

عیسائیوں کے ایک اور فرقے نے جمہور کے عقائد سے اختلاف کیا۔ یہ فرقہ نسطوری

Marfat.com

(Nestorian) کہلاتا ہے' اس فرقے کا نام اس کے بانی (Nestorius) کے نام پر پڑا۔ یہ قسطنطنیہ کا اسقف تھا۔ اس فرقے نے حضرت عیسیٰ کی بشریت پر بہت زور دیا ہے۔ حضرت عیسیٰ میں دو جداگانہ صفات الوہیت اور بشریت کے اتحاد کا یہ فرقہ علمبردار تھا۔ جب اس فرقے کے علمبرداروں پر دو متضاد چیزوں کے ایک جگہ جمع کر دینے کا الزام لگایا گیا تو انھوں نے اس عقیدے کی وضاحت کے لیے عجیب وغریب مثال دی کی جس طرح شادی کے ذریعہ روحیں متحد ہو جاتی ہیں دو مختلف طبیعتیں اور انسان مل کر ایک وجود کا باعث بنتے ہیں ویسے ہی الوہیت اور بشریت کے اتحاد کا ثمرہ حضرت یسوع کی ذات ہے۔ نسطوریس پر کئی بار مقدمہ چلایا گیا اور اسے جلاوطن بھی کیا گیا۔ ۴۳۹ء میں اسی جلاوطنی کی حالت میں اس کا انتقال بھی ہو گیا۔

رومی حکومت کے حدود سے اس فرقے کا نام ونشان مٹا دیا گیا۔ البتہ عرب' شام ومصر میں اس کو عروج حاصل ہوا۔ بعد میں اس کے بھی دو فرقے ہو گئے ایک رومن کیتھولک کلیسا سے متعلق ہو گیا جو کالوی عیسائی کہلاتے ہیں اور دوسرا اپنے قدیم عقائد سے وابستہ رہا جن کا اپنا سردار ہوتا ہے۔

وحدت الفطری فرقہ:

جب حضرت عیسیٰ کی ذات میں دو مختلف حیثیتیں الوہیت اور بشریت متحد کر دی گئیں تو اب یہ بحث چھڑ گئی کہ ان میں دو ارادے (Will) ہیں یا ایک۔ جمہور کا خیال یہ تھا کہ ان کے دو نیچر ہیں اس لیے ان میں دو ارادے بھی پائے جاتے ہیں ایک انسانی اور دوسرا ربانی اگرچہ پہلا دوسرے کے تحت رہتا ہے اس کے برخلاف وحدت الفطری فرقہ کا دعویٰ تھا کہ حضرت عیسیٰ ایک ہی ارادے کے مالک تھے۔ یہ فرقہ بھی کلیسا کے مظالم کا شکار بنا رہا۔

آئی کونو لاسٹک:

عیسائیت اپنا دامن بت پرستی سے نہ بچا سکی۔ گرجاؤں میں حضرت یسوع وغیرہ کی مورتیاں رکھی جانے لگیں جن کی پرستش ہوتی تھی' ایک فرقہ ایسا بھی ہوا جس نے اس بت پرستی کے خلاف آواز بلند کی یہ فرقہ آئی کونو لاسٹک (Iconoclastic) کہلایا۔ یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی ''بت شکن'' کے ہیں۔ اس تحریک کا آغاز مشرقی کلیسا سے لیوسوم کی زیر سرپرستی

Marfat.com

ہوا جس نے حکم نافذ کردیا کہ حضرت عیسیٰ کے سوا کوئی اور مورتی گرجاؤں میں نہ رکھی جائے۔ اس حکم کی پابندی کرانے کے لیے لوگوں کو سخت سزائیں دی گئیں اور تمام مورتیاں توڑ دی گئیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرقی اور مغربی کلیسا میں ایک زبردست فرق یہ پیدا ہو گیا کہ مغربی کلیسا میں مورتیاں عام تھیں لیکن مشرقی گرجاؤں میں صرف تصویروں پر اکتفا کیا جاتا تھا اور یہ فرق اب تک پایا جاتا ہے۔ ان فرقوں کے عقائد کا مطالعہ کرنے سے یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ اختلافات صرف فلسفیانہ تھے ان کا تعلق براہ راست اعمال واخلاق سے نہ تھا۔ پھر ان اختلافات کی نوعیت بھی بہت حد تک لفظوں کے الٹ پھیر میں تھی۔ بایں ہمہ ایک فرقے کے افراد نے حریف فرقہ کے لوگوں کے خون سے آزادانہ ہاتھ رنگے۔ ان اختلافات کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ جب تک عیسائیت کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل نہیں ہوئی اس وقت تک وہ طرح طرح کے مظالم کا شکار بنے رہے۔ ان میں اتحاد اور یکجہتی پائی جاتی تھی۔ ان کو اس قسم کے لایعنی مباحث میں پڑنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن جوں ہی اسے رومی شہنشاہوں نے سرکاری مذہب کا اعزاز دیے دیا لوگوں کو سکون واطمینان کی زندگی نصیب ہوئی اور انھیں فلسفیانہ موشگافیوں کا موقع ہاتھ آیا۔ ان اختلافات کا آماجگاہ مغربی کلیسا کی بہ نسبت مشرقی کلیسا زیادہ ہوا۔ اس کی وجہ شاید یہ رہی ہوگی کہ ان کی یونانی زبان ہونے کے باعث ان کو یونانی علم وحکمت سے زیادہ قربت رہی ہوگی اور انھوں نے سوچنے کا انداز بھی یونانیوں ہی سے لیا ہوگا۔

الغرض عیسائیوں کی اس وقت تعداد ایک ارب سے بھی متجاوز ہے۔ سب سے بڑا فرقہ رومن کیتھولک ہے جس کا مرکز روم اور مذہبی راہنما پاپائے روم ہے' مشرقی تقلید پسندی کا مرکز روس ہے اور پروٹسٹنٹ فرقہ یورپ اور امریکہ میں پایا جاتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

مسیحی رسمیں اور تہوار:

ا۔ بپتسمہ:

عیسائیت کی پہلی رسم بپتسمہ ہے یہ ایک غسل ہے جو دائرہ عیسائیت میں داخل ہونے والے کو دیا جاتا ہے۔ اس کے بغیر عیسائیت قبول کرنے والا شخص عیسائی نہیں ہوسکتا۔ اس رسم کی پشت پر عقیدہ کفارہ کارفرما ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ بپتسمہ لینے سے انسان یسوع مسیح کے واسطے سے ایک بار مرکر حیات ثانیہ پاجاتا ہے۔ موت کے ذریعے اسے ''اصل گناہ'' کی سزا ملتی ہے اور حیات نو سے اسے آزاد قوت ارادی حاصل ہوتی ہے۔

یروشلم کے مشہور عالم سائرل نے اس رسم کو بجالانے کا طریقہ لکھا ہے کہ بپتسمہ لینے والے کو بپتسمہ کے کمرے میں اس طرح لٹادیا جاتا ہے کہ اس کا منہ مغرب کی طرف ہو' پھر بپتسمہ لینے والا اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلا کر کہتا ہے کہ ''اے شیطان میں تجھ سے اور تیرے ہر عمل سے دست بردار ہوتا ہوں۔''

پھر وہ مشرق کی طرف منہ کر کے زبان سے عیسائی عقائد کا اعلان کرتا ہے' اس کے بعد اسے ایک اندرونی کمرے میں لیجایا جاتا ہے کہ جہاں اس کے تمام کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں اور سر سے پاؤں تک ایک دم کیے ہوئے تیل سے اس کی مالش کی جاتی ہے اس کے بعد اسے بپتسمہ کے حوض میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر اسے سفید کپڑے پہنا دیئے جاتے ہیں گویا وہ گناہوں سے پاک ہوگیا ہے۔

۲۔ عشاء ربانی:

دائرہ عیسائیت میں داخل ہونے کے بعد یہ اہم ترین رسم ہے اور یہ رسم حضرت مسیح کی قربانی کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے۔ حضرت مسیح نے گرفتاری سے ایک دن قبل حواریوں

Marfat.com

کے ساتھ رات کا کھانا کھایا جاتا تھا۔ انجیل متی میں اس طرح اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ:

''جب وہ کھا رہے تھے' یسوع مسیح نے روٹی لی اور برکت دے کر توڑی اور شاگردوں کو دے کر کہا لو کھاؤ یہ میرا بدن ہے پھر پیالہ ان کو دے کر کہا تم سب اس میں سے پیو۔ کیونکہ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لیے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔''

(متی ۲۶:۲۶)

لوقا نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ اس کے بعد حضرت مسیح نے حواریوں سے کہا کہ:

''میری یادگار کے لیے یہی کیا کرو'' (لوقا ۲۲:۱۹)

مشہور عالم جسٹس مارٹر اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھتے ہیں کہ:

''ہر اتوار کو کلیسا میں ایک اجتماع ہوتا ہے۔ شروع میں دعائیں اور نغمے پڑھے جاتے ہیں۔ اس کے بعد حاضرین ایک دوسرے کو بوسہ لے کر مبارکباد دیتے ہیں پھر روٹی اور شراب لائی جاتی ہے اور صدر مجلس اس کو لے کر باپ بیٹے اور روح القدس سے برکت کی دعا کرتا ہے جس پر تمام حاضرین آمین کہتے ہیں۔ پھر کلیسا کے خدام' روٹی اور شراب کو حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں اس عمل سے فوراً روٹی مسیح کا بدن بن جاتی ہے اور شراب مسیح کا خون اور تمام حاضرین اسے کھا پی کر اپنے عقیدہ کفارہ کو تازہ کرتے ہیں۔''

۳۔ تہوار:

اتوار کا دن: عیسائی حضرات اتوار کو مقدس جانتے اور اس دن گرجاؤں میں عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ دراصل یہ دن یونانی مشرکوں کے ہاں سورج دیوتا کی پوجا کے لیے مقرر تھا۔ جیسا کہ اس کے نام Sunday سے ظاہر ہے۔ ہندوؤں میں بھی ایت وار سورج دیوتا کا دن تھا۔ بہرصورت مشرکوں کو خوش کرنے کی خاطر یہ دن مقرر کیا گیا تا کہ وہ عیسائیت کو بیگانہ چیز جان کر بدک نہ جائیں۔

۴۔ کرسمس:

عیسائی ۲۵ دسمبر کو یوم میلاد مسیح علیہ السلام مناتے ہیں۔ یہ دن بھی دراصل رومی مشرکوں کے ایک دیوتا کی یادگار تھا انھیں خوش کرنے کی خاطر اس دن کو یوم میلاد مسیح علیہ السلام بنالیا گیا حالانکہ مسیح علیہ السلام موسم گرما میں پیدا ہوئے تھے۔ انجیل میں لکھا ہے کہ مریم نے بچہ کو جن کر چرنی میں ڈال

Marfat.com

دیا۔ اگر یہ دسمبر کا مہینہ ہوتا تو نہ مریم علیہ السلام باہر جا سکتی نہ ننگے بچے کو چرنی میں ڈالا جا سکتا تھا۔

۵۔ ایسٹر:

یہ دن عیسیٰ علیہ السلام کے مر کر دوبارہ زندہ ہونے کی یاد میں ۲۱ مارچ کو مناتے ہیں۔ یہ دن بھی ایرانیوں کا عید نوروز تھا۔ یہ ہندوؤں کی نسبت اور آئرلینڈ والوں کے ہاں موسم بہار کی دیوی آسٹر کی پرستش کا دن تھا۔ نام بدل کر ایسٹر بنالیا گیا اور اسے اپنا لیا گیا۔ یہ دیوی بعل دیوتا کی بیوی عسارات ہے جس کی یہودیوں نے بھی پوجا کی اور انبیاء نے انھیں اس پر مطعون کیا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

عیسائیت اور اسلام کا موازنہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں برحق برگزیدہ رسول ہیں' دونوں کی تعلیمات برحق' صداقت پر مبنی' عقلی اور فطرت کے عین مطابق ہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پولوس رسول نے عیسائیت کا حلیہ بگاڑ دیا اور نئے عقائد اور باطل نظریات عیسائیت میں شامل کر دیئے جس کی وجہ سے عیسائی مذہب مشرکانہ دین بن گیا اور موجودہ مسیحی دین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل پیش کردہ دین سے بالکل مختلف ہے۔ لہٰذا ہمارا موازنہ عیسائیت کے جدید مذہب سے ہوگا۔

عقائد:

موجودہ عیسائیت کی بنیاد مندرجہ ذیل عقائد ہیں:

ا۔ تثلیث:

یعنی خدا تین ہیں۔ خداوند خدا' خداوند یسوع' اور روح القدس۔ خدا ان تین اقنوم سے مرکب ہے' یہ تینوں اقنوم مل کر ایک بھی ہیں یعنی تین میں ایک اور ایک میں تین' اس طرح یہ عقیدہ خدا کی ذات' صفات اور افعال میں شرک ہے۔ علاوہ ازیں الوہیت مسیح اور ابنیت مسیح کا عقیدہ پایا جاتا ہے جو مشرک اقوام مثلاً ہندوؤں کے عقیدہ حلول و تجسیم سے مشابہ ہے۔

انجیل یوحنا کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

''ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔''

(یوحنا' آیات ۱'۲)

اس کے برعکس اسلام خالص توحید کا علمبردار ہے' اللہ تعالیٰ اپنی ذات' صفات اور افعال میں بے مثل ہے۔ لیس کمثلہ شی سورہ اخلاص تصور توحید کی بہترین ترجمان ہے۔

Marfat.com

اسلام نے شرک سے بھی منع فرمایا: ان الشرك لظلم عظيم (۳_۱۳)

سورہ مائدہ میں عقیدہ تثلیث کی تردید کی گئی ہے۔

لقد كفر الذين. ..اله واحد (۵:۷۳)

یعنی وہ لوگ کافر ہوئے جو کہتے ہیں خدا تین میں تیسرا ہے حالانکہ ایک معبود کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔

ابنیت سے بھی قرآن نے انکار کیا اور پھر اس کا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے جب اس کی بیوی ہی نہیں لم يكن له صاحبة ○

۲۔ کفارہ کا عقیدہ:

اس کی اصل یہ ہے کہ یسوع مسیح نے صلیب پر جان دے کر تمام بنی آدم کے گناہوں کو چھپالیا ہے اور ان کے نجات کا موجب بن گئے ہیں۔ عیسائیوں کے نزدیک ہر انسان پیدائشی گناہگار ہے۔ آدم علیہ السلام اور حوا نے جو گناہ کیا وہ وراثتاً ہر شخص کی فطرت میں چلا آرہا ہے جس کی وجہ سے ہر شخص گناہگار ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک نیک اعمال نجات کا موجب نہیں ہوسکتے۔ اگر اللہ تعالیٰ بندے کے گناہ توبہ اور استغفار سے معاف کردے تو اس کا رحم اس کے عدل کے خلاف ہے۔ خدا رحیم ہے اس کا رحم چاہتا ہے کہ انسان سزا سے بچ جائے۔ پھر وہ عادل بھی ہے۔ عدل کا یہ تقاضا ہے کہ سزا ضرور دی جائے۔ اب رحم اور عدل ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے۔ بندے کی نجات کا ہونا ضروری ہے۔ بندوں کو نجات دلانے کے لیے ایک صورت یہ نکالی کہ خدا کا بیٹا یسوع مسیح جو تمام گناہوں سے پاک اور معصوم ہے لوگوں کے تمام گناہوں کو اپنے اوپر لے کر جان کی قربانی دے اور سارے لوگوں کے لیے نجات کا ذریعہ بنے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں عقیدہ کفارہ کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

''عیسائی علم عقائد میں کفارہ سے مراد یسوع کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعے ایک گناہگار انسان یک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہوجاتا ہے۔ اس عقیدہ کی پشت پر دو مفروضے کارفرما ہیں۔ ایک یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہوگیا تھا۔ دوسرے یہ کہ خدا کی رحمت کلام (بیٹا) اس لیے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کردے۔''

Marfat.com

مسٹر ڈینئل ولن کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ عیسائیت کی جان ہے۔ مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ انجیل میں اس کا ذکر موجود نہیں ہے۔

کفارہ کا نظریہ غیر فطری' خلاف عقل اور خلاف انصاف ہے اس لیے اسلام نے اسے باطل ٹھہرایا ہے۔ اسلام کا خدا غفور رحیم ہے۔ وہ انسانوں کے گناہ توبہ واستغفار کرنے پر معاف کر دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ:

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذالک لمن یشاء ○

اللہ تعالیٰ اس شخص کو نہیں بخشتا جو اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے اور اس کے علاوہ وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے' اسلام کا خدا بہت وسیع رحمت والا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

کتب علی نفسہ الرحمۃ .

اس نے اپنے اوپر رحم کو لازم کر لیا ہے۔

پھر فرمایا:

ورحمتی وسعت کل شیء ۔

اور میری رحمت سب چیزوں پر حاوی ہے۔

اسلام کے نزدیک کسی بے گناہ کو دوسروں کے گناہوں کے بدلے سزا دینا خود صفت عدل کے خلاف ہے۔ لاتزر وازرۃ وزرۃ الاخریٰ ○

۴۔ شریعت لعنت ہے:

عیسائی عقیدے کے مطابق شریعت لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد شرائع نازل کیں۔ پولس رسول کے نزدیک انسان شریعت پر عمل نہیں کر سکتا۔ اس لیے شریعت لعنت ثابت ہوئی کیونکہ آدم علیہ السلام کے ارتکاب گناہ کی وجہ سے انبیاء f بھی بے گناہ نہ نکلے۔ جبکہ اسلام میں شریعت ذریعہ ہدایت ہے۔ اسلام شریعت کو ھدی للناس کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت بنی نوع انسان کے لیے ہدایت اور رحمت کے طور پر نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم حکمت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اس نے کوئی ایسے احکام نازل نہیں کیے جن پر انسان عمل نہ کر سکتا ہو۔ ارشاد ہے

Marfat.com

لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا

اسلام کے نزدیک شریعت عین فطرت انسانی کے مطابق ہے۔

قرآن میں ارشاد ہے:

فاقم وجھك للدین حنیفا فطرۃ اللہالتی فطرالناس علیھالاتبدیل لخلق اللہ ذالك الدین القیم ○

پس اپنا منہ دین حنیف کی طرف کر یہ وہ خدا کی فطرت ہے جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی حالت کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔ یہ دینِ قیم ہے۔

اس آیت میں دین حنیف کو اللہ کی فطرت قرار دیا ہے۔ اور اسی پر انسان کو پیدا کیا ہے۔ گویا شریعت عین فطرت انسانی کے مطابق ہے۔

۵۔ نجات کا ذریعہ کفارہ ہے:

عیسائی عقیدے کے مطابق انسان فطرتاً گناہگار ہونے کی وجہ سے کفارہ پر ایمان لائے بغیر نجات حاصل نہیں کرسکتا۔ ان کے نزدیک ہر انسان پیدائشی گناہگار ہے' اس لیے نیک اعمال نجات کا موجب نہیں ہوسکتے۔ نجات حاصل کرنے کے لیے کفارہ کے عقیدہ پر یقین لازمی ہے۔ اسلام میں نجات کا دارومدار اعمال صالحہ پر ہے جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اور اعمال صالحہ بجالاتا ہے وہ نجات پاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

من امن باللہ والیوم الاخر وعمل صالحا فلھم اجرھم عندربھم

یعنی جو اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لایا اور نیک عمل کیے پس ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے:

وبشرالذین امنوا وعملوالصلحت ان لھم جنت تجری من تحتھا الانھٰر۔

یعنی جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں۔ وہ باغوں کے وارث ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔

Marfat.com

۶۔ بنی نوع انسان گناہگار ہے:

عیسائی عقیدے کے مطابق بنی نوع انسان گناہگار ہے۔ آدم نے جو گناہ کیا تھا اس کا اثر وراثتاً اور نسلاً ہر انسان میں چلا آرہا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اثر نطفہ کے ذریعے نسل انسانی میں منتقل ہو رہا ہے۔ اور مسیح اسی لیے بن باپ کے پیدا کیے گئے تھے تا کہ ان کو گناہ کے اثر سے محفوظ رکھا جائے۔ لہٰذا جمیع بنی نوع انسان گناہ میں ملوث ہے۔

جبکہ اسلامی عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس زمین پر خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔

انی جاعل فی الارض خلیفه ○

دوسری جگہ آتا ہے:

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ○

ہم نے انسان کو تقویمِ احسن میں پیدا کیا ہے

ولقد کرمنا بنی ادم ○

اور ہم نے نوع انسان کو قابل تکریم بنایا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ہر بچہ فطرت صحیح (سلیمہ) پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے والدین اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

۷۔ یسوع مسیح لعنتی موت مرے:

عیسائی عقیدے کے مطابق مسیح علیہ السلام نے گناہگار انسانوں کے گناہوں کا بوجھ اپنے کندھوں لے کر صلیب پر موت دے ماری تا کہ صلیب پر ایمان لانے والے نجات پا جائیں۔ تین دن قبر میں رہا پھر مردوں سے جی اٹھا اور آسمان پر چلا گیا۔ اب خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھا ہوا ہے۔ یہ عقیدہ بائبل کی رو سے بھی غلط ہے۔ بائبل میں صاف لکھا ہے کہ اولاد کے بدلے باپ دادا نہ مارے جائیں نہ باپ دادوں کے بدلے اولاد قتل کی جائے۔

ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جائے گا۔ (استثنا ۱۶۔۲۴)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عقیدے کے مطابق تمام انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں وہ ملعون نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ مکرم اور منصور ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے:

Marfat.com

وما قتلوه وماصلبوه ولکن شبه لهم۔

اس لیے حضرت عیسیٰ بھی خدا کے برگزیدہ، مکرم اور منصور نبی تھے۔

۸۔ رہبانیت:

عیسائیت زندگی کے تمام شعبوں میں رہبانیت کی تعلیم دیتی ہے۔ انسان کو کلیتًا تارک الدنیا بنادینا چاہتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد دوسو سال تک عیسائی کلیسا رہبانیت سے ناآشنا تھے۔ مگر ابتدا ہی سے مسیحیت میں اس کے جراثیم پائے جاتے تھے۔ درویشانہ زندگی کو شادی بیاہ اور دنیوی کاروبار کی زندگی کے مقابلے میں اعلیٰ وافضل سمجھنا ہی رہبانیت کی بنیاد ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں مسیحیت میں ابتدا سے موجود تھیں۔ خصوصاً تجرد کو تقدس کا ہم معنی سمجھنے کی وجہ سے کلیسا میں مذہبی خدمات انجام دینے والوں کے لیے یہ بات ناپسندیدہ خیال کی جاتی تھی کہ وہ شادی کریں۔ اس چیز نے تیسری صدی تک پہنچتے پہنچتے ایک فتنے کی شکل اختیار کرلی اور رہبانیت ایک وبا کی طرح مسیحیت میں پھیلنی شروع ہوئی۔ جبکہ اسلام میں رہبانیت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اسے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

ورهبانية ن ابتدعوها ما كتبنها عليهم الاابتغاء رضوان اللهفما رعوها حق رعايتها (الحديد:۲۷)

اور رہبانیت انھوں نے خود اختراع کرلی ہے ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا مگر اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لیے نکالی۔ پر اس کی وہ نگہداشت نہ کرسکے۔

اس آیت میں رہبانیت کو بدعت قرار دیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لارهبانية فى الاسلام

یعنی اسلام میں رہبانیت قطعاً جائز نہیں۔

۹۔ پاپائیت:

اسلام میں عیسائیت کی طرح کسی کی مذہبی اجارہ داری نہیں ہے جو بھی متقی اور پرہیز گار ہو وہ مسلمانوں کا امام ہے۔ اگر قانون اور فقہ جانتا ہے دین کا علم رکھتا ہے وہ اعلیٰ منصب پر پہنچ سکتا ہے۔

Marfat.com

۱۰۔ نامکمل تعلیمات:

عیسائیت کی تعلیمات نامکمل اور پوری زندگی پر محیط نہیں ہیں۔ صرف چند بنیادی مشرکانہ عقائد ہیں اور بعض اخلاقی احکام' معاشرتی و معاشی مسائل کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ حکومت و سیاست کے بارے میں کوئی ہدایات نہیں دی ہیں۔ نہ کوئی شریعت ہے نہ کوئی مستقل ضابطہ حیات' قوانین اخلاق نہ حقوق و فرائض اور معاملات کے متعلق ہدایات ہیں۔ حتیٰ کہ عبادت کا کوئی طریقہ بھی متعین نہیں ہے۔

معروف عیسائی عالم جوڈ (Joad) لکھتا ہے:

''سیاسی اور اقتصادی معاملات کے متعلق حضرت عیسیٰ کی تعلیم افسوسناک حد تک مبہم ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسیحی علماء سرمایہ داری' استعماریت' غلامی' جنگ' قید و بند' دشمنوں کو زندہ جلانا اور تکالیف دینا غرض جو چاہیں مسیح کی تعلیم ثابت کر سکتے ہیں۔''

عیسائی دین کا اصل الاصول ''محبت'' ہے اس کے سوا باقی جذبات باطل ہیں۔ اخلاقی تعلیمات بھی سخت اور فوق البشری ہیں جن پر عمل ناممکن ہے۔ مثلاً اس میں محبت کے دو طرفہ اصول بتائے گئے ہیں۔ معبود کے ساتھ محبت اور پھر ہم جنسوں کے ساتھ محبت۔

جبکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے' اس میں نہ صرف اخلاقی تعلیم دی گئی ہے بلکہ دینی' دنیاوی' روحانی' معاشرتی' معاشی' سیاسی' اخروی زندگی گزارنے کے بارے میں واضح اصول بتائے گئے ہیں۔ تمام تعلیمات سادہ اور عام فہم ہیں۔ ارشاد زبانی ہے:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ○ (المائدۃ)

۱۱۔ یسوع مسیح کا پیغام قومی تھا:

اناجیل کی رو سے یسوع مسیح کا پیغمبرانہ کلام عالمگیر نہ تھا بلکہ صرف بنی اسرائیل کے لیے تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں سے کہا۔

''غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا'' (متی ۱۰:۵'۶)

حضرت مسیح علیہ السلام تکمیل یہودیت کے لیے آئے تھے۔ متی اور لوقا میں ہے:

Marfat.com

''زمین آسمان ٹل سکتے ہیں مگر تورات کا ایک شوشہ اور ایک نقطہ بھی نہیں ٹل سکتا۔ میں تورات کو منسوخ کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس پر عمل کرنے کے لیے آیا ہوں۔''

قرآن پاک میں ہے:

''میں دین موسیٰ کی تجدید کرنے آیا ہوں۔''

سورۂ آل عمران میں ارشاد الٰہی ہے:

ومصدقالما بين يدى من التوراة

میں تورات کی تصدیق کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہے۔

جبکہ اسلام کا پیغام عالمگیر ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی۔ آپ تمام شریعتوں کی تکمیل کے لیے آئے۔ ارشاد الٰہی ہے:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (یوسف : ۱۲/۱۰۴)

یہ کتاب تمام جہانوں کے لیے رحمت ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے:

وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا (سبا : ۳۴/۲۸)

اے رسول ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

وما ارسلنك الا رحمة للعالمين

تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

حدیث ہے:

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجا گیا تھا مگر میں تمام سرخ اور سیاہ قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔''

۱۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں مکمل اور صحیح تفصیلات عیسائیت کی کتب سے نہیں ملتی۔ ان کی سیرت محفوظ نہیں ہے جب کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے متعلق تمام تفصیلات قرآن اور حدیث کے ذریعے محفوظ ہیں۔ آپؐ کا اسوۂ حسنہ مکمل طور پر ہمارے سامنے ہے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔

۱۳۔ عیسائیت کی کتب مقدسہ (اناجیل) غیر محفوظ، محرّف اور تبدیل شدہ ہیں۔ اور یہ کتب اپنی اصل زبان اور اصلی حالت میں دستیاب نہیں ہیں۔ جبکہ اسلام کی کتاب قرآن پاک

Marfat.com

محفوظ ہے۔ غیر محرف ہے' قیامت تک کے لیے اصل زبان اور اس کی تعلیمات محفوظ رہیں گی۔ اس کی حفاظت دو طریقوں سے یعنی کتابت اور حفظ کے ذریعے کی گئی ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظون ○

دوسری جگہ آتا ہے۔

انا علینا جمعہ وقرانہ

یعنی اس کتاب کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔

یہ دونوں آیات ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ غیر مسلم بھی اس کی حقانیت کی اور محفوظ ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔ سر ولیم میور دیباچہ ''حیات محمد'' صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھتا ہے:

''اس بات کی تسلی بخش اور قابل اطمینان اندرونی اور بیرونی شہادت موجود ہے کہ قرآن اس وقت بھی ٹھیک اسی شکل وصورت میں محفوظ و مامون ہے جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔''

۱۴۔ موجودہ عیسائیت دین اور دنیا کی تفریق پر مبنی ہے:

موجودہ مسیحیت (پولوسی مذہب) ناقص' محدود' خلاف فطرت' خلاف عقل اور نا قابل عمل ہے۔ تاریخی طور پر افراط وتفریط کا شکار رہی اور آخرکار اباحت اور لامذہبی پھیلانے کی ذمہ دار ہے۔

۱۔ جب عیسائیوں نے اس مذہب کے احکام کی پابندی کی' توحید سے نرم پڑ گئے تین سو برس تک اپنے ظلم وستم برداشت کر کے اپنے آپ کو تباہ برباد کرتے رہے۔

(تفریط)

۲۔ جب انقلاب زمانہ نے انھیں قوت وحکمرانی بخشی اور سلطنت کی ذمہ داریاں ان پر آپڑیں تو انھیں مسیحیت کے محدود دائرے سے باہر نکلنا پڑا اور یہاں مذہب کی راہنمائی کی بجائے بنی نوع انسان پر ہر قسم کا ظلم وستم شروع کر دیا۔ (افراط)

۳۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب کے نام پر جبر وظلم اور جاہلانہ تعصب کا طوفان جب حد سے گزر گیا تو انھیں خود سے نفرت ہوگئی اور وہ دنیا بھر میں الحاد ولامذہبیت پھیلانے کے لیے

Marfat.com

اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے نتیجے میں دین ودنیا میں تفریق اور رہبانیت پیدا ہوگئی: جو قیصر کا ہے۔ وہ قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو۔

(لوقا ۲۰:۲۲)

تم خدا اور دولت دونوں کی ایک ساتھ خدمت نہیں کر سکتے۔ (متی)

اس طرح عیسائیت انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو رہبانیت کی طرف لے گئی اور جو صلاحیتیں تعمیر وتمدن اور ارتقائے حیات کے کام میں صرف ہونی چاہییں تھیں وہ نفس کشی، تجرد اور غیر فطری تزکیہ اخلاق میں ضائع ہوگئیں۔

جبکہ اسلام دین اور دنیا کے اتحاد کا ضامن ہے۔ انسانوں کو دین اور دنیا دونوں کو برابر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کسی کو دوسرے پر کسی قسم کی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین شخص وہ ہے جو متقی اور پرہیز گار ہو۔

الغرض اگرچہ اب عیسائیت عالمگیر دین بن چکا ہے اور عملاً اس نے تبلیغی مذہب کی صورت اختیار کر لی ہے۔ عیسائی ساری دنیا میں پائے جاتے ہیں بلکہ دنیا کے ہر ایک براعظم میں اپنے اکثریتی علاقے رکھتے ہیں، عیسائیوں کو بحالات موجودہ سیاسی اور معاشی برتری حاصل ہے۔ عیسائی اقوام کی تعداد تمام دیگر مذاہب کے پیروؤں سے زیادہ ہے۔ لیکن یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ مذہب عیسائیت خاص قوم بنی اسرائیل کی طرف آیا تھا۔ اس کی اصل تعلیمات مفقود ہو چکی ہیں۔ اسلام کے آنے کے بعد اصل اور سچا دین اسلام ہی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام شریعتوں کی تکمیل کر دی ہے اور وہ خاتم الانبیا والمرسلین ہیں۔ لہٰذا دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لیے دین اسلام ہی اصل دین اور ذریعہ ہدایت ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

باب نمبر:11

اسلام

Marfat.com

مذہب اسلام کو بین الاقوامی مذاہب میں خصوصی اہمیت حاصل ہے' عیسائیت کے بعد بلحاظ آبادی دنیا کا سب سے بڑا مذہب اسلام ہے۔ دنیا میں اس وقت مسلمانوں کی تعداد ایک ارب کے قریب ہے اور یہ دنیا کے تمام براعظموں میں آباد ہیں۔

اس طرح بین الاقوامی مذاہب میں اسلام کو امتیازی مرتبہ حاصل ہے۔ اس مذہب کے پیروکاروں کا دعویٰ ہے کہ اسلام دنیا کا قدیم ترین مذہب ہے کیونکہ آفرینش عالم سے لے کر آخری پیغمبر تک جتنے بھی سچے انبیاء خدا کی طرف سے حق وصداقت کی اشاعت پر مامور ہوئے بلا استثنا سب کا مذہب اسلام ہی رہا ہے قدیم ترین مذہب ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام اس معنی میں جدید ترین مذہب بھی ہے کہ اس کی تکمیل ساتویں صدی عیسوی میں ہوئی۔

قبل از اسلام عالمی حالت:

چھٹی صدی عیسوی بلا اختلاف تاریخ انسانی کا پست ترین دور تھا۔ صدیوں سے انسانیت جس پستی ونشیب کی طرف جارہی تھی اس کے آخری نقطہ کی طرف پہنچ گئی' روئے زمین پر اس وقت کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے اور ہلاکت کے غار میں اس کو گرنے سے روک سکے۔ نشیب کی طرف جاتے ہوئے روز بروز اس کی رفتار میں تیزی پیدا ہورہی تھی۔ انسان اس صدی میں خدا فراموش ہوکر کامل طور پر خود فراموش بن چکا تھا وہ اپنے انجام سے بالکل بے فکر اور بے خبر اور برے بھلے کی تمیز سے قطعاً محروم ہو چکا تھا۔ پیغمبروں کی دعوت کی آواز عرصہ ہوا دب چکی تھی' جن چراغوں کو یہ حضرات روشن کر گئے تھے وہ ہواؤں کے طوفان میں یا تو بجھ چکے تھے یا اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اس طرح ٹمٹما رہے تھے جن سے صرف چند خدا شناس دل روشن تھے' جو پورے پورے گھروں میں بھی اجالا نہیں کرسکتے تھے۔ دیندار سے دیندار اشخاص بھی دین کی امانت کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے زندگی کے میدان میں کنارہ کش ہوکر دیر وکلیسا اور صحراؤں کی تنہائیوں میں پناہ گزیں ہوگئے تھے اور زندگی کی کشمکش' اس کے مطالبات اور اس کی خشک وتلخ حقیقتوں سے دامن بچا کر دین و

Marfat.com

سیاست اور روحانیت و مادیت کے معرکہ میں شکست کھا کر اپنے فرائض قیادت سے سبکدوش ہوگئے تھے اور جو زندگی کے اس طوفان میں باقی رہ گئے تھے انھوں نے بادشاہوں اور اہل دنیا سے سازباز کرلی تھی اور ان کی ناجائز خواہشات اور ظالمانہ سلطنت و معیشت میں ان کے دست راست اور باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے اور ان کی قوت و دولت سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں ان کے شریک و سہیم بن گئے تھے۔

ہوس اور لذت کی حرص اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان کو کسی طرح سیری نہیں ہوتی تھی۔ متوسط طبقہ کے لوگ اس اعلیٰ طبقہ کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتے تھے اور ان کی نقالی کو سب سے بڑا فخر سمجھتے تھے' باقی رہے عوام تو وہ زندگی کے بوجھ اور حکومت کے مطالبات اور محصولات کے بارے میں ایسے دبے ہوئے اور غلامی اور قانون کی زنجیروں اور بیڑیوں میں ایسے جکڑے ہوئے تھے کہ ان کی زندگی جانوروں اور چوپایوں سے ذرا مختلف نہ تھی' دوسروں کی راحت کے لیے محنت کرنے اور دوسروں کی عیش و عشرت کے لیے بے زبان جانوروں کی طرح ہر وقت جتے رہنے اور جانوروں کی طرح اپنا پیٹ بھر لینے کے سوا ان کا کوئی حصہ نہ تھا' کبھی اگر وہ اس خشک و بے مزا زندگی اور اس کے یکساں چکر سے اکتا جاتے تو نشہ آور چیزوں اور سستی تفریحات سے اپنا دل بہلا لیتے اور اگر کبھی زندگی کے اس عذاب سے ان کو سانس لینے کا موقع ملتا تو فاقہ زدہ اور ندیدہ انسان کی طرح مذہب و اخلاق کی پابندیوں سے آزاد ہوکر حیوانی لذتوں پر آنکھیں بند کرکے گرتے۔ دنیا کے مختلف حصوں اور ملکوں میں ایسی دینی غفلت و خودفراموشی' اجتماعی بے نظمی و انتشار اور اخلاقی تنزل و زوال رونما تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ ممالک تنزل و انحطاط اور شر و فساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا کہ ان میں سے کون سا ملک دوسرے سے بڑھا ہوا ہے۔ چنانچہ ایک انگریز سیرت نگار آر۔ وی سی بوڈلے اپنی کتاب ''پیغامبر'' (The Messenger) میں قبل از اسلام دنیا کے مختلف ممالک اور اقوام کا نہایت عالمانہ جائزہ لیتا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''قدیم روایات کے باوجود چھٹی صدی عیسوی کی اس دنیا میں عربوں کو کوئی اہمیت نہ تھی۔ یہ ایک نزع کا دور تھا جب کہ مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کی عظیم سلطنتیں اول تو تباہ ہوچکی تھیں یا اپنے شاہی دور کے اختتام پر تھیں۔ یہ ایک ایسی دنیا تھی جو اب بھی یونان کی فصاحت' ایران کی عظمت اور روما کی شوکت و جلال سے متحیر تھی اور کوئی ایسی شے یا کوئی ایک

Marfat.com

مذہب بھی ایسا نہ تھا جو ان میں سے کسی کی جگہ لیتا۔"

یہودی تمام دنیا میں مارے مارے پھر رہے تھے ان کو کوئی مرکزی رہنمائی حاصل نہ تھی۔ حالات کے مطابق یا تو ان کو محض برداشت کیا جاتا یا اذیتیں دی جاتیں' کوئی ملک ان کا اپنا ذاتی نہ تھا اور ان کا مستقبل اسی قدر غیر یقینی تھا جس طرح کہ آج ہے۔

مشرق بعید میں حالات کوئی نمایاں اثرات نہیں چھوڑ رہے تھے' ہندوستان اب بھی چھوٹی چھوٹی غیر اہم ریاستوں پر مشتمل تھا جو سیاسی اور حربی حیثیت سے ایک دوسرے پر فوقیت کے لیے جدوجہد میں مصروف تھیں۔

چینی ہمیشہ کی طرح آپس میں نبرد آزما تھے۔ خاندان سوئی آیا اور گیا اور اس کی جگہ ٹینگ نے لے لی جو تین صدیوں تک حکمران رہا۔

جاپان میں پہلی مرتبہ ایک عورت تخت نشین ہوئی۔ بدھ مت جڑ پکڑنے لگا تھا اور جاپانی تصورات اور مقاصد پر اثر انداز ہونے لگا تھا۔ الغرض بقول قرآن حکیم **ظھر الفساد فی البر والبحر** یعنی بر و بحر میں فساد اور انتشار پیدا ہو گیا تھا۔

قبل از اسلام عربوں کے عقائد اور روایات:

کسی ملک کی آب و ہوا کا اس ملک کے باشندوں کے اخلاق اور ان کے معاشی واجتماعی نظام پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔ ان کے طبائع اور عادات اسی آب و ہوا کے مطابق نشوونما پاتے ہیں۔ عرب ایک جزیرہ نما تھا۔ جہاں کی زمین خشک اور بنجر ہے۔ بارش کی قلت اور مصنوعی ذرائع آبپاشی کے فقدان کی وجہ سے زمین زراعت کے قابل نہیں۔ شہری زندگی مفقود ہے۔ فطری تقاضوں کے مطابق وہاں کے باشندے دیہاتی خانہ بدوش زندگی گزارتے ہیں۔ جانوروں کو چرانے کی خاطر سبزہ زاروں اور بارانی علاقوں کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں۔ قریش اور قحطانی عرب اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ شہری زندگی گزارتے تھے اور خانہ بدوش نہ تھے۔ قریش کو اس لیے کہ وہ خانہ کعبہ کے متولی اور کلید بردار تھے اور انھیں مقدس و بزرگ سمجھا جاتا تھا۔ یمن و شام کے تجارتی سفروں میں انھیں کوئی خوف نہ تھا۔ قحطانیوں کا علاقہ (یمن) سرسبز و شاداب تھا جہاں غذا اور پھلوں کی فراوانی بھی۔ چنانچہ جب کبھی بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط پڑتا تو وہ آپس میں ہی ایک دوسرے پر حملہ کر کے مال وغیرہ لوٹ لیتے جس

Marfat.com

کے باعث ان کی طبیعتوں میں بگاڑ پیدا ہوگیا تھا۔ آپس میں دشمنی، مسلسل جنگ، دائمی شورش و ہنگامہ ان کی زندگی کا لائحہ عمل تھا۔ جنگ اور قحط ہی ان کے زندگی کے دو بڑے محرک تھے۔ اولاد نرینہ انھیں زیادہ مرغوب تھی۔ ان کے بعض قبائل فقر و فاقہ کے خوف سے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ قبیلے میں مردوں کی کثرت تعداد ان کے لیے باعثِ فخر تھی۔ رشتہ داریوں کے زیادہ پھیلنے کو وہ عزت و غلبہ کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ سفر اور خانہ بدوشی کی زندگی سے محبت، نیز جنگ و جدل کی مصروفیت سے وہ آزاد اور بے قید زندگی کے عادی ہوگئے تھے۔ عصمت و وحشت کا ان پر غلبہ تھا۔ ان کا کوئی اپنا اجتماعی تمدن نہ تھا نہ سیاسی حکومت تھی، نہ فوجی نظام، نہ ہی دینی عقائد پر مبنی کوئی فلسفہ اور کوئی وسیع سماجی تصور ان کے پاس تھا۔ ہر گھر اور ہر قبیلہ جدا جدا ایک سماج بنا ہوا تھا۔ قبائل کے سرداروں کو وراثتاً حکومت ملتی جسے وہ اپنے بزرگوں کے مروجہ دستور کے مطابق چلاتے۔ ان کا طرز حکومت یونانیوں کی خاندانی حکومت کی طرح نہ تھا۔ نہ ایران و مصر کی طرح ان کے ہاں بادشاہی تھی۔ حیرہ اور شام میں عرب تاجدار تھے لیکن وہ خود مختار نہ تھے۔ حیرہ کا لخمی خاندان کسریٰ کا اور شام میں غسانی قیصر کے مطیع تھے۔

یہی وجہ ہے کہ تمدن و شہرت، رائے عامہ، امراء کی حکومت، جمہوریت اور جاگیرداری کے مطالب کے اظہار کے لیے ان کے اور دوسری سامی اقوام کے پاس الفاظ نہیں ملتے، فوجی نظام تو اسلام کے بعد تک بھی مکمل شکل میں قائم نہ ہوسکا تھا۔ اس لیے کہ ماتحتی میں رہنے اور اپنی انفرادی شخصیت سے دست بردار ہوجانے پر ہی فوجی تنظیم کا دارومدار ہے۔ یہی وہ عادتیں ہیں جو آج اس دور کے عربوں کی طبیعت اور ذہنیت کے بالکل برعکس تھیں۔ وہ مذہبی لحاظ سے بالکل سادہ، بے تکلف اور زہد و تقشف کے حامی تھے۔ چنانچہ عربوں میں کئی خداؤں کا تصور بالکل نہ تھا۔ عالیشان عبادت گاہیں بھی ان کے ہاں بالکل نہ تھیں۔ عقائد کا کوئی فلسفہ نہ تھا۔ جہالت کی کارفرمائی تھی اور خانہ بدوشی، بے سروسامانی اور پھر طویل مدت گزرنے کی وجہ سے ان کے پاس جو دین ابراہیمی کا بقیہ رہ گیا تھا وہ بھی بگڑ چکا تھا۔ اسی کا اثر تھا کہ وہ بتوں کی پوجا اور ان کی عزت کیا کرتے تھے۔ کعبہ میں بت رکھے رہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان بتوں کے توسل سے وہ خدا کا قرب حاصل کرلیں گے۔ عربوں کی بڑی تعداد اس قسم کی بت پرستی کو بطور مذہب اختیار کیے ہوئے تھی۔ غسانی اور طے قبیلہ کے کچھ لوگ شام میں اور نجران و حیرہ کے کچھ لوگ عیسائی مذہب کے پیرو تھے۔

Marfat.com

خاندان ماں' باپ' اولاد' پوتے اور غلاموں پر مشتمل تھا۔ باپ کو اپنے گھر والوں پر کل اختیار تھا حتیٰ کہ ان میں سے کسی کو مارنا یا باقی رکھنا بھی اس کی مرضی پر منحصر تھا۔ ان سے وہ جس کو چاہے بیچ سکتا تھا اور جسے چاہے عاق کر سکتا تھا۔ کبھی مفلسی کے اندیشے سے وہ اپنی بیٹی کو زندہ گاڑ دیتے تھے' شوہر کے بعد خاندان میں بیوی کا دوسرا درجہ تھا۔ شوہر اس کا احترام ملحوظ خاطر رکھتا۔ اسے اپنا شریک کار بناتا اور اظہار محبت کے لیے شعروں میں اسی کا نام گاتا تھا۔ ان کے ہاں شادی کی رسم میاں بیوی کے باہمی خوشگوار تعلقات اور محبت کی بنا پر انجام پاتی تھی۔ اگر نکاح کے وقت کوئی شرط نہ طے کی ہوتی تو طلاق کا تمام تر حق شوہر کو حاصل ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ شادی کے دوسرے طریقے بھی تھے جو بدکاری اور بدمعاشی سے زیادہ مشابہ تھے۔ جاہلی عرب ایک ساتھ کئی شادیاں کر لیتے اور اس سلسلہ میں ان کے ہاں کوئی حد مقرر نہ تھی۔ باپ کی بیوی سے شادی کرنا ان کے ہاں جائز تھا۔ خالہ' پھوپھی' بیٹی اور بہن سے شادی کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔

اس دور کے عربوں کے عقلی اور علمی مقام کا اندازہ یمن' حیرہ اور شامی بادشاہوں کے کارناموں سے ہو سکتا ہے۔ انھوں نے عالیشان بند باندھے۔ بنجر زمینوں کو کاشت کے قابل بنا دیا۔ ویرانوں کو آباد کیا اور شہروں وغیرہ کو بسایا۔

عدنانی عرب (جو حجاز میں آباد تھے اور قریش بھی عدنان سے ہی ہیں) پھر مسلسل برسر پیکار رہنے کی وجہ سے طب' بیطاری اور شہسواری میں ماہر تھے۔ بارش اور گھاس پر دارومدار ہونے کی وجہ سے وہ ان تاروں کو پہچاننے لگے تھے جن سے بارش کی اطلاع ملتی ہے۔ ہواؤں کے چلنے کا رخ انھیں معلوم ہو گیا تھا' بری و بحری سفروں میں وہ تاروں سے ہی راہنمائی حاصل کرتے۔ انھوں نے اپنی نسلوں کی بقا اور قومی تعصب کو برقرار رکھنے کے لیے علم نسب' بیان کرنے کے لیے قصہ گوئی اور اپنے کارناموں کو دوام بخشنے کے لیے شاعری میں کمال پیدا کر لیا تھا۔

فراست اور قیافہ شناسی کے وہ ماہر تھے تا کہ اپنی نسل میں بیگانوں کا دخل نہ ہو سکے اور بھاگنے والے مجرموں کو ان کے نقش قدم سے تلاش کر لیں۔ روحانی میدان نے انھیں کہانت' عرافت اور زجر پر ایمان لانے کی ترغیب دی۔ کہانت سے مراد غیب کی باتوں کا پتہ چلانے اور عرافت گزرے ہوئے نیز آنے والے واقعات کے پتہ چلانے کو کہتے تھے۔ عربوں کا خیال تھا

Marfat.com

کہ جنات کاہنوں اور عرافوں کے تابع ہیں جو پوشیدہ طور پر عالم غیب سے حالات سن کر انھیں مطلع کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ ان پر بڑا ایمان رکھتے اور اہم معاملات میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ پیچیدہ معاملات میں ان سے مشورہ لیتے' جھگڑے ان سے فیصل کراتے' بیماریوں میں ان سے علاج کرواتے اور خوابوں کی تعبیر ان سے پوچھتے۔ ''زجر'' جانوروں کی آواز اور ان کی حرکت و ہیئت سے آئندہ پیش آنے والے واقعات کا اندازہ لگانے کو کہتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی پرندے کو پتھر مار کر یا شور مچا کر اڑاتا اور وہ پرندہ اس کے دائیں سمت سے اڑتا چلا جاتا تو اسے وہ نیک فال سمجھتے۔ لیکن اگر بائیں جانب سے ہو کر اڑتا تو اسے وہ بدشگونی تصور کرتے اور منحوس خیال کرتے۔

جاہل عرب فال کے بہت قائل تھے کوے کو بہت منحوس اور موجب فراق سمجھتے تھے۔ الو کو بھی منحوس سمجھتے اور اس کے بولنے کو موت اور ویرانی کا موجب جانتے تھے۔ چھینک سے بری فال لیتے۔ بعض لوگ جادوگری کا پیشہ بھی کرتے اور شیطان کو اپنا دوست بنانے کے لیے بڑی بڑی ریاضتیں کرتے۔

ظہور اسلام کے وقت خانہ کعبہ اگرچہ عرب کا دینی مرکز تھا لیکن اہل عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیغام توحید کو بھول چکے تھے۔ شرک و بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ خانہ کعبہ بتوں سے بھرا پڑا تھا۔ ان کی پوجا ہوتی انھیں خدا کا مقام حاصل تھا۔ ہر قبیلہ اپنا جدا بت رکھتا تھا۔ بتوں میں بعض بت مردوں کی صورت رکھتے تھے اور بعض عورتوں کی۔ عرب میں خانہ کعبہ کی طرح بت پرستی کے اور بھی کئی مرکز تھے جہاں بتوں کی باقاعدہ پوجا کی جاتی۔ چڑھاوے چڑھائے جاتے اور نذر و نیاز دی جاتی۔ ان اونٹوں کے گلے میں جوتا باندھ کر لٹکا دیتے اور ان کے کوہان زخمی کر دیتے جو اس بات کی علامت تھی کہ یہ قربانی کا اونٹ ہے پھر کوئی شخص اس سے تعرض نہ کرتا۔

عرب جاہلیت میں ستارہ پرستی بھی خوب رائج تھی۔ قبیلہ حمیر سورج کو' کنانہ چاند کو' جدام مشتری کو اور اسد عطارد کی پوجا کرتے تھے۔ اکثر قبیلوں کے بتوں کے نام ستاروں' کے نام پر تھے۔ عرب کے ستارہ پرستوں میں چاند کے پرستار سب سے زیادہ تھے اور چاند سب سے زیادہ محبوب معبود سمجھا جاتا تھا۔

ہبل عرب کا سب سے بڑا دیوتا تھا اور اس کا بت خانہ کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔ یہ

Marfat.com

بت جنگ میں کامیابی اور فتح کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا اور جاہل عرب جنگ میں اسی کا نعرہ بلند کرتے۔

عرب میں ہر قسم کے دین موجود تھے۔ جن میں نصرانیت اور یہودیت جیسے الہامی مذاہب بھی شامل تھے مگر ان کی اصلی صورت کچھ اس طرح مسخ ہو چکی تھی کہ کفر و شرک اور اصلی دین میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا تھا۔ توحید کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ نصرانیت تثلیث کے جھگڑوں میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ یہودیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بتائے ہوئے رستے سے بھٹک کر اوہام پرستی کے گورکھ دھندوں میں پھنس چکی تھی۔ یہی نہیں بلکہ دنیا کا ہر ملک عربوں سے بھی گیا گزرا تھا اور تمام دنیا ضلالت و گمراہی کے عمیق اندھیرے میں بھٹک رہی تھی۔ آخر اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی اس پستی اور زبوں حالی پر رحم آیا اور اس نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اپنے ایک برگزیدہ بندے کو بھیجا۔ رشد و ہدایت کا یہ آفتاب عالم تاب سرزمین عرب کے ایک شہر مکہ میں طلوع ہوا اور اپنی ضیاباریوں سے تمام اقصائے عالم کو منور کر دیا۔ خدا کا یہ برگزیدہ انسان انسانیت کے لیے جو نیا الہامی مذہب لے کر نمودار ہوا اس کا نام ''اسلام'' ہے۔

پیغمبر اسلام:

سیّدنا حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم مکہ میں قبیلہ قریش میں ۹ یا ۱۲ ربیع الاول' عام الفیل مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں بوقت صبح یتیمی اور ناداری کے عالم میں پیدا ہوئے۔ ابھی آپ چھ برس کے بھی نہ تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے داعی اجل کو لبیک کہا جس کے بعد آپ کے دادا نے نہایت پیار و محبت کے ساتھ آپ کی پرورش کی اور اپنی وفات سے قبل انھوں نے آپ کی تربیت و نگرانی آپ کے چچا ابوطالب کے ذمہ کر دی۔ چنانچہ انھوں نے تنگ دستی اور کثرت عیال کے باوجود آپ کی پرورش اپنے ذمہ لے لی۔ اگر طبعی حالات کے مطابق آپ پرورش پاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یتیمانہ اخلاق اور جاہلانہ عادات اپنا کر جوان ہوتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی تہذیب و تربیت کا انتظام فرمایا اور عقل رسا' حسن اخلاق' نازک طبع' پروقار شرم و حیا' متانت و بردباری' صبر و استقلال' اعتماد اور ذمہ داری' قوی دل' صدق و سچائی اور جمعیت خاطر بخش کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی تکمیل فرمائی۔

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بت پرستی کی نجاستوں سے پاک رکھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی شراب پی' نہ بتوں پر چڑھائے ہوئے جانوروں کا گوشت کھایا اور نہ اس دور کے میلوں اور جلسوں میں شرکت کی۔ بچپن میں ہی آپ کی طبع بلند کو کسبِ معاش کے لیے حیلہ و تدبیر کا شوق پیدا ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قومی رواج کے مطابق نہایت ہوشیاری اور مستعدی سے تجارت میں حصہ لینا شروع کیا۔ لوگوں میں آپ کی ہوشیاری راست بازی اور دیانت داری کا چرچہ عام ہونے لگا۔ اس وقت خدیجہ بنت خویلد نے جو قریش کی مالدار اور باعزت خاتون تھیں۔ آپ کو اپنے مال کی تجارت کے لیے دعوت دی۔ آپ نے ان کے خادم ''میسرہ'' کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ یہ سفر بہت کامیاب رہا اور اس تجارت میں بڑا نفع ہوا۔ جب آپ مکہ واپس ہوئے تو یہ نیک بی بی اس گرانقدر منافع اور کامیاب تاجر کی امانت داری دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور آپ سے شادی کرنا چاہی۔ اس وقت وہ چالیس سال کی تھیں اور آپ پچیس برس کے تھے۔ آپ نے بھی اس رشتہ کو پسند فرمایا۔ حضرت خدیجہ کی گرانقدر خدمات کے باعث اسلام کی ترقی میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ پھر آنحضرتؐ اپنے اہل و عیال کے لیے روزی کمانے کے لیے متفرق منڈیوں میں تجارت کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے ساز و سامان اور زندگی کے آرام و آرائش سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس لیے آپ کو نہ تو دولت جمع کرنے کی ہوس ہوئی اور نہ کسی بلند منصب پر پہنچنے کی تمنا۔ آپ دنیا کے مشاغل سے فارغ ہو کر تخلیہ میں لمبی لمبی راتیں غارِ حرا میں بیٹھ کر عبادت اور غور و فکر میں گزار دیتے۔ اپنی پاکیزہ اور لطیف روح کو عالمِ بالا کی طرف متوجہ کرتے حتیٰ کہ اسی غار میں چالیس برس کی عمر ہونے پر آپ کو بذریعہ وحی رسالت و معجزہ بخشا گیا۔ آپ گھبراتے ہوئے اپنی بیوی کے پاس تشریف لائے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور کہا ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں خدیجہ کی جان ہے' خدا آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں' راست گفتار و امانت دار ہیں' کمزوروں کا بوجھ اٹھا لیتے ہیں' مہمان نواز ہیں' مصیبتوں میں دوسروں کے کام آتے ہیں'' اس کے بعد ایک مدت تک وحی کا سلسلہ بند ہو گیا پھر روح الامین خدا کے پاس سے یہ آیات لے کر آپ کے دل پر نازل ہوئے **یایھاالمدثر. قم فانذر. وربك فکبر**۔ چنانچہ آپؐ رسالت و تبلیغ کے بارگراں کو اٹھا کر تین برس تک خفیہ طریقے سے تبلیغِ دین فرماتے رہے۔ پھر آپ کو برملا دعوت حق دینے کا حکم ملا۔ چنانچہ آپ نے علی الاعلان قریش کو

Marfat.com

دعوت دین پہنچائی۔ ان کے افکار وخیالات پر تنقید کی۔ ان کے بتوں پر نکتہ چینی کی جس کا جواب کفار نے کھلی دشمنی سے دیا مکروفریب اور سازشوں کے جال بچھائے اور اس تاک میں رہے کہ زمانہ کی گردشیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کرڈالیں۔ مگر آپ ان کی تمام سازشوں کا مقابلہ صبر و استقلال' حوصلہ مندی اور ایمان سے کرتے رہے۔ آپ کی پشت پناہی میں آپ کے چچا ابوطالب تھے جو آپ کی مدافعت وحمایت کرتے رہے۔ آپ کی نیک بیوی حضرت خدیجہ تھیں جو آپ کو تسلی دیتیں۔ حتیٰ کہ ان سخت پریشان حالیوں کا مقابلہ کرتے کرتے دس سال گزر گئے۔ نبوت کے دسویں سال آپ کے مشفق چچا اور آپ کی غم گسار بیوی یکے بعد دیگرے دو روز کے وقفے سے داغِ مفارقت دے گئے۔ جس کا آپ کو بڑا دکھ ہوا۔ ان دونوں کی وفات کے بعد مکہ میں آپ کا رہنا دوبھر ہوگیا۔ چنانچہ آپ نے مکہ چھوڑ کر مسلمانوں کے ساتھ مدینہ جانے کا ارادہ کرلیا۔ جہاں اوس وخزرج کے کچھ لوگ مسلمان ہوچکے تھے۔ جب مشرکوں کو آپ کے اس ارادہ کا علم ہوا تو انھوں نے مل کر آپ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ لیکن اسی رات جب وہ آپ کو قتل کرنے کی نیت سے اکٹھے ہوئے آپ اپنے دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سے نکل گئے۔ ان کی حفاظت ونگہبانی خدا کررہا تھا۔ ربیع الاول جمعہ کے دن اپنی عمر کے ترپین سال گزرنے پر ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء کو آپ دونوں مدینہ پہنچے اور یہ مبارک ہجرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بول بالا ہونے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے پھیلنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کی تکمیل کا آغاز بن گئی۔ آپ لگاتار مشرکین سے جہاد کرتے رہے اور قرآن مجید کے احکامات کے مطابق مقابلہ ومباحثہ اور تلوار سے جنگ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ جہالت کا دور ختم ہوگیا۔ شرک کی بدلیاں چھٹ گئیں اور دنیا میں توحید کا بول بالا ہوگیا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی وہ آیت نازل ہوئی جس کے ذریعہ دین کی تکمیل ہوگئی۔ اس آیت کریمہ کے نزول کو ابھی تین ماہ بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ بخار میں مبتلا ہوئے اور پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۸ جون ۶۳۲ء رفیق اعلیٰ سے جاملے۔

داعی اسلام حضرت محمد رسول اللہ نے اپنی زندگی کے چالیسویں سال سنہ ہجری سے تیرہ سال قبل ۶۱۰ء کے قریب انقلاب اسلام کا پہلا درس دنیا کو دیا تھا اور اس کے بعد سے آپ کی زندگی کے پورے ۲۳ سال اسی پیغام کی تبلیغ واشاعت میں صرف ہوئے ۲۳ برس کی مدت میں روئے زمین کا وہ دس لاکھ مربع میل رقبہ جو جزیرہ نمائے عرب کے نام سے موسوم ہے اسلام

Marfat.com

کے بتائے ہوئے نظام زندگی پر عامل ہو چکا تھا۔ یعنی فلسطین سے لے کر یمن اور حضر موت تک اور حجاز سے لے کر عمان و کویت تک انسانوں کا جم غفیر بستا تھا وہ سب آپ کی حیات میں ہی زندگی کا پرانا چولا بدل چکا تھا۔ چنانچہ مشہور روسی دانشور ٹالسٹائی رقم طراز ہے:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان مصلحین میں سے ہیں جنھوں نے ہیئت اجتماعیہ کی شاندار خدمات انجام دی ہیں وہ سب سے بڑے اور عظیم ترین مصلح تھے۔ ان کا یہ کارنامہ انتہائی فخر کے قابل ہے کہ انھوں نے دنیا کی جاہل ترین قوم کو نور ہدایت سے منور کر کے صلح و آشتی کا ملجا و ماویٰ بنا دیا۔''

(ادب العرب از ڈاکٹر زبیر احمد ص ۲۲۶)

مقبولیت کے اسباب:

اسلام جس تیزی اور تیز رفتاری کے ساتھ پھیلا دنیا کا کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ملکی اور مقامی مذاہب کا ذکر ہی کیا تمام عالمی مذاہب (ماسوئ اسلام کے) صدیوں تک نہایت گمناہی کی حالت میں رہے۔ یہی معاملہ یہودیت کے ساتھ پیش آیا۔ بدھ مت بھی اپنے بانی کے زمانے میں آس پاس کی چند چھوٹی ریاستوں سے باہر قدم نہ رکھ سکا تھا۔ البتہ صدیوں بعد راجاؤں اور فرمانرواؤں کی سرپرستی میں پروان چڑھا۔ حضرت عیسیٰ کے صدیوں بعد عیسائیت بھی تاج و تخت کے سایہ میں اشاعت پذیر ہوئی۔ لیکن اسلام اپنے آغاز سے تیئس سال کے اندر اندر جزیرہ نما عرب کے گوشہ گوشہ میں پھیل گیا' یہی نہیں بلکہ اگلے پچیس سال میں کسریٰ کے مقبوضات اور قیصر کا بہت بڑا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا۔ ایشیا اور افریقہ میں بھی اسلام بہت مقبول ہوا' یہاں ہمیں دیکھنا ہے کہ اس غیر معمولی مقبولیت کے اسباب کیا ہیں' عیسائی مبلغین اس کی تمام تر وجہ قوت کا استعمال بتاتے ہیں لیکن تاریخ سے گہری دلچسپی رکھنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ کوئی تحریک آج تک قوت کے بل بوتے پر کامیاب نہ ہو سکی۔ تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں کہ عمدہ سے عمدہ تحریکیں صرف تشدد کے باعث ناکام ہو گئیں۔ پھر اسلام کی اشاعت کا سبب تلوار کو قرار دینا حقائق سے دیدہ و دانستہ چشم پوشی کرنے کے مترادف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی مقبولیت کا سب سے اہم سبب اس کی تعلیمات کی گہرائی ہے۔ جس میں انسانی زندگی کے ہر ہر شعبہ کی اصلاح پر زور دیا گیا ہے۔ جس کی

Marfat.com

ہدایات نہ صرف اگلی دنیا میں چین وآرام کی راہیں کھلتی ہیں بلکہ اس دنیاوی زندگی میں بھی امن واطمینان کی زندگی بسر کرنے کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ اسلام کی ان ہمہ گیر اور قابل عمل تعلیمات کا نتیجہ ہے کہ ہر خطہ اور ہر ملک کے باشندوں نے اسے قبول کیا اور اس کے ذریعے وہ ترقی کے اعلیٰ ترین مدارج پہ فائز ہو گئے۔

اسلامی تعلیمات میں جس چیز نے سب سے زیادہ لوگوں کو لبھایا وہ اس کی مساوات کی تعلیم ہے جس کے ذریعے صدیوں کے درماندہ لوگوں کو نئی زندگی مل گئی۔ وہ مظلوم طبقہ جو نامعلوم کب سے مٹھی بھر لوگوں کے پنجۂ جور میں بری طرح جکڑا ہوا تھا' اس نے اسلام کے دامن میں آکر پناہ لی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عہد میں اکثریت اور بہت بڑی اکثریت ایسے لوگوں کی رہی ہے جو غریب طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر اسلام نے جہانبانی کے جو اصول سکھلائے ہیں اور جس طرز حکومت سے بنی نوع انسان کو روشناس کرایا ہے' لوگ اس کے گرویدہ ہو کر بہ کثرت حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔

اسلام کی مقبولیت کا ایک اور اہم سبب یہ بھی ہے کہ اسلام نے وحدت ادیان کا اصول پیش کیا ہے۔ اس کی رو سے تمام مذاہب جن کی بنیاد توحید پر ہے سب کے سب سچے ہیں اور ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیوں کی حیثیت رکھتے ہیں جو وقت اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق اللہ کی طرف سے انسان کی اصلاح کی خاطر وقتاً فوقتاً آتے رہے۔ اس تصورِ وحدت ادیان کے ساتھ اسلام نے سچائی اور نجات کی اجارہ داری کا بھی بالکل خاتمہ کر کے رکھ دیا ہے۔ مذاہب عالم میں اکثریت ایسے مذاہب کی ہے جنھوں نے نجات کو کسی خاص فرقہ یا گروہ کے لوگوں تک محدود کر دیا ہے۔ لیکن اسلام میں نجات کا دروازہ ہر ایک شخص کے لیے کھلا ہوا ہے جو خود کو خالق کائنات کے سپرد کر دے اور نیک عملی کو اپنا شعار بنا لے۔ اس طرح انسان پہلی بار اس حقیقت سے روشناس ہوا کہ کسی خاص نسل یا قوم میں پیدا ہونا نجات کی ضمانت نہیں ہے بلکہ رنگ و نسل سے ہٹ کر تقویٰ' تزکیہ نفس اور حسنِ سیرت ہی دنیا میں فلاح اور آخرت میں نجات کا باعث ہے۔

پیغمبر اسلام کے بعد:

آپ کی وفات کے بعد خلافت راشدہ کا دور آیا جو کم وبیش ۲۹ برس رہا۔ ان خلفاء کا

Marfat.com

عہد حقیقی جمہوریت کا عہد تھا۔ ہر طرف بغاوت کے آثار تھے۔ ایک طرف جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے تو دوسری طرف وہ لوگ جنھوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا تھا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بصیرت و فراست نے ان سب پر غلبہ پالیا۔ قرآن کی تدوین کا خیال بھی اسی دور میں پیدا ہوا۔ خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد اسلامی فتوحات کا دور تھا۔ ان کے دور میں اسلام عرب سے نکل کر عراق' ایران' شام' مصر اور شمالی افریقہ تک پھیل گیا۔ خلیفہ سوم' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ پر فتن دور ہے۔ ان دونوں خلفاء کے زمانے میں اسلام دشمن عناصر پھر میدان عمل میں آ گئے اور انھوں نے اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

خلفائے راشدین کے بعد مسلمانوں میں ملوکیت کا آغاز ہوا اور اس کے سب سے پہلے علم بردار حضرت امیر معاویہؓ تھے جنھوں نے اموی خاندان میں حکومت کی بنیادوں کو استوار کیا۔ اموی عہد میں اسلامی فتوحات کا دائرہ اور وسیع ہوا۔ اسلامی مملکت کی حدود' ہندوستان اور سپین تک وسیع ہوگئیں۔ لیکن اسلام کی وہ انقلابی روح جس کا پیغام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے بہت حد تک مردہ ہوگئی۔ یہ زمانہ تقریباً اسی ۸۰ سال پر محیط ہے۔

امویوں کے بعد عباسی آئے جنھوں نے فتوحات پر دنیاوی ثقافت کو ترجیح دی' ان کا عہد علوم وفنون کا عہد تھا جس سے مسلمانوں میں فرقہ بندی کا ظہور ہوا۔ عباسی حکومت اگرچہ پانچ سو برس تک قائم رہی لیکن اس کا انحطاط دوسو برس بعد ہی شروع ہوگیا تھا۔ آخری تین سو برس میں متعدد چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتیں وجود میں آ گئیں۔ جن میں سلاجقہ' غزنوی اور ایوبی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عباسیوں کے بعد سب سے بڑی اسلامی حکومت جو تقریباً سات صدیوں تک قائم رہی عثمانیوں کی تھی جن کی فتوحات' یورپ کے اکثر ممالک پر محیط تھیں۔ عثمانی حکمران بھی اپنے آپ کو خلفاء کہلواتے تھے۔ انقلاب ترکی کے بعد اس خلافت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

اٹھارویں اور انیسویں صدی مسلمانوں کی غلامی اور نکبت و ادبار کا دور ہے جس پر یورپی طاقتوں نے مسلمانوں کو اپنا محکوم بنالیا اگرچہ ان کی حکومتیں بتدریج ان کی غلامی سے نکلتی جارہی ہیں۔ لیکن بین الاقوامی سیاست کے زیر اثر اب بھی وہ کسی نہ کسی یورپی طاقت کے زیر اثر ضرور ہیں۔

Marfat.com

مقدس دینی کتاب قرآنِ حکیم

مفہوم:

قرآن کا لفظ ''قرات'' سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں ''پڑھنا' تلاوت کرنا۔ قرآن مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں بکثرت پڑھی جانے والی کتاب۔ اس کتاب الٰہی کا یہ نام ''قرآن'' کسی انسان کا رکھا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ نام خود خداوند تعالیٰ نے رکھا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا (۲۳:۷۶)

بے شک ہم نے تجھ پر قرآن کریم آہستہ آہستہ نازل کیا۔

اس کتاب کو قرآن کریم کا نام دینے میں دراصل ایک زبردست پیش گوئی مضمر ہے یعنی یہ کتاب اس کثرت سے دنیا میں پڑھی جائے گی کوئی دوسری کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔

چودہ سو سال سے زائد کا طویل عرصہ اس امر کا شاہد ہے کہ یہ پیش گوئی نہایت تسلسل اور تواتر سے پوری ہو کر قرآن مجید کی صداقت پر ایک زبردست شہادت ثابت ہوئی اور قیامت تک ثابت ہوتی رہے گی۔ چنانچہ دشمنوں اور مخالفوں کو بھی مجبور ہو کر تسلیم کرنا پڑا:

''حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھر میں صرف قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے'' (انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا نولڈیکے کا مقالہ قرآن)

یہی وہ کتاب ہے جسے کروڑوں افراد دن میں کم سے کم پانچ مرتبہ ضرور پڑھتے ہیں۔ جو بڑی عمر کے لوگوں کے علاوہ نوعمر بچوں کے سینوں میں محفوظ ہے اور رمضان المبارک میں پوری کتاب صحت لفظی اور حسنِ قرأت کے ساتھ سناتے ہیں۔

Marfat.com

نزول قرآن:

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسے اس نے اپنے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا۔ جب اس کا نزول شروع ہوا تو اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کا اکتالیسواں سال تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے وحی غیر غار حرا میں نازل ہوئی۔ وہ سورہ العلق کی آیات ہیں:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ

(سورہ العلق: ا تا ۵)

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کریم کا نام لے کر پڑھو۔ جس نے (کائنات) کو پیدا کیا' جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھو اور تمھارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے سکھلایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا علم اس کو نہ تھا۔

جبکہ آخری وحی کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے۔

''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری حج ادا فرمایا تو آیت کلالہ نازل ہوئی۔

یَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ۔ (نساء ۱۷۶)

(اے پیغمبر) لوگ تم سے کلالہ کے بارے میں حکم (خدا) دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ خدا کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے۔

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں وقوف فرمایا تو یہ آیت نال ہوئی۔

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ:۴)

آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو بحیثیت دین کے پسند کر لیا۔

اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ اتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۔ (البقرہ:۲۸۱)

Marfat.com

اور اس دن سے ڈرو جب کہ تم اللہ کے حضور لوٹ کر جاؤ گے پھر ہر شخص اپنے اعمال کا پورا بدلہ پائے گا اور کسی پر زیادتی نہ ہوگی۔

تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سورہ بقرہ کی ۲۸۰ آیت کے سرے پر رکھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد اکیاسی دن زندہ رہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب نزولی نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی دی ہوئی ہے۔ جس روز قرآن کا نزول مکمل ہوا اس روز اس کی ترتیب بھی مکمل ہوگئی گویا جو اس کا نازل کرنے والا تھا وہی اس کا مرتب کرنے والا بھی تھا۔

اسماء القرآن:

قرآن مجید اپنا تعارف لفظ ''الکتاب'' سے کراتا ہے۔ کہ وہ ضبط تحریر میں آیا ہوا کتابی شکل میں مرتب صحیفہ آسمانی ہے۔ یہ محض زبانی یادداشتوں کا مجموعہ نہیں بلکہ باضابطہ اور مستند نوشتہ اور ایک صحیفۂ مکتوب ہے۔

اس کتاب کو قرآن کریم کے علاوہ اور بہت سے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن سب سے زیادہ مشہور نام قرآن ہی ہے۔ علامہ سیوطی اور بعض دوسرے محققین نے پچپن نام ایسے شمار کیے ہیں جو اس کتاب کے لیے قرآن میں استعمال ہوئے ہیں مثلاً: المجید (ق۔۱)' حکیم (یٰسین) مبارک (انعام۱۰۰)' بشریٰ (بقرہ۹۷۵)' العظیم (حجر۸۷)' (بقرہ ۱۸۵)' الکتاب (بقرہ۲)' فرقان (فرقان۱)' ذکریٰ (اعراف۲)' ذکر (حجر۹)' تذکرہ (دھر۲۹)' رحمت (یونس۵۷)۔

تقسیم قرآن:

قرآن مجید تیس پاروں پر مشتمل ہے۔ اس میں چھوٹی بڑی کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ اس کی چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات ہیں جن کی تقسیم اس طرح ہے: آیات وعدہ ۱۰۰۰' آیات وعید۱۰۰۰' آیات امر۱۰۰۰' آیات نہی ۱۰۰۰' آیات قصص۱۰۰۰' آیات امثال ۱۰۰۰' آیات حلال وحرام۵۰۰' آیات تسبیح ۱۰۰' آیات متفرقہ ۶۶۔

کل رکوع ۵۴۰' منازل سات اور حروف کی تعداد ۳۲۳۵۶۰ ہے۔

Marfat.com

نزول کے دو دور:

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید کے نزول کے دو تاریخی مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ وہ ہے جب قرآن مجید رمضان المبارک کی ایک برکت والی شب میں (جسے قرآن نے لیلۃ القدر کہا ہے) لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر یکبارگی اکٹھا نازل کیا گیا۔ پھر دوسرے مرحلے میں تھوڑا تھوڑا کر کے جبرائیلؑ کے ذریعے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونا شروع ہوا اور یہ سلسلہ عرصہ تیئس سال تک جاری رہا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ پورا قرآن شب قدر میں آسمان دنیا پر اتارا گیا۔ اور وہ مواقع نجوم کے مطابق تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کے بعد نازل فرماتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید مختلف مناسبتوں کے پیش نظر ایک طویل مدت میں نازل ہوا۔ کبھی آیتوں کا ایک مجموعہ نازل ہوا کبھی دس آیتیں اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ صرف چند الفاظ کا اضافہ ہو پاتا۔

یہ مناسبتیں کئی طرح کی ہوتیں کبھی کچھ لوگ از خود مسائل چھیڑ لیتے اور ان کا کئی کئی دن تک چرچا رہتا۔ پھر قرآن نازل ہوتا اور فیصلہ کن رائے سے بہرہ مند کرتا۔ کبھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امتحاناً بعض سوالات پوچھے جاتے اور آپ قرآن مجید کی زبان فیض ترجمان سے جواب مرحمت فرماتے' کبھی ایسا ہوتا کہ کچھ مسائل معاشرہ میں ایسے ابھر آتے کہ ان کا جواب دینا ضروری ہو جاتا اور وحی الٰہی کے ذریعے ان مسائل کا حل پیش کر دیا جاتا۔

ان سوالات اور مناسبتوں کے علاوہ نزول قرآن کی ایک اپنی رفتار بھی تھی جس کی رعایت سے تھوڑا تھوڑا اور حسب ضرورت نازل ہوتا رہا تا آنکہ تکمیل تک پہنچا۔ چنانچہ قرآن مجید کے احکام وقوانین حالات کے مطابق درجہ بدرجہ نازل ہوئے جن میں اس بات کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا کہ اہل عرب پرانے اطوار وعادات چھوڑنے اور نئے احکام وقوانین پر عمل کرنے کے لیے کہاں تک تیار ہیں۔

قرآن کا موضوع:

قرآن مجید کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پڑھنے والوں کو اس کا موضوع معلوم ہو' اس کے مقصد و مدعا اور اس کے مرکزی مضمون کا علم ہو' اس کے انداز بیان سے واقفیت ہو کیونکہ تمام دنیا کے لٹریچر میں اپنے طرز کی یہ ایک ہی کتاب ہے۔ اس کی تصنیف دنیا

Marfat.com

کی ساری کتابوں سے بالکل مختلف انداز پر ہوئی ہے' اپنے موضوع مضمون اور ترتیب کے لحاظ سے بھی یہ ایک نرالی چیز ہے۔

۱۔ اس کا موضوع انسان ہے۔ اس اعتبار سے کہ اس کی فلاح اور اس کا خسران کس چیز پر ہے۔

۲۔ اس کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ ظاہر بینی یا قیاس آرائی یا کسی اور سبب سے انسان نے جو نظریات کائنات اور اپنے بارے میں قائم کیے ہیں وہ سب غلط اور خود انسان کے لیے تباہ کن ہیں۔

۳۔ اس کا مدعا اس صحیح رویہ کی طرف دعوت دینا اور اللہ کی اس ہدایت کو واضح طور پر پیش کرنا ہے جسے انسان اپنی غفلت سے گم اور شرارت سے مسخ کرتا رہا ہے۔

ان تین بنیادی امور کو ذہن میں رکھ کر اگر کوئی شخص قرآن کو دیکھے تو اسے صاف نظر آئے گا کہ یہ کتاب کہیں اپنے موضوع اور اپنے مدعا یا مرکزی مضمون سے ذرہ برابر بھی ہٹی نہیں ہوئی ہے۔ اس کا اسلوب تحریری نہیں بلکہ خطابت کا اسلوب ہے پھر یہ خطابت بھی ایک داعی کے خطبوں کی سی تھی' جسے دل اور دماغ' عقل اور جذبات ہر ایک سے اپیل کرنا ہوتا ہے اور ایک دعوت کے مناسب حال ہوتا ہے۔

حفاظت قرآن اور دیگر مذہبی کتب:

کتابت اور حفاظت کے ضمن میں قرآن مجید کو دیگر مذہبی کتب میں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ دیگر مذہبی کتب زمانے کی خرد برد کے ہاتھوں نہ بچ سکیں اور ناپید ہوگئیں۔ مثلاً ہندوؤں کے مقدس کتب ویدوں کا زمانہ آج تک متعین نہیں ہوسکا خود ہندو قوم اس کی عدم صحت کی بنا پر انھیں ایجاد بندہ خیال کرتے ہیں۔ بدھ مت کا معاملہ اس سے بھی بدتر ہے۔ گوتم بدھ نے کوئی کتاب نہیں چھوڑی صرف ان کی زبانی تعلیمات تھیں جو سینہ بہ سینہ چلتی رہیں اور سینکڑوں سال کے بعد جا کر مدّون ہوئیں۔ یہودیوں کی کتاب مقدس تورات کو لیجیے تو معلوم ہوگا کہ اس کتاب کے بارے میں بے شمار تاریخی شہادتیں ملتی ہیں کہ یہ کتاب طویل طویل عرصوں کے لیے بالکل نیست ونابود ہوگئی تھی۔ مثال کے طور پر بخت نصر نے جب بیت المقدس پر حملہ کیا تو ہیکل سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔ تورات کا صرف ایک نسخہ

Marfat.com

تھا جو ہیکل میں تھا وہ تباہ و برباد کر دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ بخت نصر پوری یہودی قوم کو بابل پکڑ کر لے گیا جہاں انھیں اپنی مذہبی رسموں کے بجالانے کی بالکل اجازت نہ تھی۔ ایران کے بادشاہ سائرس نے جب بابل فتح کر کے یہودیوں کو رہائی دی تو پھر انھوں نے نہ جانے کہاں سے تورات کا ایک نسخہ ڈھونڈ لیا' اس کے بعد بھی کم از کم تین مرتبہ تورات کا نسخہ دنیا سے بالکل تباہ کر دیا گیا اور یہودیوں نے دوبارہ پیدا کر لیا۔ ظاہر ہے کہ اس عمل میں نہ جانے کتنی تبدیلیاں ہو گئیں۔ تحریفات کا ایک معمولی اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تجہیز و تکفین کے واقعات تک درج ہیں۔

یہی معاملہ انجیل کا ہے حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد آپ کے شاگردوں نے آپ کی سوانح عمری مرتب کرنے کی کوشش کی اور انھی کوششوں کا نتیجہ بائبل کی صورت میں نمودار ہوا۔ اس زمانے میں اس قسم کی اناجیل کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ ایک روایت کی رو سے اس طرح کی ۳۴ اناجیل کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بڑی تعداد حواریوں کے خطوط کی ہے۔ ۳۲۵ء میں نیقیہ کی کونسل کے سامنے یہ سارا لٹریچر رکھا گیا۔ کافی جنگ و جدال کے بعد ان ساری انجیلوں کو اوپر تلے رکھ دیا گیا اور صبح آ کر دیکھا گیا تو چار انجیل اور کچھ خطوط کو چھوڑ کر باقی سب نیچے پڑی ہوئی تھیں۔ ان ہی چار انجیل' متی' لوقا' مرقس اور یوحنا کو صحیح قرار دیا گیا۔ ان کے ساتھ ساتھ کچھ خطوط بھی بچے تھے انھیں بھی درست قرار دیا گیا لیکن اس نیقیہ کی انجیل کا آج بھی پتہ نہیں آج کل قدیم ترین انجیل چوتھی پانچویں صدی کی ملتی ہے وہ بھی یونانی زبان میں جب کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواریوں کی زبان آرامی تھی۔

ان سب کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن اپنی اصل زبان (عربی) میں آج تک اسی صورت میں محفوظ ہے جیسے وہ اترا تھا۔ قرآن دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی زمانے میں مرتب ہو گیا تھا اس کے بعد صحابہ کرام نے اس کے مختلف نسخے کرا کر مختلف جگہوں پر بھیجے۔ چنانچہ اس کے قدیم ترین اور جدید ترین نسخوں میں ایک شوشے کا فرق بھی نہیں ملتا۔ اسلام کے کٹر مخالف بھی اس بات کے معترف ہیں کہ قرآن ہر قسم کی تحریف سے پاک اور منزہ ہے۔

قرآن مجید

قرآن مجید تقریباً تیئیس سال کے عرصے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

Marfat.com

قرآن کا نام خود اس وحی الٰہی میں تکرار کے ساتھ آیا ہے' ارشاد الٰہی ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (بقرہ ۲: ۱۸۵)

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

۱۔ یہ اولین اور آخرین کے علوم کا مجموعہ ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ (نحل ۱۶:۸۹)

یعنی ہم نے تجھ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو تمام چیزوں کو واضح کرنے والی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ۔ (البینۃ ۹۸:۳)

یعنی قرآن مجید میں تمام کتب کے علوم جمع ہیں۔

۲۔ اگر قرأت سے مشتق ہو تو اس کے معنی ہیں پڑھی ہوئی چیز' تو اس کتاب کے قرآن اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آتے تو پڑھ کر سناتے تھے۔ دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ یہ کتاب دنیا میں بہت پڑھی جائے گی۔

(بحوالہ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا)

۳۔ یہ کتاب حق اور ہدایت اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ نیز اس کی سورتیں اور آیات اس طرح ہیں کہ آپس میں مربوط ہیں کہ ان میں نہ کوئی تعارض ہے اور نہ تخالف اور قرآن مجید کے مضامین باہم دیگر ایسے ملے ہوئے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا وہ سب ایک کڑی میں منسلک ہیں۔

دعویٰ نبوت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں ریاضت اور عبادت کیا کرتے تھے جب آپ کی عمر چالیس سال کی ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں یاد الٰہی میں مشغول تھے۔ دفعتاً وہ منزل مل گئی جس کے لیے جویا تھے۔ وہ گوہر مل گیا جس کے لیے مضطرب تھے وہ ہدایت مل گئی جس کے لیے گریاں تھے۔ جبریل وحی نبوت لے کر آئے اور کہا اقرا یعنی پڑھ تو آپؐ نے فرمایا ما انا بقاری میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتے نے زور سے آپؐ کو دبایا پھر چھوڑ دیا اور کہا اقراء یعنی پڑھ تو آپؐ نے پھر وہی جواب دیا اور فرشتے نے زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا۔ تیسری مرتبہ کے بعد فرشتے نے یہ آیات پڑھیں۔

Marfat.com

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ

(سورہ العلق: ا تا ۵)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پیغام ربانی کو لے کر کانپتے ہوئے گھر آئے۔ حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھ پر کوئی کپڑا اوڑھادو۔ جب ذرا سکون آیا تو آپؐ نے تمام ماجرا حضرت خدیجہؓ کو سنادیا اور کہا۔ خشیت علی نفسی یعنی مجھے اصلاح دنیا کی ذمہ داری کے بوجھ سے ڈر لگتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے جواب دیا:

آپ صلہ رحمی کرتے ہیں کمزوروں کے بوجھ کو اٹھاتے ہیں ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں اس لیے اللہ آپ کو کبھی ضائع نہیں فرمائے گا۔

یہ کہہ کر حضرت خدیجہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ حضرت خدیجہ کے عم زاد بھائی تھے ورقہ کو تمام ماجرا سنایا۔ ورقہ نے کہا:

''یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا۔ کاش میں جوان ہوتا کہ جب آپ کی قوم آپ کو گھر سے باہر نکالنا چاہتی تو میں آپ کی دل و جان سے مدد کرتا۔''

پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد کچھ عرصہ وحی رک گئی۔ وہ زمانہ فترت الوحی کے نام سے موسوم ہے۔ دوسری وحی

یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَاَنذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○ (۷۴: ۱۔۵)

اس کے بعد سلسلہ وحی جاری ہوگیا اور کم وبیش تئیس سال تک جاری رہا۔ قرآن مجید کا نزول ضرورت اور حالات کے مطابق ہوتا تھا۔ کچھ لوگ خود مسائل چھیڑ دیتے تھے پھر قرآن نازل ہوتا' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات پوچھے جاتے تو آپ وحی کے ذریعے جواب دیتے کبھی معاشرہ میں ایسے مسائل ابھر آتے جن کا جواب دینا ضروری ہوتا۔ اس طرح قرآن مجید ضرورت کے مطابق آہستہ آہستہ نجماً نجماً نازل ہوتا رہا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِیْلًا

Marfat.com

(الفرقان ۲۵:۳۲)

اور منکرین کہتے ہیں ''اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتار دیا گیا۔ ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کو اچھی طرح ہم تمہارے ذہن نشین کرتے رہیں۔''

اعجاز القرآن:

اعجاز القرآن کی متعدد وجوہ ہیں' ذیل میں ہم چند کا ذکر کرتے ہیں۔

ا۔ جمع وتدوین کے اعتبار سے:

جمع کے معنی ایک تو ہیں قرآن کو حفظ کرنا اور سینہ میں محفوظ کرنا۔ قرآن میں ارشاد ہے۔

انا علینا جمعه وقرانه ○

حضورؐ پر وحی اترنی شروع ہوئی تو حضورؐ اس کو یاد کرنے کی غرض سے جلدی جلدی پڑھتے تو یہ آیت حضور پر اتری کہ ہم اسے آپ کے دل میں جمع کر دیں گے۔ اور اسے آپ کی زبان سے پڑھائیں گے اس طرح دوسری آیت میں ایسی ہی تاکید کی گئی ہے کہ آپ زبان تیز نہ کریں ہم اس کو حفظ کرائیں گے۔

لاتحرك به لسانك لتعجل به ○

دوسری جگہ ہے آپ جلدی نہ کریں۔

ولاتجعل بالقران انما نعدهم عدا ○

یہ حضور کا معجزہ ہے کہ آپ امی تھے مگر آپ فصیح ترین کلام دنیا کو سنا رہے تھے۔ اسی وجہ سے حفاظ قرآن کو جماع قرآن بھی کہتے ہیں۔

۲۔ حفاظت کے اعتبار سے:

قرآن مجید اتنا جامع اور مختصر کلام الٰہی ہے کہ اسے سینوں میں محفوظ رکھنا آسان ہے۔ یہ بھی اس کا اعجاز ہے کہ بے شمار علوم کا مخزن ایک مختصر سے مجموعہ میں سمویا ہوا ہے۔ یاد کرنے میں آسان ہے' سمجھنے میں مشکل نہیں ان دونوں باتوں کی طرف قرآن کا ارشاد ہے۔

ولقد یسرنا القران للذکر

دنیا کی کوئی مذہبی کتاب ایسی نہیں کہ جسے حفظ کیا جاتا ہو بلکہ حفظ کیا بھی نہیں جا سکتا۔

Marfat.com

عیسائیوں نے جب قرآن مجید کو ضائع کرنے کا منصوبہ بنایا تو انھوں نے اس کے لیے خطیر رقم جمع کرنا شروع کی مگر انھیں جب یہ بتایا گیا کہ پہلے تو یہ بہت مشکل ہے اگر معاذ اللہ یہ تم کر بھی لو تو قرآن مجید ان لاکھوں حفاظ کے دلوں سے کیسے نکالو گے جو ان کو محفوظ رکھے ہیں اس پر انھوں نے منصوبہ ہی ترک کر دیا۔

خدا تعالیٰ نے خود قرآن مجید کی حفاظت کا اعلان کیا ہوا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

انانحن نزلناالذکر وانالہ لحافظون ○

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ شامل ہونے آئے تو انھوں نے حفظ قرآن کی شرط بیان کی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رمضان شریف میں اکسٹھ قرآن ختم کر لیتے تھے۔ دن اور رات میں دو ختم اور پورے ماہ میں اکسٹھ پورے کر لیتے اس کے برعکس ہمیں کسی مقدس کتاب کے متعلق ایسا لگاؤ تا حال دریافت نہیں ہو سکا ہے۔

۳۔ تواتر کے اعتبار سے:

جب سے قرآن کریم حضورؐ پر اترا اور حضورؐ نے لوگوں تک پہنچایا اس دن سے آج تک کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ قرآن مجید اس دنیا میں نہ پڑھا گیا ہو۔ لاکھوں مسلمان روزانہ اس کی تلاوت کرتے ہیں اور یہ شان صرف قرآن مجید کی ہے۔ ارشاد باری ہے:

فاقرؤُو ما تیسر من القران ○

یہ بات مسلمہ ہے کہ قرآن مجید سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔

The Holy Quran is the most read book in the World.

اس کے برعکس انجیل سب سے زیادہ چھاپی جاتی ہے۔ قرآن مجید دنیا کی واحد کتاب ہے کہ جو زمانہ کے ساتھ متواتر منتقل ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی۔

قرآن مجید کا بے مثل ہونا:

قرآن مجید وہ کتاب ہے جس نے ہر پہلو سے بے مثل ہونے کا دعویٰ کیا ہے ارشاد الٰہی ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ

Marfat.com

بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ (بنی اسرائیل ۱۷:۸۸)

کہہ دے کہ اگر انس وجن جمع ہوجائیں اور کوشش کریں کہ اس قرآن کی مثل بنالائیں تو وہ ہرگز اس کی مثل نہ بنا سکیں۔ خواہ وہ ایک دوسرے کے ظہیر و مددگار بن جائیں۔

سورۂ بقرہ میں منکرین کو صرف ایک سورہ کی مانند کلام پیش کرنے کا چیلنج دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَ اِن كُنتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّن مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُم مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا۔ (البقرہ ۲۵۔۲۳)

اگر تمھیں اس امر میں شک ہو کہ جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے تو تم اس کی مانند کوئی سورت بنالاؤ اور اپنے گواہوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو پس اگر تم نے اس کی مثل پیش نہ کی اور یادرکھو کبھی نہ کرسکو گے۔

یہ دونوں آیات قرآن کا بے مثل ہونا ثابت کرتی ہیں۔

دلائل اعجاز:

قرآن مجید کن کن پہلوؤں کے لحاظ سے معجزہ ہے ان تمام کا احاطہ کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے صرف چند ایک اعجازی پہلوؤں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

علمی لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید علوم کا خزانہ ہے جس کو بوجہ خارق عادت ہونے کے علمی اعجاز کہنا چاہیے قرآنی علوم کو چار عنوانات کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے۔

اول۔ روحانی علوم:

جن میں خدا کی توحید اور اس کی صفات کا علم۔ تعلق باللہ کا علم، ملائکہ کا علم، مبداء و معاد کا علم، اخلاقِ فاضلہ کا علم اور عبادات کا علم شامل ہے۔

دوم۔ معاشرتی علوم:

جن میں عمرانیات، علم سیاسیات، علم اقتصاد، علم قانون، علم تمدن، علم ہندسہ اور علم مناظرہ

Marfat.com

شامل ہیں۔

سوم۔سائنسی علوم:

جن میں علم کیمیاء، علم طبیعیات، علم نباتات، علم طبقات الارض، علم الجبال، علم الحیوان، علم ہیت اور علم طبابت شامل ہیں۔

چہارم۔علوم لسانیہ:

جس میں صرف ونحو اور معانی و بیان کے علم شامل ہیں۔قرآن مجید میں ارشاد ہے:

لارطب ولایابس الافی کتاب مبین ○

اس آیت میں ربط سے مراد روحانی علوم اور یابس سے مراد بقیہ تمام علوم ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (الانعام۶:۳۸)

ہم نے کتاب میں بیان کرنے سے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔

قرآن مجید میں یہ سب علوم خدمت دین کے لیے بطور خارق عادت بیان ہوئے ہیں جن سے بڑے بڑے دقیق مسائل حل کیے جاسکتے ہیں خاص طور پر ہستی باری تعالیٰ ثابت کرنے کے لیے یہ علوم دست بستہ کھڑے نظر آتے ہیں۔

برکات روحانیہ کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید کے نزول سے قبل اہل عرب ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے۔اس گمراہی اور ظلمت کے زمانے میں قرآن مجید نے عربوں کو ہر قسم کی بدی سے نجات دلا کر بااخلاق اور باخدا انسان بنادیا۔موسیو سیڈیو فرانسیسی لکھتا ہے:

''اسلام کو جو وگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں انھوں نے قرآن کی تعلیم کو نہیں دیکھا جس کے اثر سے عربوں کی تمام بری اور معیوب عادتوں کی کایا پلٹ گئی۔''

مسٹر ٹامس کارلائل انگلستان کے فاضل اپنی کتاب ''لیکچرز آن ہیروز'' میں لکھتے ہیں:

''اسلام قومِ عرب کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔عرب کا ملک پہلے پہل اس کے ذریعے سے زندہ ہوا۔''

Marfat.com

فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید اپنی فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہے۔ اس کا اعتراف نہ صرف مسلمانوں کو ہے بلکہ مخالفین کو بھی ہے۔ نزول قرآن کے وقت عرب میں بے شمار فصیح اللسان خطیب اور شاعر تھے۔ جن کی زبان آوری مسلمہ تھی، سب فصحاء وبلغا قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت کے سامنے اپنے آپ کو ضعیف اور پست سمجھنے لگ پڑے۔ لبید معلقہ کا شاعر تھا، جب وہ مسلمان ہوا تو اس نے شعر کہنے ترک کر دیئے اور کہا کرتا تھا:

''جب خدا نے مجھے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران سکھائی ہے تو اب مجھے شعر کہنا موزوں نہیں۔''

''Popular Enecyclopedia'' میں لکھا ہے:

''قرآن کی زبان بلحاظ لفظ عرب نہایت فصیح ہے اس کی انتہائی خوبیوں نے اسے اب تک بے مثل اور بے نظیر ثابت کیا ہے۔''

قرآن مجید لوگوں پر اثر ڈالنے، یقین دلانے کی طاقت، فصاحت و بلاغت اور تراکیب و بندش الفاظ میں بے نظیر ہے اور دنیائے سائنس کے تمام شعبوں کی حیرت انگیز ترقی کا باعث ہے۔ جارج لکھتا ہے:

انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا اور یہ مردوں کو زندہ کرنے سے بڑھا ہوا معجزہ ہے۔''

قوت تاثیر کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید کے الفاظ میں خارق عادت تاثیر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ○ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ

(القمر ۵۴ : ۴، ۵)

اور یقیناً ان کو (قرآن کے ذریعے) وہ باتیں پہنچ چکی ہیں جن میں تنبیہ ہے یہ قرآن دل تک پہنچ جانے والی دانائی ہے مگر ڈرانا کسی کام نہ آیا۔

اس وقت تاثیر سے ڈر کر مخالفین لوگوں کو قرآن مجید کے سننے سے روکتے تھے اور کہتے تھے کہ جب کوئی مسلمان قرآن پڑھ کر سنائے تو شور کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ۔

(حم السجدہ ۴۱ : ۲۶)

یعنی کفار نے کہا اس قرآن کو نہ سنا کرو اور اس کے پڑھنے کے وقت شوروغل کیا کرو شاید تم غالب آجاؤ۔

جان ویسک جرمن فلاسفر کہتا ہے:

''جب کہ قرآن پیغمبر کی زبان سے منکر سنتے تھے بے تاب ہوکر سجدے میں گر جاتے تھے اور مسلمان ہوجاتے تھے۔''

عدم اختلاف کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید تیئس برس دکھ اور سکھ کے مختلف اوقات میں نازل ہوتا رہا ہے کیا کوئی انسان یہ بات ذہن میں لاسکتا ہے کہ اس قسم کے حالات میں انسان ایک ہی حالت پر قائم رہے اور جو وہ کلام پیش کرے اس میں اختلاف نہ ہو۔ قرآن مجید میں بھی منافقوں اور مخالفوں کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا۔ (نساء ۴:۸۲)

پھر کیا وہ قرآن میں غوروفکر نہیں کرتے اگر یہ غیراللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں ضرور اختلاف پاتے۔

غیب کی خبروں کا اعلان کرنے کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید غیب کی خبروں سے بھرا پڑا ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ کتاب ایک ایسی ہستی کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو علیم وخبیر ہے۔ اس کتابِ برحق میں بعض وہ خبریں ہیں جو ماضی سے تعلق رکھتی ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان خبروں کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا بعض وہ خبریں ہیں جو مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں۔

بائبل کی تحریف:

قرآن مجید نے بائبل میں تحریف وتغیر کا دعویٰ اس وقت کیا جب دنیا اس علمی حقیقت سے ناآشنا تھی آج دنیا کے تمام محققین نے اس امر کا اعتراف کرلیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد

Marfat.com

ہے:

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَ قَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَہٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْہُ وَ ھُمْ یَعْلَمُوْنَ۔ (بقرہ ۲: ۷۵)

پس کیا تم امید رکھتے ہو کہ وہ تمھاری بات مان لیں گے اور ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اللہ کے کلام کو سنتا ہے پھر سمجھ لینے کے بعد اس کو بدل دیتا ہے حالانکہ اللہ جانتا ہے۔

رومن تاریخ کلیسا مطبوعہ مرزا پور ۱۸۵۶ء کے صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے:

''بہت سے مسیحی کتابیں خود لکھ کر کسی حواری مسیح یا حواری مسیح کے کسی خادم یا کسی بڑے اسقف کے نام سے مشہور کر دیتے تھے' ایسی جعلی کارروائیاں تیسری صدی عیسوی سے شروع ہوئیں اور کئی سو برس تک جاری رہیں یہ نہایت ہی خلافِ حق اور قابلِ شرم حرکت تھی۔''

فرعون کی لاش کے متعلق خبر:

قرآن مجید نے فرعون موسیٰ علیہ السلام کی لاش کے متعلق یہ خبر دی تھی کہ وہ موجود ہے' یہ اس زمانہ کی خبر ہے جب کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ فرعون کی لاش محفوظ ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَۃً وَ اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ۔ (یونس: ۱۰۔۹۲)

ہم تیری لاش کو باہر نکال دیں گے تاکہ تو ان کے لیے جو تیرے پیچھے ہیں نشان رہے اور بہت سے لوگ ہمارے نشانوں سے بے خبر ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے پر جو فرعون تھا اس کا نام رعمسیس ثانی تھا۔ انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا میں مضمون ممی کے تحت لکھا ہے کہ رعمسیس ثانی کی لاش مصالحہ کے ذریعے محفوظ ہے۔

قوتِ دلائل کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید کا نام بیّنہ ہے جس کے معنی ہیں واضح اور کھلی دلیل ہیں چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

فَقَدْ جَآءَ کُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ۔ (الانعام ۶: ۱۵۷)

Marfat.com

قرآن کا قاری آسانی سے یہ جان سکتا ہے کہ قرآن مجید ہر دعویٰ کو دلائل و براہین قاطعہ کے ساتھ منواتا ہے۔

۵۔نسل انسانی کی وحدت کا پیغام:

قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو نسل انسانی کی وحدت کا پیغام دیتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا۔ (یونس ۔۱۹/۱۰)

''ابتداءً سب انسان ایک ہی امت تھے' بعد میں انہوں نے مختلف عقیدے اور مسلک بنا لیے۔''

۶۔اکمل ہونے کا دعویٰ:

سماوی کتب میں سے قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جس نے مکمل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ارشاد الٰہی ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (المائدہ ۵ : ۳)

آج میں نے تمھارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے تمھارا دین اسلام ٹھہرا کر راضی ہوا ہوں۔

۷۔تکریم انسانیت:

جو بلند مقام قرآن مجید نے انسان کو دیا ہے کسی دوسری کتاب نے نہیں دیا۔قرآن مجید میں آتا ہے:

ولقد کرمنا بنی ادم ○

اور ہم نے نوع انسان کو قابل تکریم بنایا۔

اس کے برعکس ہندو اچھوتوں کو انسانیت کا درجہ دینے کو تیار نہیں۔ یہود غیر یہود کو بے دین اور کافر کہتے ہیں۔انجیل غیر بنی اسرائیلیوں کو کتا اور سور کا نام دیتی ہے۔قرآن مجید کا احسان ہے کہ اس نے تمام انسانوں کو انسانیت میں داخل کر کے قابل تکریم قرار دیا ہے۔

Marfat.com

۸۔قرآن پہلی کتب کا مصدق ہے:

قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو پہلی آسمانی کتب کی تصدیق کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ۔ (بقرہ ۲: ۴۱)

یعنی ایمان لاؤ جو میں نے اتارا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمھارے پاس ہے۔

اس آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کی کتب کی تصدیق ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ

(المائدہ: ۵/۴۸)

''پھر اے نبیؐ ہم نے آپؐ کی طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والی ہے۔''

۹۔قرآن پہلی شرائع کو منسوخ کرتا ہے:

قرآن مجید میں آتا ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا۔ (البقرہ ۲: ۱۰۶)

یعنی جو پیغام ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسا لے آتے ہیں۔

اس آیت کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ یہاں یہود یا شرائع سابقہ کے متبعین مخاطب ہیں اس وجہ سے آیت سے مراد شرائع سابقہ ہیں۔ آیت کا لفظ رسالت اور پیغام کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

۱۰۔عالمگیر ہونے کا دعویٰ:

متعدد مقامات پر قرآن یایھا الناس سے مخاطب کرتا ہے کسی خاص قوم یا نسل کو مخاطب نہیں کرتا۔ دوسرے مذاہب کے انبیاء کرام پر نازل ہونے والی کسی آسمانی کتاب نے عالمگیر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس کی ایک تو وجہ یہ ہے کہ تمام سابقہ کتب کسی ایک قوم کی رہنمائی کے لیے آئی تھیں۔ جس زمانہ میں وہ کتب نازل ہوئیں تھیں وہ عالمگیر دعویٰ کا متقاضی نہیں تھا۔

Marfat.com

جب قرآن نازل ہوا تو اس نے عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (یوسف ۱۲ : ۱۰۴)

یہ کتاب تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔

۱۱۔ قرآن میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے:

قرآن مجید اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں راہ اعتدال پر چلنے کی دعا سکھائی ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

(الفاتحة : ۶۔۷)

اے خدا ہمیں سیدا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرے انعام ہوئے

اس وجہ سے امت مسلمہ کو امتِ وسط کہا جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ (البقرہ ۲ : ۱۴۳)

اور اس طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا ہے۔

امت وسط سے مراد ایسی جماعت ہے جو افراط وتفریط سے پاک ہونے کی وجہ سے ارفع سے ارفع مقام پر پہنچتی سکتی ہو۔

۱۲۔ پہلی کتب کے اجمال کو کھولتا ہے:

پہلی کتب سماوی میں جو اجمال اور ابہام رہ گیا تھا قرآن مجید ان کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

(یونس ۱۰ : ۳۷)

اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اللہ کے سوا اوروں کا افترا ہو اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے اور کتاب کی تفصیل ہے جس میں کوئی شک نہیں جہانوں کے رب کی طرف سے ہے۔

اس آیت میں قرآن مجید کی دو شاخیں بیان ہوئی ہیں۔

Marfat.com

۱۔تصدیق بین یدیہ ۲۔تفصیل کتاب

۱۳۔عقائد باطلہ کی تردید:

ارشاد باری ہے:

وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ (النحل ۱۶ : ۶۴)

ہم نے اس کتاب کو تجھ پر اس لیے نازل کیا ہے کہ تا کہ جو عقائد باطلہ عقول ناقصہ کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں ان سب کا رد کیا جائے ایمان داروں کے لیے ہدایت اور رحمت کا موجب ہے۔

لہٰذا قرآن مجید نے عقائدِ باطلہ اقسام شرک' تثلیث' ثنویت' کفارے اور تناسخ کا مدلّل رد کیا ہے۔

کفارہ کا عقیدہ اور اس کا رد:

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ رحم بلا بدل نہیں کر سکتا اس لیے بیٹا (عیسیٰ) انسانوں کے گناہوں کے معاوضے کے طور پر صلیب پر چڑھ گیا۔ اب جو بھی کفارہ پر ایمان لے آئے گا وہ نجات کا مستحق ہوگا۔ قرآن میں ارشاد ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ۔ (الزمر ۳۹ : ۷)

کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تم نے اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی بھی دوسرے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا تمام انسان خود اپنے گناہوں کے ذمہ دار ہوں گے۔

عقیدہ تثلیث کا رد:

یہ بھی عیسائیوں کا عقیدہ ہے اس عقیدہ کے رد میں قرآن مجید میں آتا ہے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ (نساء ۴ : ۱۷۱)

پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو خدا تین ہیں اس سے رک جاؤ یہ

Marfat.com

تمھارے لیے بہتر ہے' اللہ صرف ایک ہی معبود ہے۔

عقیدہ ابنیت کا رد:

یہ یہود اور عیسائیوں کا عقیدہ ہے یہود نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا لیا تھا اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا لیا تھا اور اس کے رد میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا۔ (مریم ۱۹ : ۹۲)

خدائے رحمان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ بیٹا بنائے۔

عقیدہ ثنویت کا رد:

یہ عقیدہ زرتشتی مذہب کا ہے' وہ دو خداؤں اہرمن اور یزدان کے قائل ہیں۔ اس کے رد میں ارشاد باری ہے:

وَ قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ (النحل۱۶:۵۱)

اور اللہ نے کہا دو معبود مت بناؤ وہ صرف اکیلا ہی معبود ہے۔

عقیدہ تناسخ:

یہ عقیدہ ہندوؤں کا ہے' اس عقیدہ کی رُو سے خدا گناہ معاف نہیں کرسکتا۔ اس وجہ سے ایک انسان کو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے مختلف جونوں میں تبدیل ہونا پڑتا ہے۔ قرآن مجید نے مالك يوم الدين میں اس عقیدہ کا رد کر دیا ہے۔ پھر قرآن مجید میں ارشاد ہے:

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ۔ (المومن : ۳/۴۰)

یعنی اللہ گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔

روح و مادہ کی ابدیت کا عقیدہ:

یہ عقیدہ ہندو مذہب کا ہے اس کی رو سے خدا کی صفات میں شرک لازم آتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (آل عمران ۳ : ۶۴)

Marfat.com

یہ کہ ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بتائے۔

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

قرآن کے بعد سنت اسلامی شریعت کا دوسرا ماخذ ہے اور قرآن کے بعد اس کا درجہ آتا ہے کیونکہ سنت اپنی اصل حیثیت سے قرآن کے اجمال کی تفصیل اور اس کے اشکال کی توضیح وتفسیر ہے۔ لیکن قرآن سے مرتبہ میں موخر ہونے کے باوجود ایک جہت سے بجائے خود ایک مستقل مصدر قانون ہے کیونکہ سنت میں ایسے احکام بھی وارد ہوئے ہیں جن پر قرآن خاموش ہے مگر اس لحاظ سے مستقل قانون سازی کا منبع ہونے کے باوجود سنت قرآن کے تابع ٹھہرتی ہے۔ کیونکہ وہ قرآن کا بیان وتفسیر ہونے کے علاوہ ان مقامات پر بھی قرآن کے اصول و مبادی اور اس کے قواعد سے متجاوز نہیں ہوتی جہاں قرآن خاموش ہے۔

حجیت:

سنت کی حیثیت دین میں مستند اور حجت ہے اور ہر ثابت شدہ سنت اور ہر وہ ارشاد یا عمل جس کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت ہو اور وہ قرآنی معیار اور اصول روایت ودرایت کی رو سے ظن غالب بھی صحیح ٹھہرے تو وہ جمہور امت مسلمہ کے عقیدے میں واجب التسلیم ہے اور یہ بات ایسی نہیں جس کے لیے کسی قسم کی باریک بینی اور علم وبصیرت کی ضرورت ہو، ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خدا کو خدا مان لینے کے بعد اس کی فرماں برداری ضروری ہو جاتی ہے۔ کیونکہ عقل عام تک اس بات کو جائز سمجھتی کہ رسول مان لینے کے بعد رسول کے ہر قول اور ہر عمل کو رضائے الٰہی کی یقینی اور واحد کلید باور کرنا ضروری ہے۔ اور رسول پر ایمان بھی اپنے اندر رسول کی اطاعت واتباع کا مطالبہ رکھتا ہے۔ خواہ رسول کا جسمانی وجود بھی ہو یا اس کا صرف ارشاد یا طریق عمل سامنے ہو۔ جیسا کہ قرآن مجید میں تاکید اور تکرار سے ہدایت کی گئی ہے۔

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

قرآن میں جابجا اطاعت رسول کی تاکید کی گئی ہے، اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم حب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اطاعت الٰہی ہے۔ نیز دین و دنیا میں

Marfat.com

کامیابی کی ضمانت ہے۔ لہٰذا اطاعت رسول و اتباع رسول کے لیے حدیث و سنت ضروری ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔

(آل عمران ۳:۳۱)

اے نبی کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (آل عمران ۳: ۱۳۲)

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی تا کہ تم رحمت الٰہی کے حقدار ٹھہرو۔

اور جگہ فرمایا:

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔ (الاحزاب ۳۳:۷۱)

اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو بے شک اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔

اسی طرح سورۂ محمد میں ارشاد ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ

(محمد ۴۷:۳۳)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع مت کرو (یعنی رسول کی مخالفت کر کے)

ایک اور جگہ تو اس تفریق کو یکبارگی اٹھا دیا اور فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النساء ۴:۸۰)

اور جس نے رسول کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر صرف اللہ ہی کی اطاعت کافی تھی یا محض قرآن ہی ہمارے لیے کافی تھا تو پھر یہ اطیعوا الرسول کا اتنی بار حکم کیوں دیا گیا اس تاکید کی وجہ یہ ہے کہ آپ جو کچھ بھی فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ہی کی خواہش کے مطابق فرماتے تھے چنانچہ ارشادِ باری

Marfat.com

تعالیٰ ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ (الحشر۔۷)

رسول اللہ جو کچھ تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ۔

الغرض فہم قرآن، علم دین اور اطاعت رسول کے لیے حدیث کا علم نہایت ضروری ہے اس کے بغیر نہ تو دین اسلام کا فہم ہوسکتا ہے اور نہ اس پر عمل، اسی لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی:

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں۔ جب تک ان پر قائم رہوگے گمراہ نہ ہوگے، کتاب اللہ اور اپنی سنت۔''

کتابت حدیث:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور زندگی میں ہی کتابت حدیث کا کام شروع ہوگیا تھا جیسا کہ مندرجہ ذیل شہادتوں سے ثابت ہے۔ ہجرت مدینہ کے فوراً بعد ہی میثاق مدینہ کتابت حدیث کا پہلا ثبوت ہے۔

جس میں قریش، مدینہ کے مسلمانوں اور انصار یہود کے حقوق کا تعین ہے۔ اسی طرح ہجرت کے ابتدائی زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردم شماری کرائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں:

''مجھے ان لوگوں کے نام لکھ دو جو اسلام کا اقرار کرتے ہیں۔''

سرکاری دستاویزوں اور معاہدوں، پروانوں وغیرہ کا آغاز تو ہجرت سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ چنانچہ تمیم داری کو فلسطین کا شہر حیرون بذریعہ پروانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاگیر میں دیا تھا یا۔ سفر ہجرت میں سراقہ بن مالک کو پروانہ امن عطا فرمایا۔ اس سے قطع نظر ایک ہجری میں قبیلہ جہنیہ سے حلیفی کا معاہدہ اور بنی صفرہ سے معاہدہ کا مخطوطہ اب تک ملتا ہے۔ معاہدوں کا یہ سلسلہ زندگی بھر جاری رہا۔ ۵ ہجری میں خندق کے زمانے میں بنی فزارہ اور غطفان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک توثیق طلب یا مسودہ معاہدہ کیا تھا جسے بعد میں محو کردیا گیا۔ یا ۶ ہجری میں آل اکیدر دومتہ الجندل سے اطاعت کا معاہدہ اور قیصر و کسریٰ، مقوقس و نجاشی وغیرہ حکمرانوں کو تبلیغی خطوط کی روانگی ایسی چیزیں ہیں۔ کسریٰ نے نامہ مبارک کو جو تحریری صورت

Marfat.com

میں تھا' چاک کردیا تھا۔ انتظامی ضرورتوں سے اکثر مواقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ نمائے عرب کے اطراف واکناف میں اپنے ہر جگہ کے گورنروں اور قاضیوں کو وقتاً فوقتاً جو ہدایات وفرامین تحریری صورت میں روانہ کیے' تاریخ میں محفوظ ہیں۔ خطوط پر ثبت کرنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مہر تیار کرانا بھی معروف واقعہ ہے۔ غرض ایسی سیاسی وغیر سیاسی دستاویزوں وغیرہ میں تحریری حدیثوں کو اکٹھا کرنے کی کوششوں کا آغاز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صحابہ ہی میں شروع ہو چکا تھا۔

عہد نبوی میں ان مندرجہ بالا سرکاری طور پر لکھی ہوئی احادیث کے علاوہ نجی طور پر اور اتفاقی حیثیت سے مرتب شدہ احادیث کے نسخوں کی بھی بہ کثرت شہادتیں ملتی ہیں مثلاً فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اہم خطبہ دیا تھا ایک یمنی شخص ابوشاہ کی درخواست پر انھیں لکھوا کر دے دیا۔

اس طرح عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات لکھا کرتے تھے اور ان کی تحریر کردہ احادیث کا مجموعہ ''صادقہ'' کے نام سے مشہور ہے ان کے علاوہ دیگر صحابہ کا بھی احادیث لکھنا مستند روایات سے ثابت ہے۔

غرض حدیث کی کتابت' اس کی حفاظت اور جمع وتدوین کا آغاز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں شروع ہو چکا تھا جسے صحابہ کرام نے وسعت دی اور تابعین نے اضافے کیے لیکن صحاح ستہ کے مرتبین نے اسے بامِ عروج پر پہنچا دیا اور آج خدا کی کتاب کے بعد انسانی ذخیرہ علم میں جو چیز سب سے زیادہ معتبر اور صحیح ترین شکل میں محفوظ ہے وہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔

فقہ:

اسلامی قوانین کی تدوین کا کام بہت پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ صحابہ میں کچھ ایسے تھے جن کو اجتہاد میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن مسعود وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ معتزلہ اور اشاعرہ کی باہمی رسہ کشی کے دوران فقہا نے اپنے کام کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ اپنی سرگرمیوں کو فلسفہ کے ردعمل کے طور پر اور تیز کر دیا وہ فلسفہ کو یکسر نظر انداز کر کے اسلامی قوانین کے وضع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ فقہا بھی دو حصوں میں

Marfat.com

منقسم ہوگئے۔ حجاز کے لوگ اہل حدیث کہلائے اور عراق والے اہل الرائے کے نام سے موسوم ہوئے۔ اول الذکر نے اپنی زندگی کو اقوال وافعال رسول کے سانچے میں ڈھال لیا۔ پھر مدینہ کا ماحول بھی ان کے لیے ساز گار تھا۔ جہاں جدید ثقافت کی حکمرانی نہ تھی۔ اس لیے اُنھیں نئے نئے مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ جن کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی واضح ہدایت نہیں تھی۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لیے انھوں نے رائے یا قیاس پر تکیہ کیا۔ جس کی بنیاد قرآن واحادیث پر رکھی گئی۔ اہل الرائے کے سربراہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تھے اور حجازیوں کی سربراہی امام مالک بن انس کے سپرد تھی۔ ان دو کے علاوہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جداگانہ فقہی مذاہب کی بنیاد رکھی۔ یہی چار فقہی مذاہب یعنی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی آج بھی دنیائے اسلام کے مختلف علاقوں میں رائج ہیں۔ ان ائمہ اور ان کے شاگردوں نے اسلامی فقہ کی تدوین کی اور انھوں نے ایسے مسائل جو پیش آچکے تھے یا جن کے پیش آنے کے دور کے بھی امکانات نہ تھے سب کے حل پیش کرنے کی کوشش کی۔

تقلید:

فقہ اسلامی کی تدوین سے جہاں مسلمانوں کے علمی ذخیرے میں گراں بہا اضافہ ہوا وہاں اس کی وجہ سے مسلمانوں کو زبردست خمیازہ بھی بھگتنا پڑا وہ یہ کہ اجتہاد کا دروازہ بالکل بند ہوگیا۔ مسلمان ان چار مذاہب میں سے کسی ایک مذہب سے متعلق ہوگئے اور اپنے مذہب سے باہر قدم رکھنے کو انھوں نے اپنے لیے جائز نہ سمجھا۔ فقہی کتابیں جو لکھی گئیں ان کا مقصد ائمہ کی کتابوں کی تشریح یا دیگر مذاہب کی تردید سے زیادہ اور کچھ نہ تھا اس لیے تقلید کا دور دورہ ہوگیا۔ تقلید کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ کسی ایسے قول کی پیروی کرنا جس کی دلیل و حجت سے مقلد کو واقفیت نہ ہو، تقلید اتباع سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ اتباع میں کسی کی پیروی سوچ سمجھ کر اور مقاصد واغراض سے کماحقہ واقفیت حاصل کرکے کی جاتی ہے یا بالفاظ دیگر تقلید کی روح محض حسن ظن ہے اور اتباع کی بنیاد غور وفکر پر ہے۔ قرآن مجید نے بھی بارہا اس تقلید سے لوگوں کو باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ صحابہ بھی تقلید سے دور رہے۔ اسی طرح فقہی ائمہ اربعہ بھی تقلید کے شدید مخالف تھے۔

تقلید کے اسباب میں اہم ترین سبب علماء ومتاخرین میں مجتہدانہ صلاحیتوں کا فقدان

Marfat.com

ہے۔ جس کے نتیجہ کے طور پر وہ کسی ایک امام کی تقلید کرنے پر مجبور ہوگئے اور روز بروز علمی صلاحیتوں کی کمی تقلید کی ترقی کا باعث بنی پھر قضاۃ کی کم علمی نے بھی ان کو ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے فتاویٰ پر تکیہ کرنے پر مجبور کردیا اور عوام کو بھی ان قاضیوں کی خلوص نیت پر بھروسہ نہ تھا۔ اس لیے انھوں نے عوام میں اعتماد حاصل کرنے کے لیے خود کو ان اماموں کے فتووں تک محدود کرلیا تاکہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ مل سکے جس کی وجہ سے تقلید کا دور دورہ ہوگیا۔ فقہا کی باہمی جنگ و جدل نے رہی سہی کسر پوری کردی اور یہ مذموم طریقہ عام ہوگیا کہ جوں ہی کسی فقیہ نے کسی مسئلے کے متعلق فتویٰ دیا اس کا حریف فقیہ فوراً ہی اس کی تردید کردیتا۔ دونوں میں فیصلے کی صورت یہی باقی رہ گئی تھی کہ ائمہ میں سے کسی کے قول کو بطور سند پیش کیا جائے۔ رفتہ رفتہ حالات یہاں تک پہنچ گئے تھے کہ کسی کی تقرری قضاہ کے عہدے پر اس وقت نہیں کی جاتی تھی جب تک وہ مروجہ مذاہب میں سے کسی ایک کا پیرو ہونے کا دعویٰ نہ کرتے یہی نہیں بلکہ مذاہب اربعہ کے پیروؤں کے مقدمات کے تصفیہ کے لیے الگ الگ قاضی بھی مقرر کیے جانے لگے۔

مسلمانوں کو اس تقلید جامد کے نتائج بھگتنے پڑے جس کا طویل سلسلہ آج تک جاری ہے۔ مسلمانوں کی فرقہ بندی کی ذمہ داری بہت حد تک اسی تقلید پر ہے ان فقہی اختلافات نے باہمی نزاعات ومناظرات کا ایسا بیج بویا کہ آج صدیوں کے گزرنے کے بعد وہ ایک بہت بڑا تناور درخت بن گیا ہے۔ جس نے اسلامی اخوت واتحاد کے پودے کو اپنے زیر سایہ پنپنے نہیں دیا۔ مناظرات کی گرم بازاری ہوگئی۔ فروعی مسائل پر مناظروں کی محفلیں برپا ہوتیں جن کا مقصد افہام وتفہیم کے بجائے اپنے دلائل سے حریف کو زیر کرنا ہوتا اور انجام جنگ وجدل اور سر پھٹول کے سوا کچھ نہ تھا جس سے اسلام کا شیرازہ منتشر ہوگیا اور اسلام بہت حد تک ایک جامد مذہب بن کر رہ گیا اور مسائل کے فیصلے حالات حاضرہ کی روشنی میں کیے جانے کے بجائے صدیوں قبل کے ائمہ کے اقوال کی رو سے کیے جانے لگے۔ جس سے عوام میں مذہب سے بیزاری اور بے توجہی عام ہوگئی اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے زوال کا اہم ترین سبب اجتہاد کا خاتمہ اور تقلید جامد کا آغاز ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

اسلامی تعلیمات کا اجمالی جائزہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل اہم اسلامی تعلیمات پیش کیں۔

بنیادی عقائد ونظریات

ا۔ ایمان:

قرآن اگرچہ عقل سے کام لینے کی بار بار تلقین کرتا ہے اور اپنے دعووں پر عقلی استدلال بھی کرتا ہے کیونکہ انسانوں کے پاس تلاش حقیقت کے لیے فانوس عقل کے سوا اور کوئی روشنی نہیں ہے۔ الہامی صلاحیت جو عقل کی کمی کو پورا کرتی ہے۔ اسے وہ عقل ہی کے ذریعے پہچان سکتا ہے مگر وہ اپنے ماننے والوں کو جس حالت تک پہنچانا چاہتا ہے وہ محض ایک فلسفیانہ شعور نہیں ہے جس میں ظن وتخمین اور تامل وتذبذب اور بار بار کا ادل بدل کارفرما رہتا ہے۔ وہ اندھی جذباتیت اور اوہام پرستی سے بھی انسان کو بچانا چاہتا ہے۔ اس کا مطلوب ''حالت ایمان'' ہے۔ نہ محض تعقل' نہ غیر عملی تفلسف' نہ اوہام پرستی' نہ یکسر جذباتیت انسانی زندگی کو سنوار سکتی ہے۔ انسانی زندگی ہر حال میں حالت ایمان کی محتاج ہے۔ ایمان وہ اعلیٰ کیفیت ہے جو عقلیت' یقین محکم' اعلیٰ تر جذبات اور بھرپور ذوق عمل کے ایک نقطے پر مجتمع ہو جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ ایمان وہ قوت ہے جو انسان کی شخصیت کے تمام شعبوں کو ایک مقصد کے لیے متحرک کر دیتی ہے۔ ایمان سے بہرہ مند آدمی' راستی' عدل' محبت اور احسان کی قدروں سے سرشار ہو کر اپنے مسلمہ حقائق و مقاصد کے لیے شہادت علی الناس کے منصب پر فائز ہوتا ہے۔ پھر اپنے فرائض بے لوث ایثار کے ساتھ ادا کرتا ہے' خواہشات اور مفاد کی قربانی دیتا ہے۔ مخالفتوں کا مقابلہ کرتا ہے' ہنسی خوشی سے دکھ جھیلتا ہے۔ یہاں تک کہ پوری متاع زندگی کو قربان کر دیتا ہے۔

Marfat.com

قرآن جن حقیقتوں کی طرف بلاتا ہے اور ان پر مبنی جس نظامِ زندگی کی دعوت دیتا ہے ان کے لیے اس قسم کے زندہ وفعال ایمان کا مطالبہ کرتا ہے۔

۲۔توحید:

اسلام کی تعلیم کا اولین محور توحید ہے کہ یہ کائنات جس میں تم رہتے ہو' اس کا نظم' اس کے ضابطے' اس کا سلسلہ علت ومعلول' اس کے اجزا کا توافق' اس کا حسن وجمال' اس کے اندر ہونے والے ہر واقعہ کا کسی نہ کسی نتیجے پر منتہی ہونا ایسی کھلی شہادتیں ہیں کہ یہ کھربوں سالہائے نور کی وسعتیں رکھنے والی مادی دنیا ایک خالق کے خلق کرنے سے پیدا ہوئی ہے' ایک منتظم کے حسنِ تدبیر سے چل رہی ہے۔

پھر قرآن بتاتا ہے کہ تم بھی خدا کی اس سلطنتِ کائنات کے اندر خدا کی پیدا کردہ مخلوق ہو' خدا کے رزق پر پلنے والی مخلوق ہو اور اس کی عطا کردہ قوتوں سے زندگی کے تقاضے پورے کرنے پر قادر ہوئے ہو' لہٰذا تمھارے لیے واحد راستہ یہ ہے کہ تم اس کی عبادت واطاعت میں زندگی گزارو۔

قرآن بتاتا ہے کہ ایسی منظم وحسین کائنات کئی مختلف خداؤں کی موجودگی میں ایک لحظہ کے لیے نہیں چل سکتی' ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو اس کے ہر گوشے میں تصادم رونما ہو جاتا۔ پس تمھارا خدا ایک ہی ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عبادت بھی کرو تو اسی ایک خدا کی' اور مدد بھی مانگو تو اسی ایک خدا سے۔ وہی ایک خدا تمھارا خالق ہے' رازق ہے' مالک ہے' حاکم ہے' جزا اور سزا دینے والا ہے۔ پس اسی ایک کو اپنا رب اور اپنا اِلٰہ مانو۔ اس کے ساتھ کسی دوسری قوت کی الوہیت کا پیوند نہ لگاؤ۔ یہ شرک ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی صفات اور اپنے حقوق میں کسی دوسرے کی شرکت کو تسلیم نہیں کرتا اور نہ بطور امر واقعہ کے ایسی کوئی شراکت موجود ہے۔ خدا کی توحید کا یہ تصور ہی وہ واحد نقطہ ہے جس پر دنیا کی تمام قومیں' تمام نسلیں' اپنی بولیوں اور رنگوں کے اختلافات کے ساتھ جمع ہو سکتی ہیں۔ یہی وحدت انسانیت کا واحد راستہ ہے۔ یہ خدائے واحد جو انسانوں سے محبت کرتا ہے اور محبت کرنے کی وجہ ہی سے ان کے سامنے ہدایت کی راہیں اسلامی تعلیم کے ذریعے واضح کرتا ہے۔ ان کی دعائیں سنتا ہے' ان کی مصیبتوں میں سہارا بنتا ہے' اس پر ایمان لانا ایسی قوت کا سرچشمہ ہے کہ جس کے بل پر انسان

Marfat.com

زندگی کی کشاکش کے پرصعوبت مراحل کو جرأت وہمت سے طے کرتا چلا جاتا ہے۔

۳۔ رسالت:

انسان الہامی ہدایت کا اسی طرح محتاج ہے جس طرح سورج کی روشنی' ہوا' پانی اور روٹی کا محتاج ہے اور اس کے رب والہ نے اس ضرورت کو پورا کرنے کا انتظام بھی اسی طرح کردیا ہے جس طرح اس کی جسمانی ضرورتوں کا۔ اسی انتظام کا عنوان نظامِ رسالت ہے۔

خدائے واحد نے اولین انسان کو اپنی ہدایت سے نوازا اور پھر جوں جوں نسلِ انسانی پھیلتی گئی۔ ہر دور میں ہر قوم کے لیے وقت کے بہترین کردار کے انسانوں کو منتخب فرما کر انھیں فریضۂ رسالت تفویض کیا۔

خدا کے مبعوث کردہ انبیاء ورسل علیہم السلام نہ صرف اس کی ہدایت' اور صحیفے انسانوں کو پہنچاتے رہے بلکہ ان کے مطابق نمونے کی زندگیاں بسر کرکے دکھادیتے رہے کہ خدا کو اپنے بندوں سے کیسی زندگی مطلوب ہے' اسے کیا چیز پسند ہے۔ انبیاء کے ذریعے جو ہدایت نامے اور صحائف مقدسہ انسان تک پہنچے ہیں ان میں صحف ابراہیم وموسیٰ علیہم السلام کے علاوہ چار بڑی کتابیں معروف ہیں۔ زبور' تورات' انجیل اور قرآن۔ اول الذکر تین کتابوں کی حفاظت ان کے علمبردار نہ کرسکے' بلکہ الٹا ان میں تحریف کی گئی۔ آخرکار قرآن کے ذریعے ان کی تعلیمات کو صحیح ترین اور مکمل ترین شکل میں انسانیت کے سامنے رکھ دیا گیا جسے سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور صرف لائے ہی نہیں بلکہ اپنی ذات سے لے کر ایک مکمل نظام حیات کے دائرے تک میں اس کے ایک ایک شوشے کو جلوہ گر کرکے دکھا دیا کہ ہدایت یافتہ انسان اور ہدایت یافتہ معاشرے کی ساخت کیا ہونی چاہیے۔

حضور کی بعثت انسانیت کے بلوغ کے موقع پر اور بین الاقوامی دور کے سرے پر ہوئی ہے اور آپ کی لائی ہوئی کتاب جامع اور مکمل ہونے کے ساتھ ساتھ تحریف کے تمام خطرات سے محفوظ کردی گئی ہے۔ پس یہ کتاب آخری کتاب ہے اور اس کے لانے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسول ہیں۔

۴۔ آخرت:

کسی عقیدہ کی صحت کی ایک عقلی جانچ یہ بھی ہے کہ اس سے زندگی بہتر شکل اختیار کرتی

Marfat.com

ہے یا اس میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

اس معیار کو سامنے رکھ کر سوچیں تو انسانی زندگی کا محض اس کرۂ ارضی کے جسمانی دور تک محدود ہونا ایسے نتائج تک پہنچاتا ہے جو فساد اور بگاڑ کے سوا کوئی نتیجہ نہیں دے سکتے۔ اگر زندگی بس یہیں تک ہے اور محض جسمانی ہے تو پھر انسان کے لیے اس سے بڑا کوئی نصب العین نہیں ہوسکتا کہ وہ اس مختصر دور میں اپنی ساری قوتیں زیادہ سے زیادہ فوائد اور لذات حاصل کرنے میں کھپادے۔ کہیں وہ شرافت کا بہروپ بھرے' کہیں غنڈہ گردی سے کام لے اور کہیں کہیں ظلم و جبر کی قوتیں استعمال کرے۔ عقلاً اس کا موقف صرف یہی ہوسکتا ہے کہ وہ جسم و دماغ' دولت و کاروبار' تقریر و تحریر' قیادت و تنظیم' ادب و شعر' سائنس کی جو بھی قوتیں رکھتا ہو ان کو زیادہ سے زیادہ مفاد حاصل کرنے کے لیے استعمال کرے۔ وہ مکیاولی کا پرنس بن کر سحر آفرین نفسیاتی حربوں سے کام لے کر انسانوں کا شکار کرے اور افراد سے آگے نکل کر یہ تصور تقاضا کرتا ہے کہ ہر طبقہ دوسرے طبقے کے خلاف اور ہر قوم دوسری قوم کے خلاف اور ہر عالمی بلاک دوسرے کے خلاف جبر و قوت اور ساز باز کی مختلف ترکیبیں آزما کر اپنے مفاد کی بنیاد دوسروں کے دکھ پر رکھے۔ اسی تصور نے سرمایہ داری اور سوشلزم کی مصیبتیں پیدا کیں اور اسی نے فلسفۂ ارتقا کے ''اصول تنازع'' اور ''بقائے اصلح'' کو اٹل صداقتیں بنادیا۔ جنھیں اختیار کر کے افراد اور اقوام اور طبقوں نے لاکھوں انسانوں پر ایسے ایسے عذاب ڈھائے ہیں کہ درندے شرما جائیں۔

جس تصور کے نتیجے میں انسانیت صدیوں سے مصائب کے چکر میں مبتلا ہو اور جس نے امن اور انصاف کھو دیا ہو' تاریخ خود عقل انسانی کے سامنے شہادت دیتی ہے کہ وہ قطعی طور پر باطل ہے اور جو نظریات اس سے ہم آہنگ ہوں' وہ بھی قابل استرداد ہیں۔

یہ تصور جس نے نمرود اور شداد پیدا کیے' جس نے طاقتور قوموں کو شکاری بنایا جس نے سیاسی' اقتصادی اور فکری و ثقافتی غلامی کے قلادے مزدور ملتوں کی گردنوں میں ڈلوائے' جس نے سرمایہ دار کو مزدور سے ناجائز نفع اندوزی کرنا سکھایا اور جس نے اشتراکیت کو اس منزل تک پہنچایا کہ وہ محنت کش انسانوں کو جانوروں کے ریوڑ میں بدل دے' اسے قرآن نے توڑ کر رکھ دیا اور اس کے بجائے آخرت کا شعور دلایا۔

قرآن کا تصور آخرت یہ ہے کہ خدا کی طرف سے ''اجل مسمی'' پوری ہونے پر انسانی

Marfat.com

دنیا ایک دن ختم کردی جائے گی اور تمام کے تمام مردہ انسان زندگی کے اس دور میں داخل ہوں گے جس کا آغاز حشر یا بعث بعد الموت سے ہوتا ہے۔ پھر خدا کی عدالت لگے گی' اس عدالت کے سامنے ہر آدمی کی زندگی کا پورا ریکارڈ پیش ہوگا۔ اس کے مظالم کے متعلق اس کے ماحول کے تمام عناصر گواہی دیں گے اور پھر فیصلہ صادر ہوگا کہ اس شخص نے زندگی نیکی کی راہ پر گزاری یا بدی اور ظلم کے راستے پر' پہلی صورت میں اسے رحمت خداوندی سے نوازے گی اور دوسری صورت میں طویل عذاب سے۔ یہ عقیدۂ آخرت جس کے تمام پہلوؤں کو قرآن نے تفصیل سے بیان کیا ہے' اس زندگی کو ایک امتحانی زندگی قرار دیتا ہے۔ یہاں ہم ایک امتحان گاہ میں اتارے گئے ہیں اور ہماری جانچ ہو رہی ہے کہ خدا کی عطا کردہ حیات' علم' قوت واختیار اور اس کی نعمتوں سے ہم کس طرح کے مقاصد کے لیے کیا کام لیتے ہیں۔ یہ تصور امتحان' ایمان وتقویٰ کی راہ اختیار کرنے کا محرک بھی بنتا ہے اور بدی کی قوتوں کے خلاف کشمکش کرنے اور راستی اور نیکی کے خدائی نظام کو برپا کرنے کی جدوجہد کا درس بھی دیتا ہے۔ اس عقیدے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ دوسروں سے محبت کرو اور ان کی خدمت انجام دو۔ نہ یہ کہ ان پر ظلم کرو اور ان سے ناجائز فائدے اٹھاؤ۔ یہ عقیدہ آدمی کے سینے میں ایک پولیس چوکی' ادارۂ احتساب اور ایک نظام عدالت قائم کر دیتا ہے جو اسے تنہائیوں میں بھی نیکی پر قائم رہنے کے رضا کارانہ جذبے سے آراستہ کرتا ہے۔

اسلامی تصور آخرت اگر ہمارے سامنے نہ ہو تو ایسے ایسے مسائل پیدا ہوتے ہیں کہ جن کا کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا۔

وہ شخص جو ساری عمر ظلم ومعصیت میں گزار کر ہزارہا انسانوں کو مصائب کا شکار بناتا ہے کسی استعمار یا آمریت کے علمبردار جو قوموں کی قوموں کو خونریزی اور جبر وتشدد کے تلخ تجربوں سے گزارتے ہیں' آخر کونسا دنیوی اقتدار اور قانون اور عدالتی نظام ان کے ایک ایک فعل اور اس کے اثرات کا احاطہ کر کے انھیں کما حقہ' پوری سزا دے سکتا ہے؟

اسی طرح وہ شخص یا گروہ جو نوع انسانی کو سچائی اور نیکی سے بہرہ مند کرنے اور ان کی بہترین خدمات انجام دینے کے لیے عمر بھر قربانیاں دیتا ہے کون سی حکومت اور اس کے ذرائع ووسائل اسے پوری پوری جزا دے سکتے ہیں۔

قرآنی تصور حیات کو چھوڑ دینے سے ایسا خلا پیدا ہوتا ہے کہ زندگی عقل کی نگاہ میں بے

Marfat.com

مقصد اور لایعنی بن جاتی ہے اور زندگی کو لایعنی ماننے کے بعد انسان کا اچھا انسان بننا ناممکن ہے۔

۵۔ دین:

اسلام کی اساسی تعلیمات میں سے ایک یہ ہے کہ چونکہ دین نام ہے پوری زندگی بسر کرنے کے انداز واطوار کا اور اس کے مفہوم میں مسلک حیات اور نظامِ حیات کے تصورات شامل ہیں۔ اس لیے انسان بیک وقت کسی ایک ہی دین کا پیرو ہوسکتا ہے' وہ دین حق پر چلے گا یا دین باطل پر وہ خدا پرستی کی راہ اختیار کرے گا یا خدا فراموشی کی' وہ ایماندار ہوگا یا کفر کیش۔

ہر نظریہ اور فلسفہ ایک خاص قسم کے دین کی بنیاد ہوتا ہے۔ اور ہر قوم اور ہر فرد کی زندگی جس نقشے پر بسر ہو رہی ہے وہی اس کا دین ہے۔

ہماری کتاب ہدایت میں خدا نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ تمھارے لیے قرآنی تصور آخرت کو چھوڑ دینے سے ایسا خلا پیدا ہوتا ہے کہ زندگی عقل کی نگاہ میں لایعنی بن جاتی ہے اور زندگی کو لایعنی ماننے کے بعد انسان کا اچھا بننا ناممکن ہے۔ میں نے تمھارا خالق و مالک اور حاکم و ہادی ہونے کی حیثیت سے اسلام کو تمھارا دین مقرر کر دیا ہے اور اس کے خلاف جس بھی نظام زندگی کو اختیار کیا جائے گا وہ خدا کی بارگاہ (اور عدالت آخرت) میں جائز Valid تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ پس قرآن کا مطالبہ خدا پرستوں سے یہ ہے کہ وہ ہر طرف سے منہ موڑ کر دین حق کے لیے یکسو ہو جائیں اور اس پر خود جم جائیں اور اسے معاشرے میں بھی غالب کرنے کی جدوجہد کریں۔

۶۔ عبادت:

اسلام کا تصور عبادت دوسرے محدود مذاہب سے مختلف ہے۔ اسلامی تصورِ عبادت صرف اتنا نہیں ہے کہ خاص انفرادی دائرے میں پوجا پاٹ کے چند مقررہ طریقوں کو پورا کر دیا جائے بلکہ یہاں کا تصور عبادت پوری زندگی کو محیط ہے۔ زندگی کا ہر فعل' خواہ وہ فرد سے تعلق رکھتا ہو یا خاندان سے' معاشرے سے متعلق ہو یا ریاست سے' مسجد کے اندر کی ذمہ داریوں سے یا کھیت' کارخانے بازار اور دفتر کے مشاغل سے' بال بچوں کے معاملات سے یا تھانے' کچہری اور اسمبلی کی سرگرمیوں سے' اگر اسے خدا کے احکام وحدود کے تحت انجام دیا جائے تو وہ

Marfat.com

عبادت کی تعریف میں ہے بصورت دیگر معصیت کے دائرے میں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کی حدود میں رہ کر بال بچوں کے نفقہ کا انتظام کرنا' ازدواجی تعلقات استوار کرنا' امارت و قیادت کے منصب پر فائز ہونا' میدانِ جنگ میں حملہ آوروں کا مقابلہ کرنا' عدالت کی کرسی سے حق کے مطابق فیصلے دینا اور صدق و دیانت کے ساتھ تجارت کرنا بھی کچھ عبادت کی وسیع تعریف میں داخل ہے۔

عبادت ہی کے تصور کے مطابق قرآن' نیکی کا جامع تصور دلاتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ رسوم کا بیرونی خول اصل نیکی نہیں' بلکہ اصل نیکی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور پھر اس ایمان کے تقاضے پورے کرنا ہے۔ جائے نماز سے لے کر میدان جہاد تک!

۷۔ نصب العین:

اسلام انسانی زندگی کو ایک بے مقصد کھیل تماشے کی حیثیت نہیں دیتا بلکہ بامقصد کائنات میں رہنے والی مخلوق کو بھی وہ ایک اعلیٰ نصب العین سے بہرہ مند کرتا ہے۔

وہ نصب العین امت وسط' شہداء علی الناس' اور حزب اللہ ہونے کے منصب جلیلہ پر فائز ہونے کی وجہ سے ساری دنیا کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینا ہے۔ کسی ذاتی غرض اور کسی گروہی مفاد سے بالاتر ہو کر!

یعنی ہمارے لیے قرآن کا عطا کردہ مقصد حیات یہ ہے کہ ہم جس مقام پر بھی ہوں' جس حیثیت کے مالک بھی ہوں' جیسی صلاحیتیں بھی رکھتے ہوں' جس پیشے میں بھی مصروف ہوں' ہماری تمام سرگرمیوں کا مقصود ساری دنیا تک اِصلاح و فلاح کا وہ پیغام بذریعہ قول و عمل پہنچانا ہے جس پر قرآن مشتمل ہے۔

تمام قومی منافرتیں' تمام نسلی عصبیتیں' تمام لسانہ اور لونی دیواریں بیچ میں سے ہٹا دی گئی ہیں' تمام دوسرے مفادات و مقاصد کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا گیا ہے۔ قرآن کے مومن کا ایک ہی مقصد ہے۔ ہر شخص' ہر گروہ' ہر قوم اور ساری انسانیت کو قرآنی نظام عدل و احسان کے قریب لانا۔ اس قسم کے بلند پاکیزہ اور اخلاقی نصب العین سے جو لوگ محروم رہ گئے ہیں ان کے سامنے دولت پرستی' نفس پرستی' جاہ پرستی اور جنس پرستی کے علاوہ دلچسپی کا کوئی اور عنوان ہی باقی نہیں رہا اور اس بیماری میں مبتلا اقوام اور تحریکوں کا حال یہ ہے کہ وہ جارحیت' ظلم اور

Marfat.com

بداخلاقی کو تیزی سے فروغ دے رہی ہیں۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات

انسان کو باقی حیوانی دنیا سے ممیّز کرنے والی چیز اخلاق ہی ہے۔ اس کے سنوارنے سے انسان کا سنوار ہے' اور اس کے بگاڑنے سے انسان کا بگاڑ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ تہذیب میں معاشرے جس چیز پر متفق نظر آتے ہیں وہ حسنِ اخلاق ہے۔ سچائی' پاس عہد' رحم' فیاضی' صبر' تحمل' بردباری' اُولوالعزمی' شجاعت' ضبطِ نفس' خودداری' میل ملاپ' شائستگی' فرض شناسی' اتفاق اور دوسری اچھی صفات کو سب نے سراہا ہے اور اس کے برعکس تمام معاشروں نے جھوٹ' بدعہدی' ظلم' بخل' بے صبری' بزدلی' ذلت' ترش روئی' خیانت' چغلی' غیبت اور تمام دوسری برائیوں کو بُرا سمجھا جاتا ہے۔ یہ اقدار انسانیت کا مشترکہ ورثہ ہیں اور اسلام نے ان معروفات اور منکرات کو اپنے نظام میں سمولیا ہے۔ البتہ جس پہلو سے قرآن کا نظامِ اخلاق منفرد ہے وہ یہ ہے کہ اس نے فلسفہ اخلاق کے تمام بنیادی امور کے بارے میں ایک منظّم اور مربوط نظریہ پیش کیا ہے اور وہ اپنا ایک خاص اخلاق اور قوتِ محرکہ رکھتا ہے اور یہ مل کر اس کے فلسفہ اخلاق کی مکمل تصویر پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ بنیادی باتیں قابل ذکر ہیں:

(ا) اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی پہلی بنیاد یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش اور امتحان کے لیے بھیجا ہے اور ایک دن انسان کو پوری زندگی کا حساب اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرنا ہوگا۔ اسلام نے اخلاقی امور کا کمال یہ قرار دیا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ادا کیے جائیں کہ یہ خدا کے احکام ہیں اور انسانوں کو خدا کے بتائے ہوئے معیارِ خیر و شر کے مطابق عمل کرنا ہے۔ اسی میں ان کی فلاح ہے۔

(ب) انسان خود اپنے بُرے بھلے کے متعلق محض اپنی عقل کی بنا پر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کو اچھی اور مفید سمجھتا ہے لیکن درحقیقت وہ مضر ہوتی ہے اور بعض چیزوں کو وہ مضر سمجھتا ہے حالانکہ وہ اس کے لیے حد درجہ مفید ہوتی ہیں۔ قرآن کے یہ الفاظ اسی مضمون کی ترجمانی کرتے ہیں:

وَ عَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَ عَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّ ھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (بقرہ ۲: ۲۱۶)

Marfat.com

عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمھارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھی بھلی لگے اور وہ تمھارے لیے مضر ہو خدا ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

آخر میں وجہ بھی بتادی کہ اللہ ہی حقائق اشیاء سے کما حقہ باخبر ہے اور تمھارے علم کا دائرہ محدود ہے۔ اگر ہر انسان یا انسانی گروہ اپنے لیے خود اخلاقی ضابطے وضع کرنے لگے تو انسانی معاشرہ انتشار کا شکار ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اخلاق کا تعلق باہمی معاملات ومسائل سے ہے۔

''دنیا کی ساری خوشی' خوشحالی اور امن وامان اسی اخلاق کی بدولت ہے۔ اسی دولت کی کمی کو حکومت اپنی قوت اور طاقت کے قانون سے پورا کرتی ہے۔ اگر انسانی جماعتیں اپنے اخلاقی فرائض کو پوری طرح خود انجام دیں تو حکومت کے جبری قوانین کی کوئی ضرورت ہی نہ ہو۔ اس لیے بہترین مذہب وہ ہے جس کا اخلاقی دباؤ اپنے ماننے والوں پر اتنا ہو کہ وہ ان کو سیدھے راستے سے بھٹکنے نہ دے۔''

اس اعتبار سے اسلام دنیا کے تمام مذاہب اور نظاموں سے کہیں زیادہ جامع ہے۔ اخلاق کے دائرے میں تو زندگی کے معاشرتی' سیاسی اور اقتصادی پہلو بھی آجاتے ہیں لیکن ہم اپنے مطالعے کی آسانی کے لیے اخلاق کو اس کے معروف تصور تک محدود رکھیں گے اور اس ضمن میں قرآن مجید کی بنیادی تعلیمات کو اختصار کے ساتھ پیش کریں گے۔

قرآن نے اخلاقی تعلیمات کا جو خاکہ پیش کیا ہے وہ یہ ہے:

ا۔ اسلام میں چونکہ اخلاق بھی دوسرے مذہبی امور کی طرح ایک عبادت ہے' اس لیے اس کی غرض وغایت بھی' ہر قسم کی دنیاوی اور ذاتی اغراض سے پاک ہونی چاہیے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کی حیثیت کچھ نہیں اور نہ ان اخلاقی امور کا کوئی اخروی فائدہ ہوگا۔

وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا۔

(آل عمران:۱۴۵)

''اور جو شخص دنیا میں (اپنے اعمال) کا بدلہ چاہے اس کو ہم یہیں بدلہ دیں گے اور جو آخرت میں طالب ثواب ہو اس کو وہاں اجر عطا کریں گے۔''

کوئی بھلائی کا کام اگر بدنیتی' ریاکاری سے کیا جائے وہ باطل ہوگا۔ اور اس کا کوئی اجر نہ ملے گا۔

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى۔ (بقرہ:۲۶۴)

''مومنو! اپنے صدقات کو احسان رکھنے اور ایذا دینے سے برباد نہ کرو۔''

۲۔ اخلاق' درحقیقت انسانوں کے باہمی تعلقات میں اچھائی برتنے کا نام ہے انسانوں کے باہمی میل جول سے جو فرائض اور ذمہ داریاں ایک دوسرے پر عائد ہوتی ہیں ان کا بحسن ادا کرنا اخلاق کہلاتا ہے۔ اس لیے اخلاق کے وجود کے لیے انسانوں کا باہمی میل جول ضروری ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے رہبانیت کو جائز نہیں قرار دیا۔ قرآن کریم یہ کہتا ہے:

وَّرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ۔ (الحدید:۲۷)

''اور رہبانیت' جسے انھوں نے از خود گھڑا ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا۔''

۳۔ اسلام میں جماعت کے افراد پر جماعت کے دوسرے افراد کی نگرانی فرض ہے' اس اخلاقی اور شرعی فرض کا نام ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' ہے۔ قرآن کریم کی وضاحت کے پیش نظر امت مسلمہ کی فضلیت اس بات پر ہے کہ یہ امت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (آل عمران : ۱۱۰)

''تم بہترین امت ہو جو سارے انسانوں کے لیے وجود میں لائی گئی ہے۔ تم بھلائی کا حکیم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔''

لہٰذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ جہاں بھی لڑائی کو دیکھے اسے مٹانے کی کوشش کرے اور ہر حالت میں حق بات کہے۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ (العصر:۳)

۴۔ عدل وانصاف کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے کسی فرد یا قوم کی دشمنی کی وجہ سے' راہ اعتدال' سے ہٹنا یا سچی شہادت سے گریز کرنا ناجائز ہے خواہ اس کی خاطر رشتہ داروں دوستوں اور انتہا یہ کہ اپنی ذات کے خلاف ہی گواہ کیوں نہ بننا پڑے اور اسی طرح اگر دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا معاملہ پیش آئے تو بے لاگ فیصلہ کرنا چاہیے۔

وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ۔ (النساء ۵۸)

Marfat.com

''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کا فیصلہ کرو''

وَ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا۔ (المائدہ ۸)

''اور لوگوں کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف چھوڑ دو''

کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَ لَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ۔ (النساء: ۱۳۵)

''انصاف پر قائم رہو' اللہ واسطے کے گواہ بنو خواہ تمھاری گواہی تمھارے یا تمھارے ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔''

اس سے بھی آگے بڑھ کر قرآن نے عدل کے ساتھ احسان کو بھی مسلمانوں کی ایک اخلاقی خصوصیت بتایا ہے۔ احسان کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی کمی کو پورا کر دینا' تاکہ معاشرے اور زندگی میں حسن قائم رہے۔ اسلامی مملکت میں عدل کا تعلق بڑی حد تک ریاست کے ہاتھ میں ہوگا۔ لیکن احسان ہر شخص کے ہاتھ میں۔

ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان

''اللہ تمھیں عدل اور انصاف کا حکم دیتا ہے''

۵۔ قرآن کے نزدیک وہ تمام صفات مذموم ہیں' جو معاشرے کی اخلاقی فضاء کو مکدر کریں اور مسلمانوں کے اتحاد و ضبط کو نقصان پہنچائیں اور جن سے اس بات کا خطرہ ہو کہ پوری سوسائٹی ناقابل اعتبار قرار پائے۔ مثلاً جھوٹ' انتشار و افتراق' ابتر اپردازی' بدگمانی' چغلی' غیبت' نفاق اور تحقیر وغیرہ کہ یہ وہ محرکات ہیں جن سے کسی سوسائٹی کی فضا مکدر ہو سکتی ہے۔ ان سب سے بچنے کے لیے اس طرح ہدایات دی گئیں:

(ا) وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ

''اور بچتے رہو جھوٹی بات سے۔''

(ب) وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا

''اللہ کی اس رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو'' (آل عمران۔۱۰۳)

(ج) کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

''سچوں کے ساتھ رہو۔''

(د) اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ۔ (حجرات۔ ۱۲)

Marfat.com

''قیاس آرائیوں سے بچو۔''

(د) وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا

''ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو''

(ز) لَا تَجَسَّسُوا

''ٹوہ میں نہ لگے رہو''

(ح) وَلَا تَلْمِزُوا اَنفُسَكُمْ

''ایک دوسرے کے عیب نہ لگاؤ۔'' (حجرات ۱۱)

(ط) لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ

''کچھ لوگ دوسروں کا مذاق نہ اڑائیں''

(ی) وَلَا تَنَابَزُوا بِالْاَلْقَابِ۔ (حجرات ۱۱)

''ایک دوسرے کو برے ناموں سے نہ پکارو۔''

مسلمانوں کی جان و مال' عزت' آبرو' سب محترم ہیں۔ ناحق کسی کی جان لینا یا بے عزت کرنا' یا ذلیل و خوار کرنا جائز نہیں ہے' جیسا کہ خیانت' بددیانتی ظلم' فخر و غرور' خودستائی' حسد' بغض' ناپ تول میں کمی بیشی' انتقام' قتل ناحق وغیرہ قرآن کے نزدیک یہ سب مذموم صفات ہیں۔ ذیل کی آیات میں ان باتوں کی وضاحت موجود ہے:

(ا) لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ۔ (انفال۔۲۷)

''اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہو''

(ب) وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا۔

(لقمان : ۱۸)

''اور لوگوں سے گال پھیلائے نہ رکھو' اور نہ زمین پر اکڑ کر چلو۔''

(ج) وَ لَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا۔ (بنی اسرائیل ۳۷)

''زمین پر اکڑ کر نہ چلو''

(د) فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنفُسَكُمْ۔ (نجم ۔ ۳۲)

''اپنی پاکبازی نہ جتاؤ''

Marfat.com

(ہ) وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (العلق)

''حاسد کے حسد سے پناہ مانگتا ہوں''

(ر) اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (النور۔۲۳)

''جولوگ پاک دامن بھولی بھالی' بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا وآخرت دونوں میں لعنت ہے۔''

واللّٰہ لا یحب الظالمین

''اللہ ظالموں کو محبوب نہیں رکھتا۔''

فاوفوا الکیل والمیزان ولاتبخسوا الناس اشیاء ھم

''تول پوری کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو۔''

۷۔ قرآن مجید کا یہ بھی حکم ہے کہ جائز سفارش کرو اور کسی کا مال ناجائز طور پر نہ کھاؤ۔ یعنی بطور رشوت یا کسی اور ناجائز ذریعہ سے۔

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔

''اور ایک دوسرے کا مالِ ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور اسے تم جانتے بھی ہو''

۸۔ باہمی میل ملاپ میں اور بات چیت میں تواضع اور شیریں زبانی سے کام لو اور غرور اور بدمزاجی سے پرہیز کرو۔

قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا

''سب لوگوں سے اچھی بات کہو۔''

''اور مومنین کے لیے اپنے بازو جھکا لو۔'' (حجر:۸۸)

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنْ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (شعراء۔۲۱۵)

''ان مومنوں کے ساتھ خاطر تواضع سے پیش آؤ جو آپ کے تابع ہیں''

وَ الْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ۔ (آل عمران ۱۳۴)

''غصہ پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے۔''

Marfat.com

وان تعفوااقرب للتقویٰ

''اگرتم معاف کردوتو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔''

وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا۔ (نور۔۲۲)

''انھیں چاہیے کہ معاف کردیں اور درگزر سے کام لیں۔''

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (شوریٰ۔۴۳)

''اور جوصبر کرے اور درگزر سے کام لےتو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں''

۱۰۔ معاشی نقطہ نظر سے وہ ایسی روش اختیار کریں جس میں قناعت اور خرچ میں اعتدال ہواور اسراف سے دور رہیں۔ اگر اللہ نے کسی کو زیادہ دیا ہےتو لالچ نہ کریں اور نہ اس سے حسد کریں۔ اگر اللہ نے انھیں زیادہ دیا ہےتو اسراف نہ کریں اور نہ بخل سے کام لیں۔

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ۔ (نساء ۵۴)

''یا جلے مرتے ہیں اس نعمت پر جو خدا نے لوگوں کو عطا کی''

وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔ (نساء۳۲)

''اور جس چیز میں خدا نے تم میں سے بعض کو فضیلت دی ہے اس کی ہوس مت کرو۔''

وَ لَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَ لَا تَبْسُطْھَا کُلَّ الْبَسْطِ

(بنی اسرائیل ۔۲۹)

''نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے کھلا چھوڑ دو۔''

وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا

(الفرقان۔ ۶۷)

''اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی اور بخل سے کام لیتے ہیں' بلکہ اس کے درمیان اعتدال کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔''

اسلام کی سیاسی تعلیمات

ا۔ تصور کائنات:

فلسفہ سیاست کے نقطہ نظر سے اگر تصور کائنات کا جائزہ لیا جائے تو حسب ذیل نکات

Marfat.com

ہمارے سامنے آتے ہیں۔

(ا) اللہ تعالیٰ اس پوری کائنات کا اور خود انسان اور ان تمام چیزوں کا خالق ہے۔ جن سے انسان اس دنیا میں مستفید ہوتا ہے۔

''کہو اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی یکتا ہے سب کو مغلوب کر کے رکھنے والا''

(۱۳_۲۱)

(ب) ''اس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کی تہہ میں ہے۔(۲۰_۸)

(ج) اس کائنات میں حاکمیت ایک اللہ کے سوا کسی کی ہے' نہ ہو سکتی ہے اور نہ کسی اور کا یہ حق ہے کہ حاکمیت میں اس کا کوئی حصہ ہو۔

''فیصلے کا اختیار کسی کو نہیں ہے سوائے اللہ کے'' (۶_۵۷)

(د) حاکمیت کی جملہ صفات اور اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہی میں مرکوز ہیں۔ اس کائنات میں کوئی ان صفات اور اختیارات کا حامل سرے سے ہے ہی نہیں۔

''وہی اپنے بندوں پر غلبہ رکھنے والا اور وہی دانا اور ہر چیز سے باخبر ہے۔''

(۶_۱۸)

''بادشاہ عیب و نقص سے پاک' غلطی سے مبرا' امن دینے والا' نگہبان' غالب' بزور حکم نافذ کرنے والا' کبریائی کا مالک۔''(۵۹_۲۲)

''کہو خدا یا ملک کے مالک تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے' ساری بھلائی تیرے اختیار میں ہے تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (۳_۳۶)

۲۔ حاکمیت الٰہیہ:

کائنات کے اسی تصور کی بنیاد پر قرآن کہتا ہے کہ انسانوں کا حقیقی فرماں روا اور حاکم بھی وہی ہے جو کائنات کا حاکم و فرماں روا ہے۔ انسانی معاملات میں بھی حاکمیت کا حق اسی کو پہنچتا ہے اور اس کے سوا کوئی انسانی طاقت بطور خود حکم دینے اور فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں ہے۔

(ا) یہ کہ کائنات کا رب ہی درحقیقت انسان کا رب ہے اور اس کی ربوبیت تسلیم کی جانی چاہیے۔

Marfat.com

''کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب سے' انسانوں کے بادشاہ' انسانوں کے معبود کی''(۱۱۴_۱تا۳)

(ب) یہ کہ حکم اور فیصلہ کا حق اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔اس کی بندگی انسانوں کو کرنی چاہیے اور یہی صحیح طریق کار ہے۔

''حکم اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے اس کا فرمان ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔یہی صحیح دین ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں'' (۱۲_۴۰)

''وہ کہتے ہیں کہ ہمارا بھی کچھ اختیار ہے۔کہو اختیار سارا اللہ ہی کا ہے۔''

(۳_۱۵۴)

بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اسلام کا مقصد اتنا ہی نہیں کہ افراد کی اخلاقی اصلاح کر دی جائے۔اس کا مقصد یہ ہے کہ تدریجی مگر بنیادی انقلاب بنی نوع انسان کی پوری اجتماعی زندگی میں برپا کیا جائے اور قومی و نسلی زاویہ نظر کو بدل کر ان کی جگہ خالص انسانی احساس و شعور پیدا کیا ہے۔قرآن کہتا ہے کہ صرف اسلام ہی بنیاد و اساس ہے قومیت کی' خواہ اسے تہذیبی مفہوم میں لیا جائے' خواہ سیاسی مفہوم میں۔یہی سبب ہے کہ قرآن نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ اگر کسی شخص نے اسلام کے سوا کسی اور ضابطہ حیات یعنی دین کو اختیار کیا تو یہ بات ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔

(ج) یہ کہ حکم دینے کا حق اللہ کو اس لیے ہے کہ وہی خالق ہے۔

''خبردار' اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔''(۷_۵۴)

(د) یہ کہ حکم دینے کا حق اللہ کو اس لیے ہے کہ وہ کائنات کا بادشاہ ہے۔

''چور مرد اور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ کے لیے ہے۔''(۵_۳۸_۴۰)

(ہ) یہ کہ اللہ کا حکم اس لیے برحق ہے کہ وہی حقیقت کا علم رکھتا ہے اور وہی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے۔''ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمھیں ناپسند ہو اور وہ تمھارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے ایک چیز تمھیں پسند ہو اور تمھارے لیے بری ہو۔اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''

(۲_۲۱۶)

Marfat.com

۳۔ اللہ کی قانونی حاکمیت:

ان وجوہ سے قرآن فیصلہ کرتا ہے کہ اطاعت خالصتہً اللہ کی اور پیروی اسی کے قانون کی ہونی چاہیے۔ اس کو چھوڑ کر دوسروں کی یا اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی ممنوع ہے۔

''اے نبی ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمھاری طرف نازل کی ہے۔ پس تم دین کو اللہ کے لیے خالص کرکے اس کی بندگی کرو۔ خبردار دین خالص اللہ ہی کے لیے ہے۔'' (۳۹۔۱۔۱۲)

وہ کہتا ہے کہ اللہ نے انسانی معاملات کو منضبط کرنے کے لیے جو حدیں مقرر کردی ہیں ان سے تجاوز کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

''یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں' ان سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ کی حدود سے تجاوز کریں وہی ظالم ہیں۔'' (۲۔۲۲۹)

نیز وہ کہتا ہے کہ اللہ کے خلاف جو حکم بھی ہے نہ صرف غلط اور ناجائز ہے بلکہ کفر اور ظلم وفسق ہے۔ اس طرح کا ہر فیصلہ جاہلیت کا فیصلہ ہے جس کا انکار لازمہ ایمان ہے۔

''اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں'' (۵۔۴۴)

''اور وج اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔''

(۴۵:۵)

''اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔''

(۶۴:۵)

۴۔ رسول کی حیثیت:

خدا کا وہ قانون جس کی پیروی کا اوپر کی تین آیتوں میں حکم دیا گیا ہے انسان تک اس کے پہنچنے کا ذریعہ صرف اس کا رسول ہے۔ وہی خدا کی طرف سے اس کے احکام اور اس کی ہدایات انسانوں کو پہنچاتا ہے اور اپنے قول اور عمل سے ان احکام وہدایات کی تشریح کرتا ہے۔ پس رسول انسانی زندگی میں خدا کی قانونی حاکمیت کا نمائندہ ہے۔ اور اس بنا پر اس کی اطاعت لازمی ہے۔ خدا ہی کا یہ حکم ہے کہ رسول کے امر ونہی اور اس کے فیصلوں کو بے چون وچرا تسلیم کیا جائے حتیٰ کہ ان پر دل میں ناگواری پیدا نہ ہو۔ ورنہ ایمان کی خیر نہیں ہے۔

Marfat.com

''اور جس نے رسول کی اطاعت کی' اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔''

(۸۰:۴)

''جو کچھ رسول تمھیں دے اسے لے لو اور جس چیز سے روک دے اس سے باز رہو اور اللہ سے ڈرو۔ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔'' (۵۹۔۷)

''پس نہیں' تیرے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ (اے نبی) وہ تجھے اپنے باہمی اختلاف میں فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں اور پھر جو تو فیصلہ کرے اس پر اپنے دل میں بھی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ تسلیم کر لیں۔'' (۴۔۶۵)

۵۔ بالاتر قانون:

خدا اور رسول کا حکم قرآن کریم کی رو سے وہ بالاتر قانون ہے جس کے مقابلہ میں اہل ایمان صرف اطاعت ہی کا رویہ اختیار کر سکتے ہیں۔ جن معاملات میں خدا اور رسول اپنا فیصلہ دے چکے ہیں ان میں کوئی مسلمان خود آزادانہ فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں ہے اور اس فیصلے سے انحراف ایمان کی ضد ہے۔

''کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو اپنے اس معاملے میں ان کے لیے کوئی اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔''

(۳۶:۳۳)

۶۔ خلافت:

انسانی حکومت کی صحیح صورت قرآن کریم کے مطابق یہ ہے کہ ریاست خدا اور رسول کی قانونی بالادستی مانے' اس کے حق میں حاکمیت سے دست بردار ہو جائے اور حاکم حقیقی کے تحت ''خلافت'' کی حیثیت قبول کر لے۔ اس حیثیت میں اس کے اختیارات تشریعی ہوں یا عدالتی یا انتظامی لازماً حدود میں محدود ہوں گے جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔

(اے نبی) ہم نے یہ کتاب تمھاری طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے جو تصدیق کرتی ہے پہلے آئی ہوئی کتابوں کی اور نگہبان ہے ان پر' بس جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے تم اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو اور لوگوں کی خواہشات کی پیروی میں اس حق سے منہ نہ

Marfat.com

موڑو جو تمھارے پاس آیا ہے۔" (۲۴_۵۵)

۷۔ خلافت کی حقیقت:

اس خلافت کا جو تصور قرآن میں دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ زمین میں انسان کو جو قدرتیں بھی حاصل ہیں اس کی عطا اور بخشش سے حاصل ہیں۔ خدا نے خود ان کو اس حیثیت میں رکھا ہے کہ وہ اس کی بخشی ہوئی طاقتوں کو اس کے دیے ہوئے اختیار سے اس کی زمین میں استعمال کرے۔ اس لیے انسان یہاں خود مختار مالک نہیں بلکہ اصل مالک کا خلیفہ ہے:

"اور یاد کرو جب تمھارے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔" (البقرۃ ۲:۳۰)

لیکن یہ خلافت صحیح اور جائز خلافت صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے جب کہ یہ مالک حقیقی کے حکم کے تابع ہو۔ اس سے روگردانی کر کے جو خود مختارانہ نظام حکومت بنایا جائے وہ خلافت کے بجائے بغاوت بن جاتا ہے۔

"تم میں جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے اس سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا کہ وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔"

(۲۴_۵۵)

۸۔ اجتماعی خلافت:

اس جائز اور صحیح نوعیت کی خلافت کا حامل کوئی ایک شخص یا خاندان یا طبقہ نہیں ہوتا بلکہ وہ جماعت اپنی مجموعی حیثیت میں ہوتی ہے جس نے مذکورہ بالا اصولوں کو تسلیم کر کے اپنی ریاست قائم کی ہو۔ آیت ۲۴_۵۵ کے الفاظ اس معاملہ میں صریح ہیں۔ ان کی رُو سے اہلِ ایمان کا ہر فرد خلافت میں برابر کا حصہ دار ہے۔ کسی شخص یا طبقہ کو عام مومنین کے اختیاراتِ خلافت سلب کر کے انھیں اپنے اندر مرکوز کر لینے کا حق نہیں ہے، نہ کوئی شخص یا طبقہ اپنے حق میں خدا کی خصوصی خلافت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ یہی چیز اسلامی خلافت کو ملوکیت، طبقاتی حکومت اور تھیاکریسی سے الگ کر کے اسے جمہوریت کے رخ پر ڈالتی ہے۔ لیکن اس میں اور مغربی تصورِ جمہوریت میں اصولی فرق یہ ہے کہ مغربی تصور کی جمہوریت عوامی حاکمیت کے اصول پر قائم

Marfat.com

ہوئی ہے اور اس کے برعکس اسلام کی جمہوریت خلافت میں خود عوام حاکم کی ملکیت تسلیم کر کے اپنے اختیارات کو برضا و رغبت قانون خداوندی کی حدود میں محدود کر لیتے ہیں۔

۹۔ ریاست کی اطاعت کی حدود:

اس نظام خلافت کو چلانے کے لیے جو ریاست قائم ہوگی عوام اس کی صرف اطاعت فی المعروف کے پابند ہوں گے۔ معصیت میں نہ کوئی اطاعت ہے اور نہ تعاون۔

''ان میں سے کسی گنہگار اور ناشکرے کی اطاعت نہ کرو۔'' (۷۶۔۲۴)

۱۰۔ شوریٰ:

اس ریاست کا پورا کام اس کی تاسیس و تشکیل سے لے کر رئیس مملکت کے انتخاب اور انتظامی معاملات تک اہل ایمان کے باہمی مشوروں سے چلنا چاہیے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ مشاورت بلاواسطہ ہو یا منتخب نمائندوں کے ذریعہ سے:

''اور ان کا کام آپس کے مشوروں سے چلتا ہے۔'' (۴۲۔۳۸)

۱۱۔ اولی الامر کی صفات:

اس ریاست کا نظام چلانے کے لیے اولی الامر کے انتخاب میں جن امور کو ملحوظ رکھنا چاہیے وہ یہ ہیں:

(ا) وہ ان اصولوں کو جانتا ہو جن کے مطابق خلافت کا نظام چلانے کی ذمہ داری ان کے سپرد کی جا رہی ہے۔ اس لیے کہ ایک نظام کو چلانے کی ذمہ داری اس کے اصولی مخالفین پر نہیں ڈالی جا سکتی۔

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں اولی الامر ہوں۔'' (۴۔۵۹)

(ب) یہ کہ وہ ظالم فاسق و فاجر خدا سے غافل اور حد سے گزر جانے والے نہ ہوں بلکہ ایماندار، خداترس، نیکوکار ہوں اور کوئی ظالم یا فاسق اگر امارت کے منصب پر قابض ہو جائے تو اس کی امارت اسلام کی نگاہ میں باطل ہے۔

''اور تو اطاعت نہ کر کسی ایسے شخص کی جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کی ہے اور جس کا کام حد سے گزرا ہوا ہے''

Marfat.com

(۱۸_۲۸)

(ج) وہ نادان اور جاہل نہ ہوں بلکہ ذی علم' دانا' ذی فہم اور کاروبار کو چلانے کے لیے مالی اور جسمانی اہلیت رکھتے ہوں۔

''اپنے اموال جنھیں اللہ نے تمھارے لیے ذریعہ قیام بنایا ہے نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو۔'' (۴_۵)

وہ ایسے امانت دار ہوں کہ ذمہ داریوں کا بوجھ ان پر اعتماد کے ساتھ رکھا جا سکے۔

''اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے حوالے کرو۔'' (۴_۵۸)

۱۲۔ دستور کے بنیادی اصول:

اس ریاست کا دستور جن بنیادی اصولوں پر قائم ہے وہ یہ ہیں:

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہوں۔ پھر اگر تمھارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔''

(۴_۵۹)

یہ آیت چھ دستوری نکات واضح کرتی ہے:

۱۔ اللہ اور رسول کی اطاعت کا ہر اطاعت پر مقدم ہونا۔

۲۔ اولی الامر کی اطاعت کا اللہ اور رسول کی تعلیمات کے تحت ہونا۔

۳۔ یہ کہ اولی الامر اہل ایمان سے ہوں۔

۴۔ یہ کہ لوگوں کو حکام اور حکومت سے نزاع کا حق ہے۔

۵۔ یہ کہ نزاع کی صورت میں آخری سند خدا اور رسول کا قانون ہے۔

۶۔ یہ کہ خلافت ایک ایسا ادارہ ہونا چاہیے جو اولی الامر اور عوام کے دباؤ سے آزاد رہ کر اس بالاتر قانون کے مطابق جملہ نزاعات کا فیصلہ دے سکے۔

(ب) منتظمہ کے اختیارات لازماً حدوداللہ سے محدود اور خدا اور رسول کے قانون سے محصور ہوں گے جس سے تجاوز کر کے وہ نہ کوئی ایسی پالیسی اختیار کر سکتی ہے نہ کوئی ایسا حکم دے سکتی ہے جو معصیت کی تعریف میں آتا ہو۔ کیونکہ اس آئینی دائرے سے باہر جا کر اسے اطاعت کے مطالبہ کا حق ہی نہیں پہنچتا (اس کے متعلق قرآن کے واضح احکام ہم اوپر بیان

Marfat.com

کر چکے ہیں)

علاوہ بریں یہ منتظمہ لازماً شوریٰ یعنی انتخاب کے ذریعہ سے وجود میں آنی چاہیے اور اسے شوریٰ یعنی مشاورت دونوں کے متعلق قرآن قطعی صورتیں مقرر نہیں کرتا بلکہ ایک وسیع اصول قائم کر کے اس پر عمل درآمد کی صورتوں کو مختلف زمانوں میں معاشرے کے حالات اور ضروریات کے مطابق طے کرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیتا ہے۔

(ج) مقننہ میں لازماً ایک شوریٰ کی ہیئت ہونی چاہیے لیکن اس کے اختیارات قانون سازی بہرحال ان حدود سے محدود ہوں گے جہاں تک ان امور کا تعلق ہے جن میں خدا اور رسول نے واضح احکام دیئے ہیں یا حدود اور اصول مقرر کیے ہیں۔ یہ مقننہ ان کی تعبیر وتشریح کر سکتی ہے مگر ان میں ردوبدل نہیں کر سکتی۔ رہے وہ امور جن کے لیے بالاتر قانون ساز نے کوئی قطعی احکام نہیں دیئے ہیں ان میں اسلام کی اسپرٹ اور اس کے اصول عامہ کے مطابق مقننہ ہر ضرورت کے لیے قانون سازی کر سکتی ہے کیونکہ ان کے بارے میں کوئی حکم نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ شارع نے ان کو اہل ایمان کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔

(د) عدلیہ ہر طرح کی مداخلت اور دباؤ سے آزاد ہونی چاہیے۔ تاکہ وہ عوام اور حکام سب کے مقابلہ میں قانون کے مطابق بے لاگ فیصلہ دے سکے۔ اسے لازماً ان حدود کا پابند رہنا ہوگا اور اس کا فرض ہوگا کہ اپنی اور دوسروں کی خواہشات سے متاثر ہوئے بغیر ٹھیک ٹھیک حق اور انصاف کے مطابق معاملات کا فیصلہ کرے۔

''ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کر اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔'' (۵۔۴۸)

۱۳۔ ریاست کا مقصد:

اس ریاست کو دو بڑے مقاصد کے لیے کام کرنا چاہیے اول یہ کہ انسانی زندگی میں عدل قائم ہو اور ظلم و جور ختم ہو جائے۔

''ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان بھی نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت قوت اور لوگوں کے لیے منافع ہے۔'' (۵۷۔۲۵)

Marfat.com

دوسرے یہ کہ حکومت کی طاقت اور وسائل سے بھلائی اور نیکی کو ترقی دی جائے اور برائی کو دبایا جائے۔

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار دیں تو یہ نماز قائم کریں گے' زکوٰۃ دیں گے' نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔'' (۲۲_۴۱)

ان اللہ یزع بالسلطان مالا یزع بالقران۔

اللہ تعالیٰ (اپنے اطاعت گزاروں کی) حکومت کی قوت کے ذریعے وہ کام لیتا ہے جو وہ (محض) قرآن (کے تلقینی ذریعے) سے نہیں لیا کرتا۔

۱۴۔ بنیادی حقوق:

اس نظام میں رہنے والے مسلم و غیر مسلم باشندوں کے بنیادی حقوق یہ ہیں جنھیں ظالموں اور فاسقوں کے ظلم و تعدّی سے محفوظ رکھنا ریاست کا فرض ہے۔

(ا) جان کا تحفظ:

''کسی جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے حق کے بغیر قتل نہ کرو۔'' (۱۷:۳۳)

(ب) حقوق ملکیت کا تحفظ:

''اپنے مال آپس میں ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ۔'' (۲:۱۸۸_۴'۲۹)

(ج) عزت کا تحفظ:

''کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے اور نہ تم ایک دوسرے کو عیب لگاؤ نہ ایک دوسرے کو برے لقب دو' نہ تم میں سے کوئی کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی بدی کرے۔''

(۴۹_۱۱_۱۲)

(د) نجی زندگی کا تحفظ:

''اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو' جب تک کہ اجازت نہ لے لو۔'' (۲۴_۲۷)

''اور لوگوں کے بھید نہ ٹٹولو۔'' (۴۹_۱۲)

Marfat.com

(ز) ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق:

اللہ کسی پر ''زبان کھولنا پسند نہیں کرتا الا یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو۔'' (۴۔۱۴۸)

(ر) امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

جس میں تنقید کا حق بھی شامل ہے۔

''تم وہ بہترین امت ہو جسے نکالا گیا ہے لوگوں کے لیے' تم نیکی کا حکم دیتے ہو۔ بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' (۳۔۱۱۰)

(ر) آزادی اجتماع:

بشرطیکہ وہ نیکی اور بھلائی کے لیے استعمال ہو اور معاشرے میں تفرقے اور بنیادی اختلاف برپا کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

''اور ہونا چاہیے تم میں سے ایک گروہ جو دعوت دے بھلائی کی طرف اور حکم دے نیکی کا اور روکے بدی سے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جو متفرق ہو گئے اور جنھوں نے اختلاف کیا جب کہ ان کے پاس واضح ہدایت آ چکی تھی۔ ایسے لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔'' (۳۔۱۰۴۔۱۰۵)

(س) ضمیر واعتماد کی آزادی کا حق:

''دین میں جبر نہیں ہے۔'' (۲۔۲۵۶)

''کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں۔'' (۱۰۔۹۹)

''فتنہ قتل سے شدید تر چیز ہے۔'' (۲۔۱۹)

(ط) مذہبی دل آزاری سے تحفظ کا حق:

''یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جن معبودوں کو پکارتے ہیں انھیں گالیاں نہ دو۔''

(۶۔۱۸)

اس معاملہ میں قرآن یہ صراحت کرتا ہے کہ مذہبی اختلافات میں بحث تو کی جا سکتی ہے مگر وہ احسن طریقہ سے ہونی چاہیے۔

(ی) یہ حق کہ ہر شخص صرف اپنے اعمال کا ذمہ دار ہو اور دوسروں کے اعمال کی ذمہ

Marfat.com

داری میں اسے نہ پکڑا جائے۔

''ہر متنفس جو کماتا ہے اس کا وبال اسی پر ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔'' (۶،۸۴،۱۷،۱۵،۳۵،۳۹،۷،۵۳،۳۸)

(ن) یہ حق کہ کسی شخص کے خلاف کوئی کارروائی ثبوت کے بغیر اور انصاف کے معروف تقاضے پورے کیے بغیر نہ کی جائے۔

''اگر کوئی فاسق تمھارے پاس خبر لے کر آئے تو تحقیق کرلو ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو بے جانے بوجھے نقصان پہنچاؤ اور پھر اپنے کیے پر پچھتاؤ۔'' (۴۹۔۶)

(ل) یہ حق کہ حاجت مند اور محروم افراد کو ان کی ناگزیر ضروریات زندگی فراہم کی جائیں۔

''اور ان کے مالوں میں حق ہے مدد مانگنے والے اور محروم کا'' (۵۱۔۱۹)

(م) یہ حق کہ ریاست اپنی رعایا میں تفریق اور امتیاز نہ کرے بلکہ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے۔

''فرعون نے زمین میں سر اٹھایا اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کیا۔ جن میں سے ایک گروہ کو وہ کمزور بنا کر رکھتا تھا یقیناً وہ مفسد لوگوں میں سے تھا''

اسلامی ریاست کی خصوصیات:

قرآن کی ان تعلیمات میں جس ریاست کی تصویر ہمارے سامنے آتی ہے اس کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں۔ ایک آزاد قوم کی طرح یہ شعوری عہد اس ریاست کو وجود میں لاتا ہے کہ وہ پوری خودمختاری کے مالک ہوتے ہوئے اپنی مرضی سے خود رب العالمین کے سامنے سر تسلیم خم کردے گی اور اس کے ماتحت حاکمیت کے بجائے خلافت کی حیثیت قبول کر کے ان ہدایات واحکام کے مطابق کام کرے گی جو اس نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعے عطا کیے ہیں۔

ا۔ وہ حاکمیت کو خدا کے لیے خاص کرنے کی حد تک تھیاکریسی سے الگ ہوجاتا ہے۔ مذہبی پیشواؤں کے کسی خاص طبقے کو خدا کی خصوصی خلافت ٹھہرانے اور حل وعقد کے سارے اختیارات اس طبقے کے حوالے کردینے کے بجائے وہ حدود ریاست میں رہنے والے تمام اہل

Marfat.com

ایمان کو (جنھوں نے رب العالمین کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا شعوری عہد کیا ہے' خدا کی خلافت کا حامل قرار دیتی ہے اور حل وعقد کے آخری اختیارات مجموعی طور پر ان کے حوالے کرتی ہے۔

۲۔ وہ جمہوریت کے اس اصول میں Democracy سے متفق ہے کہ حکومت کا بننا اور بدلنا اور چلایا جانا بالکل عوام کی رائے سے ہونا چاہیے لیکن اس میں عوام مطلق العنان نہیں ہوتے کہ ریاست کا قانون اس کے اصول حیات کو داخلی وخارجی سیاست اور اس کے وسائل و ذرائع سب اس کی خواہشات کی تابع ہوں اور جدھر وہ مائل ہوں' یہ ساری چیزیں بھی اس طرف مڑ جائیں۔ بلکہ اس میں خدا اور رسول کا بالاتر قانون اپنے اصول و حدود اور اخلاقی احکام وہدایات سے عوام کی خواہشات پر ضبط قائم رکھتا ہے اور ریاست ایک ایسے متعین راستے پر چلتی ہے جسے بدل دینے کے اختیارات نہ اس کی منتظمہ کو حاصل ہوتے ہیں' نہ عدلیہ کو نہ مقننہ کو' نہ مجموعی طور پر پوری قوم کو' اِلّا یہ کہ قوم خود اپنے عہد کو توڑ دینے کا فیصلہ کر کے دائرہ ایمان سے نکل جائے۔

۳۔ وہ ایک نظریاتی ریاست ہے جس کو چلانا فطرتاً انھی لوگوں کا کام ہوسکتا ہے جو اس کے بنیادی نظریئے اور اصول کو تسلیم کرتے ہوں۔ لیکن تسلیم نہ کرنے والے جتنے لوگ بھی اس کے حدود میں تابع قانون ہوکر رہنا قبول کرلیں انھیں وہ تمام مدنی حقوق اسی طرح دیتی ہے جس طرح تسلیم کرنے والوں کو دیتی ہے۔

۴۔ وہ ایک ایسی ریاست ہے جو رنگ 'نسل' زبان یا جغرافیہ کی عصبیتوں کے بجائے صرف اصول کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ زمین کے ہر گوشے میں نسل انسانی کے جو افراد بھی چاہیں ان اصولوں کو قبول کرسکتے ہیں اور کسی امتیاز وتعصب کے بغیر بالکل مساوی حقوق کے ساتھ اس میں شامل ہوسکتے ہیں۔ اس نوعیت کی خالص اصولی ریاست کے لیے ایک عالمی ریاست بن جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے لیکن اگر زمین کے مختلف حصوں میں بہت سی ریاستیں بھی اس نوعیت کی ہوں تو وہ سب کی سب یکساں اسلامی ریاستیں ہوں گی۔ کسی قوم پرستانہ کشمکش کے بجائے ان کے درمیان پورا پورا برادرانہ تعاون ممکن ہوگا اور وہ کسی وقت بھی متفق ہوکر اپنا ایک عالمگیر وفاق قائم کرسکیں گی۔

۵۔ سیاست کو مفاد اور اغراض کے بجائے اطلاق کے تابع کرنا اور اسے خدا ترسی

Marfat.com

دیانت وامانت اور عدل و انصاف پر چلنا چاہیے اور اس کی خارجی سیاست بھی پوری راست بازی، قول وقرار کی پابندی، امن پسندی، بین الاقوامی عدل اور حسن سلوک پر قائم ہونا چاہیے۔

۶۔ یہ ریاست محض پولیس کے فرائض انجام دینے کے لیے نہیں ہے اور اس کا کام صرف نظم وضبط قائم کرنا اور سرحدوں کی حفاظت کرنا ہو۔ یہ ایک مقصدی ریاست ہے جسے ایجابی طور پر اجتماعی عدل اور بھلائیوں کے فروغ اور برائیوں کے استیصال کے لیے کام کرنا چاہیے۔

۷۔ حقوق اور مرتبے اور مواقع میں مساوات، قانون کی فرماں روائی، نیکی میں تعاون اور بدی میں عدم تعاون، خدا کے سامنے ذمہ داری کا احساس، حق سے بڑھ کر فرض کا شعور، افراد اور معاشرے اور ریاست سب کا ایک مقصد پر متفق ہونا اور معاشرے میں کسی شخص کو ناگزیر لوازمِ حیات سے محروم نہ رہنے دینا، یہ ریاست کی بنیادی قدریں ہیں۔

۸۔ فرد اور ریاست کے درمیان اس نظام میں ایسا توازن قائم کیا گیا ہے کہ نہ ریاست مختار مطلق اور ہمہ گیر اقتدار کی مالک بن کر فرد کو اپنا بے بس مملوک بنا سکتی ہے اور نہ فرد بے قید آزادی پا کر خود سر اور اجتماعی مفاد کا دشمن بن سکتا ہے۔ اس میں ایک طرف افراد کو بنیادی حقوق دے کر اور حکومت کو بالاتر قانون اور شوریٰ کا پابند بنا کر انفرادی شخصیت کے لیے نشوونما کے پورے مواقع فراہم کیے گئے ہیں اور اقتدار کی بے جا مداخلت سے اس کو محفوظ کر دیا گیا مگر دوسری طرف فرد کو بھی ضابطہ اخلاق میں کسا گیا ہے۔ اور اس پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ قانون خداوندی کے مطابق کام کرنے والی حکومت کی دل سے اطاعت کرے۔ بھلائی میں اس کے ساتھ مکمل تعاون کرے۔ اس کے نظام میں خلل ڈالنے سے باز رہے اور اس کی حفاظت کے لیے جان ومال کی کسی قربانی سے دریغ نہ کرے۔

قرآن کی معاشی تعلیمات:

قرآن نے جو معاشی تعلیمات پیش کی ہیں ان کا ایک اجمالی خاکہ یہاں پیش کیا جا رہا

Marfat.com

ہے۔

۱۔ سب سے پہلے قرآن فرد اور جماعت دونوں کے ذہن سے اس باطل نظریہ کو ختم کرتا ہے کہ 'اخلاق اور مذہب کو معاشی زندگی سے بھلا کیا سروکار؟ قرآن پاک بڑے بلیغ انداز میں معیشت اور اخلاق کا تعلق بیان کرتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (الجمعة ۶۲:۹،۱۰)

''مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو تم اللہ کی یاد کی طرف دوڑو اور لین دین چھوڑ دو۔ اگر تم جانتے ہو تو یہی تمھارے لیے بہتر ہے۔ پھر جب نماز ختم ہو جائے تو تم زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتے رہو' تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر معاش کو ''فضل اللہ'' کہا گیا ہے اور اس سے ذہن میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ سب اللہ کی عنایت سے ہے اور معاشی زندگی میں بھی انسان کو اسی طرح خدا کی حدود کا پابند بننا چاہیے جس طرح باقی تمام زندگی میں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (النور : ۳۷)

''وہ لوگ' جنھیں خرید و فروخت اور تجارت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔''

۲۔ قرآن کی معاشی تعلیمات کا ایک اہم مقصد انسانوں کے درمیان عدل و انصاف کا قیام ہے اور مثبت طور پر جو چیز بھی ظلم و تعدی کا ذریعہ بنتی ہیں ان کا سد باب کیا گیا ہے۔ اس کام میں جو مرکزی قدر سامنے آتی ہے وہ معاشی عدل کا قیام ہے۔

۳۔ اسلام کے مثبت معاشی مقاصد میں قیام عدل' معاشی فارغ البالی کا حصول' غربت کا انسداد اور تمام انسانوں کو معاشی جدوجہد کے مساوی مواقع کرنا بھی شامل ہے۔

۴۔ اسلام معاشی تنگی کو دور کرنے کا طریقہ یہ بتاتا ہے کہ حصول رزق کی کوشش کی جائے اور پیداوار بڑھانے کے لیے ذرائع کو استعمال میں لایا جائے۔ اور محض غربت اور افلاس یا معیار زندگی کے گرنے کے خطرے سے انسان کشی اور زندگی کو تلف کرنے کی پالیسی کی

Marfat.com

اجازت نہیں دیتا۔ معاشی مسئلہ کا حل انسانوں کو کم کرنا نہیں معیشت کو فروغ دینا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا۔ (بنی اسرائیل ۳۱)

''اور تم اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم ان کو مارڈالنا بڑی ہی خطا ہے۔''

یہاں یہ بات خصوصیت سے قابل غور ہے کہ غربت اور افلاس اور معیار زندگی کے گرنے کے خطرے کے سبب قتلِ اولاد کو منع کیا گیا ہے۔ قرآن آبادی کے حقیقی مسئلہ کا حل اضافہ پیداوار کی شکل میں کرتا ہے انسانوں کو کم کرنے کی شکل میں نہیں۔

۶۔ اسلام پیداوار کے اضافے اور معیشت کے ہمہ جہتی فروغ کی پالیسی اختیار کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی شرط بھی لگاتا ہے کہ آمدنی جائز ذرائع سے حاصل کی جائے۔ وہ اس نفع کو جو حرام ذرائع سے حاصل ہو دوزخ کی آگ قرار دیتا ہے۔ قرآن وحدیث میں رزق حلال کی جتنی اہمیت بیان کی گئی ہے وہ اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ اسلامی آئیڈیالوجی صرف جائز اور حلال رزق کے فروغ کی کوشش کرے گی اور ایسے تمام ذرائع کا بھی انسداد کرے گی جو حرام ہیں اور جن کو شریعت ناجائز وناروا قرار دیتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا۔ (البقرہ:۱۶۸)

''اے لوگو جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے حلال اور پاک چیزیں کھاؤ۔''

پھر ان چیزوں کی نشاندہی بھی کردی گئی ہے جو حرام ہیں' ان میں سب سے بڑھ کر سود ہے۔ خواہ اس کی کوئی بھی شکل ہو اور اس لیے اس کو خدا اور اس کے رسول کے خلاف جنگ قرار دیا گیا۔ اس طرح اسلام آمدنی کے تمام ذرائع کو بند کردیتا ہے جو غیر منصفانہ ہیں اور جس کی وجہ سے معاشرہ میں فساد اور عدم استحکام رونما ہوتا ہے۔ پھر حلال کے ساتھ ''طیب'' کی بھی قید لگی ہوئی ہے' مطلب یہ کہ کسبِ معاش میں محض یہ احتیاط کافی نہیں ہے کہ چیز اللہ کی حرام کی ہوئی اشیاء کی فہرست میں سے نہ ہو' بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ چیز جائز ذریعہ سے حاصل کی جائے ورنہ اگر جائز ذریعہ سے حاصل نہ کی جائے گی تو وہ بھی حرام ہی قرار پائے گی۔ طلب حلال کے ساتھ ساتھ اسلام انسان کو جائز مصارف پر دولت خرچ کرنے کی ترغیب بھی دیتا

Marfat.com

ہے اور اسراف وتبذیر سے روکتا ہے' جس کی وجہ سے دولت کا بے جا استعمال اور ضیاع رک جاتا ہے اور وہ تعمیری مقاصد کے لیے استعمال ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ

(بنی اسرائیل ۲۶۔۲۷)

''اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں۔''

پھر اسلام نے دولت کے چند ہاتھوں میں جمع ہو جانے کو بھی پسند نہیں کیا اور اس بات کا انتظام کیا ہے کہ مختلف قانونی اور اخلاقی تدابیر سے دولت کی تقسیم زیادہ منصفانہ ہو اور وہ پورے معاشرہ میں گردش کرے۔

لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ۔ (حشر:۷)

''ایسا نہ ہو کہ مال ودولت صرف تمھارے دولت مندوں ہی میں محدود ہو کر رہ جائے۔''

دولت کی تقسیم کے لیے مندرجہ ذیل صورتیں تجویز کی گئی ہیں:

(ا) زکوٰۃ:

جو ہر صاحب نصاب مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے اور جس کے ذریعے دولت مستقلاً امراء سے غربا کی طرف منتقل ہوتی ہے اور اس طرح اس کی گردش پورے معاشرہ میں عمل میں آتی ہے اور یہ کوئی خیرات نہیں بلکہ فقراء ومساکین کا ''حق'' ہے۔

(ب) صدقات واجبہ:

بہت سے صدقات مقرر کیے گئے ہیں جو مختلف مواقع پر ہر صاحب حیثیت مسلمان کو ادا کرنے ہوتے ہیں۔ جیسے صدقہ فطر وغیرہ' ایسے تمام صدقات بھی مندرجہ بالا مقاصد کو پورا کرتے ہیں۔

(ج) انفاق:

اسلام مسلمان میں انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ پیدا کرتا ہے' مال سے محبت کو کم کرتا ہے اور خدا کی راہ میں خرچ کر کے دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور

Marfat.com

تاریخ گواہ ہے کہ تقسیم دولت کو منصفانہ کرنے کا یہ ایک موثر ذریعہ ہے۔

(د) وراثت:

یعنی ایک شخص کی وفات پر اس کی دولت کی منصفانہ تقسیم اس کے پورے خاندان میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ۔

(ہ) حق سویٰ الزکوٰۃ:

زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ اگر ضرورت محسوس ہو تو حکومت کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ لوگوں سے مزید مال بطور ٹیکس لے اور اسے استحکام حکومت اور قیام انصاف کے لیے صرف کرے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ:

ان فی المال الحقاسویٰ الزکوٰۃ. (ترمذی)

''بیشک مال میں زکوٰۃ کے سوا اور بھی حق ہے۔''

(د) العفو:

اور انسان کو صرف انفاق ہی کی ترغیب نہیں دی بلکہ اس میں یہ جذبہ بھی پیدا کیا کہ اپنی ضرورت سے زیادہ جو بھی ہو اسے خدا کی راہ میں اور دوسروں کی بہتری کے لیے خرچ کردے۔

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ۔ (البقرہ ۲۱۹)

''وہ پوچھتے ہیں کہ ہم کتنا خرچ کریں کہہ دیجئے العفو (یعنی جو ضرورت سے زیادہ ہو)۔''

اسی طرح قرآنی تعلیم پورے معاشرے میں دولت کی تقسیم کی کوشش کرتی ہے' اس کی پالیسی کے دو بنیادی اصول 'فروغ پیداوار'' اور ''دولت کی منصفانہ تقسیم'' ہیں۔

۹۔ کتاب الٰہی تمام زمین اور وسائل فطرت کو اصلاً خدا کی دین اور اس کی ملکیت قرار دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام معاشی معاملات میں انسان کو عظیم تر ملکیت کے تصور کے تحت ''امین متصرف'' کی حیثیت سے انفرادی ملکیت کا حق دیتی ہے۔ یہی وہ شکل ہے جس میں انسان کی معاشی آزادی محفوظ رہ سکتی ہے اور اچھے اخلاق پروان چڑھ سکتے ہیں۔ لیکن یہ حق غیر محدود نہیں ہے یعنی اگر ملکیت آلہ ظلم بن جائے یا دوسروں کے حقوق پر اس کا غلط اثر پڑ رہا ہو

Marfat.com

تو ریاست کو مداخلت کا بھی حق ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں' ملکیت کی حیثیت ایک امانت کی سی ہے جسے خالق کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق استعمال کرنا ہے جو ایک انقلابی تصور ہے اور سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کے تصور ملکیت سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔

۱۰۔ اسلام ریاست کے معاشی وظائف کا بھی ایک مثبت تصور پیش کرتا ہے اور سماجی' فلاحی اور معاشی انصاف کے قیام کو اس کی اولین ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ زکوٰۃ ایک سماجی فلاح کی اسکیم ہے جس کے نظام کو ریاست کے ہاتھوں قائم کیا جاتا ہے۔ معاشی قانون سازی اور عدلیہ کی طاقتوں کے ذریعے ریاست معاشی انصاف قائم کرتی ہے۔ جس کا کوئی وارث نہیں ریاست اس کی وارث ہے۔ ناداروں' اپاہجوں کی مدد ریاست کا فرض ہے اور یہ بھی اس کی ذمہ داری ہے کہ تمام شہریوں کو ان کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرنے کی ذمہ داری لے۔

اسلام کی معاشرتی تعلیمات:

اسلام نے معاشرت کے جو اصول وضع کیے ہیں وہ ہمہ گیر بنیادوں پر استوار کیے گئے ہیں مثلاً:

۱۔ اسلام نے معاشرتی تعلیمات میں سب سے زیادہ اہمیت عقیدہ اور مقاصد کی ہم آہنگی کو دی ہے۔ دو مختلف انسانوں کے درمیان تعلقات اسی وقت استوار ہو سکتے ہیں جب ان کے درمیان عقیدہ اور عمل کا اتحاد پایا جاتا ہے۔ اس لیے قرآن نے انسانی سوسائٹی کو صرف دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ مومن اور کافر۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ۔ (التغابن۔۲)

مومنین کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ (الحجرات:۱۰)

''بیشک مومن بھائی بھائی ہیں۔''

دوسری جگہ قرآن کریم نے یہ حکم دیا ہے کہ کوئی مومن دوسرے مومن کو چھوڑ کر کافر سے دوستی نہ پیدا کرے کیونکہ ان دونوں کے درمیان عقیدہ اور مقاصد کسی بھی یگانگت نہیں پائی جاتی۔

Marfat.com

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

(آل عمران:۲۸)

''مومنین اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ہمدرد ہمساز ہرگز نہ بنائیں''

۲۔ اسلام نے انسانی زندگی کی تنظیم کرتے وقت خاندان کو خشت اول قرار دیا ہے اس طرح وہ معاشرت کی بنیاد مرد اور عورت کے تعلقات کے توازن پر رکھتا ہے۔ قرآن نے مرد کے لیے جو دائرہ کار موزوں تھا وہ اس کے لیے اور عورت کے لیے جو دائرہ کار فطری طور پر مناسب تھا وہ اس کے لیے مقرر کر دیا۔ اس سلسلے میں گھر کی دیکھ بال' بچوں کی پرورش' اور دیگر امور خانہ داری کو سرانجام دینا عورت کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ اس فریضہ کی خاطر خواہ تکمیل اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ عورت گھر کے دائرہ کو اپنی مملکت سمجھے' یہ دائرہ محدود نہیں بلکہ نہایت وسیع ہے اور انسانی معاشرہ کی بنیاد ہے کیونکہ خاندان انسانی معاشرہ کی اکائی ہے۔

۳۔ قرآن کریم کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان رنگ و نسل اور زبان وغیرہ کی بنیاد پر فرق و امتیاز جائز نہیں۔ ایمان اور عمل صالح یعنی تقویٰ ہی وہ بنیاد ہے جس کی رو سے ایک انسان دوسرے انسان کے مقابلے میں فضیلت اور برتری حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ (الحجرات:۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے''

اور اس نکتہ کی وضاحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی:

لافضل لعربی علٰی عجمی ولا لعجمی علٰی عربی اِلَّا بالتقویٰ

(کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے مگر صرف تقویٰ کے لحاظ سے)

۴۔ قرآن کریم نے اپنی معاشرتی تعلیمات کی بنیاد ان تمام انسانوں کی مساوات اور

Marfat.com

انسانی شرافت پر رکھی ہے اور پوری انسانیت کے فطری شرف کا اعلان عام کیا ہے۔

ولقد کرمنا بنی ادم بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور

فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۔ (بنی اسرائیل:۷۰)

اور (انسان کو) اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

اس شرف وفضیلت میں قرآن کی رو سے مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ قرآن اس بات کا انکار کرتا ہے کہ عورت اولین گناہ کا سبب بنی یا صنف نازک انسانی نقطہ نظر سے مرد کے مقابلے میں فروتر ہے یا وہ کوئی ناگزیر برائی ہے جیسا کہ بعض فلاسفہ اسے اسی طرح پیش کرتے ہیں۔ اسلام تمام مخلوق کو عیال اللہ سمجھتا ہے جس سے اللہ کو یکساں محبت ہے۔

۵۔ مرد اور عورت کے باہمی تعلق سے ایک خاندان اسلامی معاشرت میں ایک اہم اور مستقل یونٹ قرار پاتا ہے اور اس کی تشکیل رشتہ ازدواج سے ہوتی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے رشتہ ازدواج معاشرتی زندگی کی اولین بنیاد ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ مسلم معاشرے میں نکاح کو سہل بنایا جائے۔ چند مخصوص قریبی رشتہ دار عورتوں اور مشرکات کو چھوڑ کر باقی تمام عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا گیا۔ اگر ازدواجی زندگی میں کشیدگی ہو تو مرد کے لیے طلاق اور عورت کے لیے خلع کا راستہ کھلا رکھا گیا ہے۔ اس طرح مرد وعوت کے آزادانہ اور بے لگام میل جول کی جڑ کاٹ دی گئی۔

۶۔ خاندانی زندگی کے بارے میں قرآن کریم نے جو خصوصی ہدایات دی ہیں یا مرد اور عورت کے لیے جو حدود کار اور فرائض اور حقوق مقرر کیے ہیں وہ مختصراً حسب ذیل ہیں:

(ا) مرد کو خاندان کے معاش، تمدنی اور سیاسی زندگی کا نگران مقرر کیا گیا ہے اور عورت کو خاندان کی گھریلو زندگی، بچوں کی تربیت، نشوونما، ان کی تعلیم اور دوسری ضروریات کا نگہبان مقرر کیا گیا ہے۔ عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ پردہ کریں اور اندرونِ خانہ کے فرائض سرانجام دیں اور حتی الامکان، عام حالات میں مرد کے ساتھ گھر سے باہر کی تگ ودو میں شریک نہ ہوں اپنی آرائش وزیبائش کا برملا اظہار نہ کریں اگر انھیں کسی کام کے لیے باہر جانا بھی پڑے تو پردہ کریں۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى۔

(الاحزاب۳۳)

Marfat.com

''اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح پہلے جاہلیت کے دنوں اظہار تجمل کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ۔''

مرد اور عورت کا باہمی تعلق نہایت مقدس ہے' مرد اور عورت دونوں کو حکم ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مخلص اور وفادار رہیں بلکہ یک جان دو قالب ہوں۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ (بقرہ :۱۸۷)

''وہ تمھاری پوشاک ہیں تم ان کی پوشاک۔''

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً۔ (الروم:۲۱)

''اور اس کے نشانات میں ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے ازدواج پیدا کیں تا کہ تم ان کی طرف مائل ہو کر آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی۔''

عورتیں اپنے شوہروں کے لیے وجہ تسکین ہوتی ہیں مرد اور عورت کے ازدواجی تعلق کا مقصد محض شہوت اور تسکین نفس نہیں قرار دیا گیا بلکہ اسے تمدنی فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ جو نسل انسانی کے ارتقاء اور بقا کے لیے ضروری ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب عورت کا فرض بچے پیدا کرنا ہی نہ ہو بلکہ ان کی تعلیم و تربیت کی مناسب پرورش بھی ہو۔

(ب) اسلام نے وسیع تر انسانی مفاد اور ضرورت کے تحت ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی ہے اسی صورت میں حکم دیا ہے کہ اگر بیویاں ایک سے زیادہ ہوں' تو مرد کو چاہیے کہ ان کے درمیان ممکنہ حد تک انصاف و عدل کا رویہ اختیار کرے۔ ایک ہی طرف نہ جھک جائے۔

فلا تميلوا كل الميل فتذروها كالمعلقة ○

''اور ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتا ہوا چھوڑ دو۔''

(د) اگر مرد اور عورت کے درمیان جدائی ناگزیر بھی ہو تو بھی شرافت اور ہمدردی کے ماحول میں ہو اور اس سے قبل عورت کو ہدایہ اور تحائف دیئے گئے ہوں وہ واپس نہ لیے جائیں۔ ولايحل لكم ان تاخذوا مما اتيتموهن شياء (اور نہ لو اس میں سے کچھ بھی جو تم

Marfat.com

ان کو دے چکے' بلکہ تمھیں چاہیے کہ مزید کچھ انھیں دے دو۔)

فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا۔ (الاحزاب ۴۹)

ان کو کچھ متاع اور کوئی فائدہ دے کر اچھی طرح سے رخصت کرو۔

۷۔ میاں بیوی کے دائرہ کار کی علیحدگی اور باہمی تعلقات کے انضباط کے بعد ان کا اور ان کی اولاد کا تعلق سامنے آتا ہے۔ والدین کے بارے میں قرآن نے واضح تعلیمات دی ہیں اور کہا ہے کہ انھیں ''اف'' تک نہ کہو' یعنی انھیں اپنے کسی قول یا عمل سے ذرا بھی دکھ نہ پہنچاؤ اور جب تک وہ صریح اسلامی تعلیمات کے خلاف حکم نہ دیں ان کی حکم عدولی نہ کی جائے۔ دوسری طرف والدین کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت کا خاص خیال رکھیں۔ بھوک افلاس اور جاہلیت کے عار کی بنا پر بچوں کو قتل نہ کریں اور ان کی ایسی تربیت کریں کہ وہ معاشرہ کے معزز فرد بن سکیں۔ واجعله رب رضیا' اے رب اس (ہونے والے بچے) کو خوش اطوار بنا دے۔''

والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔

وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ۔ (مریم : ۱۹۔۵۵)

''اور وہ (اسماعیل علیہ السلام) اپنے اہل عیال کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔''

اور سورۂ الفرقان کے آخر میں مومنین خاص کی یہ دعا ہے کہ اے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیز گاروں کا امام بنا (فرقان ۷۴) مفسرین کے نزدیک ان آیات میں متقین سے مراد افراد خاندان ہیں۔

۸۔ خاندان کی تنظیم کے بعد اسلام نے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔ صلہ رحمی میں تمام رشتہ دار شریک ہیں۔ اس دائرے میں ایک خاندان سے آگے بڑھ کر کئی خاندان شریک ہو جاتے ہیں جن میں باہمی خونی تعلق ہوتا ہے یا رشتے ناطے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے ایک خاندان کے افراد کے باہمی تعلق کے لیے احسان کا استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے بعد حکم دیا ہے کہ اپنی خوشیوں میں ذوالقربیٰ کو یاد رکھا جائے۔

وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی۔ (النساء ۳۶)

''والدین اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرو۔''

وَ اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی۔ (البقرہ:۱۷۷)

Marfat.com

''اور باوجود عزیز رکھنے کے مال اپنے رشتہ داروں کو دے۔''

۹۔ایک خاندان اور اس کے قریبی رشتہ داروں کے بعد اس خاندان اور اس کے ہمسایہ خاندان کے تعلقات کا مرحلہ آتا ہے اس میں ہمسایہ' اہل محلّہ اور جان پہچان والے دوسرے لوگوں کا باہمی تعلق سامنے آتا ہے۔قرآن کریم نے ہمسائے سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے اور یہی حکم ان لوگوں کے بارے میں بھی ہے جن سے معمولی میل جول ہو' اس دائرے میں اہل محلّہ آتے ہیں:

وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ۔ (النساء:۳۶)

''اور احسان کرو ہمسایوں' اجنبی ہمسایوں کے پاس بیٹھنے والوں اور مسافروں کے ساتھ۔''

اہل محلّہ کے لیے مسجد کو پورے محلے کا محور بنایا گیا جہاں وہ پنج وقتہ نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں۔

۱۰۔حکم دیا گیا ہے کہ عام مسلمانوں سے ملاقات کی ابتدا ''سلام'' سے کی جائے۔اس طرح یہ تعلیم دی گئی ہے کہ آپ سے بات کرنے والا جس انداز سے بات کرتا ہے' آپ کا فرض ہے کہ آپ بھی اسی اندازِ سے بات کریں یا اس سے بھی اچھے انداز سے بات کریں۔ سلام کے لیے یوں تعلیم دی گئی:

وَ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا۔ (النسا: ۴۔۸۶)

''جب کوئی احترام کے ساتھ سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقہ کے ساتھ جواب دو یا کم از کم اس کی طرح۔''

۱۱۔معاشرے کے اندر نادار' اپاہج' یتیم اور بیوہ افراد کی نگہبانی کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔سورۂ الماعون میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ شخص خوف آخرت نہیں رکھتا جو یدع الیتیم. ولایحض علی طعام المسکین یعنی جو یتیموں کو دھکے دیتا ہے اور ناداروں کا کھانا کھلانے کے لیے ترغیب نہیں دیتا۔

اور دوسری جگہ ہے:

وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ (۱۹:۵۱)

Marfat.com

''ان کے اموال میں سائل اور نادار کا حق ہے۔''

اس مقصد کے لیے شریعت نے زکوٰۃ اور صدقات کو مشروع قرار دیا ہے اور حکم ہوا کہ یہ فقراء ومساکین کا حق ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ۔ (۹: ۶۰)

''بے شک صدقات فقراء اور مساکین کے لیے ہیں۔''

۱۲۔ غرض اسلام کے معاشرتی نظام کی بنیاد عالم گیر برادری' رنگ ونسل کے بجائے عقائد واخلاق' عائلی نظام کی مضبوطی' جنسی تعلقات کے انضباط' مرد وعورت کے دائرہ کار کی علیحدہ اور عام انسانی دوستی کے قواعد اور اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ ایک مسلمان جس طرح اپنے خاندان اور اپنے محلے کا ہمدرد ہوتا ہے اسی طرح وہ انسانیت کا ہمدرد ہوتا ہے۔ قرآنی نقطہ نظر سے وہ معاشرہ اسلامی معاشرہ نہیں ہے جس میں پڑوسی ایک دوسرے کا دشمن اور ایک ہی منزل کے دو مختلف حصوں میں رہنے والے ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوں اور یہ دونوں مسلمان بھی ہوں۔

۱۳۔ یہ ہے ایک مجمل خاکہ قرآنی نظام معاشرت کا اور اس کی جھلکیاں آج کسی حد تک مسلمانوں کے معاشرے میں موجود ہیں۔ صدیاں گزر گئیں جب کہ مسلمانوں کا اجتماعی' سیاسی نظام مختل ہو چکا ہے بلکہ کئی مسلم معاشرے صدیوں غیر مسلم حکومتوں کی ماتحتی میں زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آج بھی اسلامی نظام معاشرت کے آثار موجود ہیں اور انھیں مٹایا نہیں جاسکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن نے اسلامی نظام معاشرت کے لیے کچھ خاص اور مستحکم حفاظتی تدابیر اختیار کیں جن کی بدولت نامساعد حالات کے باوجود آج اسلامی معاشرہ اپنا وجود رکھتا ہے۔ وہ تدابیر مختصراً حسب ذیل ہیں:

(ا) اسلام نے قرآن وسنت کی شکل میں اسلامی نظریہ کے تصور کو زندہ رکھا۔ مسلمانوں کے عقائد درست ہیں اور سنت رسول نے ہمیشہ انھیں حسن سلوک اور حسن شہرت پر ابھارے رکھا۔ حضور کی ایک حدیث ہے کہ:

من سن سنة فله اجرها واجر من عمل بها۔

''جس نے بھی کسی اچھی روایت کی بنیاد رکھی اسے اس کا اجر ملے گا اور اس پر قیامت تک جو بھی عمل کرے گا اس کا اجر بھی۔''

Marfat.com

اچھی روایت قائم کرنا بھی اسلامی معاشرت کی بقا کا ضامن ہوا۔ چنانچہ مسلمانوں نے ہمیشہ ایسی روایات کو سینے سے لگائے رکھا جن کا تعلق حسنِ سلوک' فیاضی' مہمان نوازی بڑوں اور اساتذہ کے ادب اور دوسرے آداب سے تھا۔

(ب) تعلیم کی وسعت اور اشاعت بھی اسلامی نظام معاشرت کے تحفظ کا اہم ذریعہ رہی۔ قرآن نے علم' تدبیر اور حکمت کو حد درجہ اہمیت دی۔ حضور اکرمؐ نے حصول علم کو انسانی فریضہ قرار دیا اور مسلمان ہمیشہ علم دوست رہے۔

(ج) مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھلائی کا حکم دیں' اسے پھیلائیں اور برائی سے روکیں۔ یہ کام ہر شخص پر اس کی استطاعت کے مطابق فرض ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنے معاشرے میں ہمیشہ منکر پر نکیر کیا اور اسے پنپنے نہیں دیا اور معروف کی حوصلہ افزائی کی اور یہ شعور اس حد تک آج بھی موجود ہے کہ جو لوگ بذات خود منکر میں مبتلا ہیں ان کی اکثریت بھی معروف کو پسند کرتی ہے اور اس کا احترام کرتی ہے۔

(د) شریعت نے قرآنی نظام معاشرت کی اولین بنیاد' خاندان کو اس حد تک مضبوط کیا ہے کہ مسلمانوں میں خاندانی نظام اور خاندان کی گرفت آج تک مضبوط ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کے سیاسی' معاشی' قانونی اور تعلیمی نظام کے اضمحلال کے باوجود اسلامی معاشرہ کسی قدر زندہ ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

اسوۂ رسول ﷺ

تمہید:

تاریخ انسانی میں ایسے لاکھوں ممتاز افراد گزرے ہیں جنھوں نے بنی نوع انسان کے لیے اپنی زندگیاں نمونے اور ماڈل کے طور پر پیش کیں۔ ان میں سے شاہان عالم ہیں، جنگی سپہ سالار ہیں۔ علماء، حکماء اور فاتحین عالم ہیں اور شہرہ آفاق شاعر ہیں۔ اسی طرح سٹیج عالم پر ہزاروں قسم کی زندگیوں کے نمونے ہیں اور ہر زندگی ایک کشش رکھتی ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ ان مختلف گروہوں میں سے کس کی زندگی بنی آدم کی سعادت، نجات اور ہدایت کی ضامن ہے اور اس کے لیے قابل تقلید اسوۂ حسنہ ہے۔ اس میعار پر پرکھیں تو انبیاء علیہم السلام کا گروہ ہی ایسا قابل تقلید نمونہ ہے جو اس معیار پر پورا اترتا ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ بنی نوع انسان میں اعمال کی بہتری، اخلاق کی نیکی، قلوب کو صفائی اور انسانی قویٰ میں اعتدال اور توازن پیدا کرنے کی کامیاب سعی اگر کسی گروہ انسانی نے کی ہے تو وہ نفوس قدسیہ۔۔۔ انبیاء کرام کا گروہ ہی ہے۔ وہ انسانی ہدایت کے لیے اس دنیا میں تشریف لائے اور رشد و ہدایت کی مشعل روشن کر کے چلے گئے۔ جن کی تعلیم و عمل کی ضیا پاشیوں سے آج بھی تمام انسانی گروہ یکساں فیض یاب ہو رہے ہیں۔ انبیاء کا پیام باہمی انس و محبت اور عالمگیر اخوت کا تھا۔ بقول مولانا روم ''انبیاء توڑنے نہیں جوڑنے آتے ہیں۔ وہ مختلف طبقات کو آپس میں لڑاتے نہیں، جوڑتے ہیں۔''

رہبر کامل ﷺ:

یہ نفوس قدسیہ (انبیاء کرام) اپنے اپنے وقت پر آئے اور گزر گئے۔ ہر ایک نے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں کے مناسب حال اخلاق حسنہ کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا اور تاریکی

Marfat.com

وضلالت کے مقابلے میں رشد وہدایت کا ایسا چراغ روشن کیا جس سے صراط مستقیم تک رسائی آسان ہوگئی۔ مگر اب ضرورت ایسے رہنما اور پیشوا کی تھی جو پورے عالم کو بقعہ نور بنادے اور ہمارے ہاتھ اپنی اعلیٰ ترین عملی زندگی کا وہ مکمل ہدایت نامہ دے دے جس کو لے کر اس کی حکیمانہ ہدایت کے مطابق ہر مسافر بے خطر منزل مقصود کا پتہ پالے۔ یہ رہبرِ کامل سلسلہ انبیاء کی آخری کڑی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ جس کی تکمیل کے لیے پھر کسی دوسرے کو نہ آنا تھا۔ آپ کی تعلیم دائمی اور ابدی تھی۔ یعنی قیامت تک اس کو زندہ رہنا تھا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو علم وعمل کا مجموعہ کمال بنایا گیا۔

دائمی اسوہ:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ قیامت تک کے لیے پوری انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ کیونکہ آپؐ کی پوری زندگی ایک روشن کتاب کی طرح ہمارے لیے کھلی ہے، کوئی واقعہ راز اور جہالت کی تاریکی میں گم نہیں۔ اس طرح آپ کی سیرت پاک جامعیت کی حامل ہے یعنی مختلف طبقات انسانی کو اپنی رشد وہدایت کے لیے جن نمونوں کی ضرورت ہے یا ہر فرد کو اپنے مختلف تعلقات اور فرائض کو ادا کرنے کے لیے جن ماڈلوں اور نمونوں کی ضرورت ہے وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں موجود ہیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قول وفعل، تعلیم وعمل کا حسین مرقع ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس تعلیم کو پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس کی ترجمان اور ذاتی عمل اس کے مطابق ہے۔ ورنہ اچھے سے اچھا فلسفہ اور عمدہ سے عمدہ نظریہ ہر شخص پیش کرسکتا ہے۔ البتہ جو چیز پیش نہیں کی جاسکتی وہ اس نظریئے اور فلسفے کے مطابق عمل ہے۔ اس لحاظ سے بھی سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے لیے ازلی نمونہ اور ابدی اسوۂ حسنہ ہے۔

قرآن کریم کی نظر میں آپصلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہر ایک مسلمان کے لیے بہترین نمونہ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (احزاب:۲۱)

(تمھارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے)

ایک مسلمان کی حیثیت سے انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لیے ہمیں ہر قدم

Marfat.com

پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ حضور ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات انسانی کے ہر شعبے' ہر گوشے میں مکمل ہدایات اور مثالی اعمال کے ذریعے ہمیں سیدھا' سچا' روشن اور بہترین راستہ بتایا ہے۔ پھر انسانوں کے ہر طبقہ اور گروہ کے لیے اس سیرت پاک میں نصیحت پذیری اور عمل کی رہنمائی موجود ہے۔ جو لوگ بچپن میں ناساز ماحول میں گھر جاتے ہیں ان کے لیے آمنہ کے لال اور دریتیم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن میں تسلی واطمینان کا سامان ہے۔ نوجوانوں کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاداری اور عفت میں نمونہ عمل ہے۔ جو کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ تاجروں کے لیے مکہ معظّمہ کے اس تاجر کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے جس کے تجارتی لین دین کی سچائی اور معاملے کی صفائی کا شہرہ ملک شام تک ہے۔ اس طرح اگر تم حکمران ہو تو سلطان عرب صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پڑھو۔ اگر رعایا ہو تو قریش کے مجاہد کو ایک نظر دیکھو۔ اگر تم استاد ہو تو صفہ کی درسگاہ کے معلم مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو۔ اگر طالب علم اور شاگرد ہو تو جبرائیل روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ۔ اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ منورہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو۔ اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو حضرت خدیجہ الکبریٰؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو۔ اگر صاحبِ اولاد ہو تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے باپ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے نانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھو۔ مزدور اور محنت کش طبقہ کے افراد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے معمار اول کو دیکھیں کہ جنھوں نے ''محنت میں عظمت ہے'' کا عملی پیغام دیا۔

غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تو تمھاری زندگی کے لیے نمونہ' تمھاری سیرت کی اصلاح کے لیے سامان تمھارے ظلمت خانہ کے لیے ہدایات کا چراغ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کامل میں ہر وقت مل سکتا ہے۔ اس لیے طبقہ انسانی کے ہر طالب اور حق کے ہر متلاشی کے لیے صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح' ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

''یعنی میں جملہ اخلاق عالیہ کی تکمیل کے لیے آیا ہوں۔''

اخلاق فاضلہ انسان کی عملی سیرت کا نام ہے۔ قرآن پاک نے اس بات کی عملی شہادت

Marfat.com

دی ہے کہ آپ اپنے عمل واخلاق کے لحاظ سے بھی بلندترین انسان تھے۔قرآن نے دوست ودشمن کے مجمع میں علی الاعلان کہا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ (قلم:۴)

''بے شک آپ خلق عظیم کے حامل ہیں۔''

عملی نمونہ:

چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا روشن ترین پہلو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔آپ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی تو شب وروز میں کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جب خدا کی یاد سے آپ کا دل اور ذکر سے زبان غافل ہو۔چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''آپ ہر وقت خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔''

صبر، توکل اور خدا پر اعتماد کی شان دیکھیں تو وہ بھی صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتی ہے، حکم الٰہی تھا کہ:

واصبر کما صبرا ولوا العزم من الرسل۔

''یعنی جس طرح صاحب عزیمت رسولوں نے صبر واستقلال دکھایا تو بھی دکھا۔''

آپ نے وہی کر کے دکھایا۔

قریش مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسی کیسی تکلیفیں دیں۔مگر صبر واستقلال کا دامن آپ کے ہاتھ سے کبھی نہ چھوٹا۔ہجرت کے وقت غار ثور میں پناہ لیتے ہیں۔کفار آپ کا پیچھا کرتے ہیں اور غار ثور کے دہانے تک پہنچ جاتے ہیں۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھبرا کر کہتے ہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم دو ہیں اور دشمن کثیر ہے۔لیکن ایک تسکین بھری آواز آتی ہے۔ابوبکر ہم دو نہیں۔

لاتحزن ان اللّٰہ معنا۔ (توبہ)

''گھبراؤ نہیں خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔''

اسی طرح عفو ودرگزر سے کام لینا اور دشمنوں سے پیار کرنا صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی حصہ تھا۔چنانچہ ابوسفیان جو برابر سات برس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فوجیں

Marfat.com

لاتا رہا' اسلام کا سخت ترین دشمن تھا۔ اسی طرح اس کی بیوی ''ہندہ'' جس نے احد کے معرکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کی بے حرمتی کی اور ان کے سینے کو چاک کر کے کلیجہ نکال کر چبایا۔ فتح مکہ کے موقع پر رحمۃ للعالمینؐ نے نہ صرف میاں بیوی کو معاف کر دیا بلکہ یہ بھی فرمایا ''جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کو بھی امن ہے۔''

غرض تاریخِ عالم میں یہ فخر صرف اسلام کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ وہ تعلیم اور اصول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل اور اپنی مثال کو پیش کرتا ہے۔ آخری حج کے موقع پر جب کہ شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ایک لاکھ پروانوں کا ہجوم تھا' بنی نوع انسان کو خدا تعالیٰ کا آخری پیغام سنایا جاتا ہے مگر تعلیم کے ساتھ اپنی ذاتی مثال بھی پیش کی جاتی ہے' فرمایا:

''آج عرب کے تمام انتقامی خون باطل کر دیئے گئے یعنی تم سب ایک دوسرے کے قاتل کو معاف کر دو اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کو خون اپنے بھتیجے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں۔ جاہلیت کے سودی لین دین آج باطل کیے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سودی کاروبار ختم کرتا ہوں''

(مسند احمد)

الغرض چھوٹے بڑے' حاکم و محکوم' فاتح و مفتوح' دوست و دشمن' اپنے بیگانے' معلم و متعلم' مفسد و مصلح۔۔۔سب کے لیے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ یکساں مفید اور قابل تقلید نمونہ ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چند گوشوں پر روشنی ڈالیں گے تاکہ ہم سب اپنی سیرتوں کی اصلاح کر سکیں بالخصوص نئی نسل کے نمائندے طلباء معاشرے کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔

بانیان مذاہب میں حضور ﷺ کا امتیازی مرتبہ

آنحضور نبی اکرم سید الانبیاء اور ختم الرسل کو بانیانِ مذاہب اور پیشوایانِ ادیان میں ایک منفرد اور امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں ہم قدرے تفصیل سے گفتگو کرتے ہین۔ جن انبیاء کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے ان کو اگرچہ ہم یقینی طور پر نبی مانتے اور جانتے ہیں' لیکن ان میں سے کسی کی تعلیم اور سیرت بھی ہم تک کسی قابل اعتماد اور مستند ذریعہ سے نہیں پہنچتی کہ ہم اس کی پیروی کر سکیں۔ حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت اسحاق'

Marfat.com

حضرت یوسف' حضرت موسیٰ' اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بلاشبہ نبی تھے اور ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر ان پر نازل ہونے والی کوئی کتاب آج محفوظ شکل میں موجود نہیں ہے کہ اس سے ہم ہدایت حاصل کرسکیں اور ان میں سے کسی کی زندگی کے حالات بھی ایسے محفوظ اور معتبر طریقے سے ہم تک نہیں پہنچے ہیں کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کو اپنا رہنما بنا سکیں اگر ان سارے انبیاء کی تعلیمات اور سیرت پر کوئی شخص کچھ لکھنا چاہے تو چند صفحات سے زیادہ نہیں لکھ سکتا اور وہ بھی صرف قرآن کی مدد سے کیونکہ قرآن کے سوا ان کے بارے میں کوئی مستند مواد موجود نہیں ہے جیسا کہ تاریخی شواہد سے ثابت ہے۔

ا۔ اسرائیلی انبیاء اور مقدس کتاب:

حضرت موسیٰ اور ان کے بعد آنے والے انبیاء اور ان کی تعلیمات کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ وہ بائبل کے عہد عتیق (Old Testament) میں ہیں۔ لیکن تاریخی اعتبار سے ذرا بائبل کا جائزہ لے کر دیکھئے۔ اصل تورات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی' چھٹی صدی قبل مسیح میں بیت المقدس کی تباہی کے وقت ضائع ہوچکی تھی اور اسی کے ساتھ دوسرے ان انبیاء کے صحیفے بھی ضائع ہوگئے تھے جو اس زمانے سے پہلے ہوکر گزرے تھے۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں جب بنی اسرائیل کی اسیری سے رہا ہوکر فلسطین پہنچے تو حضرت عزیر (Ezra) نے چند دوسرے بزرگوں کی مدد سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور بنی اسرائیل کی تاریخ مرتب کی اور اسی میں تورات کی وہ آیات بھی حسب موقع درج کردیں جو انھیں اور ان کے مددگاروں کو دستیاب ہوسکیں۔ اس کے بعد چوتھی صدی عیسوی قبل مسیح سے لے کر دوسری صدی قبل مسیح تک مختلف لوگوں نے (جو نہ معلوم کون تھے) ان انبیاء کے صحیفے (نہ معلوم کن ذرائع سے) تصنیف کرلیے جو ان سے کئی صدی قبل گزر چکے تھے۔ مثلاً ۳۰۰ قبل مسیح میں حضرت یونس علیہ السلام کے نام سے ایک کتاب کسی شخص نے لکھ کر بائبل میں درج کردی' حالانکہ وہ آٹھویں صدی قبل مسیح کے نبی تھے۔ زبور (Psalms) حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے پانچ سو برس بعد لکھی گئی اور اس میں حضرت داؤد کے علاوہ تقریباً ایک سو دوسرے شاعروں کی نظمیں بھی شامل کردی گئیں جو معلوم نہیں کن ذرائع سے زبور مرتب کرنے والوں کو پہنچی تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات ۹۳۳ قبل مسیح میں ہوئی اور امثال سلیمان علیہ السلام

Marfat.com

(Proverbs) ۲۵۰ قبل مسیح میں لکھی گئی اور اس میں دوسرے بہت سے حکماء کے اقوال بھی شامل کر دیئے گئے۔

غرض، بائبل کی کسی کتاب کی سند بھی ان انبیاء تک نہیں پہنچی جن کی طرف وہ منسوب ہے، اس میں مزید یہ کہ عبرانی بائبل کی یہ کتابیں بھی ۷۰ء میں بیت المقدس کی دوسری تباہی کے وقت ضائع ہوگئیں اور ان کا صرف یونانی ترجمہ باقی رہ گیا جو ۲۵۸ قبل مسیح سے پہلی صدی قبل مسیح تک کیا گیا تھا۔ عبرانی بائبل کو دوسری صدی عیسوی میں یہودی علماء نے ان مسودات کی مدد سے مرتب کیا جو بچے رہ گئے تھے۔ ان کا قدیم ترین نسخہ اب موجود نہیں۔ بحیرہ مردار (Dead Sea) کے قریب غار قمران میں جو عبرانی خریطے (Scrolls) ملے ہیں وہ بھی زیادہ سے زیادہ دوسری اور پہلی صدی قبل مسیح کے لکھے ہوئے ہیں اور ان میں بائبل کے صرف چند منتشر اجزاء ہی پائے جاتے ہیں۔ بائبل کی پہلی پانچ کتابوں کا جو سامریوں (Samritans) کے ہاں رائج ہے اس کا قدیم ترین نسخہ گیارہویں صدی عیسوی کا لکھا ہوا ہے۔ یونانی ترجمہ جو تیسری صدی عیسوی میں ہوا حضرت موسیٰ اور بعد کے انبیاء بنی اسرائیل کے حالات اور تعلیمات کے بارے میں اس مواد کو آخر کس معیار کے لحاظ سے مستند کہا جاسکتا ہے؟

اس کے علاوہ یہودیوں میں کچھ سینہ بہ سینہ روایات بھی پائی جاتی تھیں جنھیں زبانی قانون (Oral Law) کہا جاتا تھا۔ یہ تیرہ چودہ سو برس تک غیر مکتوب رہیں۔ دوسری صدی عیسوی کے آخر اور تیسری صدی کے آغاز میں ربی یہود ابن شمعون نے ان کو مشنا (Mishnah) کے نام سے تحریری شکل دی۔ فلسطینی علمائے یہود نے ان کی شرحیں ملقہ (Melakh) کے نام سے اور بابلی علماء نے ہگاوہ کے نام سے تیسری اور پانچویں صدی میں لکھیں اور انھیں تین کتابوں کا مجموعہ تالمود کہلاتا ہے۔ ان کی کسی روایت کی کوئی سند نہیں ہے جن سے معلوم ہو سکے کہ یہ کن لوگوں سے مرتب کرنے والوں تک پہنچیں۔

۲۔ حضرت عیسیٰ اور مسیحی کتب:

کچھ ایسا ہی معاملہ حضرت عیسیٰ کی سیرت اور تعلیمات کا ہے۔ اصل انجیل جو خدا کی طرف سے وحی کے ذریعے ان پر نازل ہوئی تھی اسے انھوں نے زبانی ہی لوگوں کو سنایا اور ان

Marfat.com

کے شاگردوں نے بھی زبانی ہی اسے دوسروں تک اس طرح پہنچایا کہ آنجناب کے حالات اور انجیل کی آیات سب کو خلط ملط کر دیا۔ ان میں سے کوئی چیز بھی مسیح علیہ السلام کے زمانے میں یا اَن کے بعد لکھی ہی نہیں گئی۔ لکھنے کا کام ان عیسائیوں نے کیا جن کی زبان یونانی تھی۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سریانی (Syric) یا آرامی (Aramic) تھی اور ان کے شاگرد بھی یہی زبان بولتے تھے۔ یونانی زبان بولنے والے بہت سے مصنفین نے ان روایات کو آرامی زبان میں سنا اور یونانی میں لکھا۔ ان مصنفین کی لکھی ہوئی کتابوں میں سے کوئی بھی ۷۰ء سے پہلے کی نہیں ہے اور ان میں سے کسی نے بھی کسی واقعہ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی قول کی سند نہیں بیان کی جس سے معلوم ہوتا کہ انھوں نے کون سی بات کس سے سنی تھی۔ پھر ان کی لکھی ہوئی کتابیں بھی محفوظ نہیں رہیں۔ بائبل کے نئے عہد نامے (New Testament) کے ہزاروں یونانی نسخے جمع کیے گئے' مگر ان میں سے کوئی بھی چوتھی صدی عیسوی سے پہلے کا نہیں ہے بلکہ زیادہ تر گیارہویں سے چودھویں صدی تک کے ہیں۔ مصر میں یا پیرس میں لکھے ہوئے جو منتشر اجزاء ملے ہیں ان میں سے بھی کوئی تیسری صدی سے قدیم تر نہیں ہے۔ یونانی سے لاطینی زبان میں ترجمہ کس نے کب اور کہاں کیا؟ اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ چوتھی صدی میں پوپ کے حکم سے اس پر نظر ثانی کا کام کیا گیا' اور پھر سولہویں صدی میں اسے چھوڑ کر یونانی سے لاطینی میں ایک نیا ترجمہ کر دیا گیا۔ یونانی سے سریانی زبان میں چاروں انجیلوں کا ترجمہ غالباً ۲۰۰ء میں ہوا تھا' مگر اس کا بھی قدیم ترین نسخہ جواب پایا جاتا ہے چوتھی صدی کا لکھا ہوا ہے اور پانچویں صدی کا جو قلمی نسخہ ملا ہے وہ اس سے کافی مختلف ہے۔ سریانی سے جو عربی ترجمے کیے گئے ان میں سے بھی کوئی ترجمہ آٹھویں صدی سے پہلے کا نہیں ہے۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ ستر کے قریب انجیلیں لکھی گئی تھیں' مگر ان میں سے صرف چار کو پیشوایانِ دینِ مسیح علیہ السلام نے قبول کیا اور باقی سب کو رد کر دیا۔ کچھ نہیں معلوم کہ قبول کیا تو کیوں؟ اور رد کیا تو کیوں؟ کیا اس مواد کی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور ان کی تعلیمات کو کسی درجے میں بھی مستند مانا جا سکتا ہے؟

زرتشت کی سیرت اور تعلیمات:

دوسرے پیشوایان مذاہب کا معاملہ بھی اس سے کچھ مختلف نہیں۔ مثلاً زرتشت کو لیجیے

Marfat.com

جس کا صحیح زمانہ پیدائش بھی اب ٹھیک معلوم نہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ سکندر کی فتح ایران سے ڈھائی سو سال پہلے اس کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ یعنی مسیح سے ساڑھے پانچ سو سال قبل۔ اس کی کتاب اوشا اپنی اصل زبان میں اب ناپید ہے اور وہ زبان بھی مردہ ہو چکی ہے جس میں وہ لکھی یا زبانی بیان کی گئی تھی۔ نویں صدی عیسوی میں اس کے بعض اجزاء کا ترجمہ ۹ جلدوں میں تشریح کے ساتھ کیا گیا تھا مگر ان میں سے پہلی دو جلدیں ضائع ہو گئیں اور اب اس کا جو قدیم ترین نسخہ پایا جاتا ہے وہ تیرھویں صدی کے وسط کا لکھا ہوا ہے۔ یہ تو ہے زرتشت کی پیش کردہ کتاب کا حال۔ رہا خود اس کی سیرت کا معاملہ تو اس کے متعلق ہماری معلومات اس سے زیادہ کچھ نہیں ہیں کہ ۴۰ سال کی عمر میں اس نے تبلیغ شروع کی۔ دو سال بعد شاہ گشتاسپ نے اس کی پیروی اختیار کر لی اور اس کا پیروکار بن گیا۔ ۷۷ سال وہ زندہ رہا اور اس کی موت پر جتنا زمانہ گزرتا گیا اس کی زندگی عجیب وغریب افسانوں کا مجموعہ بنتی چلی گئی جن میں سے کسی کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے۔

مہاتما بدھ:

دنیا کی مشہور ترین مذہبی شخصیتوں میں سے ایک بدھ تھا۔ زرتشت کی طرح اس کے متعلق بھی یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ شاید وہ نبی ہو۔ مگر اس نے سرے سے کوئی کتاب ہی پیش نہیں کی' نہ اس کے پیروؤں نے کبھی یہ دعویٰ کیا کہ وہ کوئی کتاب لایا تھا۔ اس کی وفات کے سو سال بعد اس کے اقوال اور حالات کو جمع کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا اور یہ سلسلہ صدیوں تک چلتا رہا۔ مگر اس طرح کی جتنی بدھ مذہب کی اصل کتابیں سمجھی جاتی ہیں ان میں سے کسی کے اندر بھی کوئی سند درج نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ کس ذریعہ سے ان احوال و اقوال اور تعلیمات کے مرتب کرنے والوں کو بدھ مت کے حالات اور اس کے اقوال پہنچے تھے۔

سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم:

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ہم دوسرے انبیاء اور مذہبی پیشواؤں کی طرف رجوع کریں تو بھی ان کے بارے میں کوئی مستند ذریعہ ایسا نہیں ہے جس سے ہم ان کی تعلیمات اور ان کی زندگیوں سے اطمینان اور یقین کے ساتھ رہنمائی حاصل کر سکیں۔ اس لیے ہمیں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ ہم کسی ایسے نبی کی طرف رجوع کریں گے جس نے کوئی قابل اعتماد

Marfat.com

اور تحریف وآمیزش سے پاک کتاب چھوڑی ہو اور جس کے مفصل حالات واقوال واعمال معتبر ذرائع سے ہم تک پہنچے ہوں تا کہ ہم ان سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔ ایسی شخصیت پوری دنیا کی تاریخ میں صرف ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔

قرآن۔۔۔محفوظ ترین کتاب:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو اس صریح دعوے کے ساتھ پیش کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔ اس کتاب کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو یقینی طور پر محسوس ہوتا ہے کہ اس میں کوئی آمیزش نہیں ہوئی ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کوئی بھی قول اس میں شامل نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو اس سے بالکل الگ رکھا گیا ہے۔ بائبل کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات اور عربوں کی تاریخ اور زمانہ نزول قرآن میں پیش آنے والے واقعات کو اس میں کلام الٰہی کے ساتھ خلط ملط نہیں کر دیا گیا ہے۔ یہ خالص کلام اللہ (Word of God) ہے۔ اس کے اندر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا ایک لفظ بھی شامل نہیں ہوا ہے۔ اس کے الفاظ میں سے ایک لفظ بھی کم نہیں ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے جوں کا توں یہ ہمارے زمانے تک منتقل ہوا ہے۔

یہ کتاب جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونی شروع ہوئی تھی اسی وقت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لکھوانا شروع کر دیا تھا۔ جب کوئی وحی آتی اسی وقت آپ اپنے کسی کاتب کو بلاتے اور اسے لکھوا دیتے تھے۔ لکھنے کے بعد وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا جاتا تھا اور جب آپ اطمینان کر لیتے تھے کہ کاتب نے اسے صحیح لکھا ہے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ایک محفوظ جگہ رکھ دیتے تھے۔ ہر نازل شدہ وحی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاتب کو یہ ہدایت بھی فرما دیتے تھے کہ اسے کس آیت سے پہلے اور کس کے بعد درج کیا جائے۔ اس طرح آپ قرآن کو ترتیب بھی دیتے رہے تھے یہاں تک کہ وہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

پھر نماز کے متعلق آغاز اسلام ہی سے یہ ہدایت تھی کہ اس میں قرآن مجید پڑھا جائے۔ اس لیے صحابہ کرام اس کے نزول کے ساتھ ساتھ اس کو یاد کرتے جاتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے اسے پورا یاد کر لیا اور ان سے بہت زیادہ بڑی تعداد ایسے اصحاب کی تھی جنھوں نے کم وبیش

Marfat.com

اس کے مختلف حصے اپنے حافظے میں محفوظ کر لیے تھے۔ الغرض:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کاتبین وحی سے اس کو از اول تا آخر لکھوایا۔

۲۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پورا کا پورا قرآن لفظ بہ لفظ یاد کر لیا۔

۳۔ صحابہ کرام میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے قرآن کا کوئی نہ کوئی حصہ، تھوڑا یا بہت یاد نہ کر لیا ہو، کیونکہ اسے نماز میں پڑھنا ضروری تھا اور صحابہ کرام کی تعداد کا اندازہ اس سے کر لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آخری حج میں ایک لاکھ چالیس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم شریک تھے۔

۴۔ پڑھے لکھے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک اچھی تعداد نے اپنے طور پر قرآن کو لکھ بھی لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کر اس کی صحت کا اطمینان بھی کر لیا تھا۔

پس یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ آج جو قرآن ہمارے پاس موجود ہے یہ لفظ بہ لفظ وہی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام اللہ کی حیثیت سے پیش فرمایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق نے تمام حافظوں اور تمام تحریری نوشتوں کو جمع کر کے اس کا ایک مکمل نسخہ کتابی صورت میں لکھوالیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسی کی نقلیں سرکاری طور پر دنیائے اسلام کے مرکزی مقامات کو بھیجی گئیں۔ ان میں سے دو نقلیں آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ ایک استنبول میں اور دوسری تاشقند میں جس کا جی چاہے قرآن مجید کا کوئی مطبوعہ نسخہ لے جا کر ان سے ملا لے، کوئی فرق وہ نہ پائے گا اور فرق وہ کیسے پا سکتا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک ہر پشت (Generation) میں لاکھوں اور کروڑوں حافظ موجود رہے ہیں۔ ایک لفظ بھی اگر کوئی شخص بدلے تو یہ حفاظ اس کی غلطی پکڑ لیں گے۔ پچھلی صدی کے آخر میں جرمنی کی میونخ یونیورسٹی کے ایک انسٹی ٹیوٹ نے دنیائے اسلام کے مختلف حصوں سے ہر زمانے میں لکھے ہوئے قرآن مجید کے قلمی اور مطبوعہ ۴۲ ہزار نسخے جمع کیے تھے۔ ان نسخوں میں کتابت کی غلطیوں کے سوا کوئی فرق نہیں ہے، حالانکہ پہلی صدی ہجری سے چودھویں صدی تک کے نسخے تھے اور دنیا کے ہر حصے سے فراہم کیے گئے تھے۔ افسوس کہ دوسری جنگ عظیم میں جب جرمنی پر بمباری کی گئی تو وہ انسٹی ٹیوٹ تباہ ہو گیا لیکن اس کی تحقیقات کے نتائج دنیا سے ناپید نہ ہوئے۔

Marfat.com

قرآن مجید کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ جس زبان میں یہ نازل ہوا تھا وہ ایک زندہ زبان ہے۔ عراق سے مراکو تک تقریباً ۱۲ کروڑ انسان آج بھی اسے مادری زبان کی حیثیت سے بولتے ہیں اور غیر عرب دنیا میں بھی لاکھوں آدمی اسے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ عربی زبان کی گرامر' اس کی لُغت' اس کے الفاظ کے تلفظ اور اس کے محاورے ۱۴ سو برس سے جوں کے توں قائم ہیں۔ آج ہر عربی دان اسے پڑھ کر اسی طرح سمجھ سکتا ہے جس طرح ۱۴ سو برس پہلے کے عرب سمجھتے تھے۔

یہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم خصوصیت جو ان کے سوا کسی نبی اور کسی پیشوائے مذہب کو حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوع انسانی کی ہدایت کے لیے جو کتاب ان پر نازل ہوئی تھی وہ اپنی اصل زبان میں اپنے اصل الفاظ کے ساتھ بلاتغیر وتبدل موجود ہے۔

مستند سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

اب دوسری خصوصیت کو دیکھیے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء اور پیشوایانِ مذاہب میں یکتا ہیں۔ وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بھی محفوظ ہے جس سے ہم زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ بچپن سے لے کر آخری سانس تک جتنے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز کا حکم دیتے سنا یا کسی چیز سے منع کرتے سنا' ان کی ایک عظیم تعداد نے سب کچھ یاد رکھا اور بعد کی نسل تک اسے پہنچایا۔ بعض محققین کے نزدیک ایسے لوگوں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچتی ہے جنھوں نے آنکھوں دیکھے اور کانوں سنے ہوئے واقعات بعد کی نسل تک منتقل کیے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احکام خود لکھوا کر بھی بعض لوگوں کو دیئے یا بھیجے تھے جو بعد کے لوگوں کو ملے۔ صحابہ میں سے کم از کم چھ اصحاب ایسے تھے جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنادی تھیں تاکہ ان میں کوئی غلطی نہ رہ جائے۔ یہ تحریریں بھی بعد میں آنے والوں کو ملیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کم از کم پچاس صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات' واقعات اور اقوال تحریری صورت میں جمع کیے اور یہ ذخیرۂ علم بھی ان لوگوں تک پہنچا جنھوں نے بعد میں احادیث و جمع اور مرتب کرنے کی خدمت انجام دی۔ پھر جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیرت کی معلومات زبانی روایت کیں ان کی تعداد

Marfat.com

بعض محققین کے نزدیک ایک لاکھ تک پہنچتی ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ کیونکہ آخری حج جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمایا جسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے اس میں ایک لاکھ چالیس ہزار آدمی موجود تھے اتنے آدمیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حج کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حج کا طریقہ سیکھا۔ وہ تقریریں سنیں جو اس حج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھیں، کیسے ممکن ہے کہ اتنے لوگ جب ایسے اہم موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں شریک ہونے کے بعد اپنے علاقوں میں واپس پہنچے ہوں گے تو وہاں ان کے عزیزوں، دوستوں اور ہم وطنوں نے ان سے اس سفر کے حالات نہ پوچھے ہوں اور حج کے احکام دریافت نہ کیے ہوں۔ اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم شخصیت کے اس دنیا سے گزر جانے کے بعد لوگ کس اشتیاق کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال واقوال اور احکام وہدایات ان لوگوں سے پوچھتے ہوں گے جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنے تھے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو روایات بعد کی نسلوں تک پہنچی تھی ان کے بارے میں ابتدا ہی سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا کہ جو شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کوئی بات کہتا اس کو یہ بتانا پڑتا تھا کہ اس نے وہ بات کس سے سنی ہے اور اوپر سلسلہ بہ سلسلہ کون کس سے وہ بات سنتا اور آگے بیان کرتا رہا ہے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک روایت کی پوری کڑیاں دیکھی جاتی تھیں تا کہ یہ اطمینان کر لیا جائے کہ وہ صحیح طور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معقول ہوئی ہے۔ اگر روایت کی پوری کڑیاں نہ ملتی تھیں تو اس کی صحت مشتبہ ہو جاتی تھی۔ اگر کڑیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتیں لیکن بیچ میں کوئی راوی نا قابل اعتماد ہوتا تو ایسی روایت بھی قبول نہ کی جاتی تھی اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ دنیا کے کسی دوسرے انسان کے حالات اس طرح سے مرتب نہیں ہوئے ہیں۔ یہ خصوصیت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی بات بھی سند کے بغیر نہیں کہی گئی اور سند میں بھی صرف یہی نہیں دیکھا گیا کہ ایک حدیث کا سلسلہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے یا نہیں بلکہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اِس سلسلے کے تمام راوی بھروسے کے قابل ہیں یا نہیں۔ اس غرض کے لیے راویوں کے حالات کی بھی پوری جانچ پڑتال کی گئی اور اس پر مفصل کتابیں لکھ دی گئیں جن سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کون قابل اعتماد

Marfat.com

تھا اور کون نہ تھا۔ کس کی سیرت و کردار کا کیا حال تھا۔ کس کا حافظہ ٹھیک تھا اور کس کا ٹھیک نہ تھا۔ کون اس شخص سے ملا تھا جس سے اس نے روایت نقل کی ہے اور کون اس سے ملاقات کے بغیر ہی اس کا نام لے کر روایت بیان کر رہا ہے۔ اس طرح اتنے بڑے پیمانے پر راویوں کے متعلق معلومات جمع کی گئی ہیں کہ آج بھی ہم ایک ایک حدیث کے متعلق یہ جانچ سکتے ہیں کہ وہ قابل اعتماد ذرائع سے آئی ہے یا ناقابل اعتماد ذرائع سے۔ انسانی تاریخ میں کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں پایا جاتا جس کے حالات زندگی اس قدر مستند طریقے سے منقول ہوئے ہوں۔

علاوہ ازیں آنحضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادیانِ مذاہب میں مندرجہ ذیل امتیازی خصوصیات کی وجہ سے منفرد اور ممتاز مقام حاصل ہے۔

۱۔ عالمگیریت:

گذشتہ انبیاء خاص قوموں کے لیے مختلف ادوار میں تشریف لائے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لیے منبعوث ہوئے۔ آپؐ کرۂ ارض کے کسی خاص خطے یا کسی ایک قوم کے لیے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے بلکہ ساری دنیا کے لیے اور تمام انسانوں کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ آپؐ نے اس کا اعلان خود بھی بحکم الٰہی کیا:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ نَ جَمِیْعًا۔ (الاعراف: ۱۵۸)

''اے انسانوں میں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہوں۔''

یہ ایک ایسی بات ہے جو آپؐ کے لیے خاص ہے۔ آپؐ سے قبل جو انبیاء آئے ان میں سے کسی کی حیثیت یہ نہ تھی۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

''مجھ سے پہلے ہر نبی مخصوص قوم کے پاس نبی بنا کر بھیجا جاتا تھا لیکن میں تمام لوگوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

آپ کے اس ارشاد کی سچائی پر اب پورا عالمِ اسلام شاہد ہے۔ دنیا کا کون سا خطہ' ملک یا براعظم ہے جہاں غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام خاص بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی ہدایت کے لیے آئے تھے۔ اسی طرح شعیب علیہ السلام' نوح علیہ السلام' اور ہود علیہ السلام

Marfat.com

صرف اپنی اپنی قوم کو ڈرانے کے لیے آئے تھے۔ لہٰذا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اور آخری بین الاقوامی رسول ہیں جو ہر انسان' کالے اور گورے کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ لہٰذا رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالمگیر اور بین الاقوامی ہے کسی خاص قوم' نسل' ملک اور طبقے میں محدود نہیں ہے۔

۲۔ دائمی تعلیمات:

رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا امتیاز اس کی تعلیمات کا دوام ہے۔ یہ وصف پہلے امتیاز کا لازمی نتیجہ تھا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ فیصلہ ہوا کہ اب نبی ایسا بھیجا جائے جو سب کے لیے ہو اور ہمیشہ کے لیے ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس نبی پر نازل ہونے والے دین کا مزاج بین الاقوامی' آفاقی اور دائمی ہو اور اس کی تعلیمات ہر زمانے' ملک اور ہر قسم کے انسانی مسائل پر حاوی ہوں۔ چنانچہ قرآن مجید کا اعلان ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (المائدہ۔۳)

''آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمھارے لیے دین اسلام کو پسند کیا ہے۔''

دین اسلام کے مکمل ہو جانے کی طرف اشارہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ ارتقاء کی تمام منازل طے کر چکا ہے اور اب اس میں مزید ترقی کی گنجائش نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وحی و رسالت کا سلسلہ اپنی آخری حد تک پہنچ کر ختم ہو گیا اور اب قیامت تک کوئی رسول نہیں آئے گا۔ اسلام نے زندگی کے بنیادی اصول متعین کر دیئے ہیں اور ان اصولوں کی روشنی میں ہر زمانے کے حالات کے تحت قوانین مدون کیے جا سکتے ہیں۔ حکیمانہ نظام کی بنا پر اسلام میں ہر دور کا ساتھ دینے کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔

علاوہ ازیں انبیاء میں سے کوئی ایک بھی نہیں جس کی پیش کردہ تعلیم یا کتاب آج اپنی درست شکل میں موجود ہو۔ یہ امتیاز تنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپ کی لائی ہوئی کتاب قرآن مجید اپنی اصلی شکل میں موجود ہے اور ہر قسم کی تحریف و ترمیم سے پاک ہے۔ بلکہ قرآن کے علاوہ آپ کی احادیث مبارکہ اور سنت پاک بھی آج تک محفوظ ہے اور قیامت

Marfat.com

تک محفوظ رہے گی۔

۳۔ جامعیت:

رسالت محمدی کا تیسرا وصف ''جامعیت'' ہے۔ دوسرے مذاہب پوری انسانی زندگی کا احاطہ نہیں کرتے۔ ان کے مقابلے میں رسالت مصطفویؐ کا نہایت جامع اور منظم ضابطہ پیش کرتی ہے۔ حیات انسانی کا کوئی گوشہ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی' معاشی ہو یا سیاسی' معاشرتی ہو یا روحانی اسلام کی ہدایات سے محروم نہیں۔ (ادخلوا فی السلم کآفۃ) اس طرح ریاست محمدی دین و دنیا کی وحدت علم و عمل کی یک رنگی اور زندگی میں توازن و اعتدال سکھاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک جامعیت کی حامل ہے۔ مختلف طبقات انسانی کو اپنی رشد و ہدایت کے لیے جن نمونوں کی ضرورت ہے یا ہر فرد کو اپنے مختلف تعلقات اور فرائض کو ادا کرنے کے لیے جن ماڈلوں کی ضرورت ہے وہ سب آپؐ کی حیات مبارکہ میں ہیں۔

قرآن کریم کی نظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہر ایک مسلمان کے لیے بہترین نمونہ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ۔ (احزاب:۲۱)

''تمھارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''

غرضیکہ حضور ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات انسانی کے ہر شعبے' ہر گوشے میں مکمل ہدایات اور مثالی اعمال کے ذریعے ہمیں سیدھا' سچا' روشن اور بہترین راستہ بتایا ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ (القلم : ۴)

''بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔''

اب ہر انسان خواہ وہ کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو اور کسی حال میں بھی ہو تو اس کی زندگی کے لیے جامع نمونہ اور سیرت کی اصلاح کا سامان رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے۔

۴۔ ختم نبوت:

رسالت محمدی کا چوتھا وصف ختم نبوت ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام مختلف زمانوں میں مختلف اقوام کی طرف تشریف لائے۔ اس کی نبوت وقتی اور مخصوص قوم کے لیے تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پوری نوع انسانی کے لیے ہے اور

Marfat.com

دائمی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء یعنی سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں اب تا قیامت کوئی نبی نہیں آئے گا اور نہ ہی کسی نئے نبی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ (الاحزاب:۴۰)

''لوگو! محمدؐ تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''

''خاتم النبیین'' کے معنی سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے کے ہیں۔عربی زبان میں ''ختم'' کے معنی ''مہر لگانے اور بند کرنے'' کے ہیں۔ ''ختم الکتاب'' کے معنی ہیں ''خط بند کر کے اس پر مہر لگادی'' تا کہ خط محفوظ ہو جائے۔ نیز اس کے معنی ڈاک خانے کی مہر کے نہیں جسے لگا کر خطوط جاری کیے جاتے ہیں بلکہ اس سے مراد وہ مہر ہے جو لفافے اس پر لیے لگائی جاتی ہے کہ نہ اس کے اندر سے کوئی چیز باہر نکلے نہ باہر کی کوئی چیز اندر آئے۔

ختم نبوت اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ختم نبوت کے مذکورہ مفہوم کی تائید کرتی ہیں۔ چند احادیث درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ میری اور مجھ سے قبل کے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک نہایت خوبصورت عمارت بنائی مگر اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہنے دی' لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے' عمارت کی بہت تعریف کرتے مگر کہتے کہ اس خالی جگہ پر اینٹ کیوں نہ لگائی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں کیونکہ میں ''خاتم النبیین'' ہوں۔

(بخاری و مسلم)

۲۔ ''بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے' جب کوئی نبی مر جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا' مگر میرے بعد کوئی نہ ہوگا بلکہ خلفاء ہوں گے'' (بخاری)

۳۔ ''مجھے چھ باتوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ میرے اوپر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔'' (مسلم و ترمذی)

Marfat.com

۴۔ ''میری امت میں تیس کذاب (جھوٹے نبی) ہوں گے' جن میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ حالانکہ میں ''خاتم النبیین'' ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔'' (ابوداؤد)

۵۔ ''رسالت اور نبوت ختم ہو چکی ہے۔ میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی'' (ترمذی)

۶۔ ''میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد آخر المساجد ہے'' (مسلم)

۷۔ ''میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔ (بخاری)

۸۔ ''میں فاتح اور خاتم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' (کنز العمال)

حضرت آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسد کے درمیان تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نبوت واجب ہو چکی تھی۔ نبوت کا افتتاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فاتح ہیں۔ نبوت کا اختتام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم ہیں۔

۹۔ ''میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتا۔'' (ترمذی)

مذکورہ احادیث سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر مختلف طریقوں سے مختلف انداز میں بار بار تاکیدی الفاظ میں صراحت فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں' سلسلہ نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو کوئی بھی رسول یا نبی ہونے کا دعویٰ کرے وہ کذاب' دجال اور جھوٹا ہے۔ ختم نبوت بنیادی مسئلہ ہے۔ جس پر ایمان اور کفر کا انحصار ہے' جس طرح ایک سچے اور برحق نبی کو نہ ماننا کفر ہے اسی طرح ایک جھوٹے نبی کو مان لینا بھی کفر ہے اور ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ پس قرآن وحدیث کی تصریحات کے مطابق اب نہ کوئی رسول آئے گا' نہ کسی قسم کا نبی۔۔۔ نہ تشریعی اور نہ غیر تشریعی نہ ظلی نہ بزوری۔

اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم:

قرآن و حدیث کی ان تصریحات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اور اجماع ہے۔

Marfat.com

تاریخی روایات شاہد ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً بعد' متعدد لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ ان سب مدعیان نبوت کے خلاف صحابہ کرام نے بالاتفاق جہاد کیا اور انھیں کیفرِ کردار تک پہنچایا۔ اس ضمن میں مسیلمہ کذاب کی مثال خصوصی طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکاری نہیں تھا بلکہ دعویٰ کرتا تھا کہ اسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نبوت بنایا گیا ہے۔ اس کے باوجود اسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کافر اور خارج ازملت قرار دیا۔ صحابہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور مسیلمہ کذاب اور اس کے پیروؤں کے خلاف جنگ لڑی۔ لہٰذا اب تک پوری امت میں یہ مسئلہ متفق رہا ہے کہ ہر نئی نبوت کا داعی جھوٹا اور کذّاب ہے اور اسلام سے خارج ہے۔ انجیل متی باب ۷ میں ہے:

''جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو' جو تمھارے پاس بھیڑیوں کے بھیس میں آئے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں۔ ان کے پہلوؤں سے تم انھیں پہچان لو گے۔''

عقلی دلائل:

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے نئے نبی کی ضرورت کا عقلی جائزہ لیا ہے۔ ان کے دلائل کا خلاصہ ہم بیان کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں ''نبوت کوئی ایسا وصف نہیں جو ہر اس شخص میں پیدا ہو جاتا ہے جس نے عبادت اور عمل صالح میں ترقی کر لی ہو۔ بلکہ یہ خدائی عطیہ ہے جو ضرورت کے تحت اللہ تعالیٰ کسی شخص کو عطا کرتا ہے۔ وہ ضرورت جب متقاضی ہوتی ہے تو ایک نبی اس کے لیے مقرر کیا جاتا ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق صرف چار حالتیں ایسی ہیں جب انبیاء کی ضرورت پڑتی ہے۔

ا۔ اول یہ کہ کسی خاص قوم میں نبی بھیجنے کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ قبل ازیں اس میں کوئی نبی نہ آیا ہو اور نہ ہی کسی دوسری قوم میں آئے ہوئے نبی کا پیغام اس تک پہنچا ہو۔ یہ ضرورت اب باقی نہیں رہی کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لیے اور سب قوموں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا۔ (سبا۔۲۸)

''اور اے نبی ہم نے تمھیں تمام انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔''

اور سورۂ اعراف آیت ۱۵۸ میں فرمایا:

قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا۔

Marfat.com

''اے نبیؐ کہہ دیجئے کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ دنیا کی جدید تمدنی تاریخ بتا رہی ہے کہ آپ کی بعثت کے وقت ہی ایسے حالات موجود رہے ہیں کہ آپ کا پیغام سب اقوام کو پہنچ سکتا تھا اور جدید دور میں تو یہ بالکل آسان معاملہ ہو گیا ہے۔

۲۔ دوم یہ کہ سابقہ انبیاء کی تعلیم بھلا دی گئی ہو یا اس میں تحریف ہو گئی اور اس کے نقش قدم کا اتباع ممکن نہ ہو لیکن رسالت محمدی کے ضمن میں یہ ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ قرآن نزول کے ساتھ ہی ہر طرح سے محفوظ کر لیا گیا اور اس کے ساتھ حدیث و سیرت کا پورا ذخیرہ اپنی صحیح صورت میں محفوظ ہے۔ اس میں تنسیخ و تحریف یا کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی جو ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے دی اس کے تمام آثار آج بھی ہمیں اس طرح مل جاتے ہیں گویا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہیں۔ لہٰذا دوسری ضرورت بھی باقی نہ رہی۔

۳۔ سوم یہ کہ سابقہ انبیاء کے ذریعہ سے کامل ہدایت و تعلیم لوگوں کو نہ ملی ہو اور تکمیل دین کے لیے نئے نبی کی ضرورت ہو۔ لیکن قرآن مجید اس ضرورت کی بھی نفی کرتا ہے' اس کا اعلان ہے:

''آج میں نے تمھارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمھارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا۔'' (المائدہ۔۳)

۴۔ آخری ضرورت یہ کہ ایک نبی کے ساتھ اس کی امداد کے لیے ایک اور نبی کی حاجت ہو۔ لیکن اگر اس کے لیے کوئی نبی درکار ہوتا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی آپ کے ساتھ مقرر کیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ جب وہ مقرر نہیں کیا گیا تو یہ وجہ بھی ختم ہو گئی۔

مذکورہ بالا چار وجوہات کے علاوہ پانچویں کوئی وجہ نہیں جس کے لیے نبی کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا عقلی لحاظ سے بھی اب کسی قسم کے نئے نبی کی حاجت نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی تا قیامت پوری انسانیت کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔

الغرض آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء کرام اور دیگر ہادیانِ مذاہب میں منفرد مقام اور امتیازی مرتبہ حاصل ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

عصر حاضر میں اسلام ایک غالب قوت

جدت پسندی بذات خود ایک مستحسن جذبہ اور انسان کی فطری خواہش ہے۔ اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو انسان پتھر کے زمانے سے ایٹم کے دور تک نہ پہنچتا۔ قدیم ذرائع آمدورفت سے جدید وسائل مواصلات تک اس کی رسائی نہ ہوسکتی۔ انسان کی تمام تر مادی ترقی اور سائنسی ایجادات ایک جذبے کے رہین منت ہے کہ وہ ہمیشہ سے خوب سے خوب تر کا متلاشی رہا ہے۔ اسلام ایک دین فطرت ہے۔ یہ کسی نئی بات یا جدت پر بحیثیت جدت کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی نوعیت اور افادیت کے مطابق اس کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ نبی کریمؐ کے زمانے میں صنعت وحرفت اور فنونِ جنگ کے بارے میں نئے طریقوں اور آلات کار کا استعمال متعارف ہوا۔ دفاع کے سلسلے میں عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ گہری خندق کھودی گئی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے طائف کے محاصرے میں دو نئے آلاتِ حرب استعمال کیے گئے۔ جن میں سے ایک منجنیق کی مانند تھا اور دوسرا دبابہ جسے موجودہ دور کے ٹینک کی قدیم صورت قرار دیا جاسکتا ہے۔

روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ ان آلات کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خود بنایا تھا۔ اس کے علاوہ حافظ ابن کثیر کی روایات کے مطابق حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت غسلان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو شام کے مشہور صنعتی شہر جبرش بھیجا گیا تا کہ دبابے اور منجنیق کی صنعت سیکھ کر آئیں۔

دبابے کی طرح کا ہی ایک آلہ تھا جسے اہل روم جنگوں میں استعمال کرتے تھے۔ زراعت کی ترقی کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ سے زیادہ کاشت کا حکم دیا اور زمین کی پوشیدہ نعمتوں میں سے رزق تلاش کرنے کی تاکید فرمائی۔

عرب لوگ بحری بیڑے کے تصور سے ناآشنا تھے۔ نبی کریمؐ مبعوث ہوئے اور یہ پیش

Marfat.com

گوئی فرمائی کہ میری امت کے کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے سمندر کی موجوں پر اس طرح سفر کریں گے جیسے تخت نشین بادشاہ اور پھر آپؐ نے ان کے فضائل بھی بیان فرمائے۔

عہد رسالت کے حوالے سے یہ چند مثالیں تھیں جن کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اسلام نے کسی جدید ایجاد اور شے پر نئے ہونے کی حیثیت سے کوئی قدغن نہیں لگائی بلکہ صحیح مقاصد میں جائز حدود کے ماتحت اس کی ہمت افزائی کی ہے۔

عصر حاضر نے جو صنعتی ایجادات اور سائنسی انکشافات پر مبنی ہے انسان کی مادی ترقی کو بام عروج تک پہنچایا ہے۔ نئی ایجادات نے راحت و آسائش کے بہتر طریقے مہیا کیے ہیں۔ اس کی ان تمام تر خوبیوں کے ساتھ ساتھ ان کے تباہ کن نقصانات بھی ظاہر ہوئے ہیں۔ اس مادی ترقی ادر جدت پسندی نے۔۔۔ مختلف عنوانات سے ہوس ملک گیری اور عریانی وفحاشی کے طوفان کھڑے کیے ہیں۔ گویا جدت پسندی ایک دودھاری تلوار ہے جو بنی نوع انسان کو فائدہ بھی پہنچا سکتی ہے اور اس کا کام تمام بھی کر سکتی ہے۔ اگر اسلامی تعلیمات کے مطابق تجزیہ کیا جائے تو عصرِ حاضر میں نہ تو کوئی نئی چیز نئی ہونے کی بنا پر قابل قبول ہے اور نہ قابلِ تردید۔ اہم سوال یہ ہے کہ وہ کیا معیار ہے جس پر یہ فیصلہ کیا جائے کہ جدت پسندی کی کون سی راہ قابل قبول ہے اور کون سی نقصان دہ اور نا قابل قبول۔

اس معیار کی تعیین کے لیے ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ کام خالص عقل کے حوالے سے کیا جائے چنانچہ لادینی معاشروں میں عقل کو قول فیصل کی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن عقل ودانش کے دعویداروں نے ہی جدت پسندی کے نام پر انسانیت کے لیے اخلاق وشرافت کے سارے اوصاف ملیا میٹ کیے اور مقدس معاشرتی اداروں کی حرمت کو بھی پامال کیا ہے۔ بڑے سے بڑے نظریئے کی شاندار اور خوبصورت توجیہات پیش کیں۔

اگر جدت پسندی کی رَو میں اچھے اور برے کا فیصلہ خالص عقل پر چھوڑ دیا جائے تو زندگی کی اقدار صحیح سالم باقی نہیں رہتیں۔ اور یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ ہر شخص کی عقل کا پیمانہ دوسرے سے مختلف ہے۔ چنانچہ انسان متضاد آراء اور نظریات کی ایسی بھول بھلیوں میں پھنس جاتا ہے کہ جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔ بنیادی وجہ یہ ہے کہ جو عقل وحی الٰہی کی راہنمائی سے آزاد ہو۔ وہ حقیقتاً انسان کی بہیمی خواہشات اور نفسانی اغراض کی غلام بن جاتی ہے اور یہ عقل کی غلامی کی بدترین شکل ہے۔ ایسی عقل کو قرآن حکیم میں ھویٰ یعنی خواہشِ نفس

Marfat.com

قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

''کہ اگر حق ان لوگوں کی خواہشات نفس کا تابع ہو جائے تو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں مخلوقات ہیں' ان میں سخت بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔''

یہ حقیقت ہے کہ اگر اچھے اور برے تمام کا فیصلہ عقل کے حوالے کر دیا جائے' تو انسان کے پاس کسی نئے رواج کو روکنے اور جدت پسندی کے ہاتھوں قیمتی سے قیمتی اخلاقی اقدار کو بچانے کا معیار باقی نہیں رہتا۔ خود اہلِ مغرب کو مہلک نتائج سامنے آنے پر سخت تشویش ہے کہ اس جدت پسندی کی عام روش میں وہ کیا طریق کار اختیار کیا جائے جس کی بناء پر اعلیٰ انسانی اوصاف اور ادارے محفوظ رہ سکیں۔ ایک امریکی جج کردوزو (Carduzo) اپنی کتاب (The Growth of Law) میں لکھتے ہیں کہ:

''قانون کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ ایک ایسا فلسفہ مرتب کیا جائے جو ثبات اور تغیر کے متضاد اور متحارب تقاضوں کے درمیان موافقت پیدا کر سکے۔''

ظاہر ہے کہ یہ کام کسی عقلی فلسفے کے بس کا نہیں' عقل کے سر پر وہ بوجھ لادا گیا جس کی وہ متحمل نہیں ہے' کسی قانون کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ وہ دائمی اور نا قابل تغیر ہے کسی دلیل کی بناء پر ہوتا ہے۔ انسانی عقل کی بناء پر کچھ لوگ عقل کو نا قابل تغیر قرار دیں گے لیکن کل کو دوسرے لوگ یہ اندازہ نہ لگائیں گے کہ وہ دائمی قانون بننے کے لائق نہ تھا۔ چنانچہ اس تجدد پسندی کے مسئلے کا حل صرف یہ ہے کہ عصر حاضر میں بھی اسلام کی قوت کو تسلیم کیا جائے اور انسان عقل کا غلام بننے کی بجائے عقل کو اس ذات کا غلام بنائے۔ جس نے اسے اور پوری کائنات کو تخلیق کیا ہے۔

خالق کائنات تمام وقوع پذیر ہونے والے تغیرات سے پوری طرح باخبر ہے اور ذات عالی کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا کہ کونسے اصول قانونی لحاظ سے نا قابل تغیر اور ثبات کے حامل ہیں۔ صرف مذہب میں ہمیں ایسی بنیاد ملتی ہے اور وہ بھی مذہب کے حقائق کو منطقی استدلال کے نتیجے کے طور پر نہیں بلکہ عقیدے کے ذریعے قبول کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون سے راہنمائی کے بغیر انسانیت کی نجات کے لیے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

سورۂ محمد کی آیت نمبر ۱۴ میں ارشاد ہے:

''تو جو شخص اپنے پروردگار کے واضح راستے پر ہو کیا وہ اس طرح ہو سکتا ہے جن کی

Marfat.com

بداعمالی ان کو بھلی لگتی ہے اور جو نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے"

گویا تمام جدت پسندیوں' نئے طور طریقوں اور رسوم ورواج کو ان کی ظاہری چمک دمک کی بنا پر نہیں بلکہ اس بنیاد پر جانچا جائے کہ وہ پروردگار کے راستے کے مطابق ہیں یا نہیں' اگر شریعت کا حکم موجود ہو تو اس کو بلا حجت تسلیم کیا جائے کیونکہ سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۳۶ کے مطابق کسی مومن مرد یا عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کر دے تو پھر اس معاملے میں اس کا اختیار باقی رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ بڑی واضح قسم کی گمراہی میں جا پڑا۔ اور سورۂ نساء کی آیت نمبر ۶۵ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا کہ:

"آپ کے پروردگار کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اپنے باہمی تنازعات میں فیصل نہ بنائیں۔ پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس کے بارے میں اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور اسے پوری طرح تسلیم کر لیں۔"

کتاب وسنت کے ذریعے جو احکامات اُمتِ مسلمہ کو دیئے گئے وہ اکثر ان ہی مسائل سے متعلق ہیں کہ اگر انھیں خالص عقل کے حوالے کیا جاتا تو وہ انسان کی گمراہی کی طرف لے جا سکتی تھی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ماضی اور مستقبل کے تمام احوال سے باخبر ہے اس لیے صرف اس کے احکام ہر دور میں واجب العمل ہو سکتے ہیں۔

سورۂ النساء کی آیت نمبر ۱۷۶ میں بیان ہے:

یبین اللہ لکم ان تضلُّو واللہ بکل شی ء علیم

"اللہ تعالیٰ تمھارے لیے کھول کھول کر باتیں بیان کرتا ہے تا کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔"

یہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تجدد پسندی اور عصر حاضر کے تقاضوں کے سلسلے میں وحی اور شریعت کی ضرورت اس لیے بھی بہت زیادہ ہے کہ خالص عقل کے ذریعے ہدایت تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ لیکن یہ طرز عمل بھی درست قرار نہیں دیا جا سکتا کہ کسی طور طریقے' چلن یا جدت کو پہلے اپنی عقل کے مطابق صحیح یا بہتر قرار دے دیا جائے پھر اس کے بعد قرآن و سنت کو اپنے عقلی فیصلے پر پورا اتارنے کے لیے دور از کار تاویلات کو اختیار کیا جائے۔ ایسا طرز عمل احکام الٰہیہ کے اتباع کے منافی ہے بلکہ یہ تو اتباع کی بجائے ترمیم اور تغیر کہلائے گا جس کا اختیار کسی انسان کو نہیں۔

Marfat.com

اتباع کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان ہر حال میں احکام الٰہی پر کامل یقین کر کے کسی ترمیم کے بغیر اسے قبول کرے اور مادی قوتیں اسے کسی صورت میں بھی احکام الٰہی کے اعراض پر آمادہ نہ کر سکیں۔ سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۱۵ سے ۱۱۷ میں اس مضمون کو واضح کیا ہے:

''اور آپؐ کے رب کی بات سچائی کے لحاظ سے پوری ہو چکی' اس کی باتوں کو تبدیل کرنے والا کوئی نہیں اور اس کی ذات سمیع اور علیم ہے اور اگر آپ زمین پر رہنے والوں کی اکثریت کی پیروی کریں گے کہ وہ آپ کو راہ خداوندی سے گمراہ کر دیں گے کیونکہ وہ تو ظن وگمان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ کہ وہ تو اٹکل پچو کی بات کرتے ہیں' بے شک آپ کا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے گمراہ ہے یا کون اس کے راستے سے بھٹک گیا ہو اور وہ یہ ہدایت کا اچھا انداز رکھتا ہے۔''

یہ بھی وضاحت کر دی گئی کہ:

'' کہتے ہیں وہ لوگ جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے کہ آپ قرآن کے سوا یا کوئی اور قرآن لے آؤ۔ یا اس کو بدل دو تو اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ میں اسے خود اپنی طرف سے تبدیل کر دوں میں پیروی کرتا ہوں اس چیز کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔''

اس اتباع خالص میں مخالفت اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن جو لوگ آزمائشوں کا مقابلہ کرتے ہیں انھیں اللہ کی طرف سے دنیا اور آخرت دونوں میں ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور وہ لوگ جو ہماری خاطر کوشش کرتے ہیں تو ہم ضرور انھیں اپنے راستے کی طرف ہدایت دیں گے یا ان کی راہنمائی کریں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے'' (العنکبوت ۷۹)

عصر حاضر کی مادی چکا چوند اور تجدد پسندی کے مقابلے میں یہ عمل درست نہیں' کہ اگر کسی حکم الٰہی میں ظاہری فائدہ نظر آئے تو اسے قبول کر لیا جائے جہاں آزمائش یا تنقید کا خدشہ ہو۔ وہاں اعراض یا تاویل سازی کی جائے۔

قرآن حکیم کے مطابق اس میں دنیا آخرت دونوں کا خسارہ ہے۔ سورۃ الحج کی ۱۱ ایت

Marfat.com

نمبر۱۱ میں اس بارے میں ہدایت دی گئی ہے:

''اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ کی بندگی کنارے پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ پس اگر ان کو کوئی دنیاوی فائدہ پہنچ گیا تو اس کی وجہ سے مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر آزمائش آ گئی تو منہ پھیر کر چل دیتے ہیں ایسے لوگ دنیا اور آخرت دونوں کا خسارہ اٹھاتے ہیں اور یہ کھلا ہوا نقصان ہے۔'' (الحج۔۱۱)

تجدد پسندی کے تمام تر لوازمات کے مقابلے میں شریعت کے مطابق طرز عمل اختیار کرنا عین اتباع ہے۔ چاہے استہزاء اور طعن کے مرحلوں سے گزرنا پڑے۔ مخالفانہ اعتراضات کا مسلمان کے پاس صرف یہی جواب ہے:

اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ وَ یَمُدُّ ھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْن۔ (البقرہ:۱۵)

عصر حاضر میں عالم اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ تجدد پسندی خواہ وہ کسی بھی شعبے میں ہو اس کی حدود کو پہچانے اور ان معاملات میں دخل اندازی نہ کرے، جن کو شریعت نے مکمل کر دیا۔ عالم اسلام کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ مادی ترقی اور تجدد پسندی کی جن خوبیوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے ان کی طرف ہماری رسائی بہت سست روی کی شکار ہے اور جن خامیوں سے ہمیں اجتناب کرنا چاہیے تھا وہ بہت تیز رفتاری سے مسلم معاشرے میں سرایت کر رہی ہیں۔

عصر حاضر کی ذمہ داریوں سے سلامی فکر و نظر کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کی صورت میں یہ ایک ثابت ہے شدہ حقیقت کہ دین اسلام آج بھی اتنی قوت و طاقت رکھتا ہے۔ اسی طرح بہترین نتائج پیدا کر سکتا ہے اور عالمی قوت کی حیثیت سے اعلیٰ ترین کردار ادا کر سکتا ہے جس طرح عہد رسالت اور عہد خلفائے راشدین کی مثالیں ہماری تاریخ کے اوراق میں جگمگا رہی ہیں۔

سائنس اور فلسفہ کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر:

زمانہ قدیم کی سادہ زندگی سے لے کر دور جدید کی پیچیدہ زندگی تک بنی نوع انسان کی دو اہم بنیادی ضروریات رہی ہیں۔

۱۔ پہلی یہ کہ اسے کھانے پینے، رہنے سہنے کی آسائش اور محفوظ زندگی ہو یہ ایک حیاتیاتی

Marfat.com

ضرورت ہے جو زندگی کی بقاء اور نسل انسانی کے تسلسل کے لیے ضروری ہے۔

۲۔اس حیاتیاتی ضرورت کے علاوہ انسان کی کچھ ذہنی احتیاجات بھی ہوتی ہیں وہ چاہتا ہے کہ اس کی دنیا ایک بامقصد دنیا نظر آئے' وہ اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات کے حل کا متلاشی ہوتا ہے۔ زندگی' کائنات اور زمان ومکان کے حقائق سے چشم پوشی کرنا اور اس کے مسائل حل نہ کرنا دنیا کو بے مقصد اور بے معنی بنا دینے کے مترادف ہے جس کے نتائج انسان کے حق میں مفید نہیں ہوسکتے۔

محفوظ زندگی گزارنے کے لیے اور دیگر آسائشوں کی تلاش میں انسانی ذہن نے نئے نئے علوم کو جنم دیا۔ مثلاً زراعت' طب اور انجینئرنگ یہ سب ہی علوم دراصل قدرتی وسائل اور زمین کے ذرائع کو انسانی فائدے کے لیے استعمال کرنے سے متعلق ہیں جو ٹیکنالوجی کہلاتے ہیں۔ دنیا کو سمجھنے' اس کو بامعنی اور بامقصد بنانے کی ذہنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے جو علوم وجود میں آئے سائنس ان میں سے ایک ہے۔ سائنس کی نوعیت اور ماہیت کے بارے میں کئی تعریفیں کی گئیں۔

''یہ ایک لاطینی لفظ ہے جس کے معنی جاننا کے ہیں لیکن اصطلاحاً اس کے معنی نظامِ فطرت کے علم کے ہیں۔ جو مشاہدے' تجربے اور عقل سے حاصل ہوتا ہے۔ مارٹن نے اس کی تعریف یہ کی ہے:

Science is a systematized positive knowledge.

کانٹ (Kant) کے نزدیک:

''سائنس تصورات اور تصوراتی منصوبوں کا ایک مربوط سلسلہ ہے۔ جس نے تجربات اور مشاہدات کے نتائج میں نشوونما ارتقاء حاصل کیا اور اس سے مزید تجربات اور مشاہدات بارآور ہوئے۔''

رضی الدین کے مطابق:

''سائنس مشتمل ہے تجربات کے نظریات کے مشاہدات اور ضبط ایثار پر یعنی سائنس کی بنیاد صرف تجربے پر ہی مشتمل نہیں اور نہ ہی یہ محض عقل اور غور وفکر کا نتیجہ ہے بلکہ ان سب اشیاء کی آمیزش ہے۔''

دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سائنس ہماری مادی دنیا اس کی پر تصرف حاصل

Marfat.com

کرنے اور ان قوتوں کی توضیح وتشریح کا ایک منظم اور مرتب نظام ہے۔ یہ حقائق کا ان کی اصل شکل میں مطالعہ ہے۔ یہ ایک محترک علم ہے اور اگر یہ علم ترقی اور ارتقاء کو ترک کر دیتا ہے تو وہ جلد ہی اپنی سائنسی حیثیت کھو دیتا ہے۔

علوم میں سے یہ ایک ایسی قسم ہے جو گردونواح کو سمجھنے اور مخصوص حقائق سے آگہی کی باشعور کوشش کا نام ہے۔ یہ مظاہر فطرت کا مشاہدہ ہے جو ہمارے حواس خمسہ کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔ سائنس دان کائنات کے مشاہدے سے کچھ نتائج اخذ کرتا ہے۔ پھر ان نتائج کو ایک قابل فہم تنظیم اور ترتیب کے ساتھ جمع کرتا ہے۔ تجربات کے بعد درست سائنسی نتیجے کو ایک مستقل علمی حیثیت یا قانون سمجھا جاتا ہے۔ یعنی علمی حقائق کی یا مشاہدے سے دریافت ہونے والے نتائج کو جب مرتب اور منظم کرلیا جائے اسے ہم علم سائنس کہتے ہیں۔

سائنس کے بارے میں اسلام کا طرز عمل کیا ہے؟ اس کے متعلق دو مختلف آراء موجود ہیں۔ ایک گروہ کی رائے کے مطابق سائنس کا حصول دائرہ اسلام سے اخراج کی قوی دلیل ہے جبکہ دوسرے گروہ کے خیال میں ان میں باہم کوئی تناقض نہیں پایا جاتا۔ ان دونوں آراء سے قطع نظر مذہب اسلام کا اگر ہم مطالعہ کریں تو یہ ایک صحت مند معاشرہ پیدا کرنے پر اصرار کرتا ہے۔ ایک صحت مند معاشرے کے قیام اور اس کی بقاء وترقی کے لیے تین شرائط بنیادی ہیں۔

۱۔ انسانی شخصیت کی نشوونما
۲۔ ہیئت عمرانی کی تشکیل
۳۔ ماحول کی تسخیر

پہلی دونوں شرائط کی تکمیل کے لیے وحی کی راہنمائی سے کامل ہدایت میسر آتی ہے اور ماحول کی تسخیر کے لیے سائنس کی گنجائش موجود ہے۔ قرآن حکیم نے علم کی اہمیت اور فضیلت سے روشناس کراتے ہوئے اس کے حصول پر زور دیا۔ حقائق میں تقویت اور استحکام پیدا کرنے کے لیے جو دلائل دیئے جاسکتے ہیں اس میں مطالعہ کائنات کے حق میں سب سے پہلی آواز دین اسلام کی تھی۔ قرآن حکیم میں یہ واضح بیان کیا گیا ہے کہ توحید کی نشانیاں اور علامات مظاہر قدرت میں نظر آئیں گی۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ

Marfat.com

تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ (البقرہ: ۱۶۴)

گویا مظاہر قدرت کے مشاہدے اور مطالعے کی دعوت دی گئی تا کہ حقیقت اور اصلیت کو پوری طرح سمجھ لیں۔ جب تمام اسرار ورموز سے آگاہ ہو گئے تو گویا تمام طبیعیاتی علوم وجود میں آ گئے۔ اسی طرح حیاتیاتی دلیل کے طور پر مظاہر قدرت کی طرف توجہ دلائی ہے زمین سے روئیدگی' لہلہاتے کھیتوں' پیداوار غلہ اور اناج سب کے مشاہدے اور مطالعے سے گویا نباتاتی علوم معرض وجود میں آ گئے۔ اسی طرح دنیا اور انسان کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں اور قوانین کا ذکر بھی کیا۔ یہ قرآن حکیم کا ہی فیض تھا کہ انسان کو علمی میدان قدم رکھنے کی تلقین کی۔ اس میں علمی روح بیدار کی' بحیثیت مجموعی علم سے بحث کی اور سائنس اس کا ایک حصہ یا جزو ہے۔ اس کتاب نے وہ خطوط مہیا کیے جن کی راہنمائی میں صحیح نتائج تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ آئن سٹائن کا ایک مشہور مقولہ ہے:

Science without religion is lame and religion without science is blind.

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اسلامی دنیا نے اس وقت سائنسی علوم کو نکھارا جب پورا یورپ جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ بڑے بڑے سائنس دان علماء اور موجد پیدا ہوئے۔ احمد بن یعقوب علم جغرافیہ کے بانی تھے اور ان کی تحریر کردہ کتابیں ۱۸ ویں صدی عیسوی تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں جغرافیے کے نصاب میں شامل رہیں۔ ابن مسکویہ نے حیات انسانی سے بحث کی اور یورپ کے چارلس ڈارون کے نظریات زیادہ تر انھی کے مرہونِ منت ہیں' فرق صرف اتنا ہے کہ ابن مسکویہ نے صرف قرآنی تعلیمات کی روشنی میں بات کی تھی۔ ابن الہیثم علم المناظر کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس نے انعطاف نور پر تجربات کیے۔ جابر بن حیان بابائے کیمیا کہلوائے اور انھوں نے بے شمار کیمیائی مرکبات ایجاد کیے۔

اسی طرح محمد بن موسیٰ خوارزمی' یعقوب بن اسحاق کندی' ابوموسیٰ علی الطمری' ابوعباس احمد الفرقان' محمد بن زکریا رازی جو پہلے طبی انسائیکلوپیڈیا ''الحاوی'' کے مصنف تھے۔ ابوالقاسم

Marfat.com

الزاہراوی وہ پہلے سرجن تھے جس نے پوسٹ مارٹم کو انسانی اعضاء کی تحقیق کے لیے ضروری خیال کیا۔ البیرونی' بوعلی سینا اور ابن بیطار نامور سائنس دان گزرے ہیں' مسلمانوں نے انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر دور میں علم اور سائنس کی بڑی خدمت کی اور یہی اسلامی اثرات یورپ پر پڑے اور اس کے نتائج اندلس کے ذریعے مختلف ممالک پر وارد ہوئے۔ اگر یورپ کے تاریک عہد یعنی قرونِ وسطیٰ کے زمانے میں اسلامی خدمات ان کی تاریخ کے اوراق کو رنگین بنانے کے لیے دو بدو نہ ہوتیں تو آج برلن' واشنگٹن' لندن' ماسکو اور پیرس کی حالت کچھ اور ہوتی۔ یہ صرف مسلمانوں کی محنت کا نتیجہ تھا کہ یورپ نے اس سے آگے قدم رکھ کر گذشتہ خدمات کا سہرا بھی اپنے سر سجا لیا اور سائنسی علوم وفنون میں پیش رو قرار پائے۔

سائنس اور اسلام کی مخالفت کی ایک بڑی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ مغرب کے سائنس دانوں کے ایک گروہ نے خدا کے وجود سے انکار کیا اور مذہب سے فرار کی کوشش کی لیکن اقلیتی گروہ کی اس کارروائی میں سائنس کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ یہ ایک ایسی لہر ہے جو زیادہ دیر بلند نہیں رہ سکتی۔ مورس (Maurice) نے اپنی کتاب (Man in not alone) میں یہ لکھا ہے کہ ''ہم ابھی سائنس کی ترقی کے دور میں سے گزر رہے ہیں لیکن جیسے جیسے ہمارے علم میں اضافہ ہوتا جارہا ہے یہ بھی واضح ہوتا جاتا ہے کہ کائنات کا کوئی خالق ایسا ضرور ہے' جس کی دانائی اور حکمت کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔ علم نے ہمارے سینوں میں یہ انکسار اور یقین پیدا کر دیا ہے اس کو سمنے رکھتے ہوئے یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ ہم خدا سے دور جانے کی بجائے خدا کے وجود کو تسلیم کرنے اور اس پر ایمان لانے کے قریب آرہے ہیں'' یہ تو ایک غیر مسلم کے الفاظ ہیں۔ اگر عقیدۂ توحید کو اساس بنا کر تحقیق وجستجو کی رغبت دلائی جائے تو حقیقت یہ ہے کہ مذہب اور سائنس میں کسی تضاد کے واقع ہونے کا امکان نہیں۔

وجود خداوندی کے منکرین مادیت پرست سائنس دان جس غلطی کا شکار ہوئے۔ وہ یہ بھی کہ انھوں نے خود سائنس کی حدود کو نہ سمجھا اور اس وہم میں مبتلا ہوگئے کہ سائنس زندگی کے اس عقدہ کو حل کرسکتی ہے۔ جس طرح بحری جہاز ہوا میں نہیں اڑسکتا اسی طرح طبعی دنیا کا مطالعہ کرنے والی سائنس مابعد الطبیعاتی حقائق کا ادراک نہیں کرسکتی۔

سائنس اپنے مخصوص دائرہ کار میں مفید خدمت سرانجام دے سکتی ہے۔ لیکن اس کے

Marfat.com

نام پر کسی ایسے معاملے کو موضوع بحث بنانا جو اس کی حدود سے متعلق نہ ہو۔اس کے دائرہ کار سے باہر ہو۔ بذات خود ایک غیر سائنٹفک بات ہے۔ اسی وجہ سے یہ کہنا کہ سائنس خدا کے وجود کی نفی کرتی ہے۔ ایک بے سروپا بات اور غیر عقل دعویٰ ہے درحقیقت یہ سوال ہی سائنس کے دائرہ عمل سے خارج ہے۔فرانسیسی پروفیسر لیز نے لکھا ہے کہ:

''کائنات کے آغاز وانجام تک مشاہدے کی رسائی نہیں اس لیے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی ازلی یا ابدی وجود کا انکار کریں۔ جس طرح ہمارا کام یہ بھی نہیں کہ ہم اس کو ثابت کریں۔ ہمارا کام نفی اور اثبات دونوں سے الگ ہے۔''

ڈاکٹر ڈوز لے نے اپنی کتاب ''The Human Destiny'' اس دعوے کے ساتھ پیش کی تھی کہ اگر ہم سائنس کے جمع شدہ سرمائے کا تنقیدی مطالعہ کریں اور اس سے منطقی اور عقلی نتائج مستنبط کریں تو یہ لازمی طور پر ہمیں خدا تک لے آتے ہیں۔ پروفیسر (Jude) نے (God and Evil) میں یہاں تک کہہ دیا کہ:

''آج سائنس اور مذہب کائنات کی حقیقت کے بارے میں ایک ہی طرح کی بات کہہ رہے ہیں' گو اپنے نتائجِ فکر تک پہنچنے کے لیے دونوں کے طریقہ ہائے تحقیق و مطالعہ جدا جدا ہیں' ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج سائنس نے خدا کے تصور کا اثبات کر دیا ہے''

مغربی علماء کی یہ آراء مذہب اور سائنس کے تعلق کی وضاحت کے سلسلے میں کافی وزنی ہیں۔ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اگر ہم اپنی دنیا یا ماحول کا جائزہ لیں تو زیادہ بہتر اور مثبت نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ جہاں سائنس تہی دامن ہو وہاں مذہب کے اٹل حقائق سے مدد لے کر تمام عقدوں کو سلجھایا جا سکتا ہے۔زیادہ صحیح اور زیادہ بہتر اور زیادہ مثبت نتائج تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

اسلام اور فلسفہ:

انسان بالطبع صاحب فکر و عقل ہے' انسانی شعور جب بیدار ہوتا ہے تو وہ اپنے مدمقابل ایک وسیع و عریض کائنات دیکھتا ہے جس کی حقیقت کو وہ سمجھنا چاہتا ہے۔

مختلف آرزوؤں' جستجو اور اشتیاق کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے یہی غور و فکر کا نظام فلسفہ کہلایا۔فلسفہ ایک یونانی اصطلاح ہے جو دو الفاظ کا مرکب ہے فلو (Philo) کے معنی

Marfat.com

حب کے ہیں۔ اور سفیہ (Sphia) کے معنی دانش وحکمت کے ہیں گویا اس کا مفہوم ''حبِ دانش'' ہے۔ فلسفی عقل واستدلال کے ذریعے کسی شے کی آخری اور انتہائی حقیقت کو دریافت کرنے کی کوشش کا نام ہے۔ ڈی بوئر (De Boer) کے مطابق:

فطرت کے ایک جامع نقطہ نظر کی تلاش اور اشیاء کی ہمہ گیر توجیہہ کی کوشش فلسفہ کہلاتی ہے۔ اس کی تعریف یوں بھی کی گئی:

Philosophy is an inquiry into the nature of life and of existence.

فلسفے کا خاص مسئلہ یہ ہے کہ حکیمانہ طور پر علم اور وجود کی اساس کی تحقیق کی جائے اور تمام موجود حقیقتوں کا ربط ان کے ساتھ واضح کیا جائے۔ دنیا کو بحیثیت مجموعی ایک کلی واقعہ اور مظہر سمجھ کر اس کی علت العلل تلاش کی جائے فلسفے کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ:

جزو اور کل کے درمیان کیا تعلق ہے۔ اگر کائنات کو کل اور انسان کو جزو قرار دیا جائے تو انسان کا اصل مقصد کیا ہے۔ اس کے مطابق انسان کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے' کائنات کل ہونے کی حیثیت سے ابتداء انتہا ماہیت اور مقصد کے اعتبار سے کیسی ہے۔ اس کا کوئی آغاز یا انجام ہے یا نہیں۔ انسانی آرزوؤں کے ساتھ یہ کائنات سازگار ہے یا نہیں۔ خیر وشر کی اصل حقیقت کیا ہے۔ انسان جس کی فطرت طلب خیر کا تقاضا کرتی ہے وہ خیر کے حصول میں ارادہ اور اختیار رکھتا ہے یا نہیں۔ کائنات کا کوئی مقصد بھی ہے یا نہیں؟ اس کائنات کا کوئی خالق ہے یا نہیں اور اس کے ہونے یا نہ ہونے کا ہماری زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے۔ یہ تمام فلسفے کے مسائل ہیں اور اگر ایک خاص ترتیب سے ان میں نظم پیدا کرلیا جائے تو یہی سوالات مذہب کے دائرہ میں شامل ہوجاتے ہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ:

''یہ عالم جس میں ہم رہتے ہیں اس کی نوعیت کیا ہے اور اس کی ترکیب کیا ہے۔ کیا اس کی ساخت میں کوئی دوامی عنصر موجود ہے۔ ہمیں اس سے کیا تعلق ہے اور ہمارا اس میں کیا مقام ہے۔ باعتبار اس مقام کے ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہیے۔ یہ سوالات ہیں جو مذہب' فلسفہ اور اعلیٰ شاعری میں مشترک ہیں''

جہاں تک فلسفے اور مذہب کے بنیادی مسائل کا تعلق ہے تو اس میں یہ قدرِ مشترک پائی جاتی ہے۔ اگر فلسفہ حکمت کا نام ہے تو یہ عین قرآنی چیز ہے کیونکہ نبی کریم کے منصب کے جو

Marfat.com

چار تقاضے قرآن حکیم میں بیان کیے گئے انھیں سے ایک تعلیم حکمت بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: آپ کو حکمت اور خیر کثیر عطا کی گئی۔ دین اسلام کو سمجھنے کے لیے جو منہاج یا طریق کار اختیار کیا جائے اس کے دو اجزا ہیں:

۱۔ ایک تو یہ کہ مذہب کو صاحب مذہب کے حوالے سے سمجھا جائے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ موضوع زیر بحث کی اصل ماہیت مقصد اور غایت کو سمجھا جائے۔

اسلام کا سرچشمہ اور ماخذ پیغمبرانہ ہدایت ہے جو وحی متلو اور وحی غیر متلو پر مشتمل ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جو نوع انسانی کی وحدت کے تصور پر مبنی ہو۔ اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی افراد پر مشتمل ہو جن کی کوشش کا رخ یہ ہو کہ فرد اور معاشرہ ہر قسم کے خوف اور غم سے محفوظ رہے۔

اس معاشرے میں استحکام کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خالص وفاداری ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کی استعداد عطا کی ہے۔ انسان اپنے حواس کے ذریعے خام مواد جمع کرتا ہے۔ اور عقل کی خصوصیت کے ذریعے جب اسے منظم کیا جاتا ہے تو اس کو علم کہتے ہیں' فلسفہ بھی علم کی ایک شاخ ہے جو انھی مسائل کو زیر بحث لاتا ہے جن سے مذہب بھی بحث کرتا ہے لیکن علم اور عقل اپنی انتہائی معراج کے باوجود حقائق کے ادراک کے لیے کافی نہیں ہو سکتے اور یہ کمی وحی پورا کرتی ہے۔ انسانی عقل کے ناقص ہونے کی تلافی کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو ہدایات نازل فرمائیں وہ سلسلہ وحی کہلاتا ہے۔ فلسفے کو مذہب پر فوقیت حاصل نہیں۔ فلسفہ کو مذہب کی جانچ کا حق ضرور حاصل ہے۔ لیکن مذہب ایسا معاملہ نہیں ہے' جسے مختلف شعبوں میں تقسیم کیا جا سکے۔ لہٰذا مذہب کی قدر و قیمت کے پیش نظر فلسفے کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ تعمیر فکر میں مذہب مرکزی حیثیت کو تسلیم کرے۔ عبدالسلام ندوی کی رائے کے مطابق:

''عام خیال یہ ہے کہ مسلمانوں میں جو حکماء اور فلاسفہ پیدا ہوئے' ان میں سے کچھ تو ملحد اور بے دین اور اکثر ضعیف العقیدہ تھے یا کم از کم ان کی مذہبی حالت بہتر نہ تھی' یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ حکمائے اسلام نے بڑی خدمات سرانجام دیں۔ فلسفے کو مذہب اور اسلام سے قریب تر کر دیا۔ نبوت کا اثبات کیا اور روح و احساسات کو فلسفیانہ دلائل کے ذریعے ثابت کیا گیا۔''

ابن عربی' الکندی' الفارابی' ابن سینا' امام الغزالی' ابن رشد' مشہور فلاسفہ اور حکیم تھے جن

Marfat.com

کے افکار سے تاریخ اسلام جگمگاتی رہے گی۔

مسلمانوں میں فلسفیانہ فکر کی نشوونما کے سلسلے میں یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ یہ یونانیوں سے مستعار تھا۔ درحقیقت مستشرقین کی رائے مسلمانوں کے خلاف اس عناد کا نتیجہ ہے جو عیسائیوں اور یہودیوں کے دلوں میں پیدا ہوتا رہا۔ ان کا انداز فکر یہ ہے کہ جب تک اسلام کے خلاف منافرت پیدا نہ کی جائے مسیحیت مقبول نہیں ہوسکتی۔ وہ اسلام کے ثقافتی فضائل کے خلاف رائے اور فضا قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے نظریئے کے مطابق اسلام نے اخلاق اور تصوف مسیحیت سے مستعار لیا ہے۔ قانون' یہودیت اور رومن لاء سے جبکہ فلسفہ یونانی فکر ہے۔

فلسفے کے ضمن میں ان کی دلیل یہ ہے کہ اس کا آغاز مسلمانوں میں اس وقت ہوا جب عباسی خلافت کے زمانے میں مامون کے دور حکومت کے دوران بیت الحکمت قائم ہوا اور فلسفے کی یونانی کتابوں کے عربی میں ترجمے کیے گئے۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے ان تراجم کی ابتدا سے تقریباً ۱۰۰ سال پیشتر معتزلہ نے فلسفیانہ بحثوں کا آغاز کیا تھا اور دیکھا جائے تو استعداد عقل' فہم اور دانش کسی دوسری قوم سے مستعار لینے والی چیز نہیں۔ تبلیغ اسلام کے لیے اسلامی عقائد کو عقل و دانش کے ذریعے منوانے کی خاطر فلسفیانہ افکار کو نمو ملی اور اس نے ترقی کے مدارج طے کیے اور اس کی تردید کے لیے یہ دلیل بھی بہت وزنی ہے کہ یونانی مفکرین کی نسبت مسلمان مفکرین کی تصانیف بہت زیادہ ہیں اور زیر غور مسائل کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔

اس سلسلے میں قوی ترین دلیل یہ ہے کہ فلسفیانہ فکر کی نشوونما کے لیے ضروری ہے کہ پہلے سے قائم شدہ مفروضے کو رد کیا جائے۔ تاکہ بحث و تمحیص اور دلائل کے ذریعے نیا تجزیہ منظر عام پر آئے۔ اس بناء پر فکر اسلامی کا یونانی افکار سے ماخوذ ہونا ثابت نہیں ہوتا' ہر قوم میں فلسفیانہ غور و فکر کے محرکات الگ الگ ہوتے ہیں۔ یونانیوں کا بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ محسوس اور معقول کے درمیان کیا تعلق ہے۔

مجوسیوں میں خیر و شر کے متضاد اصولوں کی بنا پر ایک ہم آہنگ نظریہ جو حقیقت پر مبنی ہو غور و فکر کا محرک تھا۔

مسیحیوں میں علم اور ایمان کے درمیان ہم آہنگی کا مسئلہ تفکر و تدبر کا باعث بنا۔ مسلمانوں

Marfat.com

میں فلسفیانہ غور وفکر کے آغاز کا باعث یہ بات تھی کہ وہ دین کی تلقین کرنے سے پہلے مخالفین کے ساتھ علمی اشتراک پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ان کی نہج پر ان سے بات کرتے تھے۔ گویا دینی اشتراک سے پہلے علمی اشتراک پیدا کرنا بنیادی مقصد تھا۔ چنانچہ یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ مسلمانوں نے دوسرے فلسفیانہ نظاموں کو جن کے محرکات کچھ اور تھے مستعار لے لیا۔ اس کا نتیجہ یہی نکالا جاسکتا ہے کہ فلسفہ اور سائنس اپنی حدود اور مخصوص دائرہ کار کے مطابق دین اسلام سے کوئی تضاد نہیں رکھتے۔ ان دونوں کا تعلق مذہب کے ساتھ بہت گہرا ہے اور مذہب ان دونوں کو وہ بنیاد مہیا کرتا ہے جس کی وجہ سے یہ اپنی اس کمی اور خامی کو دور کرسکتے ہیں جو محض حسی دائرہ کار کی وجہ سے اصولی طور پر ان میں موجود ہے۔

تفکر وتدبر اور عقل ودانش کے ساتھ ساتھ تجربے اور مشاہدے کو دین کے حقائق سمجھنے میں سدِ راہ خیال نہیں کرنا چاہیے بلکہ یہ ممد ومعاون ثابت ہوسکتے ہیں۔ تضاد صرف اس وقت پیدا ہوسکتا ہے جن ان دونوں کو ان کے محدود دائرہ کار سے نکال کر مسائل حل کرنے کی کوشش کی جائے یا ان دونوں سے غلط توقعات وابستہ کرلی جائیں بصورت دیگر سائنس اور فلسفہ دونوں علوم سے مفید کام لیا جاسکتا ہے۔

اسلام کی امتیازی خصوصیات:

گذشتہ اوراق کے مطالعے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ''اسلام'' دوسرے تمام مذاہب سے ممتاز ومنفرد ہے' صرف اسلام ہی ہر حیثیت سے کامل دین ہے' سارے انسانوں کے لیے ہے۔ خدا کا آخری پیغام ہے اور نجات کے لیے ضروری ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ خدا کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی جو دعوت پیش کی وہ مکمل اور ایسی جامع تھی جس کے بعد کسی اور تعلیم کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور یہ ہدایت ہمیشہ کے لیے' ہر زمانے اور ہر قوم کے لیے کافی وشافی ہے۔

عالمگیریت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عالمگیر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی زمین کے کسی خاص خطے یا کسی ایک قوم کے لیے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں بلکہ ساری دنیا کے لیے اور تمام انسانوں کے لیے بھیجے گئے ہیں:

Marfat.com

وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا۔ (سبا : ۲۸)

''اے محمدؐ'' ہم (اللہ) نے تمھیں تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اعلان خود بھی یہ حکم الٰہی کیا تھا:

یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا

''لوگو! میں تم سب لوگوں کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔''

یہ ایک ایسی بات ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے خاص ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء آئے تھے ان میں سے کسی کی حیثیت یہ نہ تھی۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

کان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس عامۃ

''(یعنی) مجھ سے پہلے کا ہر نبی مخصوص طور پر اپنی ہی قوم کے پاس نبی بنا کر بھیجا جاتا تھا لیکن میں تمام لوگوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جس طرح عالمگیر ہے اسی طرح ہمیشہ کے لیے بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وحی ورسالت کا سلسلہ اپنی آخری حد تک پہنچ کر ختم ہوگیا اور اب قیامت تک کوئی رسول نہ آئے گا۔

وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ (الاحزاب.

''بلکہ وہ اللہ کے رسول اور سارے نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں۔

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ میں:

ختم بی النبیان وختم بی الرسل انہ لا نبی بعدی

(بخاری ومسلم بحوالہ مشکوۃ)

''یعنی مجھ سے نبوت کی عمارت مکمل ہوگئی اور میرے ذریعے سے رسولوں کا سلسلہ ختم ہوگیا بلاشبہ میرے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔'' (الحدیث)

کاملیت:

اس کے مقابلے میں دوسرے پیغمبروں کی رسالت کا معاملہ کسی شرح وضاحت کا

Marfat.com

محتاج نہیں پھر جیسا کہ ابتدا میں کہا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین وشریعت لے کر آئے وہ ہر پہلو سے کامل ہے جب کہ پچھلے تمام دینوں میں سے کسی کو یہ اعزاز نہ ملا تھا۔ یہ شرف اللہ تعالیٰ نے صرف اسلام کے لیے مخصوص کر رکھا تھا کہ وہ ''دین کامل'' ہو۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (المائدہ : ۳)

''(لوگو) آج میں نے تمھارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور دین کی حیثیت سے تمھارے لیے اسلام کو پسندیدگی کی سند عطا کر دی۔''

واقعہ یہ ہے کہ پہلے جو دین بھی آیا وہ اس قوم' اس زمانے اور اس علاقے کی اصلاح و ہدایت کے لیے مخصوص تھا اور جس طرح اس کی مخاطبت کا دائرہ محدود تھا اسی طرح اس کی تعلیمات کا مجموعہ بھی مختصر اور محدود تھا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت کا فیصلہ یہ ہوا کہ اب ایسا نبی بھیجا جائے جو سب کے لیے ہو اور ہمیشہ کے لیے ہو اس فیصلے کا فطری تقاضا تھا کہ اس نبی پر نازل وہنے والے دین کا مزاج بین الاقوامی اور آفاقی ہو اور اس کی تعلیمات ہر زمانے' ہر ملک اور ہر طرح کے انسانی مسائل پر حاوی ہوں۔ قرآن کی مذکورہ بالا آیت اسی فطری تقاضے کی تکمیل کا اعلان کر رہی ہے۔

محفوظیت:

اسلام کا یہ بھی امتیاز ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل ہوئی وہ جوں کی توں محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی جس پر خود قرآن' حدیث اور تاریخ گواہ ہیں اور یہ کتاب ایک ایسی زبان میں ہے جو ایک زندہ زبان ہے۔ کروڑوں آدمی اسے بولتے ہیں اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے جاننے' سمجھنے اور پڑھنے پڑھانے والے بے شمار انسان موجود ہیں۔ اس کے مقابلے میں کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو ان صفات کی حامل ہو۔

پسندیدہ دین:

رسالت محمدی کی اس امتیازی حیثیت کے پیش نظر کچھ لازمی تقاضے پیدا ہو جاتے ہیں چنانچہ اس کا پہلا فطری اور لازمی تقاضا یہ ہے کہ دوسرے تمام مذاہب منسوخ ہو چکے ہیں اور اب اللہ کے نزدیک منظور شدہ دین صرف اسلام ہے۔

Marfat.com

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔ (آل عمران : ۱۹)

''بلاشبہ اللہ کے نزدیک مقبول دین تو صرف اسلام ہے۔''

اس لیے ضروری ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور ہر قوم، ہر ملک اور زمانے کا انسان اسی کی پیروی کرے ورنہ۔

وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ۔ (آل عمران:۸۵)

''اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا تو اللہ کے یہاں اس کی طرف سے یہ دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔''

کیونکہ جب یہ دین ساری دنیا کا دین اور اس کا لانے والا پیغمبر پوری نوع انسانی کا پیغمبر قرار دیا گیا ہے تو اب کسی اور دین اور کسی اور پیغمبر کا زمانہ باقی نہیں رہ سکتا۔ رسول تو آتا ہی اس لیے کہ جن لوگوں کی طرف وہ بھیجا گیا وہ اسے اللہ کا رسول تسلیم کریں اور اس کی غیر مشروط پیروی کریں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ (النساء : ۶۴)

''ہم نے جو رسول بھیجا صرف اسی لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سارے انسانوں کی طرف مبعوث ہونا اور پھر آخری رسول ہونا اس امر کا کھلا تقاضا کرتا ہے کہ ہر انسان اور ہر زمانے کا انسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین مان کر لازماً اس کی پیروی کرے اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو نہیں مانتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کا حلقہ اپنی گردن میں نہیں ڈالتا تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں بلکہ اس فرماں روائے کائنات کے خلاف بغاوت ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری دنیا کا ہادی اور آخری نبی بنا کر بھیجا ہے۔

اس بات کا ثبوت کہ اسلام ہی کی پیروی ضروری ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں بھی موجود ہے۔ اگر یہ بات قرآن کے نزدیک بھی صحیح ہوتی ہے کہ سارے دین سچے ہیں اور کسی ایک رسول کی پیروی کافی ہے تو اس کا بالکل منطقی تقاضا یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہود اور نصاریٰ کو اسلام کی دعوت نہ دیتے۔ حالانکہ آپ نے جس طرح مشرکین عرب

Marfat.com

کو دعوت اسلام دی ہے اس طرح اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو دی ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْنَلْعَنَهُمْ۔ (النساء: ۴۷)

''اے اہل کتاب! اس کتاب پر جو ایمان لاؤ جسے ہم نے اتارا ہے جب کہ وہ اس کتاب (پیش گوئیاں) کے عین مطابق بھی ہے جو تمھارے پاس ہے قبل اس کے کہ ہم چہروں کو بگاڑ دیں اور انھیں پیچھے کی طرف پھیر دیں یا ان پر لعنت کریں۔''

نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اسلام لانے کی دعوت دی بلکہ ان میں سے جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا انھیں صاف لفظوں میں ''کفر'' کا مرتکب قرار دیا گیا حتی کہ بعض مقامات پر تو ان کے اس انکار اسلام کو صرف کفر ہی نہیں بلکہ ''بدترین کفر'' اور انھیں صرف کافر ہی نہیں ''پکا کافر'' کہا گیا:

''جو لوگ اللہ کے اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کر دیں اور کہتے ہیں کہ بعض رسولوں کو ہم مانیں گے اور بعض کو نہ مانیں گے اور اس طرح' کفر و ایمان کے درمیان کی کوئی راہ اختیار کر لینا چاہتے ہیں وہ پکے کافر ہیں اور ایسے کافروں کے لیے ہم نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (النساء: ۱۵۰۔۱۵۱)

پھر اہل کتاب کے انکار اسلام پر ایک جگہ یوں تبصرہ کیا گیا:

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کتاب پر ایمان لاؤ جسے اللہ نے اتارا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس چیز پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر اتاری گئی تھی اور اس طرح وہ اس کے ماسوا ہدایت الٰہی کو تسلیم کرنے سے انکار کر جاتے ہیں۔'' (البقرہ)

دعوت اسلام کی جواب میں وہ جو کچھ کہتے تھے وہ ٹھیک وہی فلسفہ تھا جو آج وحدت ادیان کے نظریئے کی بنیاد ہے' یعنی یہ کہ جب ہمارے پاس بھی خدا ہی کا بھیجا ہوا دین ہے جو اپنی جگہ حق ہے اور اسلام اپنی جگہ حق ہے لیکن ان کے اس ''فلسفے'' کو اللہ تعالیٰ صاف طور سے ''کفر کا فلسفہ'' قرار دیتا ہے اور انھیں ''یہ بھی حق وہ بھی حق'' کہنے کے باوجود اصل حق کا منکر (کافر) ٹھہراتا ہے۔

اس کے علاوہ جب قرآن کے سوا اب کوئی دوسری کتاب بھی ایسی نہیں رہ گئی ہے جو

Marfat.com

پوری طرح محفوظ ہواور جس کی اصل زبان دنیا کی مردہ زبانوں میں شامل نہ ہوچکی ہوتو دوسری کتابوں اور شریعتوں کی ٹھیک ٹھیک پیروی ممکن بھی کیسے ہوسکتی ہے؟ یہ صورتحال تو گویا خود ان کتابوں اور شریعتوں کا اقراری بیان ہے کہ اب ہمارا زمانہ ختم ہوچکا ہے اور ہمیں منسوخ قرار دیا جاچکا ہے۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اب ہر شخص کے لیے اسلام ہی کی پیروی ضروری ہے اور اسلام ہی شرط نجات ہے چنانچہ **ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ** فرمانے کے بعد وہ اپنے اس فیصلے کا بھی اعلان کرچکا ہے کہ:

وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (آل عمران : ۸۵)

''اور ایسا شخص آخرت میں قطعاً نامراد رہے گا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی فیصلہ خداوندی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے اس امت (مراد گروہ انسانی) میں سے جس کسی بھی شخص تک (مثلاً یہودی یا نصرانی تک) میری نبوت کا پیغام پہنچا اور اس کے باوجود وہ میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مرگیا تو وہ دوزخی ہوگا۔'' (مسلم)

اس فیصلہ خداوندی کے تحت جس طرح یہود و نصاریٰ آتے ہیں اسی طرح دوسری قومیں اور ملتیں بھی آتی ہیں بلکہ ایک حیثیت سے تو دوسری قوموں اور ملتوں کا معاملہ اور زیادہ اہم ہوجاتا ہے کیونکہ دنیا کی ساری قوموں میں سے صرف یہود و نصاریٰ ہی وہ دو گروہ ہیں جن کو قرآن صاحب کتاب اور صاحب شریعت قوموں کی حیثیت سے بیان کرتا ہے۔ لیکن اسلام کے آنے کے بعد اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی تسلیم کرنے اور اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے پر ہی ان کی نجات کا انحصار ہے۔ اب یہاں پر عقل کہتی ہے کہ ان قوموں اور ملتوں کے لیے اس کا شرط نجات ہونا اور زیادہ ضروری ہوگا جن کو قرآن نے صاحب کتاب و شریعت کے نام سے یاد نہیں کیا ہے۔

غرض جہاں تک اسلام کے اپنے فیصلے کا تعلق ہے وہ بالکل دوٹوک انداز میں اپنی پیروی کو سارے انسانوں کے لیے ضروری اور شرط نجات قرار دیتا ہے اور اس سے مستثنیٰ وہی فرد ہے جس تک اسلام کا پیغام ہی نہ پہنچا ہو اب اس پیغام کو پوری نوع انسانی تک پہنچانے کا

Marfat.com

فریضہ امت مسلمہ کا ہے۔

علاوہ ازیں دینِ اسلام میں مندرجہ ذیل امتیازی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

توحید:

دین اسلام کی بنیاد اور محور عقیدۂ توحید ہے۔

(ا) توحید ربانی:

عقیدۂ توحید سے مراد خدا کو وحدہ لاشریک تسلیم کرنا ہے وہ اپنی ذاتی صفات اور صفاتی کمالات میں بے مثل ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ تمام کائنات کا وہ مالک ہے۔ حیی و قیوم ہے' حاضر وناظر ہے' عالم الغیب ہے وہ کسی کا محتاج نہیں۔ تمام مخلوق اس کی محتاج ہے ابد تک رہے گا۔ عیب ونقص سے پاک ہے اور ہر صفت کمال سے متصف ہے۔ لہٰذا اصلی حاکم ومطاع وہی ہے' اس کے احکام وقوانین کی اطاعت ضروری ہے۔ اسلام میں توحیدِ ربانی کے ساتھ ساتھ توحیدِ انسانی' توحید ایمانی اور توحید مکانی پر بھی زور دیا گیا ہے۔

(ب' ج) توحید انسانی وتوحید مکانی:

یہ کہ تمام انسان اصل کے لحاظ سے ایک جان سے پیدا کیے ہیں **خلقکم من نفس واحدہ** یعنی حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں اور آدم کا خمیر مٹی سے اٹھایا گیا۔ مٹی سے ہی اسے خوراک مہیا کی گئی اور مر کر مٹی میں ہی مل جائے گا۔ اس طرح تمام انسانوں کی ابتدا انتہا یکساں اور ایک جیسی ہے اور اس طرح تمام علاقائی اور جغرافیائی حدود کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔

(د) توحید ایمانی:

یہ ہے کہ تمام اہل اسلام کے عقائد ایک ہیں اجزائے ایمانی یکساں' ارکان اسلام مشترک ہیں۔ خدا ایک رسول ایک قرآن ایک خانہ کعبہ ایک ہے۔

نیز جملہ اسلامی احکام' حلال' حرام' نکاح وشادی کی تقریبات' پیدائش موت کی رسومات یکساں ہیں جس سے اہل اسلام میں اتحاد ویگانگت پیدا ہوتی ہے۔

اخوت اسلامی:

اسلام اونچ نیچ کے امتیازات صرف منفی طور پر ہی ختم نہیں کرتا بلکہ وہ ایجابی طور پر

Marfat.com

اعلان کرتا ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اسلامی معاشرہ کی بنیاد اتحاد و یگانگت ایثار واخوت پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ (الحجرات : ۱۰)

''تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔''

معاشرہ میں جو چیزیں تعلقات کو بگاڑنے والی ہیں اور دلوں میں کدورت پیدا کرتی ہیں مثلاً غیبت' خیانت اور غلط بیانی' اسلام نے انھیں حرام ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس سے خیانت نہیں کرتا' غلط بیانی نہیں کرتا' ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی عزت' مال اور خون حرام ہے۔''

نیز ارشاد فرمایا:

''مسلمان باہمی مروت' شفقت اور ہمدردی میں ایک جسم کی مانند ہیں اگر ایک عضو بیمار ہو تو کل جسم بے خواب اور بخار آلود ہو جاتا ہے۔''

ایک مسلمان کی تکلیف تمام ملت اسلامیہ کی تکلیف بن جاتی ہے۔ بقول مولانا ظفر علی خان مرحوم

اخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں
تو ہندوستاں کا ہر اِک پیرو جواں بے تاب ہو جائے

مساوات انسانی:

اسلام نے بنی نوع انسان کو وحدت اور مساوات کا سبق دیا ہے۔ یایھاالناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدہ۔۔۔یعنی تمام بنی نوع انسان بحیثیت انسان برابر ہیں۔ قبائل' خاندان اور اقوام محض باہمی تعارف کے لیے ہیں۔ اسلام میں مساوات سے دو باتیں مراد ہیں۔ ایک ہی قانون ہے' امیر ہو یا غریب' سربراہ حکومت ہو یا عام رعایا' کسی کو کسی بنا پر دوسرے پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ معاشرتی مساوات سے مراد ہے کہ عام اجتماعی اور سوشل لائف میں کسی کو فضیلت حاصل نہیں اسلام میں نہ اونچ نیچ ہے۔ نہ برتری و کمتری۔

عزت و اکرام کا معیار پرہیز گاری ہے۔

ان اکرمکم عنداللہ اتقکم

Marfat.com

بیشک تم میں سے سب سے معزز' سب سے پرہیز گار ہے۔"

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان العباد کلھم اخوۃ

"سارے انسان بھائی بھائی ہیں"

اور فتح مکہ کے موقع پر فرمایا:

"اے لوگو! تم سب آدم علیہ السلام سے ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے تھے۔ عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے ساتھ۔"

اعتدال اور توازن:

پوری کائنات اعتدال پر قائم ہے حیات انسانی میں بھی یہی توازن مطلوب ہے اسلام کی ایک امتیازی خوبی یہ ہے کہ اس میں زندگی کی انتہاؤں کے درمیان ایک حسین توازن اور اعتدال پایا جاتا ہے انسانی زندگی میں اعتدال صرف الہامی ہدایت ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ اسلام نے دین و دنیا فرد اور اجتماع' روح و جسم کے درمیان توازن قائم کیا ہے اور افراط و تفریط کو ختم کیا ہے' چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"میں تو سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں۔ روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں' شادی بھی کرتا ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو' تم پر تمھارے نفس کا حق ہے' تمھاری آنکھوں کا تم پر حق ہے۔ تمھارے اہل و عیال کا تم پر حق ہے۔ تمھارے مہمان کا تم پر حق ہے۔ ہر حق اس کے حقدار کو ادا کرو (میری ہدایت یہ ہے کہ) روزہ بھی رکھو' افطار بھی کرو' نماز بھی پڑھو اور سویا بھی کرو۔"

اسی طرح دین اسلام نے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بہترین توازن قائم کیا ایک طرف فرد کی نشوونما کا پورا ساز و سامان کیا تو دوسری طرف اسے اجتماعی ذمہ داری کے نظام میں منظم کیا' حیات انسانی کے تمام شعبوں کے متعلق مفصل ہدایات دے کر ان تمام شعبوں کے درمیان اعتدال قائم کیا۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شعبہ زندگی میں یہ سنہری ہدایت دی ہے خیر الامور اوسطھا یعنی معاملات میں بہترین معاملہ میانہ روی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا اعتدال نبوت کا حصہ ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو

Marfat.com

امت وسط (میانہ روامت) قرار دیا ہے۔ لہٰذا یہ امتیاز صرف تہذیب اسلامی کو حاصل ہے کہ اس نے افراط وتفریط سے ہٹ کر زندگی کے فطری تقاضوں کو پورا کیا۔ ان میں توازن قائم کیا تا کہ انسانی زندگی اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ ترقی کر سکے اور کہیں اس میں جھول انتہا پسندی' عدام توازن اور بے اعتدالی پیدا نہ ہو۔

ابدی اور دائمی مذہب:

زندگی ایک بدلنے والی چیز ہے اسے گھڑی بھر کے لیے قرار نہیں' اسلامی تہذیب کا خالق رب العالمین ہے جو ازل سے ہے ابد تک رہے گا اس لیے اسلام کے اصول وضوابط بھی دائمی اور ابدی ہیں اور انسانی معاشرے کی نت نئی بدلتی ہوئی ضروریات کے مطابق ہیں جو انسان کے لیے محض اپنی فکر اور تجربے کی بنا پر ایسے اصول وضع کرنا ممکن نہیں۔ زبان ومکان کی جو مجبوریاں انسان کو حق ہیں ان کی بنا پر وہ اس کے لیے نااہل ہیں۔ یہ اسلامی نظریہ حیات کی خوبی ہے کہ جہاں وہ ایک طرف زندگی کی ابدی صداقتوں کو پیش کرتا ہے' وہیں انسانی معاشرے میں جو فطری تغیرات آتے رہتے ہیں' ان سے پیش آمدہ مسائل کا حل بھی فراہم کرتا ہے۔ لہٰذا اجتہاد اور قیاس اسلامی فقہ کے اہم اصول ہیں جن کے ذریعے نت نئے مسائل کا حل نکالا جاتا ہے۔

اصلاحی اور انقلابی دین:

دین اسلام فقط ایک نظریہ ہی نہیں جو لوگوں کے ذہنوں میں ہے بلکہ ایک اصلاحی اور انقلابی دین بھی ہے جس کا مطالبہ یہ ہے کہ اسے دنیا میں رائج کیا جائے اور غلبہ واقتدار خدا کے دین کو حاصل ہو۔ قرآن کا اعلان ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ (توبہ:۳۳)

''وہی ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ تمام ادیان پر غالب ہو خواہ مشرکین اسے ناپسند ہی کریں''

اس طرح دین اسلام ایک تبلیغی اور اصلاحی تحریک ہے جس کا مقصد ریاست اور نظم کا قیام ہے اور مسلم معاشرے کا ہر فرد اصلاً معلم اور داعی الی الحق کا فریضہ انجام دیتا ہے چنانچہ ہر

Marfat.com

فرد کو ہدایت ہے کہ وہ:

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ۔

(المائدہ : ۲)

''یعنی نیکیوں کی اشاعت اور برائیوں کی روک تھام پر عمل پیرا ہو۔''

نیز امت مسلمہ کو خیر امت قرار دیتے ہوئے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (آل عمران:۱۱۰)

''تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کی اصلاح کے لیے میدان میں لائی گئی ہو تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتی ہو۔''

اخلاق میں متعدی تاثیر ہوتی ہے اچھے اخلاق کو دیکھ کر دل میں نیکی کا رجحان پیدا ہوتا ہے برے اخلاق والوں کے ذریعے دوسرے لوگ بھی برائی میں پڑ سکتے ہیں۔ اس لیے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ضمن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر کسی قوم میں کوئی گناہ کرتا ہے اور وہ قوم باوجود قدرت کے اس شخص کو گناہ سے نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے قبل دنیا میں عذاب الٰہی مسلط ہو جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

برائی کو روکنے کے تین طریقے ہیں ایک یہ کہ انسان سے۔۔۔اپنی قوت سے روکے دوم یہ کہ اگر اس میں یہ استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے۔ اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو دل میں اسے برا سمجھے لیکن یہ آخری درجہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ (مسلم)

اسی طرح اسلام محض ایک فکری تہذیب ہی نہیں بلکہ ایک اسلامی اور انقلابی تحریک ہے جس کا مقصد نیکیوں کی اشاعت اور برائیوں کی بیخ کنی ہے اور یہ تحریک خدا کی زمین پر ظلم وستم، استحصال ناجائز نفع اندوزی جبر وتشدد، فحاشی اور گمراہی کو مٹا کر گلشن حیات کو اچھائیوں سے بھر دیتی ہے اور ایک ایسا نظام قائم کرتی ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں زمین اپنے خزانے اگل دیتی ہے اور آسمان اپنی برکتیں برسانے لگتا ہے۔

اسلامی تعلیمات قومی التاثر اور سریع التاثیر:

یہی وجہ ہے کہ تیئس سالوں کی مدت میں دائرہ عرب بڑی تعداد میں اسلام میں داخل

Marfat.com

ہوئے اور اسلام بہت جلد دوردور تک پھیلنا شروع ہوگیا۔ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔ (النصر : ۲)

''اور تو نے لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔''

مسٹر جارج سیل قرآن مجید کے انگریزی ترجمے کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ ''دنیا میں اس دین کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی جس کی مثال اور نظیر نہیں ملتی اور اس دین کو نا صرف ان لوگوں نے قبول کیا جنھوں نے اصل عربوں کو ان فتوحات سے محروم اور ان کی سلطنت بلکہ ان کے خلیفوں کا خاتمہ کر دیا اور جس میں کوئی بات اس سے بڑھ کر نہ تھی جو ایک مذہب میں عموماً خیال کی جاتی ہے اور جس کی وجہ سے ایسی عجیب ترقی نصیب ہوئی۔ (نیز دیکھئے اسوۂ رسول اور خصوصیات قرآن)

☆☆☆

Marfat.com

مذاہبِ عالم میں تصورِ خدا

اس باب میں ہے.....دنیا کے اہم مذاہب کا اسلام کے ساتھ تقابلی مطالعہ۔ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ ہر مذہب کی اہم کتب اور اس کے اعلیٰ مذہبی علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا فقط ایک ہے۔

Marfat.com

مقدمہ

مذاہب عالم اور تصور خدا

مذاہبِ عالم:

ہماری تہذیب میں لا تعداد مذاہب اور اخلاقی نظام موجود ہیں۔ بنی نوع انسان نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ اپنی تخلیق کا مقصد جان سکے اور کائناتی اشیاء میں اپنا رتبہ متعین کر سکے۔ آرنلڈ نائن بی نے انسان کی مختلف ادوار کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اپنا تحقیقی کام دس جلدوں میں تصنیف کیا ہے اور وہ اس کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''تاریخ انسانی میں مذہب درمیان میں کھڑا نظر آتا ہے۔''

"The Observer" کے 24 اکتوبر 1954 میں شائع ہونے والے ایک کالم میں لکھا ہے:

''میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسرار و اخفائے حیات کو سمجھنے اور جاننے کے لیے مذہب ایک کنجی کی حیثیت رکھتا ہے۔''

تمام اہم مذاہب کا یقین ایک ("Universal God") اعلیٰ خدائی قوت ہے جو کہ قادر مطلق ہے اور ہر چیز کا علم رکھنے والا۔ تمام مذاہب کو ماننے والے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا جس کی وہ عبادت کرتے ہیں، ان کے لیے بھی ویسا ہی ہے جیسا دوسروں کے لیے۔ مارکسزم، فرائیڈ ازم اور دوسرے غیر مذہبی رویوں نے منظم مذاہب کی بنیادوں پر حملے کیے لیکن ان کے نتائج نے ان میں بھی اعتقادی نظام کو جنم دے دیا۔ مثلاً: جب کمیونزم بہت سے ممالک میں تھا، یہ اسی سپردگی اور سرگرمی سے پھیلایا گیا جو کہ مذہبی تعلیمات کو پھیلانے کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔ اسی لیے مذہب حیات انسانی کے لیے جزو لازم ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ

Marfat.com

لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ (آل عمران : ٦٤)

''اے پیغمبر! فرمایئے! اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں برابر ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض بعض انسانوں کو رب نہ بنالیں، اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں بھی تو آپ صاف کہہ دیجئے کہ گواہ رہو! ہم تو مسلمان ہیں۔''

مختلف مذاہب وادیان کا مطالعہ میرے لیے بڑا اچھا ثابت ہوا۔ اس مطالعہ نے میرے اس یقین کو اور پختہ کیا کہ خدا نے ہر انسان کو اپنی ذات کی پہچان کے علم کے ساتھ پیدا کیا۔ انسان کی ذہنی جبلت کچھ اس طرح کی ہے کہ وہ خالق کے وجود کو تسلیم کرتی ہے، جب تک کہ اس کے یقین پر کوئی چوٹ نہ لگائی جائے۔ دوسرے الفاظ میں خدا پر یقین رکھنے کی کوئی شرط نہیں ہے جبکہ خدا کے تصور کو رد کرنے کے لیے دلائل چاہئیں۔

مذاہبِ عالم کی تقسیم:

دنیا کے مذاہب کو مجموعی طور پر سامی اور غیر سامی مذاہب میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ غیر سامی مذاہب کو آریائی اور غیر آریائی مذاہب میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1: سامی مذہب (Semitic Religions)

ان مذاہب میں سے ہے جو کہ سام بن نوح کی نسل سے نکلے۔ بقول بائبل!

''حضرت نوح کا ایک بیٹا سام تھا، سام کی اولاد بعد میں سامی کہلائی۔''

لہٰذا سامی مذہب ان مذاہب میں سے ہے جس نے یہودیوں، عربوں اور آشوریوں کے درمیان فروغ پایا۔ بڑے سامی مذاہب میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام قابل ذکر ہیں۔ یہ تمام پیغمبرانہ مذاہب ہیں جو کہ اس ابدی ہدایت پر یقین رکھتے ہیں جو پیغمبروں کے ذریعے ان تک پہنچی۔

2: غیر سامی مذاہب (Non Semitic Religions)

کو مزید تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً آریائی مذاہب اور غیر آریائی مذاہب۔

Marfat.com

(i) آریائی مذاہب (Aryan Religions) نے آریاؤں میں جڑیں پکڑیں۔ وہ "Indo Europian" زبان بولنے والے طاقتور گروہ تھے جو کہ ایران اور شمالی بھارت میں 2,000 سے 15,00 قبل مسیح میں پھیل گئے۔

آریائی مذاہب کو مزید ویدک (Vedic) اور غیر ویدک (Non Vedic) مذاہب میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ویدک مذہب کو ہندومت یا برہمن ازم کا غلط نام دیا گیا ہے۔ غیر ویدک مذاہب میں سکھ مت، جین مت اور بدھ مت وغیرہ شامل ہیں۔ تمام آریائی مذاہب غیر الہامی مذاہب ہیں (یعنی جو بغیر انبیاء کے وجود میں آئے)۔ البتہ زرتشت ازم ایک ایسا آریائی مذہب ہے جو غیر ویدک ہے اور ہندومت سے بھی جدا ہے۔ یہ مذہب الہامی یعنی پیغمبرانہ مذہب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

(ii) غیر آریائی مذاہب (Non Aryan Religions) آریائی مذاہب کی متفرع جڑیں ہیں۔ کنفیوش ازم اور تاؤ ازم کو چین میں فروغ ملا جبکہ شنتو ازم کو جاپان میں فروغ ملا۔ بہت سے غیر آریائی مذاہب میں خدا کا تصور نہیں پایا جاتا۔ آپ ان کو مذہب کے بجائے اخلاقی اور معاشرتی نظام کہہ سکتے ہیں۔

اہم نوٹ:

کسی بھی مذہب میں پایا جائے والا خدا کا تصور محض اس کے ماننے والوں کو دیکھ کر نہیں جانا جا سکتا۔ یہ بات عام ہے کہ بہت سے مذاہب کے پیروکار اپنی مقدس کتابوں میں بتائے گئے تصور سے نا آشنا ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ بہتر ہے کہ کسی مذہب کا تصورِ خدا جاننے کے لیے اس کی مقدس کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔ آیئے! ہم دنیا کے چند بڑے مذاہب اور ان کے مقدس مذہبی صحیفوں کے ذریعے تصورِ خدا کو جانچیں۔

☆☆☆

Marfat.com

باب نمبر 1:

یہودیت اور تصورِ خدا

یہودیت:

یہودی مذہب سامی مذاہب میں سے ایک بڑا مذہب ہے۔ اس کے پیروکار یہودی کہلاتے ہیں اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ تعلیمات پر یقین رکھتے ہیں۔

تصور معبودِ واحد اور موسیٰ علیہ السلام:

1: توریت میں موجود ایک آیت جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت پر مشتمل ہے کچھ اس طرح ہے:

'شما اسرائیلو آدونبائے الا مایونی ادنی افاد۔"

"سنو اے بنی اسرائیل! حاکم خدا ایک ہی حاکم ہے۔"

(The Bible, Dew 6:4)

حاکم اور بچانے والا:

2: عیسیاہ (Isaiah) کی کتاب میں مندرجہ ذیل آیتوں کو ملاحظہ فرمایئے:

"میں، ہی حاکم ہوں اور میرے علاوہ کوئی اور بچانے والا نہیں۔"

(بائبل عیسیاہ 43:11)

"میں حاکم اعلیٰ ہوں اور اس کے علاوہ کچھ نہیں، میرے علاوہ اور کوئی خدا نہیں۔"

(بائبل عیسیاہ 45:5)

Marfat.com

میں خدا ہوں اور اس کے علاوہ کوئی اور نہیں، میں خدا ہوں اور کوئی بھی میرے جیسا نہیں۔''

(The Bible, Isaiah 46:09)

ایک ہی خدا:

یہودی مذہب بتوں کی پوجا کی مندرجہ ذیل آیات میں مذمت کرتا ہے:

''تم میرے سامنے کوئی دوسرا خدا نہیں بناؤ گے۔ نہ ہی تم پتھر سے بت بناؤ گے، نہ ہی جو چیزیں اوپر آسمانوں میں ہیں یا نیچے زمین میں ہیں ان کے سامنے جھکو گے، نہ ہی انھیں اس نظر سے دیکھو گے کیونکہ میں تمھارا معبود ہوں بڑا سخت آقا ہوں۔''

(خروج، 20:3-5 Bible)

''میرے سوا کوئی اور خدا سامنے نہ ہو گا اور دیکھو میری طرف کوئی فانی تصور قائم نہ کرنا۔ کسی قسم کی کوئی مثال بھی قائم نہ کرنا جو کہ آسمان سے ہو یا زمین کے نیچے سے۔ تم اپنی ذات کو ان کے سامنے نہ جھکانا کیونکہ میں حاکم ہوں، میں خدا ہوں اور ایک غیور خدا۔''

(The Bible, Dut 5:7-9)

☆☆☆

Marfat.com

باب نمبر2:

عیسائیت اور تصورِ معبود

عیسیٰ علیہ السلام.....اور اسلام:

عیسائیت سامی مذہب ہے جو کہ پوری دنیا میں تقریباً دوارب ماننے والوں پر مشتمل ہے۔عیسائیت نے یہ نام حضرت عیسیٰ کے نام سے اپنایا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسلام میں بھی مقدس ہستی گردانے جاتے ہیں۔اسلام واحد غیر عیسائی مذہب ہے جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو مانتا ہے۔اس سے پہلے کہ ہم عیسائیت کے تصور خدا پر بحث کریں ہم اسلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اہمیت اور حقیقت کا مطالعہ کرتے ہیں۔

1 اسلام واحد غیر عیسائی مذہب ہے جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یقین لانے کو اسلام کا لازم جز سمجھتا ہے۔کوئی مسلمان، مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ رکھتا ہو۔

2 ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ سبحان و تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبروں میں سے ایک تھے۔

3 ہم مانتے ہیں کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ حالانکہ بہت سے ماڈرن عیسائی بھی اس پر یقین نہیں رکھتے۔

4 ہم مانتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

5 ہم مانتے ہیں کہ انھوں نے خدا کے حکم سے اندھوں کو بینائی بخشی اور کوڑھیوں کو تندرست کیا۔

وجہ اختلاف:

یہاں کوئی پوچھ سکتا ہے کہ اگر مسلمان اور عیسائی دونوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام

Marfat.com

کے لیے محبت اور عقیدت موجود ہے تو ان میں وجہ اختلاف کیا ہے۔ سب سے بڑا اختلاف اسلام اور عیسائیت میں یہ ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں۔ عیسائی صحیفوں کے مطالعے سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ حقیقت میں پوری بائبل میں ایک بھی غیر مبہم بیان نہیں ہے جہاں عیسیٰ علیہ السلام خود کہتے ہوں کہ ''میں خدا ہوں'' یا انھوں نے یہ کہا ہو کہ ''میری عبادت کرو''۔ حقیقتاً بائبل میں کچھ ایسے بیانات ہیں جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں حالانکہ وہ ان کی تعلیمات کے الٹ ہیں۔

اقول عیسیٰ علیہ السلام:

بائبل کے مندرجہ ذیل بیانات ایک نظر ملاحظہ ہوں جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب کیے جاتے ہیں:

''میرا باپ مجھ سے بڑا ہے۔'' (یوحنا 14۔28)

''میرا باپ سب سے بڑا ہے۔'' (یوحنا 10:29)

''میں خدا ہی کی مدد سے شیطانی ارواح کو باہر نکالتا ہوں۔''

(متی، 12: 2,8)

''خدا کی انگلی کے ساتھ شیطانوں کو باہر نکالا۔''

(لوقا 11:20)

''میں خود کچھ نہیں کرتا۔ جیسا کہ میں سنتا ہوں موازنہ کرتا ہوں اور میری Judgement انصاف پر مبنی ہے کیونکہ میں اپنی خواہش پر نہیں چلتا بلکہ اپنے باپ کی مرضی پر چلتا ہوں جس نے مجھے بھیجا۔''

دین موسیٰ کی تکمیل:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود کبھی بھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ انھوں نے واضح طور پر اپنے مشن کے مقصد کا اعلان کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کی طرف سے سابقہ یہودی تعلیمات کو Confirm کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ متی کی انجیل میں اسی بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے جو کہ عیسیٰ سے منسوب کیا جاتا ہے:

Marfat.com

''یہ نہ سمجھو کہ میں قانون توڑنے کے لیے آیا ہوں یا پیغمبروں کو جھٹلانے کے لیے۔ میں تخریب کے لیے نہیں آیا بلکہ مکمل کرنے کے لیے آیا ہوں۔ حقیقت میں۔''

(بائبل، متی 5:17-20)

خدا نہیں بلکہ خدا کا بھیجا ہوا ہوں:

بائبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشن کے مقاصد کو مندرجہ ذیل آیتوں میں واضح کرتی ہے:

''جو الفاظ میں کہتا ہوں وہ میرے نہیں بلکہ میرے باپ کے ہیں جس نے مجھے بھیجا۔''

(یوحنا 17:03)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس شبہ کی بھی تردید کی جو کہ ان کی خدائی سے متعلق تھا۔ ذیل میں دیئے گئے واقعہ پر ایک نظر دوڑایئے جو کہ بائبل میں بیان کیا گیا ہے:

''اور دیکھو! ایک آدمی ان کے پاس آیا اور ان سے پوچھا :

''میرے عظیم آقا! مجھے کیا اچھا کام کرنا چاہیے کہ میں امر ہو جاؤں۔''

اور انھوں نے اس سے کہا!

''تم نے مجھے اچھا کیوں کہا۔ اس ذات کے سوا کوئی اچھا نہیں۔ وہ خدا ہے لیکن اگر تم زندہ رہتے ہو تو احکاماتِ خداوندی پر عمل کرتے رہو۔''

(بائبل، میتھیو 5:17:20)

بائبل کا مندرجہ بالا بیان عیسائی عقیدہ کی سختی سے تردید کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قربانی سے ان کے گناہ معاف ہو گئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو احکاماتِ خداوندی پر عمل کرنے کی نصیحت کرتے رہے۔

پیغمبر الٰہی:

بائبل کی ایک آیت اسلامی عقیدے پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے پیغمبر ہیں۔ وہ آیت یہ ہے:

''اے بنی اسرائیل! ان الفاظ کو سنو! نازارتھ کے عیسیٰ علیہ السلام تم میں سے خدا کے برگزیدہ بندے ہیں حیران کن معجزات کی وجہ سے جو کہ خدا نے ان کے ذریعے تمہیں دکھائے۔''

Marfat.com

ایک خدا:

انجیل مسیحیت کے نظریہ تثلیث کی تائید نہیں کرتی۔ اس مقدس کتاب کو لکھنے والے ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا!

''سب سے بڑھ کر حکم الٰہی کون سا ہے۔''

انھوں نے صرف ایک وہی بات دہرائی جو اس سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیان کی تھی۔ یہ ایک عبرانی زبان کا جملہ تھا جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''خداوند، ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔''

(مرقس 12:29)

☆☆☆

Marfat.com

باب نمبر3:

پارسی مذہب اور تصورِ معبود

پارسی ازم:

پارسی مذہب ایک قدیم آریائی مذہب ہے جو کہ شام کے علاقے سے 2500 قبل مسیح نکلا۔ اگرچہ اس کے بہت تھوڑے پیروکار ہیں (پوری دنیا میں ایک لاکھ 30 ہزار سے بھی کم) لیکن بہرحال یہ قدیم مذاہب میں سے ایک ہے۔ ایرانی زرتشت اِس مذہب کا بانی تھا جسے عام طور پر ''پارسی ازم'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

مقدس مذہبی کتب اور تصورِ معبودِ واحد:

پارسیوں کے مقدس صحیفوں میں ''دساتیر'' (Dosair) اور'' اوستا'' (Avesta) شامل ہیں۔

1: دساتیر کی رو سے اہورمزدا (خدا) کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں۔

☆ وہ ایک ہے۔

☆ کوئی اس جیسا نہیں۔

☆ اس کا کوئی آغاز ہے نہ انجام۔

☆ اس کا کوئی باپ نہیں، کوئی ماں بیوی یا بچہ نہیں۔

☆ کسی جسم یا شکل کے بغیر ہے۔

☆ نہ نظریں اس کو پا سکتی ہیں نہ ہی ذہن کی قوت اسے عقل کے احاطے میں لا سکتی ہے۔

☆ وہ ان سب باتوں سے بلند ہے جو کہ کوئی سوچ سکتا ہے۔

☆ وہ تمھاری اپنی ذات سے بھی قریب ہے۔

Marfat.com

2: آوستا، گتھا اور یسنا ہمیں اہور مزدا (خدا) کی مختلف صفات سے آگاہ کرتی ہیں۔!

''خالق:

(Yasna 50:11)،(سینا7:44)،(31:7 & 1.1)

عظیم تر:

(Yasna 45:06)،(Yasna 33:11)

رحمٰن (انتہائی مہربان):

(Yasna 33:11)،(Yasna 48:03)

کریم(Spenta):

(Yasna'(Yasna 44:02)،(Yasna 43:4, 5, 7, 9 14, 15)

(Yasna 48:03)،45:05)

☆☆☆

Marfat.com

باب نمبر4:

ویدانتی مذہب اور تصورِ مبعود

لفظ ہندو:

آریاؤں کا مشہور ترین مذہب ''ہندومت'' ہے۔ اصل میں ''ہندو'' فارسی زبان کا لفظ ہے جو کہ وادی سندھ کے پار بسنے والوں کے لیے بولا جاتا تھا۔ بہر حال عام طور پر ہندومت مذہبی عقائد کی درجہ کی ایک جامع تعریف ہے جو کہ زیادہ ویدوں اپنشد (Opnishads) اور بھگوت گیتا پر مشتمل ہیں۔

لاتعداد معبود:

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہندوازم ایک سے زیادہ خداؤں کو ماننے والا مذہب ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بہت سے ہندو اس بات کو تسلیم کریں گے، اعلانیہ اعتقاد کے ساتھ کہ ہاں! ہم ایک سے زیادہ خداؤں پر یقین رکھتے ہیں۔ کچھ ہندو تین خداؤں کے تصور پر یقین رکھتے ہیں جبکہ کچھ ہندو تینتیس کروڑ خداؤں پر یقین رکھتے ہیں۔ بہر حال باشعور ہندو جو کہ اپنی مقدس کتابوں کا علم رکھتے ہیں اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ ایک ہندو کو صرف اور صرف ایک خدا پر یقین رکھنا چاہیے۔

ہندو مسلم تصورِ معبود میں فرق:

ہندوؤں اور مسلمانوں میں خدا سے متعلق تصور کا بنیادی فرق یہ ہے کہ وہ ہمہ اوست کے قائل ہیں۔ ہمہ اوست (Pantheism) کا یہ مطلب ہے کہ ہر چیز چاہے وہ جاندار ہے یا بے جان خدا ہے۔ لہٰذا ہندو درختوں کو، سورج، چاند، جانوروں حتیٰ کہ انسانوں کو خدا تصور کرتے ہیں۔ لہٰذا عام ہندو کے لیے ہر شے خدا ہے۔ جبکہ دوسری طرف اسلام انسانوں کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو، اپنے اردگرد کی اشیاء کو خدا کی شہادت سمجھے نہ کہ ان کی عبادت کرنے

Marfat.com

لگ جائے۔ لہٰذا مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ ہر چیز خدا کی ہے۔لہٰذا ہندو اور مسلمان کے درمیان بنیادی فرق صرف ''کی'' کا ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ ہر چیز خدا ہے جبکہ مسلمان کہتے ہیں کہ ہر چیز خدا کی ہے۔

مشترک باتیں:

قرآن مجید فرماتا ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔

(القرآن المجید، پارہ نمبر3، سورۃ نمبر3 (آل عمران) آیت نمبر64)

''اے اے پیغمبر! فرمایئے! اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں برابر ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض بعض انسانوں کو رب نہ بنالیں، اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں بھی تو آپ صاف کہہ دیجئے کہ گواہ رہو! ہم تو مسلمان ہیں۔''

عبادت فقط اللہ کی:

پہلی مشترکہ بات یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔

آیئے! اب ہم ہندومت کے مذہبی صحیفوں کی مدد سے پہلی مشترکہ بات کا جائزہ لیتے ہیں:

1: ہندو صحیفوں میں مشہور ترین کتاب ''بھگود گیتا'' ہے۔ گیتا کے مندرجہ ذیل شعر کا مطالعہ کیجئے:

''وہ جن کی عقل سلب ہوگئی وہ مادی خواہشات کی وجہ سے جھوٹے خداؤں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے لگے اور پھر انہوں نے اپنی مرضی کے مطابق پوجا کے اصول بنالیے۔''

(بھگود گیتا، باب نمبر7 اشلوک نمبر20)

بھگود گیتا ان لوگوں کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو کہ مادی سوچ کے حامل ہیں اور سچے خدا کی بجائے جھوٹے خداؤں کی پوجا کرتے ہیں' فقط اپنی مادی خواہشات کو پورا کرنے کے

Marfat.com

لیے۔

2: اپنشد بھی ہندوؤں کی مقدس کتاب سمجھی جاتی ہے' اس کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

''وہ دوئے نہیں صرف ایک ہے۔''

(چندوگیا اُپنشد 1:2:6)

3: ''نہ تسپیا کسوج جتیتا نہ سدھیپا''

''اس ذات کے نہ ماں باپ نہ کوئی مالک۔''

(سویتا سوی ترا اُپنشد 6:9، دوسرا حصہ صفحہ نمبر 263)

4: ''نہ تیسا پراتما استی''

''اس جیسا کوئی نہیں۔'' (سویتا سویترا اُپنشد باب 19:4)

5: ''نائم اردھوم نہ تریکنم نہ مدھیے نہ پری جگر بھٹ نہ تسی پر۔تما استی یسیا نامہ ماھد یاسا۔''

''اسی کی کوئی مثل نہیں، جس کا نام اعلیٰ وارفع ہے۔''

(پرنسپل آف پنی سوئیت، مصنف رادھا کرسنن، صفحہ نمبر 737-736)

موازنہ:

مندرجہ ذیل اشلوکوں کا قرآن مجید سورۃ الاخلاص سے موازنہ کریں۔!

ارشاد ربانی ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ ۵ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○

''کہہ دیجئے! کہ اللہ ایک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے۔''

(القرآن المجید، پارہ نمبر 30، سورۃ نمبر 112 (الاخلاص)

مخصوص شکل:

اپنشد کا ایک اور بیان پڑھئے جو ہمیں اس بات کا اشارہ دیتا ہے کہ انسان خدا سے متعلق کسی مخصوص شکل کا احاطہ کرنے سے معذور ہے۔

''نہ سمدر سے تتھائی روپم اسیا، نہ ککسو سہ پسیاتی کس کینم، ہرداہرد ستھم منسایا اینم، اویم د

Marfat.com

یدرا مرتس تے بھاونتی۔"

"اس کو دیکھا نہیں جا سکتا، کوئی بھی اسے آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا، وہ جو اس کو دل و دماغ کے ذریعے جانتے ہیں کیونکہ دل کا خیال امر ہو جاتا ہے۔" (سویتا سویترا اپنشد 4:20)

قرآن مجید اس بارے میں کہتا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ

"آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں۔" (القرآن المجید، پارہ نمبر، سورۃ نمبر 6، آیت نمبر 103)

ویدوں کی اقسام:

ویدوں کو تمام ہندو مقدس صحیفوں پر برتری حاصل ہے۔ ان کی چار قسمیں ہیں۔

یجروید (Yajur Ved)

اتھروید (Atharva Ved)

رگ وید (Rig Ved)

سام وید (Sam Ved)

یجروید اور تصور خدائے واحد:

1: یجروید کے اشلوک ملاحظہ ہوں:

"ناتسیا پریتما استی"

"اس کا کوئی پرتو نہیں۔"

(یجروید 32:03)

2: "جیسا کہ وہ پیدائش سے ماورا ہے۔ وہ اِس لائق ہے کہ ہم اس کی پرستش کریں"۔

3: "اس کا کوئی پرتو نہیں ہے جو عظیم الشان ہے۔ وہ اپنے اندر تمام روشن اشیاء رکھتا ہے جیسا کہ سورج، مجھے وہ نقصان نہ پہنچائے یہ میری دعا ہے، جیسا کہ وہ پیدائش سے ماورا ہے اور وہ اس لائق ہے کہ ہم اس کی پرستش کریں۔"

(یجروید، دیوی چند ایم۔ اے صفحہ نمبر 377)

4: "وہ بغیر جسم کے ہے اور سچا ہے۔" (یجروید 40:08)

Marfat.com

5: ''وہ روشن ہے بغیر جسم کے بغیر زخم کے بغیر جسمانی خلیوں کے ایسا خالص کہ جس میں شیطان نہیں جھانک سکتا۔ دور اندیش، دانا، احاطہ کیے ہوئے، بے نیاز، اس کی صفات ہیں وہی احکامات جاری کرتا ہے۔''

(یاجرسمینا، الف آئی ایچ گرینتھ صفحہ نمبر 538)

6: یجروید میں یہ بھی ہے:

''اندھ تماپرادشیانتی بے آسام بھولی موبست۔''

7: ''وہ اپنے اندھیرے میں چلے جاتے ہیں جو فطری اشیاء کی پوجا کثرت سے کرتے ہیں۔ وہ اندھیروں میں ڈوبتے جاتے ہیں جو کہ سامہوتی کو پوجتے ہیں۔ سامہوتی کا مطلب ہے تخلیق شدہ اشیاء مثلاً میز، کرسی، بت وغیرہ۔''

(یجروید 40:09)

8: یجروید میں یہ دعا بھی ہے۔!

''ہمیں سیدھا رستہ دکھا اور ہم سے وہ گناہ دور کر دے جو ہمیں رستے بھٹکا دیں اور گمراہ کریں۔''

(یجروید باب نمبر 40:16)

اتھرواوید اور تصور معبود واحد:

1: اتھرواوید کے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

''دیوا مہااوسی''

''خدا حقیقت میں عظیم ہے۔''

(اتھرواوید 2058:03)

2: ''یقیناً سریا تم عظیم ہو، سچ ہے ادتیا تم عظیم ہو۔ چونکہ تم شان والے ہو۔ تمھاری شان تعریف والی ہے، اے پالنے والے! تو یقیناً بہت شان والا ہے۔''

(اتھرواوید سماتی جلد دوم ولیم ڈمانٹ صفحہ نمبر 910)

قرآن میں اسی طرح کا پیغام سورت الرعد میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ۔

Marfat.com

''وہ پوشیدہ وظاہر کا علم جاننے والا ہے بہت بڑا اور بہت بلند و بالا ہے۔''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر، سورۃ نمبر 13 (الرعد)، آیت نمبر 9)

رگ وید اور تصور اِلٰہ:

رگ وید تمام ویدوں مین سے قدیم ہے اور یہ سب ویدوں سے مقدس مانا جاتا ہے۔ رگ وید میں ہے:

''دانا ہے۔ ایک خدا کو کئی ناموں سے پکارتے ہیں۔''

(رگ وید 1:164:46)

برہما:

رگ وید، جلد دوم، اشلوک نمبر 1 میں خدائے برتر کی 33 سے زائد مختلف صفات بیان کی گئی ہیں، جن میں سے کئی رگ وید کی دوسری کتاب کے پہلے بھجن میں بھی موجود ہیں۔ رگ وید میں خدا کی بیان شدہ مختلف صفات میں ایک بہت خوبصورت صفت جو کہ رگ وید، جلد دوم میں بیان کی گئی ہے وہ ہے برہما۔ برہما یعنی بنانے والا۔ اگر اس لفظ کا عربی میں ترجمہ کیا جائے تو یہ ''خالق'' بنتا ہے۔ یعنی "Creator" یا برہما۔

یہاں تک تو اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو برہما یا خالق کہا جائے لیکن مسلمان قطعاً یہ نقطہ نظر نہیں رکھتے کہ برہما ''جو خدا ہے اس کے چار سر ہیں۔''

ایک مسلمان کا تصور اس سے یکسر جدا ہے۔ خدائے عظیم کو کسی جسمانی مثال سے واضح کرنا یجر وید کی مندرجہ ذیل اشلوک کی مخالفت کرتا ہے:

''ناتسایا پترای استی''

''اُس کا کوئی پرتو نہیں۔''

رگ وید میں بیان کی گئی ایک اور صف ''وشنو'' ہے۔

(رگ وید 2:1:3)

وشنو:

وشنو کا مطلب ہے ''سہارا دینے والا''۔ عربی میں اس کا ترجمہ ''رب'' بنے گا۔ یہاں پھر مسلمانوں کو کچھ اختلاف نہیں کہ خدائے عظیم کو کوئی رب کہے یا سہارا دینے والا یا وشنو۔

Marfat.com

ہندوؤں کا وشنو سے متعلق عام عقیدہ یہ ہے کہ وشنو کے چار بازو ہیں جن میں ایک دائیں ہاتھ میں چمکدار تھالی ہے، ایک بائیں ہاتھ میں سنکھ تھامے ہوئے ہے اور وہ ایک پرندے پر سوار ہے یا بعض تصاویر میں سانپ کو بستر بنا کر محو استراحت ہے۔ مسلمان خدا سے متعلق کسی عکس کا سوچ بھی نہیں سکتا جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا کہ یجروید باب نمبر 40 اشوک نمبر 19 میں ہے:

''ماچد یدوی شانستا''

اب دوستو اس ذات کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو، جو خدا ہے۔''

(رگ وید 8:1:1) (رگ وید سماہتی جلد نہم صفحہ نمبر 1 اور 2 مصنف سایا پرکاش سرسوتی اور ستیتی کام ودھایالنکر)

خدائے واحد:

''عقل مند یوگی بھی ذہن اور اپنی سوچوں کو اس اعلیٰ ترین سچائی پر مرتکز کرتے ہیں جو کہ ہر جگہ موجود ہے، عظیم ہے اور ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ وہ اکیلا کائنات کا علم رکھنے کے باعث اعضائے کائنات کو ان کے متعلقہ کام سونپتا ہے۔ حقیقت میں اس خدائے ایزد کی شان بلند ہے۔''

(رگ وید 05:81)

(رگ وید سماہتی، جلد ششم، صفحہ نمبر 1082 اور 1084، مصنف سوامی ستایا پرکاش سرسوتی اور ستی کام ودھیالنکا)

''ایکم برہم، دی دنیا ناہتے نے نہ ناہتے کنچن۔''

''خدا صرف ایک ہے، کوئی دوسرا نہیں، قطعاً نہیں قطعاً نہیں، کسی صورت میں نہیں۔''

معلوم ہوا کہ ہندومت میں بھی تصورِ خدائے واحد موجود ہے۔ لہٰذا ہندو کتابوں کا صرف غیر جذباتی اور ٹھنڈے دل سے مطالعہ کر کے ہی کوئی ہندومت میں خدا کا تصور جان سکتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

باب نمبر5:

سکھ مذہب اور تصورِ الٰہ

سکھ مت:

سکھ مذہب ایک غیر سامی، آریائی مذہب ہے۔ دنیا کے بڑے مذاہب میں اس کا شمار نہیں ہوتا۔ آپ اسے ہندومت کی ایک شاخ کہہ سکتے ہیں جس کی ابتداء پندرھویں صدی کے اواخر میں گرونانک نے کی۔ یہ مذہب پاکستان اور شمال مغربی انڈیا سے پھوٹا۔ گرونانک ایک ہندو خاندان میں پیدا ہوئے جو کہ ''کھشتری'' طبقہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن بعد میں وہ مسلمانوں اور اسلام سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

معنی.....بانی.....مقدس کتاب:

لفظ سکھ کا اصل ماخذ ''سیا'' ہے جس کا مطلب پیروی یا پیچھا کرنے والے ہیں۔ سکھ مت دس گروؤں کا مذہب ہے۔ پہلا گرو ''گرونانک'' اور دسواں اور آخری گرو ''گرو گوبند سنگھ'' سکھ مت کی مقدس کتاب ''سری گرو گرنتھ'' ہے، جسے ''گرنتھ صاحب'' بھی کہا جاتا ہے۔

پانچ کے:

سکھ مت میں ہر سکھ کے پاس پانچ "K" ہونا لازمی تصور کیا جاتا ہے جو کہ اس کی پہچان کا کام دیتے ہیں۔

پہلا K.....یعنی بغیر کٹے بال جو کہ تمام گروؤں نے رکھے۔

دوسرا K.....یعنی کنگھی جو کہ بالوں کو صاف رکھنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

تیسرا K.....کڑا۔ دھات کی چوڑی' یہ طاقت اور قوت کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔

چوتھا K.....کرپان۔ ذاتی دفاع کے لیے چھڑی یا چاقو وغیرہ۔

Marfat.com

پانچواں K..... کچھا جو گھٹنے تک آتا ہو۔

تصورِ خدا:

سکھ مت میں خدا کے وجود کے متعلق بہترین تعریف جو کہ کوئی بھی سکھ کر سکتا ہے وہ ''مل مانترا'' کا حوالہ ہے۔ سکھ مت کا بنیادی عقیدہ سری گرو گرنتھ، جلد نمبر 1، (Japuj) کے پہلے اشلوک' میں لکھا ہے کہ'' خدا ہے کہیں، صرف ایک جو کہ سچا ہے اور تخلیق کرنے والا، خوف اور نفرت سے ماورا، ہمیشہ قائم و دائم رہنے والا جس کو کسی نے نہیں جنا، Self Existant، عظیم اور رحم والا۔''

سکھ مت لازم کرتا ہے کہ اس کے پیرو کار ایک خدا کے سوا کسی کو نہ مانیں۔ اس کا عقیدہ ایک خدائے واحد کا ہے۔ جو سب پر عیاں ہے۔ (Ed Omkara)

عیاں حالت میں وہ ''اوم کارا'' کہلاتا ہے اور اس کی کچھ خصوصیات ہیں۔ مثلاً:

کرتار:	تخلیق کرنے والا۔
صاحب:	مالک۔
اکل:	ہمیشہ رہنے والا، ابدی۔
ستانامہ:	مقدس نام۔
پروردگار:	پرورش کرنے والا۔
رحیم:	رحم کرنے والا۔
کریم:	کرم فرمانے والا۔
''واہ گرو''	ایک سچا خدا۔

خدائے واحد کو سختی سے ماننے کے علاوہ سکھ مت اوتار ویدا پر بالکل یقین نہیں رکھتا۔ اوتار ویدا یعنی اوتار کا مجسم حالت میں ہونا۔ قادرِ مطلق خدا اپنے آپ کو کبھی جسمانی شکل میں نہیں لاتا جسے اوتار کہا جاتا ہے۔ سکھ مذہب بتوں کی پوجا کے بھی سخت خلاف ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

باب نمبر6:

اسلام اور تصورِ معبودِ واحد

اسلام.....مسلمان.....مقدس کتاب اور عقائد:

اسلام ایک سامی مذہب ہے جس کے سوا ارب سے زائد پیرو کار پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اسلام کا معنی ''اللہ کے سامنے سرنگوں ہونا'' اور ''اللہ کی رضا پر راضی رہنا'' ہے۔

مسلمان قرآن کریم کو مقدس کتاب مانتے ہیں جو کہ خدا کے احکامات پر مشتمل ہے اور یہ کتاب آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اسلام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں نبی اور رسول بھیجے جو کہ خدا کی وحدت اور موت کے بعد جزا و سزا جیسی تعلیمات کا پرچار کرتے تھے۔ لہٰذا اس طرح اسلام پہلے گزرے ہوئے رسولوں پر ایمان لانے کو لازم قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بہت سے دوسرے انبیاء علیہم السلام۔

جامع و مانع تعریف:

مذہب اسلام میں خدا کی بہترین اور جامع تعریف سورۂ اخلاص (پارہ نمبر30، سورۃ نمبر112) میں دی گئی ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ ۵ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○

''کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اسکو کسی نے جنا اور نہ ہی وہ کسی سے جنا گیا۔ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔''

Marfat.com

الصمد:

انگلش زبان میں ''الصمد'' کو بیان کرنا کافی مشکل ہے۔ الصمد کا مطلب ہے بے نیاز جو کہ صرف اور صرف اللہ کی خاصیت ہے اور دوسری تمام اشیاء عارضی یا زمانی ہیں۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص پر انحصار نہیں کرتا بلکہ تمام لوگ اور اشیاء اس پر انحصار کرتے ہیں۔

سورۂ اخلاص علم الٰہی کو ماننے کے لیے پیمانہ کی سی حیثیت رکھتی ہے۔

علم الٰہیات کا پیمانہ:

"Theo" یونانی لفظ ہے جس کا مطلب خدا ہے اور "logy" کے معنی علم کے ہیں۔ لہٰذا "Theology" کا مطلب علم الٰہی بنا اور مسلمانوں کے لیے یہ چار لائنوں پر مشتمل سورت خدا کی تعریف اور خدا کی پہچان کا ایک آلہ ہے۔

کوئی بھی امیدوار جو کہ خدائی کا دعویدار ہو اس کے لیے یہ تعریف ایک کسوٹی کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ خدا کی جو صفات اس سورۂ میں بیان کی گئی ہیں وہ یکتا ہیں، جھوٹے خدا اور خدائی دعویداروں کو ان آیات کے ذریعے آسانی سے بتا کر ان کو جھوٹا ثابت کیا جا سکتا ہے۔

ہندوستان عام طور پر خدائی بندوں کی سرزمین کے نام سے جانا جاتا ہے، اس کی وجہ بہت سے روحانی اساتذہ کی ہندوستان میں موجودگی ہے۔ ان ''باباؤں'' اور ''صوفیوں'' کے بہت سے پیروکار متعدد ملکوں میں موجود ہیں، قرآن مجید اس بات کا سخت مخالف ہے کہ خدا کے علاوہ کسی اور کی عبادت کی جائے۔

اوشوراج نیش:

اسلامی نقطۂ نظر کے لحاظ سے ان خدائی کے دعویداروں کو سمجھنے کے لیے ہم ایک "God men" کی تاریخ کو جانچتے ہیں ''اوشوراج نیش۔''

(Osho Rejnesh) ان لاتعداد روحانی عالموں میں سے ایک ہے جو ہندوستان کی سر زمین میں پیدا ہوئے۔ مئی 1981ء وہ امریکہ گیا اور ''راج نیش پورم'' کے نام سے اس نے ایک ٹاؤن آباد کیا۔ بعد میں وہ مغرب کا مجرم ٹھہرا اور آخر کار گرفتار ہوا۔ اس نے پونا میں ایک جماعت کی بنیاد رکھی جو کہ اب ''اوشو'' جماعت کے نام سے جانی جاتی ہے۔ وہ 1990ء میں

Marfat.com

فوت ہوا۔کوئی بھی سیاح پونا میں اس کی قبر کے کتبے پر مندرجہ ذیل الفاظ پڑھ سکتا ہے:

اوشو، نہ کبھی پیدا ہوا نہ کبھی مرا۔صرف اس نے 11 دسمبر 1931ء سے لے کر 19 جنوری 1990 تک زمین کا دورہ کیا۔

وہ اس بات کا ذکر کرنا بھول گئے کہ اس کو 21 مختلف ملکوں کا ویزہ نہ دیا گیا۔ راج نیش کے پیروکار کو ایسے خدا میں کوئی خرابی نہیں ملتی ہے جو کہ زمین کا دورہ کرتا ہے اور اس کو کسی ملک میں داخلے کے لیے ویزہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ آیئے! ایک نظر ذرا سورۃ الاخلاص کے لحاظ سے اس خدائی کے دعویدار پر ڈالتے ہیں:

پہلی شرط یہ کہ اللہ ایک ہے۔ کیا راج بس صرف اور صرف ایک ہے۔ یہاں تو مدت سے ایسے لوگ گزرے ہیں جنھوں نے خدائی کا دعویٰ کیا۔پہلی شرط میں راج صاحب ناکام ہو گئے۔

دوسرا معیار کیا ہے کہ اللہ بے نیاز ہے۔ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ راج صاحب پیدائش سے لے کر 1990ء میں اپنی موت تک بے نیاز نہیں رہا۔ ہم اس کی سوانح حیات میں یہ پڑھتے ہیں کہ وہ ذیابیطس کا مریض تھا، دمہ کا اور شدید کمر درد کا بھی۔اس نے یہ دعویٰ کیا کہ "USA" کی حکومت نے اس کو جیل میں سلو پوائزن دیا۔ کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ خدا کو زہر بھی دیا جا سکتا ہے؟

تیسری شرط یہ ہے کہ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اس کو کسی نے جنا۔ ہم جانتے ہیں کہ راج نیش جبل پور میں پیدا ہوا اور اس کی ایک ماں اور ایک باپ بھی تھا جو کہ بعد میں اس کے پیروکار بن گئے۔

مئی 1981ء میں وہ امریکہ گیا اور راج نینس پورم کے نام سے ایک شہر آباد کیا بعد میں وہ موت کا مجرم ٹھہرا اور خدا دفن ہوا۔ یونان کے ایک لاٹ پادری کا کہنا تھا کہ اگر راج نیش جلاوطن نہ ہوا ہوتا تو ہم اس اور اس کے پیروکاروں کے گھر جلا ڈالتے۔

چوتھا امتحان جو کہ سب سے مشکل ہے وہ یہ کہ اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ وہ لمحہ جب آپ خدا کو سوچتے ہیں یا خدا کے مقابل میں کسی مثال کو ذہن میں لاتے ہیں تب واضح ہو جاتا ہے کہ خدائی کا عویدار خدا نہیں ہو سکتا۔ یہ ممکن بھی نہیں کہ خدا کی تصویر کو آپ ذہن کے چوکھٹے میں سجا سکیں۔ ہم جانتے ہیں کہ راج نیش ایک انسان تھا جس کی کہ سفید داڑھی تھی۔ اس کی دو

Marfat.com

آنکھیں، دو کان، ایک ناک، ایک چہرے کی تصویر اور لاتعداد پوسٹرز راج نیش کے آسانی سے دستیاب ہیں۔ وہ لمحہ جب آپ سوچتے ہیں کہ خدا کیا ہے، یہ واضح ہوتا ہے کہ راج خدا نہیں ہے۔!! بہت سی کوششیں ہوئیں کہ خدائی خصوصیات کو اس میں ثابت کیا جائے جس کو کہ "Mr. Universe" کا لقب دیا گیا جو کہ دنیا کا طاقتور ترین آدمی ہے۔ اس "Acid Test" کا حاصل کلام کیا ہے۔؟ یہ ہے کہ سچے خدا کے علاوہ کوئی بھی اس "Test" کو پاس نہیں کر سکتا۔

لفظ اللہ اور گاڈ:

مسلمان انگلش ورڈ "God" پر لفظ ''اللہ'' کو ترجیح دیتے ہیں۔ عربی زبان کا یہ لفظ ''اللہ'' خالص اور منفرد و نایاب ہے۔ انگریزی لفظ "God" کی طرح نہیں جس کے ساتھ لفظوں کا کھیل کھیلا جا سکتا ہے۔

اگر آپ "God" کے ساتھ "s" کا اضافہ کریں تو یہ "God's" بن جاتا ہے جو کہ "God" کی جمع "Plural" ہے۔ جبکہ اللہ ایک اور یکتا ہے۔ اس کا کوئی "Plural" نہیں۔ اگر آپ "dess" کو "God" کے ساتھ لگا دیتے ہیں تو یہ لفظ "Godess" بن جاتا ہے۔ جس کا مطلب ہے مونث خدا جبکہ لفظ اللہ کے ساتھ کسی جنس مرد یا عورت کا اضافہ ممکن نہیں۔ اگر آپ لفظ "God" سے پہلے "Tin" کو سابقے کے طور پر لگا لیں تو یہ بن جائے گا "Tin God" یعنی جھوٹا خدا۔ جبکہ اللہ ایک منفرد اہمیت کا حامل لفظ ہے جو کہ کسی ذہنی تصویر میں نہیں آتا اور نہ ہی اس کے ساتھ شعبدہ بازی کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا اس لیے مسلمان لفظ ''اللہ'' استعمال کرنے کو ترجیح دیتے ہیں لیکن بعض اوقات کسی غیر مسلم کے ساتھ گفت و شنید میں ہمیں اللہ کے بجائے "God" جیسا غیر مناسب فقرہ بھی استعمال کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ اس تقریر کو سننے والا مجمع مخلوط قسم کا ہے جس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں اس لیے میں نے اس آرٹیکل میں ''اللہ'' کے بجائے لفظ "God" کا بھی بعض موقعوں پر استعمال کیا ہے۔

خدا انسانی شکل میں:

بعض لوگ یہ جرح کرتے ہیں کہ اگر خدا ہر کام کر سکتا ہے تو پھر وہ انسانی شکل میں کیوں نہیں آ سکتا۔ سامعین! انسانی صفات اور صفات الٰہی بہت سے حوالوں سے بالکل متضاد

Marfat.com

ہیں۔ مندرجہ ذیل دلائل اس بات کو ثابت کر دیں گے کہ خدا کا انسانی وجود میں آنا کس قدر احمقانہ خیال ہے:

1: خدا غیر فانی ہے جبکہ انسان فانی ہے۔خدا کی کوئی ابتداء نہیں جبکہ انسان کی ابتداء ہے۔آپ ایسا کوئی شخص نہیں بتا سکتے جس کی کوئی شروعات یا ابتداء نہ ہو۔

2: انسان کا خاتمہ ہے۔آپ ایسی کسی چیز کا نام نہیں بتا سکتے جس کا کہ خاتمہ نہ ہو۔

3: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو خوراک کی ضرورت نہیں جبکہ انسان کو زندہ رہنے کے لیے خوراک کی ضرورت ہے۔ارشاد ربانی ہے:

''وَ هُوَ يُطْعِمُ وَ لَا يُطْعَمُ''

''اور وہی ہے جو کہ روزی دیتا ہے اور خود نہیں کھاتا۔''

(القرآن المجید، پارہ نمبر، سورۃ نمبر 6 (المائدہ)، آیت نمبر 14)

4: خدا کو آرام یا نیند کی ضرورت نہیں جبکہ انسان زیادہ عرصے تک آرام کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔

''خود سے زندہ ہے۔سب کو زندگی دینے والا ہے۔نہ اسے اونگھ آتی ہے، نہ نیند۔اسی کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔''

(القرآن المجید، پارہ نمبر 3، سورہ نمبر 2 (البقرۃ)، آیت 225)

بہترین مثال:

اگر خدا کا انسان بننے کا تصور قابل قبول ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں رہ جاتی کہ ہم مان جائیں کہ کسی دوسرے انسان کی عبادت کرنا بے کار ہے اور اس کی کوئی "Sense" بھی نہیں بنتی۔اگر خدا انسانی شکل میں آتا ہے تو اس وقت وہ خدا نہیں ہوگا اور تمام انسانی خصوصیات کا حامل ہوگا۔مثال کے طور پر اگر ایک ذہین پروفیسر حادثہ کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کی یادداشت کھو جاتی ہے تو یہ بہت احمقانہ حرکت ہوگی کہ اس کے شاگرد پھر بھی اس سے اس کے متعلقہ

Marfat.com

مضمون سے متعلق سبق لیتے رہیں۔

اور اگر خدا انسانی شکل میں آتا ہے تو وہ انسان بعد میں خدا نہیں بن سکتا کیونکہ بطور انسان اس میں خدائی قوت نہیں ہوسکتی۔ یہ بات انسان کی بنیادی تعریف میں شامل ہے۔لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ انسانی شکل میں خدا کی عبادت ایک انسانی غلط نظریہ ہے اور اس کی تمام صورتوں میں ہمیں مذمت کرنی چاہیے۔کوئی انسان خدا نہیں ہوسکتا۔یہی وجہ ہے کہ قرآن خدا کی انسانی شکل یعنی کسی میں صفاتِ الٰہی ہونے کی تمام جہتوں میں نفی کرتا ہے۔قرآن مجید فرماتا ہے:

''لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ''

(القرآن المجید، پارہ نمبر، سورۃ نمبر 42 (شوریٰ)، آیت نمبر 11)

''اس کی مثل کوئی شے نہیں''۔

صفات معبود:

1: خدائے عظیم کی صفات کسی بھی قسم کے شیطانی افعال کے لیے مانع ہیں کیونکہ خدا انصاف، رحم اور سچائی کا سرچشمہ ہے۔خدا کے متعلق یہ کبھی سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ اپنی صفات ذاتی کو جھٹلا کر کوئی فعل کرے۔لہٰذا ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ خدا جھوٹ بول رہا ہے، ناانصاف ہے، غلطی کر رہا ہے، چیزوں کو بھول رہا ہے اور اس طرح کی دوسری شرعی کمزوریاں۔اسی طرح خدا نا انصافی نہیں کرتا کیونکہ نا انصاف ہونا خدائی صفات کے بالکل متضاد فعل ہے۔

قرآن کہتا ہے۔!

''اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ''

(القرآن المجید، پارہ نمبر، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 40)

''بے شک اللہ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔''

2: خدا اگر چاہے تو نا انصاف ہوسکتا ہے لیکن وہ لمحہ جب وہ نا انصافی کرے تو وہ اس وقت خدائی سے دست بردار ہو جاتا ہے۔

3: خدا کوئی چیز نہیں بھولتا کیونکہ بھولنا ایک غیر خدائی فعل ہے اور یہ چیزیں انسانی حدود اور کمزوریوں کو واضح کرتی ہیں۔اسی طرح خدا کبھی غلطی نہیں کرتا کیونکہ غلطی کرنا ایک غیر

Marfat.com

خدائی حرکت ہے۔جیسا کہ قرآن میں ہے:

"لایضل ربی ولاینسیٰ o"

"میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ ہی بھولتا ہے۔"

4: خدا ہر چیز پر قادر مطلق ہے۔ یہ اسلام کا بنیادی نقطۂ نظر ہے۔قرآن مجید اس نقطہ کو متعدد جگہوں پر بیان کرتا ہے۔ مثلاً سورۃ نمبر 2 (البقرۃ) آیت نمبر 284-102-109، سورۃ نمبر 3 (آل عمران) آیت نمبر 29، سورنمبر 16 (النحل) آیت نمبر 77، سورۃ نمبر 38 (الفاطر) آیت نمبر 1۔

"اِنَّ اللّٰہ علٰی کل شیء قدیر"

"بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

اس کے علاوہ سورۃ نمبر 85 (البروج) آیت نمبر 16 میں ہے:

"فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ○"

"اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

انسانی شکل میں:

بہت سے مذاہب میں کچھ جگہوں پر بالواسطہ یا بلا واسطہ یہ نظریہ موجود ہے کہ خدا انسانی شکل میں بھی آ سکتا ہے۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ خدا اتنا خالص اور مقدس ہے کہ اس کو انسانی مشکلات، سختیوں کمزوریوں کا احساس نہیں ہے اس لیے احکامات اتارنے سے پہلے وہ زمین پر انسانی شکل میں آیا۔ سامعین! اس فریبی منطق نے لاکھوں لوگوں کو مختلف ادوار میں احمق بنایا۔ آیئے! ہم اس دلیل کو پرکھیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہم انسانوں کو دلیل اور ذہانت سے نوازا ہے۔ ہم مختلف مقاصد کے لیے بہت سی چیزیں بناتے اور دریافت کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ٹیپ ریکارڈ بہت بڑی تعداد میں تیار کیے جاتے ہیں۔ یہ مشورہ کبھی بھی نہیں دیا جائے گا کہ ٹیپ ریکارڈر کو مزید بہتر بنانے کے لیے اس کا بنانے والا خود ٹیپ ریکارڈر بن جائے۔ کوئی بھی اندازہ کر سکتا ہے کہ اس کا بنانے والا اس کا ہدایت نامہ چھاپے گا جس میں اسے چلانے اور درست حالت میں رکھنے کے لیے تمام تفصیلات اور ہدایات درج ہوں گی۔ کیونکہ اسے اپنے اپنی پروڈکٹ کا مکمل

Marfat.com

علم ہے۔ مختصر یہ کہ کسی بھی مشین کا ہدایت نامہ اس کے استعمال کا طریقہ کار بتاتا ہے کہ وہ کیا کر سکتی ہے اور کیا نہیں۔ اگر آپ انسان کو ایک مشین تصور کریں تو بیشک یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پیچیدہ ترین مخلوق ہے۔ ہمارے حاکم اور ہمارے خالق اللہ تعالیٰ کو اس چیز کی ضرورت نہیں کہ وہ انسان کو اچھا یا برا سمجھانے کے لیے انسانی شکل میں آجائے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ نے صرف بنی نوع انسان کے لیے قرآن مجید کی شکل میں ایک ہدایت نامہ اتارا۔ اس کے علاوہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ محشر کے روز اس مخلوق کا حساب کتاب لے گا۔ لہٰذا یہ بات قابل دلیل ہے کہ خالق ہمیں انتباہ کرتا ہے کہ زندگی میں ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔

سراسر توہین:

خدا کے انسانی شکل میں آنے کے احمقانہ فلسفے کے باوجود مختلف ادیان کے پیروکار اس نظریے پر یقین رکھتے ہیں اور دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ کیا یہ انسانی عقل کی اور اس خالق عظیم کی توہین نہیں ہے جس نے ہمیں یہ ذہانت دی؟ اس طرح کے لوگ یقیناً بہرے اور اندھے ہیں، سماعت اور نظر رکھنے کے باوجود! قرآن مجید اس بارے میں فرماتا ہے:

''صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ''

(القرآن المجید، پارہ نمبر 1، سورۃ نمبر 2 (البقرۃ)، آیت نمبر 18)

''وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں سو وہ (ہدایت کی طرف) نہیں لوٹیں گے۔''

"Gospel of Mathew" (میتھیو کی انجیل) میں بھی ہمیں اسی طرح ہے:

''وہ دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے بھی نہیں سنتے اور نہ ہی وہ سمجھتے ہیں۔'' (13:13)

رگ وید میں بھی ہمیں اسی طرح کا سبق ملتا ہے:

''ایسا ممکن ہے کہ کوئی لفظوں کو دیکھتا ہو لیکن انھیں پھر بھی دیکھنے سے قاصر ہو۔ شاید کوئی اور بھی ان الفاظ کو سنتا ہو لیکن اصل میں انھیں نہ سنتا ہو۔''

(رگ وید 4:71:10)

یہ تمام صحیفے اس کے پڑھنے والے کو بتاتے ہیں کہ چیزوں کو اتنا واضح کیا گیا ہے لیکن پھر بھی وہ سچائی سے ادھر ادھر بھٹکتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

شرک:

مندرجہ بالا اقسامِ توحید میں سے کسی ایک کی بھی خلاف ورزی یا توحید کی کسی درجہ میں غفلت و کمی کو شرک کا نام دیا جاتا ہے۔ شرک کے لفظی معنی ساتھی منسوب کرنے یا شریک کرنے کے ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے کے ہیں اور یہ بت پرستی کے مترادف ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے:

''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا''

(القرآن المجید، پارہ نمبر، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 48)

''بیشک اللہ تعالیٰ شرک (مشرک جو مرتے دم تک شرک کرتا رہے) کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جس کو چاہے بخش دیتا ہے اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا پس اس نے بڑا گناہ (بہتان) باندھا۔''

قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ شرک کرنے والوں کو نہیں بخشا جائے گا اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ دیکھئے سورۃ المائدہ، آیت نمبر 72۔

سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 64 میں فرمایا گیا ہے:

''آپ کہہ دیں اے اہل کتاب اس ایک بات پر آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو رب نہ بنالے اللہ کے سواء پھر اگر وہ پھر جائیں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم تو مسلم ہیں۔''

سورۃ الانعام کی آیت نمبر 108 میں فرمایا گیا ہے:

''اور اللہ کے سوا وہ جن کی پرستش کرتے ہیں تم انھیں گالی نہ دو پس وہ اللہ کو بے سمجھے بوجھے گستاخی سے برا کہیں گے۔''

اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق قرآن میں ہے:

''اور اگر زمین میں جو بھی درخت ہیں قلمیں بن جائیں اور سمندر اس کی سیاہی (بن جائیں) اور اس کے بعد سات سمندر (اور ہوں) تو بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ختم نہ ہوں، بیشک

Marfat.com

اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

(القرآن المجید، پارہ نمبر، سورۃ نمبر 31 (لقمان)، آیت نمبر 27)

سورۃ الحج کی آیت نمبر 73 میں فرمانِ ربانی ہے:

''اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ پس اس کو سنو کہ بیشک جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ ہرگز ایک مکھی (بھی) نہ پیدا کر سکیں گے خواہ اس کے لیے وہ سب جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو وہ اسے نہ چھڑا سکیں گے، مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جس سے مدد چاہی گئی وہ بھی کمزور۔''

توحید:

اسلام توحید پر یقین رکھتا ہے جو کہ صرف ایک خدا پر یقین ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت کچھ ہے۔ توحید کا لغوی معنی ہے ''وحدت'' یعنی کہ ''ایک ہونا'' یہ عربی لفظ ''واحد'' سے نکلا ہے جس کے معنی اکٹھا کرنا، ایک ہونا یا ملانا کے ہیں۔ توحید کو تین درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1: توحید الربوبیت

2: توحید الاسماء وصفات

3: توحید العبادہ

1: پہلی قسم کو توحید الربوبیت کہا جاتا ہے۔ ربوبیت رب سے مشتق ہے جس کے معنی حاکم اعلیٰ، سہارا دینے والا اور بانٹنے والا کے ہیں۔ لہٰذا توحید الربوبیت کا مطلب حاکمِ اعلیٰ کی وحدت کو برقرار رکھنا ہے۔ توحید الربوبیت اس بنیادی عقیدے پر قائم ہے کہ اکیلے اللہ نے تمام اشیاء کو پیدا کیا جبکہ اس سے پہلے کچھ موجود نہ تھا۔ آج جو کچھ موجود ہے اس ذات نے ان چیزوں کو تخلیق کیا ہے۔ وہ اکیلا خالق ہے اس کائنات کا اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اس کا۔

2: دوسری قسم توحید الاسماء وصفات ہے جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام اور صفات کی اکائی کو قائم رکھنا۔ یہ قسم پانچ مختلف انداز سے تسلیم کی جاتی ہے۔

اللہ کو اس انداز سے پکارا جائے جیسا کہ اس نے خود بتایا ہے اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے۔ بجائے اس کے کہ اس کے ناموں اور صفات کو اپنی

Marfat.com

طرف سے الفاظ کے جامے پہناتے رہیں جو کہ شکوک وشبہات رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو اسی انداز سے پکارا جائے جیسا کہ اس نے خود بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ کو الغاصب (غصہ رکھنے والا، ناراض) نہیں کہنا چاہیے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ اس نے کہا ہے کہ وہ ناراض ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ نام نہ ہی اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے اور نہ ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام استعمال کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کی صفات سے ماورا ہو کر پکارا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے مخلوق کی صفات استعمال کرنے کے حوالے سے ہمیں سختی سے گریز کرنا چاہیے۔ اس کو وہ صفاتی نام دیا جائے جو کہ اس نے تخلیق کیا ہے۔ ایک لمحہ کے لیے بائبل کو دیکھئے کہ اس میں خدا کو اپنی غلط سوچ پر پچھتاتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اسی طرح جیسے کہ انسان اپنی غلطیوں کو محسوس کر کے پچھتاتا ہے۔ یہ توحید کے بالکل منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ افسوس نہیں کرتا اور نہ ہی وہ کوئی غلطی کرتا ہے۔

بلا شبہ سننا اور دیکھنا انسانی صفات ہیں اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں تو وہ کاملیت میں بغیر کسی مقابلے کے لی جاتی ہیں۔ انسانوں کی طرح نہیں جیسا کہ ان کو کان، آنکھ وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے اور جو اپنی بصارت اور سماعت میں محدود ہیں۔

انسان کو کوئی خدائی صفت نہیں دینا چاہیے۔ انسان کا کسی خدائی صفت سے حوالہ دینا توحید کے بنیادی نقطہ نظر کے خلاف ہے۔ مثال کے طور پر کسی شخص کے متعلق کہنا کہ اس کی کوئی ابتداء یا انتہا نہیں، یہ توحید کے منافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نام اس کی مخلوق کو نہیں دیئے جا سکتے۔ کچھ مقدس نام غیر واضح حالت میں آدمیوں کے لیے منع ہیں۔ مثلاً رؤف، یا رحیم وغیرہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال کیا ہے۔ لیکن الرؤف (سب سے پاک) اور الرحیم (نہایت رحم والا) کے اسماء حسنیٰ استعمال کیے جا سکتے ہیں اگر ان کے ساتھ ''عبد'' کا سابقہ لگا دیا جائے۔ '' عبد'' کے معنی غلام یا بندہ کے ہیں یعنی عبد الرؤف اور عبد الرحیم کہا جا سکتا ہے۔

3: توحید العبادۃ کا مطلب ہے عبادت کی اکائی کو بحال رکھنا۔ عبادت عربی لفظ عبد سے ماخوذ ہے جس کے معنی غلام کے ہیں۔ لہٰذا عبادت کے معنی غلامی اور عبادت کے

Marfat.com

ہیں۔صلوٰۃ عبادہ کی اعلیٰ ترین صورت ہے یعنی صرف ایک ہی حالت میں عبادت نہیں۔لوگ اللہ کی عبادت کو غلط معنی میں لیتے ہیں کہ خدائے بزرگ و برتر کی لگی بندھی عبادت ہی عبادت ہے جبکہ عبادت کا اصل مفہوم مکمل اطاعت ہے، نیاز مندی وغلامی ہے۔اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرنا اور جس چیز سے اس نے منع کیا ہے اس سے گریز کرنے کا نام عبادت ہے اور یہ عبادت صرف اور صرف اللہ وحدہ کی ہے کسی اور ذات کی نہیں۔

تمام اقسام کی بیک وقت پیروی کرنا لازمی ہے۔توحید کی پہلی دو اقسام پر یقین رکھنا اور توحید العبادۃ پر عمل نہ کرنا بے فائدہ فعل ہے۔

بے دین اہل مکہ اس بات سے آشنا تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہے لیکن پھر بھی وہ مسلمان نہ تھے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے خداؤں کو بھی پوجتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے انھیں ''کافر'' (ایمان نہ رکھنے والے) اور ''مشرکین'' (بتوں کو پوجنے والے اور خدا کا شریک بنانے والے) قرار دیا ہے۔لہٰذا توحید العبادہ یعنی اللہ وحدہ کی عبادت توحید کا سب سے اہم پہلو ہے۔

صفاتِ الٰہی:

تمام خوبصورت نام اللہ ہی کے لیے ہیں۔قرآن مجید میں ہے:

''قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى''

(القرآن المجید، پارہ نمبر 15، سورۃ نمبر 17 (بنی اسرائیل)، آیت نمبر 110)

''کہہ دیں تم پکارو اللہ کہہ کر یا پکارو رحمٰن کہہ کر جو کچھ بھی پکارو گے اسی کے لیے ہیں سب سے اچھے نام۔''

اسی طرح کا پیغام جو کہ اللہ تعالیٰ کے خوبصورت ناموں کی یاد دلاتا ہے سورۃ نمبر 7 (الاعراف) آیت نمبر 180، سورۃ نمبر 20 (طٰہٰ) آیت نمبر 8 اور سورۃ نمبر 59 آیت نمبر 23-24 میں موجود ہے۔

قرآن مجید خدائے عظیم کی کم از کم ننانوے صفات ہمیں بتاتا ہے اور لفظ ''اللہ'' رب العالمین کا ذاتی نام ہے۔قرآن مجید اللہ کو رحمٰن (بہت مہربان)، الرحیم (نہایت رحیم) اور الحکیم (حکمت والا) کہہ کر پکارتا ہے۔آپ اللہ تعالیٰ کو کسی بھی نام سے پکار سکتے ہیں لیکن وہ نام

Marfat.com

خوبصورت ہونا چاہیے اوراس نام کے ساتھ ذہن میں کسی قسم کی تصویر کوتصورتک نہیں آنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ صرف منفرد صفات کا حامل ہی نہیں ہے بلکہ خدائے پاک کی ہر صفت اس کو پہنچاننے کے لیے کافی ہے۔ میں اس نقطہ کی وضاحت کرنا چاہوں گا۔ مثال کے لیے ہم کسی مشہور شخصیت کو لیتے ہیں۔ ''نیل آرم سٹرانگ'' کو ہی لیجئے۔!اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ ''نیل آرم سٹرانگ'' امریکی ہے۔ ''نیل آرم سٹرانگ'' کا امریکن ہونا درست ہے لیکن اس کو پہنچاننے کے لیے کافی نہیں۔ اسی طرح ''نیل آرم سٹرانگ'' خلاباز ہے لیکن خلا باز ہونا ''نیل آرم سٹرانگ '' کی منفرد صفت نہیں۔ کسی شخص کو مصنوعی طور پر جاننے کے لیے ہمیں اس کی مخصوص صفت پر نظر کرنی ہوگی۔ مثال کے طور پر ''نیل آرم سٹرانگ'' وہ پہلا شخص تھا جس نے چاند پر پہلا قدم رکھا۔ لہٰذا جب کوئی پوچھتا ہے کہ کس آدمی نے چاند پر پہلا قدم رکھا تو جواب نہایت واضح ہوتا ہے کہ ''نیل آرم سٹرانگ'' نے۔

اسی طرح خدائے پاک کی صفت بھی انفرادیت کی حامل ہونی چاہیے۔ مثلاً ''خالق کائنات''، اگر میں کہوں عمارت کا خالق، یہ ممکن ہے اور ٹھیک بھی ہے لیکن منفرد اور خاص نہیں ہے۔ ہزار ہا لوگ عمارت بنا سکتے ہیں۔ لہٰذا انسان اور خدا میں کوئی فرق تو نہ رہے گا لیکن اللہ تعالیٰ کی ہر صفت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ مثال کے طور پر.....

الرحمن	نہایت مہربان۔
الرحیم	نہایت رحم کرنے والا۔
الحکیم	نہایت حکمت والا۔

لہٰذا جب کوئی پوچھتا ہے کہ الرحیم کون ہے؟ تو اس کا صرف ایک ہی جواب ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ۔

اوپر دی گئی مثال کو جاری رکھتے ہیں۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ ''نیل آرم سٹرانگ'' ایسا امریکی خلا باز ہے جو کہ صرف چار فٹ لمبا ہے۔ صفت خلا باز ٹھیک ہے لیکن جو اس کے ساتھ والی خصوصیت ہے (صرف چار فٹ لمبا) یہ غلط ہے۔ اسی طرح اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ خدا'' خالق کائنات'' ہے جس کا ایک سر ہے، دو ہاتھ ہیں اور دو پیر ہیں وغیرہ وغیرہ۔ سچے خدا کا خالق کائنات ہونا صحیح ہے لیکن اس کے ساتھ والی صفت (انسانی شکل میں ہونا) جھوٹی

Marfat.com

اور غلط ہے۔

چونکہ خدا صرف ایک ہے لہٰذا تمام صفات کا اسی خدائے واحد کی طرف اشارہ کرنا چاہیے۔ یہ کہنا کہ ''نیل آرم سٹرانگ'' امریکن خلا باز نے چاند پر پہلا قدم رکھا اور دوسرا ''ایڈون ایلڈرن'' نے یہ غلط ہے۔ دونوں کی الگ الگ خصوصیات ہیں۔ اسی طرح یہ کہنا کہ خالق ایک خدا ہے اور بانٹنے والا دوسرا خدا ہے یہ احمقانہ بات ہوگی کیونکہ خدا صرف ایک ہے جو کہ ان تمام مجموعی صفات کا حامل ہے۔

بعض ایک سے زیادہ خداؤں کو ماننے والے یہ کہتے ہیں ہوئے جرح کرتے ہیں کہ ایک سے زیادہ خدا ہونا غیر منطقی بات نہیں ہے۔ آپ ان پر یہ واضح کریں کہ اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے۔ ہر خدا اپنی مرضی کا کام کرنے کی کوشش کرتا اور دوسرے خدا کی مرضی کی مخالفت۔ یہ چیز ایک سے زیادہ خداؤں کے وجود پر یقین رکھنے والے اور ہر چیز کو خدا ماننے والوں کی دیو مالائی داستانوں میں موجود ہے۔ اگر ''خدا'' شکست زدہ ہے یا کسی دوسرے کو شکست دینے سے قاصر ہے تو وہ یقینی طور پر حقیقی خدا نہیں ہوسکتا۔ ایک سے زیادہ خداؤں کو ماننے والے مذاہب میں یہ نظریہ عام طور پر مشہور ہے کہ ہر خدا کے الگ الگ کام ہیں۔ ہر کوئی جسمانی وجود کے لوازمات کو پورا کرنے پر معمور ہوتا ہے۔ مثلاً سورج کا خدا، بارش کا خدا وغیرہ وغیرہ۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایک خدا کچھ افعال کے قابل نہیں اور وہ دوسرے خداؤں کے کاموں سے بھی نا آشنا ہے۔ یقیناً خدا جاہل اور مغرور نہیں ہوسکتا۔ اگر خدا ایک سے زیادہ ہوتے یہ یقیناً کشمکش کا باعث ہوتا۔ بے ترتیبی، درہم برہم اور کائنات میں تباہی کا باعث ہوتا لیکن کائنات مکمل توازن میں ہے۔ قرآن کہتا ہے:

''لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ'' (القرآن المجید پارہ نمبر، سورۃ نمبر 21 (الانبیاء)، آیت نمبر 22)

''اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو (زمین و آسمان) دونوں درہم برہم ہو جاتے، پس عرش عظیم کا رب اللہ اس سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔''

اگر خدا ایک سے زیادہ ہوتے تو وہ اپنی تخلیق کردہ اشیاء پر قبضہ کر لیتے۔ قرآن مجید فرماتا ہے۔!

''مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ

Marfat.com

وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 18، سورۃ نمبر 23 (المومنون)، آیت نمبر 91)

"اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہیں ہے اس کے ساتھ کوئی اور خدا، اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھائی کرتے۔ پاک ہے اللہ ان (باتوں) سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔"

لہٰذا ثابت ہوا کہ خدا حقیقت میں ایک ہی ہے۔ یہی برتر و اعلیٰ خدا کا منطقی تصور ہے۔ کچھ مذاہب (مثلاً "بدھ مت" اور "کنفیوشس ازم" جو کہ لاادری مذاہب ہیں (وہ جن کا عقیدہ ہے کہ ہمیں خدا کا علم نہیں ہو سکتا) خدا پر دلیل نہیں دیتے، نہ ہی خدا کے وجود کو جھٹلاتے ہیں اور نہ اس کے وجود کو "Confirm" کرتے ہیں۔ جین مت بھی ایک مذہب ہے جو مکمل دہریت پر مبنی ہیں۔ وہ خدا کے وجود پر یقین نہیں رکھتے۔

تمام مذاہب جو آخر کار خدا کے وجود پر یقین رکھتے ہیں اعلیٰ سطح پر ایک اعلیٰ خدا کو مانتے ہیں۔ تمام مذہبی صحیفے حقیقت میں لا الہ کا پرچار کرتے ہیں یعنی ایک سچے خدا پر یقین۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سی مذہبی کتابوں میں لوگوں نے اپنے فائدے کے لیے تبدیلیاں اور ردو بدل کیا۔ اس طرح بہت سے مذاہب کے اعتقادات میں تبدیلی آئی۔ پہلے وہ خدائے واحد پر یقین رکھتے تھے لیکن اس تبدیلی سے ان کا عقیدۂ وحدت الوجود بدل گیا۔ قرآن مجید فرماتا ہے!

"فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 1، سورۃ نمبر 2 (البقرۃ)، آیت نمبر 79)

"پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلے تھوڑا مال کما لیں، پس ہلاکت ہے اس کی وجہ سے جو وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور ان کی کمائی بھی ان کے لیے موجب ہلاکت و تباہی ہے۔"

☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

تقابل ادیان - ادیان عالم کا انسائیکلوپیڈیا
تقابلِ ادیان
قرآن کی سائنسی زبان
خطبات
ڈاکٹر ذاکر نائیک
اسلام بک ڈپو
۱۲ گنج بخش روڈ لاہور
فون 042-7112941, 042-8458688, 0321-4101951

Marfat.com